فتاویٰ حقانیہ

٦

افادات و تحریرات

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ

و دیگر مفتیانِ کرام دار العلوم حقانیہ

نگرانی و اہتمام

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ

ترتیب

مفتی مختار اللہ حقانی

ناشر

جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ (الآیۃ)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی سالہ فتاوی کا مجموعہ

فتاوی حقانیہ

جلد ششم

افادات

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق و دیگر مفتیان کرام

جامعہ دارالعلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام

مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث

جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب: مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

(جملہ حقوق واشاعت وطباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب .... فتاویٰ حقانیہ (جلد ششم)

افادات .... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ و دیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت .... ۵۶۰ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ..../۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

طابع .... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر .... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد ششم

عنوانات	صفحہ
کتاب البیوع	
باب شرائط البیع و ارکانہ	۲۵
خرید وفروخت میں طرفین کی رضامندی کا اعتبار	۲۵
مکرہ کی بیع صحیح نہیں ہے	۲۵
نابالغ کی خرید وفروخت میں اذنِ عرفی کا اعتبار	۲۶
مجنون کی خرید وفروخت	۲۷
نرخ کے تعین سے قبل مبیعہ میں تصرف کرنا	۲۷
مال مسروقہ کی خرید وفروخت کا حکم	۲۸
کوئی چیز خریدنے کے لئے پیشگی رقم دینا	۲۸
مشتری کو مبیعہ وصول کرنے پر مجبور کرنا	۲۹
ٹیلیفون کے ذریعے عقد بیع کا حکم	۳۰
بالغ بیٹے کی غیر موجودگی میں اُس کی جائیداد فروخت کرنا	۳۰
جائیداد کی خرید وفروخت پر کمیشن لینے کی شرعی حیثیت	۳۱
بیع کے نفاذ کا دارومدار سرکاری کاغذات میں اندراج پر موقوف نہیں۔	۳۲
حق مہر میں دی ہوئی زمین کا حقِ فروخت بیوی ہی کو حاصل ہے	۳۲
درخت عقد بیع میں زمین کے تابع ہیں	۳۳
مسجد کی آمدن سے تجارت کرنا	۳۴
رشوت کی رقم سے مقبرہ کے لئے جگہ خریدنا	۳۴
کرایہ کی دوکان یا مکان پر پیشگی رقم لینے کی شرعی حیثیت	۳۵
دوسرے کے سودے پر سودا کرنا	۳۶
حرام مال سے خرید وفروخت کرنا	۳۶

عنوانات	صفحہ
حکومت کی طرف سے روزمرہ استعمال کی اشیاء کے نرخ مقرر کرنا	۳۷
ڈالڈا گھی کو دیسی کی قیمت پر فروخت کرنا	۳۸
زیادہ منافع کے لئے ذخیرہ اندوزی کرنا	۳۹
پنشن کی خرید و فروخت کا شرعی حکم	۳۹
بیع میں اجل مجہول سے بیع فاسد ہوتی ہے	۴۰
بغیر قیمت طے ہوئے بیع و شراء کا حکم	۴۱
قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا ضروری ہے	۴۱
باب مایجوز بیعه وما لا یجوز	۴۲
شراب کی خرید و فروخت کا حکم	۴۲
شراب کی آمدنی کے عوض اشیاء فروخت کرنا	۴۲
دارالحرب میں شراب فروخت کرنے کا حکم	۴۳
شراب ملی ہوئی اشیاء کی خرید و فروخت	۴۳
الکحل ملی ادویات کی تجارت کی شرعی حیثیت	۴۴
منشیات کی خرید و فروخت	۴۵
تمباکو کی خرید و فروخت	۴۵
ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ کی خرید و فروخت	۴۶
آلات موسیقی کی خرید و فروخت	۴۶
گمراہ کن کتابوں کی تجارت کرنا	۴۷
تعویذات کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت	۴۷
اخبارات کی خرید و فروخت	۴۸
دوسرے ممالک سے مال خرید کر پہنچنے سے پہلے فروخت کرنا	۴۹
کتے کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت	۵۰
پرندوں کی خرید و فروخت کا حکم	۵۱
خنزیر کی خرید و فروخت کا حکم	۵۱
مردار جانوروں کی کھال رنگنے کے بعد فروخت کرنا	۵۲
مردار جانور کی ہڈیاں فروخت کرنا	۵۲
گندگی کھانے والے جانوروں کی تجارت	۵۳
ریچھ کو ذبح کرکے روغن نکال کر فروخت کرنا	۵۳
قبل الدباغ مردار جانور کی کھال فروخت کا حکم	۵۴
جاندار اشیاء کے مجسموں کی خرید و فروخت	۵۴
مرغیوں کو وزن کرکے فروخت کرنا	۵۵
آزاد عورت کی خرید و فروخت کا حکم	۵۵
خون جل کر راکھ ہو جائے تو اس کی تجارت کا حکم	۵۶
خون کی خرید و فروخت کے احکام	۵۶
انسانی اعضاء کے خرید و فروخت کی شرعی حیثیت	۵۷
جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرنا	۵۷
قبرستان کے درخت قبل القلع فروخت کرنا	۵۸
خودرو گھاس کی خرید و فروخت	۵۹
اپنے مملوکہ درخت سے شہد فروخت کرنا	۵۹
خرید کردہ درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر فروخت کرنا	۶۰
باغ کے بعض پھل ظاہر ہوں جبکہ بعض ظاہر نہ ہوں ایسی حالت میں باغ کو فروخت کا حکم	۶۱

عنوانات	صفحہ
پکنے تک کی شرط لگا کر کچی فصل خریدنا	۶۲
قرعہ اندازی کے ذریعے خرید و فروخت کرنا	۶۳
تجارتی لائسنس کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت	۶۳
انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم	۶۴
غیر ملکی ویزا کی خرید و فروخت کا حکم	۶۵
انتخابات کے دوران ووٹ کی خرید و فروخت کا مسئلہ	۶۶
ٹریڈ مارک کی خرید و فروخت	۶۷
بیع بذریعہ نیلام عام	۶۸
سرکاری کاغذات میں جعلسازی سے خود کو مالک ظاہر کر کے کسی کی زمین فروخت کرنا	۶۹
حکومت کی اجازت کے بغیر غیر ملکی اشیاء کی تجارت کرنا۔	۶۹
حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری درختوں کی خرید و فروخت کا حکم	۷۰
حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا	۷۱
غیر محفوظ سرکاری کاغذات کے ذریعے جائیداد وغیرہ کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت	۷۲
وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا	۷۲
مسجد کا ضرورت سے زائد سامان فروخت کرنا	۷۳
غیر موقوف قبرستان کی خرید و فروخت کرنا	۷۴
وصول حق کے لیے غاصب کی جائیداد فروخت کرنا جائز ہے	۷۴

عنوانات	صفحہ
بت فروشی کا حکم	۷۵
غصب شدہ املاک کی خرید فروخت کی شرعی حیثیت	۷۶
بیٹے پر زمین فروخت کرنا	۷۷
باریک کپڑے کی تجارت کرنا	۷۷
ناجائز ملبوسات کی خرید و فروخت کا حکم	۷۸
غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد کی فروخت کرنے کا حکم	۷۸
بلا اجازت کسی کی زمین فروخت کرنا	۷۹
حق تعلی کی فروخت کا حکم	۷۹
شرط لگا کر کوئی چیز فروخت کرنا	۸۰
کسی چیز پر قبضہ کر لینے کے بعد زائد قیمت پر فروخت کرنا	۸۰
زمین کے بغیر صرف پانی کو فروخت کرنا	۸۱
کسی گاڑی کی متوقع آمدنی فروخت کرنا	۸۲
مقررہ نرخوں سے زیادہ قیمت پر مال فروخت کرنا	۸۲
بیع میں اجنبی کے فعل کی شرط لگانا	۸۳
ایجاب و قبول کے وقت مبیعہ کو مشتری کے حوالہ کرنے کے لئے چند دن کی مہلت کی شرط لگانا۔	۸۳
نفع کی خاطر گاہک کو دوسری دکان سے سودا لینے کے لئے قرض پر رقم دینا	۸۴

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
عیب دار اشیاء کی خرید و فروخت	۸۵	قربانی کیلئے خریدے گئے حاملہ جانور کی واپسی کا حکم	۹۷
نقد رقم قرض دینے کی بجائے کوئی چیز مہنگی دینا	۸۵	بیع فسخ کرنے کی صورت میں بائع پر جرمانہ لگانا	۹۷
آٹا پیسنے کی عوض اناج جمع کرکے فروخت کرنا	۸۶	وقت معین تک ثمن کی ادائیگی کا اختیار دینا	۹۸
مشترکہ زمین سے اپنا حصہ فروخت کرنا	۸۷	پشیمان ہونے پر رقم واپس کرنا لازم ہے	۹۸
مشترکہ طور پر خریدی ہوئی چیز سے اپنا حصہ نکالنے کا طریقہ	۸۸	بیع میں بیعانہ ضبط کرنے کے رواج کا شرعی حکم	۹۹
زیادہ منافع کی اُمید پر کسی چیز کی فروخت میں تاخیر کرنا	۸۸	کلوگرام کے حساب سے کوئی چیز خرید کر سیر کے حساب سے فروخت کرنا جائز ہے	۹۹
بیع قطعی سے انحراف درست نہیں	۸۹	نابالغ کی جائیداد جبراً فروخت کرنا	۱۰۰
بائع اور مشتری کا ایک بار تولنے پر اکتفاء کرنا	۸۹	بائع کا منفعت کی شرط لگانا باطل ہے	۱۰۱
مبیعہ میں شریک سے اسکا حصہ بذریعہ بولی خریدنا	۹۰	رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے بیع و شراء کا حکم	۱۰۱
قرض کو فروخت کرنا	۹۱	موہوبہ زمین کی خرید و فروخت کا حکم	۱۰۲
غیر مسلموں کی متروکہ اشیاء فروخت کرنا	۹۱	الکحل کی تجارت کا حکم	۱۰۲
ہم جنس موزونی اشیاء کو بلا وزن فروخت کرنا	۹۲	حیوانات کی ادھار بیع کا حکم	۱۰۳
گڑ کا معیار بہتر بنانے کیلئے رنگکاٹ استعمال کرنا	۹۲	خشک و تر کھجور میں تفاضل	۱۰۴
جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا	۹۳	مختلف ممالک کی کرنسی کی تجارت کا حکم	۱۰۴
ضرورت سے زائد روٹیاں جمع کرکے فروخت کرنا	۹۴	قبل القبض کسی چیز کو فروخت کرنا	۱۰۵
کاریز کا پانی فروخت کرنا	۹۴	قسطوں کے اختتام سے قبل گاڑی کو پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار کون ہے	۱۰۶
بیع فضولی کا حکم	۹۵	قسط لیٹ ہونے کی وجہ سے مبیعہ واپس نہیں ہو سکتا	۱۰۶
جانوروں کی خون کی خرید و فروخت کا حکم	۹۵	گاہکوں کو مختلف قیمتوں پر سودا بیچنے کا حکم	۱۰۷
مشترکہ جائیداد اور اراضی کی بیع و شراء کا حکم	۹۶		
مشتری کا بائع کو دھوکا دینا	۹۶		

عنوانات	صفحہ
تجارت میں منافع کا تعین نہیں	۱۰۸
بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال فروخت کرنا	۱۰۸
بجلی کی خرید وفروخت کا حکم	۱۰۹
ڈرافٹ کی رسید کی بیع کا حکم	۱۰۹
زندہ مرغی کو تول کر فروخت کرنا	۱۱۰
مرغیوں کی بیٹ کو بطور کھاد فروخت کرنا	۱۱۰
تصنیف یا طباعت کے حقوق فروخت کرنا	۱۱۱
فارمی مرغیوں کی خرید وفروخت کا حکم	۱۱۲
کتیا کا دودھ پینے والے گائے کے بچے کی خرید وفروخت کا حکم	۱۱۳
بائع اول کا مشتری ثانی سے واپس خریدنا جائز ہے	۱۱۳
نابالغ یتیموں کی جائیداد کی خرید وفروخت کا حکم	۱۱۴
ژالہ باری سے متاثر ہونے والے پھلوں کی خرید وفروخت کا حکم	۱۱۵
مبیعہ میں زیادتی بائع کا حق ہے	۱۱۵
تصاویر کی خرید وفروخت کا شرعی حکم	۱۱۶
زقوم کا پھل کھانے اور اس کی خرید وفروخت کا حکم	۱۱۶
اجرت قبل القبض کی خرید وفروخت کا حکم	۱۱۷
گدھوں اور کتوں کے گوشت کی خرید وفروخت کا حکم	۱۱۸
شیر اور ریچھ کی چربی کی تجارت	۱۱۸
ذبح سے پہلے کھال کی خرید وفروخت کا حکم	۱۱۹

عنوانات	صفحہ
صحیح چیز میں ردی کی ملاوٹ کرکے فروخت کرنا	۱۱۹
زبانی سودا بیع بالمعدوم کے حکم میں ہے	۱۲۰
مشتری کی ٹال مٹول میں بیع کو فسخ کرنا	۱۲۱
ادائیگی ثمن کے غیر متعین وقت کا حکم	۱۲۱
مردار جانوروں کی ہڈیوں کی خرید وفروخت کا حکم	۱۲۲
داو چر کو فروخت کرنے کا حکم	۱۲۲
بیع قبل القبض کا حکم	۱۲۳
مبیعہ کو دوبارہ بائع پر فروخت کرنے کی شرط لگانا	۱۲۳
سونے کے زیورات کی ادھار تجارت کا حکم	۱۲۴
جعلسازی کے ذریعے ویزے فروخت کرنا	۱۲۵
گندے انڈے فروخت کرنے کا حکم۔	۱۲۵
باب فی الخیار	۱۲۶
خیار رؤیت کا حکم	۱۲۶
غبن فاحش کا مسئلہ	۱۲۶
جملہ عیوب سے برأت کا اعلان کرکے کوئی چیز فروخت کرنا	۱۲۷
بیع بالوفاء کا حکم	۱۲۸
اطلاع علی العیب کا حکم	۱۲۸
عدم رؤیت کی وجہ سے تبادلہ زمین منسوخ کرنا۔	۱۲۹

عنوانات	صفحہ
عیب دار چیز کی خرید وفروخت	۱۳۰
غیر ملکی ویزوں کی خرید وفروخت میں خیار عیب کا حکم	۱۳۰
خیار رؤیت ناقابل انتقال حق ہے	۱۳۱
باب الاقالة	
اقالہ میں طرفین کا رضامند ہونا	۱۳۲
اقالہ میں قیمت کم کرنے کی شرط لگانا	۱۳۲
فروخت شدہ چیز کو کم قیمت پر واپس لینا	۱۳۳
مبیعہ پسند نہ آنے پر واپس کرنا	۱۳۳
اقالہ کی صورت میں رقم میں زیادتی جائز نہیں	۱۳۴
ثمن خرچ ہو جانے سے اقالہ کا حکم	۱۳۵
باب المرابحة والتولية	
بیع مرابحہ میں منافع کی مقدار متعین نہیں	۱۳۶
بیع مرابحہ میں شبہ خیانت سے اجتناب ضروری ہے	۱۳۶
بیع مرابحہ میں گز اور میٹر کے تعین کی ضرورت	۱۳۷
آمد ورفت کا خرچہ خریدی گئی چیز کی اصل قیمت میں ملانا	۱۳۸
کسی چیز کی قیمت خرید میں اضافی اخراجات ملانے کی ضرورت	۱۳۸
بیع مرابحہ میں خیانت کے باعث مشتری کا مبیعہ واپس کرنا	۱۳۹

عنوانات	صفحہ
سیل ٹیکس قیمت خرید میں ملانے کا حکم	۱۴۰
ضلع ٹیکس، پل ٹیکس، محصول چونگی وغیرہ اخراجات اصل قیمت میں ملانا	۱۴۰
قسطوں میں اشیاء کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت	۱۴۱
ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا	۱۴۲
بیع مرابحہ میں دھوکہ سے لی گئی زائد رقم پر رجوع کا حکم	۱۴۳
مبیع کو زیادہ قیمت پر فروخت کرنا	۱۴۴
بیع مرابحہ میں فیصدی کے ساتھ منافع کا تعین	۱۴۴
ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت	۱۴۶
مولانا طاسین ؒ کا مضمون	۱۴۶
جواب از قاضی عبد الکریم	۱۶۱
جواب از مفتی غلام الرحمٰن صاحب	۱۶۷
مقلد کی ذمہ داری	۱۶۹
دلیل کے مطالبہ کی حیثیت	۱۶۹
زیر نظر مسئلہ میں قیمت زیادتی کی حقیقت	۱۷۰
قرآن سے استدلال	۱۷۱
رسول اللہ ﷺ کے ایک علمی واقعہ سے استدلال	۱۷۲
خیر القرون میں زیر بحث مسئلہ کا علمی ثبوت	۱۷۴
مختلف الجنس اشیاء میں تفاضل حقیقی وحکمی دونوں جائز ہے	۱۷۶

عنوانات	صفحہ
نقدونسیہ کی قیمت میں تفاوت کا جواز ائمہ کا اختلافی مسئلہ ہے	۱۷۷
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۷۸
موصوف کے مقابلہ کا جائزہ	۱۷۸
پہلی وجہ کی کمزوری	۱۸۰
دوسری وجہ کی کمزوری	۱۸۲
تیسری وجہ کی کمزوری	۱۸۳
باب السلم	
بیع سلم کی حقیقت	۱۸۵
مالدار کے لئے بیع سلم کی اجازت	۱۸۵
کرنسی نوٹوں میں بیع سلم کی اجازت ہے	۱۸۶
بیع سلم میں تمام قیمت کی وصولی ضروری ہے	۱۸۷
جانوروں میں بیع سلم کا حکم	۱۸۸
مالکان رسائل وجرائد کا خریداروں سے پیشگی قیمت لینا	۱۸۸
جوس کے کریٹوں میں بیع سلم کا حکم	۱۸۹
مسلم فیہ ناپید ہو جائے تو؟	۱۹۰
جانبین سے موزونی اشیاء میں بیع سلم جائز نہیں	۱۹۰
چلغوزی میں بیع سلم کا حکم	۱۹۱
افیون میں بیع سلم کا حکم	۱۹۲
کپڑے میں بیع سلم کا حکم	۱۹۲
کتاب الربوٰا	۱۹۵
سود کی حقیقت	۱۹۵
سود سے بچنے کا حیلہ	۱۹۶
سودی رقم کا مصرف	۱۹۷
گڑ، گندم قرض پر دیکر واپسی کے وقت زیادتی کی شرط لگانا سود ہے	۱۹۷
سود پر پرقرضہ دینا ناجائز ہے	۱۹۸
دین مؤجل میں کمی کر کے معجل وصول کرنا حرام ہے	۱۹۸
قرض دیکر نفع متعین کرنا ناجائز ہے	۱۹۹
مساوی حقوق کے وقت قرعہ اندازی سود نہیں	۱۹۹
مشتری کے ہاتھ مبیعہ نفع کی شرط پر بیچنے کا وعدہ سود نہیں	۲۰۰
سودی رقم کے عوض سودی رقم دے کر ذمہ فارغ کرنا	۲۰۱
شئ مرہونہ سے نفع کی شرط سود ہے	۲۰۱
اشتراک قدر کی صورت میں ادھار تبادلہ ناجائز ہے	۲۰۲
نفع کی شرط پر قرض رقم دینا سود ہے	۲۰۳
ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا سود نہیں ہے	۲۰۳
اشیاء ربویہ میں قرض کا معاملہ	۲۰۴
نقد رقم کو قسطوار کر کے زیادہ وصول کرنا	۲۰۴

عنوانات	صفحہ نمبر
مضاربت کا منافع سود نہیں	۲۰۵
بینک ڈرافٹ کی شرعی حیثیت	۲۰۶
ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم پر منافع لینے کا حکم	۲۰۷
بیع محاقلہ ربوٰا میں داخل ہے۔	۲۰۷
پی، ایل، ایس (غیر سودی کھاتہ) کا حکم	۲۰۸
انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم	۲۰۸
مروجہ کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں مساوات شرط ہے	۲۰۹
دارالحرب میں کسی غیر مسلم سے سود لینا منع ہے	۲۰۹
دارالاسلام میں کسی بھی غیر مسلم سے سود لینا جائز نہیں	۲۱۰
لاربا بین المسلم والحربی کی وضاحت	۲۱۱
پراویڈنٹ فنڈ اور سود کا مسئلہ	۲۱۱
جی پی فنڈ کی رقم حصول سے قبل کسی کمپنی یا بینک کو سود پر دینے کا حکم	۲۱۲
ملازم کی اجازت سے اس کی تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ کی کٹوتی کا حکم	۲۱۳
گاڑی دلوانے کے عوض اصل رقم سے زائد کا مطالبہ کرنا سود ہے	۲۱۳
انعامی اسکیموں کا حکم	۲۱۴
غیر ملکی کرنسی کو اضافی قیمت پر خریدنا	۲۱۴
بینک کی تعمیر کے لیے زمین دینا	۲۱۵
پرانے کرنسی نوٹ نئے نوٹ کے ساتھ کم قیمت پر تبدیل کرنا	۲۱۵
زمین کا زمین سے تبادلہ جائز ہے	۲۱۶
گندم اور مکئی کا تبادلہ	۲۱۶

عنوانات	صفحہ
فصل کے بدلے اناج دینا	۲۱۷
سونا چاندی قرض کی صورت میں زیادہ قیمت پر فروخت کرنا	۲۱۸
اسٹیٹ لائف کمپنی کی دجل وتلبیس	۲۱۹
بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت	۲۲۰
سود لینے دینے پر گواہ بننا اور حالت اضطرار میں سود دینے کا حکم	۲۲۱
کتاب الرھن	۲۲۷
مرھونہ زمین کے اخراجات کی ذمہ داری کا حکم	۲۲۷
مرھونہ سے انتفاع کا حکم	۲۲۷
رھن سبب ملک نہیں	۲۲۸
مرتہن کو بلا اجازت مالک مرہونہ سے انتفاع موجب ضمان ہے	۲۲۹
مرہونہ کے اجارہ کا حکم	۲۲۹
مرہونہ میں مالک کا تصرف مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے	۲۳۰
مرہونہ زمین چھڑانے بغیر کسی دوسرے پر فروخت کرنا	۲۳۱
[illegible]مسلم کی مرہونہ زمین سے انتفاع	۲۳۳
[illegible] زمین کے محاصل راہن کو واپس کرنا لازم ہے	۲۳۴
کتاب الاجارۃ	۲۳۷
[illegible]جارہ میں تعین مدت ضروری ہے	۲۳۷
[illegible] کیلئے زمین اجارہ پر دینا جائز ہے	۲۳۸

عنوانات	صفحہ
معروف اجرت پر اجارہ کا حکم	۲۳۸
مجہول الوقت کا عقد اجارہ	۲۳۹
گاڑیوں کے ٹائر کرایہ پر دینا	۲۴۰
اجارہ پر لی ہوئی زمین میں ہونے والی درختوں کا حکم	۲۴۱
اجارہ کردہ چیز کی مرمت کا خرچہ متاجر کے ذمہ لگانے کا حکم	۲۴۱
تین ماہ سے قبل نوکری چھوڑی تو تنخواہ نہیں ملیگی اجارہ فاسد ہے	۲۴۲
اجارہ فاسد کی ایک اور صورت	۲۴۳
حیوان کو نصف پر رکھنا	۲۴۴
مزدوری میں زمین دینا	۲۴۴
اجارہ میں زمیندار کو کاشت کی عام اجازت دینا	۲۴۵
اجارہ علی الاجارہ جائز ہے بشرطیکہ اپنے مؤجر پر نہ ہو	۲۴۵
متاجر یا مؤجر کی موت سے اجارہ کا ختم ہونا	۲۴۶
جعلی سندات پر بھرتی ہونے والے ملازم کی تنخواہ کا حکم	۲۴۷
امام مسجد میں اہلیت نہ ہو تو اسے معزول کیا جا سکتا ہے	۲۴۷
امامت مسجد اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا حکم	۲۴۸
نکاح خوانی پر اجرت لینے کا مسئلہ	۲۴۹
اجیر خاص کو ڈیوٹی کے اوقات میں کوئی دوسرا کام کرنا جائز نہیں	۲۴۹
اجیر خاص اپنا کام دوسرے آدمی سے نہیں کرا سکتا	۲۵۰
اجیر خاص کا استحقاق	۲۵۰
ملازم کے لئے مفوضہ ڈیوٹی کے علاوہ کوئی اور کام کرنا جائز نہیں	۲۵۱
مال چوری ہونے کی صورت میں اجیر خاص پر ضمان کا حکم	۲۵۲
ٹیوب ویل کا پانی اجارہ پر دینے کا حکم	۲۵۳
دینی مدارس کے لئے کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں	۲۵۴
مدرسین دینی وعصری مدارس کے لئے چھٹیوں کی تنخواہ لینا جائز ہے	۲۵۴
مسلمان کا کفار کے ساتھ نوکری کرنیکا حکم	۲۵۵
ریڈیو کی مرمت پر اجرت لینے کا حکم	۲۵۶
بیل کی گائے سے جفتی کرانے پر اجرت کا حکم	۲۵۶
فوٹو گرافی پر اجرت لینا	۲۵۷
قلنگ وصول کرنا	۲۵۷
بینک کی چوکیداری کرنا	۲۵۸
بینک کی ملازمت کرنا	۲۵۸
خلاف شرع کام کرنے کی اجرت لینا	۲۵۹
تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے	۲۵۹
دلالی کی اجرت لینا جائز ہے	۲۶۰
ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے	۲۶۱
مریض کی تشخیص کرنے پر ڈاکٹروں کی فیس کا حکم	۲۶۱

عنوانات	صفحہ
اجارہ پرلی ہوئی زمین میں افیون کاشت کرنا	۲۶۲
عذر کی صورت میں اجارہ فسخ کرنا	۲۶۲
نا اہلی اجارہ فسخ کرنے کے لئے عذر ہے	۲۶۳
اجارہ پردی ہوئی چیز کی بیع موقوف ہے	۲۶۴
میوزک سنٹر کے لئے دکان کرایہ پر دینے کا حکم	۲۶۵
پگڑی دیکر دکان یا مکان خالی کروانے کا حکم	۲۶۵
آفات کی وجہ سے اجرت ساقط ہوتی ہے	۲۶۶
جن شروط سے بیع فاسد ہوتی ہے انہی شروط سے عقد اجارہ بھی فاسد ہوتا ہے	۲۶۷
گودام سے چوری ہونے والے مال میں چوکیدار پر ضمان نہیں	۲۶۷
کسی سفارتخانے سے ویزا کے نکلوانے پر رقم لینا جائز نہیں	۲۶۸
مسئلہ قفیز الطحان کا حکم	۲۶۹
شامی کی ایک عبارت کی وضاحت	۲۷۰
اجارہ پر جانور پالنے کا طریقہ	۲۷۱
مشروط میعاد سے قبل دوکان خالی کرنے پر کل میعاد کے کرایہ کا حکم	۲۷۱
رشوت کے ذریعے حاصل کیے ہوئے ٹھیکہ کی کمائی کا حکم	۲۷۲

عنوانات	صفحہ
کمیشن لینے کی شرعی حیثیت	۲۷۲
کام میں رکاوٹ پیدا ہونے کے خوف سے ٹھیکدار کا افسران بالا کو رشوت دینا	۲۷۳
امام مسجد کا حق امامت سے زیادہ چھٹیاں کرنا	۲۷۴
نماز جنازہ پڑھانے کی اجرت لینا	۲۷۴
گولڈن ہینڈ شیک کی شرعی حیثیت	۲۷۵
نائی کو دوکان کرایہ پر دینا	۲۷۷
اجارہ فاسدہ کے جواز کی صورت	۲۷۷
بداخلاقی کی بنا پر مدرسے سے خارج کیے گئے مدرس کے لئے پورے سال کی تنخواہ کا حکم	۲۷۸
ایام تعطیل کی تنخواہ کا حکم	۲۷۹
داخلہ فیس، ماہوار فیس کا حکم	۲۸۰
اجرت الدلال پر اشکال کا جواب	۲۸۱
زمین اجارہ پر دینے کی ایک صورت	۲۸۲
كتاب الشفعة	۲۸۵
شفعہ کے حقدار	۲۸۵
تبادلہ میں حق شفعہ کا اثبات	۲۸۵
حق شفعہ کو فروخت کرنا	۲۸۶
قبل البیع مصالحت سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا	۲۸۶

عنوانات	صفحہ
متعدد شفعاء میں سے بعض کے اسقاط سے دوسرے متأثر نہیں ہوتے	۲۸۷
دھوکہ دہی سے حق شفعہ متأثر نہیں ہوتا	۲۸۸
مشترکہ زمین کا کچھ حصہ خریدنے سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا	۲۸۸
وقف شدہ زمین پر کسی کو شفعہ کا حق نہیں	۲۸۹
خشک نالے سے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا	۲۸۹
تاخیر سے حق شفعہ کا بطلان	۲۹۰
غیر مسلم کو حق شفعہ حاصل ہے	۲۹۱
حمل کو بھی حق شفعہ حاصل ہے	۲۹۱
حق شفعہ سن بلوغ تک موقوف ہوگا	۲۹۲
بیع فاسد پر شفعہ کرنا	۲۹۳
شفعہ کا ہبہ صحیح نہیں	۲۹۳
بیع وفاء پر شفعہ کا حکم	۲۹۴
اموال منقولہ پر شفعہ صحیح نہیں	۲۹۴
قتل عمد کے عوض لی گئی زمین پر شفعہ کرنا	۲۹۵
حق مہر میں دی گئی زمین پر شفعہ کا حکم	۲۹۶
صلح میں دی گئی جائیداد پر شفعہ کا حکم	۲۹۶
طلب اشہاد کے وقت حدود اربعہ کا بیان کرنے کا حکم	۲۹۷
طلب اشہاد میں تعداد شہداء کا حکم	۲۹۸
حق شفعہ میں شریک فی الشرب مقدم ہے	۲۹۹
مہر مسمیٰ کے عوض میں ملنے والی زمین پر شفعہ کا حکم	۲۹۹
تحفہ کے عوض میں ملنے والی زمین پر شفعہ کا حکم	۳۰۰

عنوانات	صفحہ
زمین کا تبادلہ کرنے پر حق شفعہ ثابت ہے	۳۰۱
بحیثیت کرایہ دار کسی کا حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا	۳۰۱
رجسٹری یا انتقال نہ ہونے کی صورت میں شفعہ کا حکم	۳۰۲
مشتری کے مرنے سے شفیع کا حق شفعہ باطل نہیں ہوتا	۳۰۲
شفیع برابر ہوں تو دونوں شفعہ کا حق رکھتے ہیں	۳۰۳
کسی کے حق شفعہ کو ختم کرنے کیلئے اصل رقم سے زائد لکھوانا	۳۰۳
مسودہ قانون شفعہ پر مجلس شوریٰ میں کی گئی تقریر	۳۰۴
مسودہ شفعہ آرڈیننس اور دارالعلوم حقانیہ کی سفارشات و ترامیم	۳۱۴
کتاب الشرکۃ	۳۲۳
موروثی جائیداد کے منافع کی تقسیم کا حکم	۳۲۳
مشترکہ مال بذریعہ بولی خریدنے کا حکم	۳۲۳
شریک کی موت سے شرکت کا ختم ہونا	۳۲۴
مشترکہ کاروبار منافع کی تقسیم کا حکم	۳۲۵
مشترکہ زمین میں سے اپنا حصہ فروخت کرنے کا حکم	۳۲۵
شرکاء کی غیر حاضری میں مشترکہ زمین پر کاشت کا حکم	۳۲۶
مشترکہ مال کسی کو عاریۃً دینے کا حکم	۳۲۷
مشترکہ جائیداد میں بلا اجازت شریک تصرفات کرنے کا حکم	۳۲۷

عنوانات	صفحہ
مشترکہ دیوار کی تعمیر کے اخراجات کا حکم	۳۲۸
اقرار سے شرکت کا ثبوت	۳۲۸
مشترکہ زمین میں کسی ایک شریک کا پھلدار درخت لگانا	۳۲۹
مشترکہ کتب شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی کو عاریۃً دینا جائز نہیں	۳۳۰
مشترکہ ٹیوب ویل کے پانی سے کسی شریک کو روکنا جائز نہیں	۳۳۰
مچھلی کا شکار کرنے میں شرکت کا حکم	۳۳۱
مشترکہ ائیرکنڈیشنر فروخت کرنے کا حکم	۳۳۲
مشترکہ مال سے حج کرنے کا حکم	۳۳۲
مشترکہ زمین میں چشمہ کے پانی سے شریک کو منع کرنا جائز نہیں	۳۳۳
اموال مشترکہ سے زکوٰۃ دینے کا حکم	۳۳۴
اموال مشترکہ میں سے مہمان نوازی کا حکم	۳۳۵
شریک کو شرکت ختم کرنیکا اختیار ہے	۳۳۵
باپ اور بیٹے کی مشترکہ کمائی کا حکم	۳۳۶
مشترکہ زمین میں بلا اجازت شریک کے باغ لگانا	۳۳۷
کسی کی گائے بطور شرکت پالنا	۳۳۷
مشترکہ زمین پر شرکاء کی اجازت کے بغیر مکان بنانا	۳۳۸
مزدور کی کمائی اسکی ملک خاص ہوتی ہے	۳۳۹
آمدن و اخراجات میں شریک بھائیوں کی کمائی کا حکم	۳۳۹
مشترکہ ندی سے انتفاع کا حکم	۳۴۰
مزدور جو کچھ کمائے وہ اسی کی ملکیتِ خاص ہوتا ہے	۳۴۱
اولاد اور باپ کی مشترکہ تجارت میں اولاد کا حصہ	۳۴۱
كتاب المضاربة	۳۴۵
مضاربت کی حقیقت	۳۴۵
مضاربت میں منافع کی تعین کرنا	۳۴۵
عقد مضاربت میں رأس المال کا نقدی ہونا ضروری ہے	۳۴۶
مضارب کے نفقہ کا حکم	۳۴۷
مضاربت میں خسارہ کی ذمہ داری کا مسئلہ	۳۴۷
مضاربت میں فریقین منافع کے حقدار کب بنتے ہیں	۳۴۸
حکومتی جرمانہ رب المال پر آئے گا یا مضارب پر	۳۴۹
دکان کے اخراجات مضارب پر عائد کرنا	۳۵۰
مضاربت کے قواعد وضوابط پر عرف کا اثر	۳۵۰
حیوان کو مضاربت میں دینے کا حکم	۳۵۱
مال مضاربت سے خریدی ہوئی بکری کے دودھ کا حکم	۳۵۱
مضارب کا معاہدہ کے خلاف کام کرنا	۳۵۲
مدرسے کا فنڈ چندہ دہندگان کی اجازت سے مضاربت پر دینا	۳۵۳

عنوانات	صفحہ
مال کی موجودگی میں مضاربت کو ختم کرنے کا حکم	۳۵۳
مضاربت میں وقت مقرر کرنا	۳۵۴
کتاب الوکالۃ والکفالۃ	۳۵۷
نابالغ کو وکیل بنانا	۳۵۷
وکالت میں علم ہونا ضروری ہے	۳۵۷
نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم	۳۵۸
توکیل میں فریق مخالف کی رضامندی کا حکم	۳۵۸
وکیل سے رقم ضائع ہونے کی صورت میں ذمہ دار کون ہوگا	۳۵۹
وکیل پر ضمان کا حکم	۳۶۰
وکیل کا مدعی پر اقرار کرنا	۳۶۰
توکیل بالنکاح میں شہادت ضروری نہیں	۳۶۱
مروجہ وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنا	۳۶۲
وکیل کا دوسرے کو وکیل بنانے کا حکم	۳۶۳
گارنٹی سے کوئی چیز خریدنے یا بیچنے کا حکم	۳۶۴
وکیل کا منصب وکالت کے خلاف کرنے کا حکم	۳۶۵
کتاب الحوالۃ	۳۶۶
محیل کو قرض کی ادائیگی کے لئے دی ہوئی مہلت کا محتال علیہ میں اعتبار	۳۶۶
حوالہ میں دائن کی رضامندی ضروری ہے	۳۶۶

عنوانات	صفحہ
حوالہ کرنے کے بعد مدیون سے قرض کے مطالبہ کا حکم	۳۶۷
مجہول چیز کی ذمہ داری لینا	۳۶۸
کفیل اور مکفول عنہ کے مابین ثمن میں اختلاف	۳۶۸
محتال علیہ کی رضامندی کا حکم۔	۳۶۹
کتاب الھبۃ	۳۷۳
ہبہ میں عرف کا اعتبار ہے	۳۷۳
تملیک بھی ہبہ کے مترادف ہے	۳۷۴
ناقابل تقسیم اشیاء کے ہبہ کا حکم	۳۷۴
قابل تقسیم اشیاء میں قبل از تقسیم ہبہ درست نہیں	۳۷۵
اجارہ پر دی ہوئی زمین کا ہبہ کرنا	۳۷۵
موہوبہ جائیداد کا سرکاری کاغذات میں انتقال کا حکم	۳۷۶
ہبہ عمری ناقابل رجوع ہے	۳۷۷
موت اور عوض کی وجہ سے حق رجوع ساقط ہوجاتا ہے	۳۷۷
متعدد آدمیوں کا کسی ایک شخص کو کوئی چیز ہبہ کرنا	۳۷۸
ہبہ کے لئے ایجاب وقبول بلفظ ضروری نہیں بلکہ قرائن ہی کافی ہے	۳۷۸
والدین کا اولاد کے مال کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے	۳۷۹
شروط فاسدہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا	۳۸۰

عنوانات	صفحہ
مشروط ہبہ کا حکم	۳۸۰
ہبہ سے رجوع کرنے کا مسئلہ	۳۸۱
موہوبہ زمین کے فروخت کرنے کا حکم	۳۸۲
رشتہ داروں کو ہبہ کرنے سے حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے	۳۸۳
اولاد کے ہبہ میں تفاضل کا حکم	۳۸۳
ہبہ کے لئے واہب کی رضامندی ضروری ہے	۳۸۴
مرض الموت میں کیا گیا ہبہ درست نہیں	۳۸۴
پوتے کو زمین ہبہ کرنے کے بعد خود اس پر قابض رہنے کا حکم	۳۸۵
چوری کا ہبہ شدہ مال اصل مالک کو لوٹانا واجب ہے	۳۸۶
قرائن بھی تکمیل ہبہ کے لئے کافی ہیں	۳۸۶
بیوی کا ہبہ کردہ حق مہر میں رجوع کرنا	۳۸۷
بچوں کے مال میں تصرف کرنا	۳۸۷
بے اولاد شخص کا زندگی میں اپنا مال تقسیم کرنا	۳۸۸
صرف انتقال کر دینے سے ہبہ تام نہیں ہوتا	۳۸۹
صرف منافع کے حصول کیلئے دی ہوئی چیز کا ہبہ تام نہیں ہوتا	۳۹۰
کتاب الغصب	۳۹۲
غاصب کا قبضہ	۳۹۳
مالک کو اطلاع کئے بغیر ادا حق سے برات کا حکم	۳۹۳
بلا اذن دوسروں کے جانور ذبح کرنے کا حکم	۳۹۴

عنوانات	صفحہ
مغصوبہ زمین کی واپسی کے بعد حاصل کردہ منافع کا حکم	۳۹۵
بغیر اجازت کے کسی کی زمین سے مٹی لانا	۳۹۶
بلا کرایہ سفر کرنے پر ذمہ سے فارغ ہونیکا طریقہ	۳۹۶
پرنالہ بند کرنے کا مسئلہ	۳۹۷
كتابُ الوديعة والعارية	۳۹۸
امین کو امانت میں تصرف کا حق ہے	۳۹۸
امانت ضائع ہوجانے پر ضمان کا حکم	۳۹۸
امانت پر اجرت لینے کا حکم	۳۹۹
مودع کے وفات پر ورثاء کو مطالبہ کا حق ہے	۳۹۹
امانت کے ضائع ہونے کے خدشہ کی صورت میں فروخت کرنے کا حکم	۴۰۰
عاریۃ دی ہوئی چیز کے واپس لینے کا حکم	۴۰۱
معیر یا مستعیر کی موت سے اعارہ فسخ ہوتا ہے	۴۰۱
معیر اور مستعیر کا اجارہ اور عاریت میں اختلاف	۴۰۲
امانت رکھنے والا واپس نہ آئے تو امانت کا حکم	۴۰۳
مجبوری کے تحت امانت فروخت کرنے کا حکم	۴۰۴
كتاب احياء الموات	۴۰۷
ایسی زمین آباد کرنا جس کے مالکان لاپتہ ہوں	۴۰۷
اگر اذن امام نہ ہو تو احیاء الموات میں ملکیت کے ثبوت کا حکم	۴۰۷

عنوانات	صفحہ
احیاء موات میں راجح قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے	۴۰۸
جنگل کو آپس میں تقسیم کرنے سے لوگ اس کے مالک نہیں بن سکتے	۴۰۹
بنجر زمین پر محض نشانات لگانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی	۴۰۹
غیر مملوکہ مشترکہ چراہ گاہ کی زمین آباد کرنے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی	۴۱۰
بنجر زمین کو آپس میں تقسیم کر کے آباد کرنا	۴۱۱
احیاء موات کا حق ہر ایک کو حاصل ہے	۴۱۱
غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا بلا شرکت غیرے اسکا مالک ہوتا ہے	۴۱۲
مفاد عامہ سے خارج رقبے کو آباد کرنے والا مالک متصور ہوتا ہے	۴۱۲
غیر مسلم کے لئے احیاء موات کا حکم	۴۱۳
موات کی تعریف	۴۱۴
صرف قبضہ سبب ملک نہیں	۴۱۴
لیز موجب ملک نہیں	۴۱۵
سرکاری شاملات زمین پر کسی کے قبضہ سے احیاء کا حکم	۴۱۶
ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ کا حکم	۴۱۷
گاؤں یا شہر کے قریب بنجر زمین آباد کرنا	۴۱۸
تحدید ملکیت زمین کے دلائل کا ایک جائزہ	۴۲۰
انفرادی اور شخصی ملکیت	۴۲۵

عنوانات	صفحہ
كتاب المزارعة	۴۳۱
زراعت کی چند صورتیں	۴۳۱
فصل کی کٹائی کی ذمہ داری کا حکم	۴۳۱
کسان کا مالک زمین کی اجازت کے بغیر فصل سے کچھ لینا	۴۳۲
کاشتکار سے بطور ضمانت کچھ رقم رکھنا	۴۳۳
مزارعت پر موت کے اثرات	۴۳۳
قدیم قبرستان میں مزارعت کا حکم	۴۳۴
افیون کی کاشت کا حکم	۴۳۵
تمباکو کی کاشت جائز ہے	۴۳۶
بھنگ کی کاشت کا حکم	۴۳۶
مزارع کی طرف سے تخم کے باوجود مالک زمین کا اسپر کھاد وغیرہ کے اشتراط سے مزارعت کا حکم	۴۳۷
ہدایہ کی ایک عبارت کی وضاحت	۴۳۷
چشمہ کے پانی سے منع کرنیکا حکم	۴۳۸
كتاب الذبائح	۴۴۱
ذبح کے لئے اللہ کا نام لینا ہی کافی ہے	۴۴۱
معاون ذابح کے لئے تسمیہ کا حکم	۴۴۱
ذبح فوق العقد کا حکم	۴۴۲
کسی جانور کا حرکت کرنا یا خون نکلنا باعث حلت ہے	۴۴۳

عنوانات	صفحہ

بوقت ذبح جانور کا سرتن سے جدا کرنا مکروہ ہے ۴۴۳
بوجہ حادثہ سر کٹنے کے بعد جانور کا حکم ۴۴۳
دانت یا ناخن وغیرہ سے ذبیحہ کا حکم ۴۴۴
مشینی ذبیحہ کا حکم ۴۴۵
خاص مواقع کے ذبح کا حکم ۴۴۵
اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم ۴۴۶
اہل تشیع کے ذبیحہ کا حکم ۴۴۶
گائے کے گوشت کی حلت کا حکم ۴۴۷
چوری کیے گئے جانور کے گوشت کا حکم ۴۴۷
خرگوش حلال جانور ہے ۴۴۸
کوّے کی حلّت وحرمت کا حکم ۴۴۸
جھد جھد کھانے کا حکم ۴۴۹
موطوءُ جانور کا شرعی حکم ۴۵۰
یورپ کے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کا حکم ۴۵۱
غیر فطری طریقہ کی پیداوار غیر ملکی گائے کا حکم ۴۵۱
بوقت ذبح عمدًا تسمیہ چھوڑنے کا حکم ۴۵۲
حلال جانور کے حرام اجزاء ۴۵۳
جانور کو گولی مار کر ذبح کرنا ۴۵۳
خنزیر کی حرمت میں فلسفہ ۴۵۴
کچھوا کھانے کا حکم ۴۵۷
درندوں کی حرمت کا فلسفہ ۴۵۷

کتاب الصید

کتاب الصید ۴۵۸
جال سے شکار کرنا جائز ہے ۴۵۸
بندوق سے شکار کرنے کا حکم ۴۵۸
مجروح شکار کا ذبح کرنا ضروری ہے ۴۵۹
شکار کا کٹا ہوا عضو کھانا جائز نہیں ۴۶۰
دریاؤں میں موجود مچھلیوں کو بیچنا جائز نہیں ۴۶۰
شکاری کتے کے شکار کا حکم ۴۶۱
چیتے اور شیر کے ذریعے شکار کرنا ۴۶۲
شوقیا طور پر شکار کھیلنے کا حکم ۴۶۲
تجارت کی غرض سے شکار کا حکم ۴۶۳

کتابُ الاضحیۃ

کتابُ الاضحیۃ ۴۶۷
نصاب قربانی کا معیار ۴۶۷
قربانی کی ایام کا حکم ۴۶۷
اُضحیہ کی عمر ۴۶۸
شرکاء قربانی کی تعداد ۴۶۹
شرکاء قربانی کی نیت کا حکم ۴۶۹
شرکت اضطراری میں قربانی کا وجوب ۴۷۰
قربانی کا جانور خریدنے کے بعد کسی کو شریک کرنا ۴۷۰
نابالغ کی قربانی کا حکم ۴۷۱
میت کے لئے قربانی کا حکم ۴۷۱

عنوانات	صفحہ
بلا عذر شرعی قربانی چھوڑ دینا	۴۷۲
قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا	۴۷۲
قربانی کے جانور سے انتفاع کا حکم	۴۷۳
قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ	۴۷۴
قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا	۴۷۴
میت کیطرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم -	۴۷۵
نذر کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم	۴۷۵
چرم قربانی کا رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا	۴۷۶
صاحب نصاب کو چرم قربانی دینا جائز ہے	۴۷۶
قربانی کا گوشت اجرت میں دینا جائز نہیں	۴۷۷
داغدار جانور کی قربانی کا حکم	۴۷۷
نکیل والے جانور کی قربانی کا حکم	۴۷۸
سینگ کا ٹوٹ جانا مانع قربانی نہیں	۴۷۸
حاملہ جانور کی قربانی کا حکم	۴۷۹
خنثیٰ مشکل جانور کی قربانی کا مسئلہ	۴۷۹
خصی جانور کی قربانی کا حکم	۴۸۰
قربانی کیلئے جانور خرید کر موٹا کرنا	۴۸۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربانی کا حکم	۴۸۱
قربانی کے جانور کے دانت دیکھنا	۴۸۱
عورت کے حق مہر پر قربانی کا حکم	۴۸۲
گذشتہ سالوں کی قربانی کا حکم	۴۸۲
قربانی کے بجائے قیمت	۴۸۳
عقیقہ کی مشروعیت کا فلسفہ	۴۸۴
عقیقہ کے لئے جانور متعین کرنے کا حکم	۴۸۶
مردہ بچے کے عقیقہ کا حکم	۴۸۶
بچے کا عقیقہ کس پر ہے	۴۸۶
قربانی اور مسائل عید قربانی	۴۸۷
قربانی اور قرآن	۴۸۷
قربانی اور حدیث	۴۸۷
شرائط وجوب قربانی	۴۸۸
قربانی کے جانور	۴۸۹
جانور کی عمر	۴۸۹
قربانی کے اوقات	۴۸۹
گوشت اور کھال کا حکم	۴۹۰
تکبیرات تشریق	۴۹۱
عید کی سنتیں	۴۹۱
نماز عید کی نیت	۴۹۱
خطبہ	۴۹۱
کتاب الوصیۃ	۴۹۹
وارث کے لئے وصیت کرنا باطل ہے	۴۹۹
نابالغ اولاد کی شادیاں کرانے کے لئے کا وصیت کا حکم	۴۹۹
وصیت مملوکہ جائیداد میں نافذ ہے	۵۰۰
کل مال کے ثلث سے زائد میں وصیت معتبر نہیں	۵۰۱
میت کی زبانی وصیت سے مسجد پر خرچ کرنا	۵۰۱

عنوانات	صفحہ
وصیت کی وجہ سے وارث حق میراث سے محروم نہیں ہوتا	۵۰۲
وصیت صرف ثلث مال میں نافذ ہے	۵۰۳
وصیت سے رجوع صحیح ہے	۵۰۳
غیر مسلم کو وصیت کرنے کا حکم	۵۰۴
اثبات وصیت کے لئے شہادت ضروری ہے	۵۰۴
موصی لہ کا موصی سے پہلے وفات پا جانے پر وصیت کا حکم	۵۰۵
وصی کو معزول کرنا جائز ہے	۵۰۵
وصیت کی ملکیت کے لئے قبول کرنا ضروری ہے	۵۰۶
مبہم وصیت کا حکم	۵۰۷
مجنون اور نابالغ کی وصیت کا حکم	۵۰۷
پوتے کیلئے وصیت کا حکم	۵۰۸
وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے	۵۰۸
موصی بہ پر صرف قبضہ کرنا بھی کافی ہے	۵۰۹
وصی کا موصی کے انتقال کے بعد وصیت کو رد کرنا	۵۰۹
بیٹے کی موجودگی میں بھائی کیلئے وصیت کرنا	۵۱۰
شیخ احمد کی طرف منسوب وصیت نامہ کی شرعی حیثیت	۵۱۱
وصیت نامہ کی تحریر وارث کے حق میں نافذ نہیں	۵۱۵
کتاب الفرائض	۵۲۱
قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا	۵۲۱
دادا کی موجودگی میں چچا کی میراث سے محرومی کی حکم	۵۲۱
اختلاف دین مانع ارث ہے	۵۲۲
خاوند اور بہن میں جائیداد کی تقسیم کا حکم	۵۲۳
بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث سے محرومی	۵۲۳
حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی میراث سے محروم رہے گا	۵۲۳
بیٹے، بیٹی میں میراث کی تقسیم اور نواسی کا اس سے محروم ہونا	۵۲۴
صرف والد ہی کا بیٹے کی تمام جائیداد کا وارث ہونا	۵۲۵
اعیانی بھائی کی موجودگی میں علاتی بہن کی میراث سے محرومی	۵۲۵
نافرمان بیٹے کا باپ کی میراث میں استحقاق	۵۲۶
وراثت کیلئے محض رشتہ دار ہونا کافی نہیں	۵۲۶
نکاح فاسد سے پیدا ہونے والی اولاد کا وراثت سے محروم ہونا	۵۲۷
رواجی قبضہ کا اعتبار نہیں	۵۲۷
مجرم کا پھانسی گھاٹ میں ہونا مرض الموت کے حکم میں نہیں	۵۲۸
طویل بیماری مرض الموت شمار ہوگی	۵۲۹
شرعی بیت المال نہ ہونے کی صورت میں میراث کا حکم	۵۲۹
حین حیات میں جائیداد کی تقسیم کا شرعی طریقہ	۵۳۰
بذریعہ اعلان عاق نامہ بیٹے کو میراث سے محروم کرنا	۵۳۱
کفار کے ہاں قید شخص کی میراث کا حکم	۵۳۲

عنوانات	صفحہ
شیعہ سنی کے مابین میراث کا حکم	٥٣٢
مرتد کسی مسلمان کی میراث کا حقدار نہیں	٥٣٣
مرتدہ عورت کے ترکہ کا حکم	٥٣٣
ہیجڑے کی میراث کا حکم	٥٣٤
مرنے والے کا قرضہ نکل آنے پر تقسیم ترکہ کالعدم ہوجاتی ہے	٥٣٤
رضاعت موجب میراث رشتہ نہیں	٥٣٦
متبنیٰ کو میراث دینے کا حکم	٥٣٦
سوتیلا باپ میراث سے محروم ہے	٥٣٧
سوتیلے بیٹے کی میراث کا حکم	٥٣٧
دو بیویوں کی اولاد میں میراث کی تقسیم کا حکم	٥٣٨
مہر میں شوہر کا حصہ ارث	٥٣٨
کسی وارث کو وراثت سے محروم کرنا	٥٣٩
بیٹیوں کو میراث سے محروم کرنا گناہ ہے	٥٣٩
ولدالزنا اور ولدالملاعنۃ کی میراث کا حکم	٥٤٠
دو رشتہ والے کی میراث کا حکم	٥٤١
پنشن کی رقم میں میراث کا حکم	٥٤١
میت کی مملوکہ اشیاء میں ارث جاری ہونے کا حکم	٥٤٢
مفقود الخبر کے ترکہ کی تقسیم کا حکم	٥٤٢
عصبہ کی موجودگی میں ترکہ میں نواسیوں کے حصہ کا حکم	٥٤٣
اعیانی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کا میراث سے محروم ہونا	٥٤٤
میراث میں مطلقہ کے حصہ کا حکم	٥٤٤

عنوانات	صفحہ
بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ ہے	٥٤٥
اپنا حصہ میراث کسی دوسرے حصہ دار پر فروخت کرنا	٥٤٥
چار بیویوں کا خاوند کے ترکہ میں حصہ شرعی	٥٤٦
پہلے شوہر کا میراث میں حصہ نہیں ہے	٥٤٧
بھتیجیوں کی موجودگی میں بھتیجیاں میراث سے محروم ہوں گی	٥٤٧
نکاح ثانی کرنے سے عورت کا حصہ میراث ختم نہیں ہوتا	٥٤٨
اولاد کی موجودگی میں والدین کا حصہ شرعی متأثر نہیں ہوتا	٥٤٩
حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقم میں میراث کا حکم	٥٤٩
باپ کی زندگی میں میراث کا دعویٰ کرنا	٥٥٠
منافع بھی ترکہ میں شامل ہے	٥٥١
قبر کے لئے جگہ کی قیمت میت کے ترکہ سے دی جائے گی	٥٥١
قبر کھودنے والوں کی مزدوری کا حکم	٥٥٢
شوہر بیوی کے مال میں حصہ میراث سے محروم نہیں ہوتا	٥٥٢
بہن کے مال میں بہن اور بھائی کا حصہ	٥٥٣
ظالم باپ کا بیٹے کے ترکہ میں حصہ میراث کا حکم	٥٥٤
نافرمان بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ کا حکم	٥٥٥
حربی ذمی کا وارث نہیں ہوسکتا	٥٥٥
بہن کا اپنے بھائی کے ترکہ میں میراث کا حکم	٥٥٦

كتاب البيوع

يا ايها الذين امنوا لا
تاكلوا اموالكم بينكم
بالباطل الا ان تكون
تجارة عن تراضٍ منكم

باب شرائط البیع و ارکانہ

(بیع کے شرائط و ارکان وغیرہ)

خرید و فروخت میں طرفین کی رضامندی کا اعتبار

سوال:- آجکل مروّجہ طریقوں کے مطابق ناپ تول میں متفاوت آلات استعمال ہوتے ہیں، کپڑے کے دوکاندار عموماً میٹر پہ کپڑا خرید کر گز پہ بیچتے ہیں جو میٹر سے کم ہوتا ہے، اسی طرح عام دوکاندار پختہ سیر سے (جو سو تولہ کا ہوتا ہے) چیز خرید کر کلوگرام (جو کہ ۸۵ تولہ ہوتا ہے) سے فروخت کرتے ہیں، بائع اور مشتری دونوں اس طریقہ ناپ تول سے آگاہ ہونے کے باوجود باہمی رضامندی سے معاملہ طے کر لیتے ہیں، کیا ناپ تول کا یہ طریقہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مشتری سے ناپ تول کی حقیقت کو مخفی رکھنا دھوکہ دہی کے زمرے میں آتا ہے جو کہ ناجائز ہے لیکن جہاں کہیں بائع اور مشتری دونوں کی باہمی رضامندی سے معاملہ طے ہو جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال اللہ تبارك وتعالٰی: یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ٥ (سورۃ النساء آیت ۲۹) [1]

مکرہ کی بیع صحیح نہیں ہے

سوال:- ایک شخص نے اپنے ایک رشتہ دار کو قتل کی دھمکی دیکر بجبر و اکراہ اس سے ایک ٹریکٹر خرید اجبکہ وہ بائع اس عقد پر بالکل راضی نہیں، تو کیا شرعاً یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے خرید و فروخت میں بائع اور مشتری کی رضامندی اور

---

[1] قال العلامۃ الکاسانیؒ: اذا وجدت الاجازۃ من المالك فی الانتھاء وبین وجود الرضا فی التجارۃ عند العقد او بعدہ فیجب العمل باطلاقھا۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۴۹ کتاب البیوع، فصل: واما الذی یرجع الی ...)
ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۴ ص۳ کتاب البیوع۔

طیب نفس کو ضروری قرار دیا ہے، لہٰذا اگر کسی عقد میں بائع کی رضا مفقود ہو اور جبر و اکراہ سے بائع کو مجبور کر کے بیع کی گئی ہو تو یہ بیع صحیح نہیں ۔

لما قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ : ومنھا الرضا......... فلا یصح بیع المکرہ اذا باع مکرھا وسلم مکرھا لعدم الرضا ۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۷۶ کتاب البیوع، فصل واما شرائط الصحۃ فانواع) ؎۱

نابالغ کی خرید و فروخت میں اذنِ عُرفی کا اعتبار

سوال :- دیہاتوں میں بعض اوقات چھوٹے بچے اور بچیاں دوکان میں بیٹھ کر کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرتے ہیں، گاہک کو پتہ نہیں چلتا کہ بچوں کا والد یا سرپرست اس پر راضی ہے یا نہیں ؟ جبکہ بچوں کا باپ اس خرید و فروخت پر انہیں منع نہیں کرتا، تو کیا اس طرح بچوں سے اشیاء کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جو بچے اور بچیاں نفع اور نقصان کی تمیز کر سکتے ہوں تو باپ کے اذن و اجازت سے ان کی بیع و شراء شرعاً نافذ ہو گی اور اذن صراحۃً اور دلالۃً دونوں طرح درست ہے، پس بچوں کے والدین کی خاموشی اور خرید و فروخت سے انہیں منع نہ کرنا بھی اذن اور اجازت میں داخل ہے لہٰذا ان سے خرید و فروخت مرخص ہے ۔

لما قال العلامۃ المرغینانی رحؒ: ثم الاذن کما یثبت بالصریح یثبت بالدلالۃ کما اذا رأی عبدہ یبیع ویشتری فسکت یصیر ماذوناً عندنا ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۳۶۲ کتاب الماذون) ؎۲

؎۱ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئٍ الا بطیب نفس منہ ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۲۵۵ کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ)
وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۴ ص۵۰۳ کتاب البیوع، مطلب فی بیع المکرہ والموقوف ۔

؎۲ قال فی الھندیۃ : اذا اذن لصبیٍ یعقل البیع والشراء یجوز یرید بہ انہ یعقل معنی البیع والشراء بان عرف ان البیع سالب للملک والشراء جالب عرف الغبن الیسیر من الفاحش لا نفس العبارۃ کذا فی الصغرٰی ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۵ ص۱۱۰، الباب الثانی عشر فی الصبی والمعتوہ .... الخ)
وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۸ ص۸۷ کتاب الماذون ۔

مجنون کی خرید و فروخت

سوال :- ایک آدمی کا دماغی توازن درست نہیں (دیوانہ اور مجنون) ہے، آیا از روئے شریعت اس آدمی کا بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعتِ مطہرہ نے بیع وشراء کی صحت اور انعقاد کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ عقل کی درستگی کو بھی ضروری اور اہم شرط قرار دیا ہے، چونکہ دیوانہ اور مجنون شخص اچھے بُرے اور نفع ونقصان کی تمیز پر قادر نہیں ہوتا اس لیے مجنون اور دیوانے کی بیع منعقد نہ ہوگی۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمه الله : واما شرائطها فمنها ان یکون حرًا فلاتثبت ولایة العبد ومنها ان یکون عاقلاً فلاتثبت ولایة المجنون۔
(بدائع الصنائع ج ۳ ص۱۵۳ کتاب البیع۔ فصل: واما شرائطها فانواع ـ الخ) [1]

نرخ کے تعین سے قبل مبیعہ میں تصرف کرنا

سوال :- ہمارے علاقے میں زمیندار کپاس کی فصل تیار ہونے پر کارخانے میں بھیج دیتے ہیں، کارخانہ والے مال تول کر اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور زمیندار کسی بھی وقت جاکر نرخ طے کر لیتے ہیں، آیا تجارت کا یہ طریقۂ کار درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر کارخانہ والے مال وصول کرکے بطور امانت اپنے پاس رکھیں یا باقاعدہ طور پر نرخ طے کرکے اور رقم کی ادائیگی کی تاریخ طے کرکے اس کو استعمال میں لائیں تو اس میں شرعاً کوئی حرج یا فساد نہیں، لیکن اگر نرخ طے کرنے سے قبل ہی کارخانہ والے اس کپاس کو اپنے استعمال میں لائیں اور استعمال کے بعد نرخ مقرر کیا جائے تو یہ معاملہ (بیع) فاسد ہے، کپاس کے استعمال سے قبل نرخ مقرر کرنا لازمی ہے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ : منها ان یکون المبیع معلوماً وثمنه معلوماً علماً یمنع من المنازعة۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۵۶ کتاب البیوع، فصل: واما شرائط الصحة فانواع) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ : فشرائط العاقد اثنان العقل والعدد فلاینعقد بیع مجنون وصبی لایعقل۔ (رد المحتار ج ۴ ص۵۰۴ کتاب البیوع۔ مطلب شرائط البیع انواع اربعة)

ومثله فی الهندیة ج ۳ ص۲ کتاب البیوع، الباب الاول فی تعریف البیع ...الخ۔

[2] قال فی الهندیة : ومنها ان یکون المبیع معلوماً والثمن معلوماً علماً یمنع من المنازعة۔ (الفتاوى الهندیة ج ۳ ص۳ کتاب البیوع، الباب الاول فی تعریف البیع) ومثله فی رد المحتار ج۵ ص۵۰۵ کتاب البیوع مطلب شرائط البیع انواع اربعة۔

مالِ مسروقہ کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:- ایک شخص نے کسی سے کچھ مال خریدا سودا کر لینے اور خریدنے کے بعد اُسے معلوم ہُوا کہ یہ مال چوری کا ہے، تو اب اس خریدے ہوئے مال کا کیا حکم ہے ؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں اس بات کی تصریح فرمادی گئی ہے کہ چوری کا مال اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے، جس چیز کے متعلق قرائن سے غالب گمان ہو کہ یہ چوری کی ہے تو اس کے خریدنے سے گریز کیا جائے، لیکن اگر غلط فہمی سے خرید لی جائے اور بعد میں حقیقت واضح ہو تو وہ چیز اس کے اصل مالک کو واپس کی جائے، اور مشتری کو بائع سے اپنی رقم کے مطالبے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ : لو ظہر غیر حلال ای مسروقًا او مغصوبًا یرجع علیہ المشتری -(ردّ المحتار ج۴ ص۱۰۶ کتاب البیوع -)[1]

کوئی چیز خریدنے کے لیے پیشگی رقم دینا

سوال: جناب مفتی صاحب! میں ایک کارڈیلر ہوں اور کاروں کا کاروبار کرتا ہوں پہلے گاہک سے رقم وصول کر لیتا ہوں بعد میں نئی کار کمپنی سے لے کر گاہک کے حوالے کرتا ہوں، اگر گاہک کو پسند آجائے تو خرید لیتا ہے ورنہ اپنی رقم واپس لے لیتا ہے اور بیع ختم ہو جاتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح معاملہ طے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: متاخرین فقہاء نے صورتِ مذکورہ کے جواز پر تصریح کی ہے کیونکہ بیع کی نیت سے پیشگی رقم دینا بیع نہیں بلکہ بیع کا وعدہ ہے جبکہ حقیقی بیع مبیعہ وصول کرنے کے بعد متحقق ہوتی ہے، لہٰذا بیع تعاطی کی وجہ سے بیع منعقد ہو کر صحیح ہو جاتی ہے اور مشتری کو خیارِ رؤیت کا حق حاصل رہے گا[1] اس لیے کسی چیز کے خریدنے کے لیے پیشگی رقم دینا

---

[1] قال ملک العلماء العلامۃ الکاسانی رحمہ اللّٰہ : ولو باع السارق المسروق من انسان او ملکہ منہ بوجہٍ من الوجوہ فان کان قائمًا فلصاحبہ ان یاخذہ لانہ عین ملکہ وللماخوذ منہ ان یرجع بالضمان علی السّارق -

(بدائع والصنائع ج۵ ص۸۵ کتاب البیوع)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۶۸ کتاب البیوع، باب خیار العیب -

جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ولو اعطاه الدراہم وجعل یاخذ منه کل یوم خمسة امناء ولم یقل فی الابتداء اشتریت منك یجوز وهذا حلال وان کان نیته وقت الشراء لانه بمجرد النیة لا ینعقد وانما ینعقد البیع الآن بالتعاطی والآن المبیع معلوم ینعقد البیع صحیحاً۔ (رد المحتار ج۴ ص۵۱۶ مطلب البیع بالتعاطی) لہ

مشتری کو مبیعہ وصول کرنے پر مجبور کرنا

سوال:۔ میں نے ایک شخص کے ہاتھ کاٹنے کی شرط لگا کر کچھ درخت فروخت کئے ہیں لیکن اب وہ مجھے تنگ کرنے کی غرض سے نہ تو درخت کاٹتا ہے اور نہ ہی سودا واپس کرتا ہے ایسی صورت میں از روئے شریعت مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ باقاعدہ بیع منعقد ہو کر ثمن (قیمت) دیدینے کے بعد مشتری کو مبیعہ وصول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اسی بناء پر صورتِ مذکورہ میں بائع کے مطالبہ پر مشتری کو درخت کاٹنے یا دونوں کی رضامندی سے بیع فسخ کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر مشتری اس کے باوجود کسی بات کو تسلیم نہ کرے تو بائع قاضی یا اہلِ حل وعقد کے ذریعے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ویقال للبائع اقلعها وسلم المبیع وکذا اذا کان فیها زرع لان ملك المشتری مشغول بملك البائع فکان علیه تفریغه وتسلیمه کما اذا کان فیه متاع۔ (الهدایة ج۳ ص۳۱ کتاب البیوع، فصل، ومن باع داراً... الخ) ۲ہ

لہ قال العلامة سلیم رستم بازؒ: ویصح البیع بالتعاطی .... وصورته ان یتفق علی الثمن ثم یاخذ المشتری المتاع ویذهب برضا صاحبه من غیر ان یدفع الثمن او ان یدفع المشتری الثمن للبائع ویذهب بدون قبض المبیع فان البیع لازم علی الصحیح۔

(شرح المجلة للعلامة سلیم رستم باز تحت المادة ۱۷۵ ص۷۹)

وَمِثْلُهٗ فی شرح المجلة للعلامة خالد الاتاسی، تحت المادة ۱۷۵ ج۱ ص۳۶۔

۲ہ قال العلامة الحصکفیؒ: ویؤمر البائع بقطعهما وتسلیم المبیع عند وجوب تسلیمهما فلو لم ینقد الثمن لم یؤمر به خانیة ـــ وقال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله: عند وجوب تسلیمهما) ای تسلیم الارض والشجر وذلك عند نقد المشتری الثمن فلو لم ینقد الثمن لم یؤمر به۔ (رد المحتار ج۴ ص۵۵۴ مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً)۔ وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۵ ص۳۰۰ کتاب البیوع۔

ٹیلیفون کے ذریعے عقدِ بیع کا حکم

سوال :۔ عصرِ حاضر میں عام طور پر تاجر حضرات دُور دراز کے شہروں اور بیرونِ ممالک سے ٹیلیفون کے ذریعے مال منگوانے ہیں، تو کیا خرید و فروخت کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ شریعتِ مقدسہ نے خرید و فروخت کے دوران ایجاب و قبول کے لیے اتحادِ مجلس کو ضروری قرار دیا ہے لیکن اتحاد عام ہے خواہ حقیقی ہو یا حکمی، حقیقی تو ظاہر ہے اور حکمی کی صورت یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایجاب ہو جائے اور مشتری کو کسی مناسب طریقے سے (بذریعہ خط یا پیغام رساں کی معرفت) اطلاع دی جائے ۔ موجودہ دَور میں فقہاء نے انسانی ضروریات اور حوائج (ٹیلیفون) کے ذریعے کیے گئے بیع و شراء اور طلاق وغیرہ کو بھی اسی زمرہ میں شمار کیا ہے ، لہٰذا ٹیلیفون کے ذریعے اگر کسی چیز کے بارے میں باقاعدہ ایجاب و قبول ہو جائے تو یہ بیع شرعاً نافذ العمل ہوگی۔

لما قال الشیخ محمد کامل ابن مصطفیٰ الطرابلسیؒ : سئل بعد صلوٰۃ الجمعۃ حضر خبر الشام فی التلغراف لبعض الثغور بانہ ثبت فی الشام رویۃ ھلال ..... فاجاب ان السلاطین المسلمین وضعوا التلغراف لتبلیغ الاخبار من البلاد القریبۃ والبعیدۃ فی مدۃ یسیرۃ جداً او اقاموا لاعمالہ اشخاصاً مسلمین واتفقوا علیٰ ذٰلک اموالاً جسیمۃ واستغنوا بہ عن السعاۃ و ارسال المکاتیب غالباً فصار قانوناً فی ذٰلک یخاطب بہ السلاطین بعضھم لبعضھم فی مھمات الامور وتبعھم الناس علیٰ ذٰلک ۔ (فتاویٰ الکاملیۃ ص۲۸۵ مطلب ھل یثبت رمضان بالتلغراف) [1]

بالغ بیٹے کی غیر موجودگی میں اس کی جائیداد فروخت کرنا

سوال :۔ ایک شخص کا بالغ بیٹا ہے اور وہ کسی دور جگہ میں رہتا ہے، اس کی غیر موجودگی میں اور اجازت کے بغیر والد اس کی جائیداد فروخت کر دے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

---

[1] قال الدکتور والوھبۃ الزحیلی : البیع بالمراسلۃ او بواسطۃ رسول یصح اتفاقاً ویکون مجلس التعاقد ھو مجلس بلوغ الرسالۃ من العاقد الاول الی العاقد الثانی ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۴ ص۵۰۳ ثانیاً البیوع بسبب الصیغۃ)

الجواب: شریعتِ مقدسہ نے ہر انسان کو اپنی ملکیت میں خود مختار قرار دیا ہے جبکہ کسی دُوسرے کی ملکیت میں تصرّف اصل مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بالغ بیٹا حاضر نہ ہو تو والد کی طرف سے اس کی فروخت کردہ جائیداد بیع فضولی کے زمرہ میں آکر بیٹے کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: یبیع الاب عرض ابنہ الکبیر الغائب لا الحاضر اجماعاً لا عقارہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص ۶۳۱ مطلب فی نفقۃ قرابۃ غیر الولاد من الرحم المحرم) لہ

جائیداد کی خرید و فروخت پر کمیشن لینے کی شرعی حیثیت

سوال: ایک آدمی نے "جائیداد کی خرید و فروخت کا با اعتماد ادارہ" کے نام سے ایک دفتر کھول رکھا ہے جہاں وہ زمین کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے اور اس پر وہ جانبین (یعنی خریدنے اور فروخت کرنے والے) سے ۲ فیصد کمیشن لیتا ہے، تو کیا اس طرح پر جانبین سے کمیشن لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ نے ایک ہی شخص کو بائع اور مشتری دونوں کی جانب سے وکالت کی ذمہ داری اپنانے کی اجازت نہیں دی ہے لیکن جانبین کی طرف سے دلّال بن سکتا ہے۔ وکیل اور دلّال میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وکیل کو مبیعہ میں جائز تصرّف کا حق حاصل ہوتا ہے، جبکہ دلّال کی ذمہ داری مال خریدنے کی طرف ترغیب دلانا ہوتی ہے، اور مبیعہ میں کسی قسم کے تصرّف کا اس کو حق حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ شخص چونکہ دلّال کی حیثیت سے کام کرتا ہے اس لیے اس کو جانبین سے مناسب کمیشن لینا شرعاً ممنوع نہیں ہے، تاہم ایسے ادارے کو پہلے سے مناسب کمیشن کی وضاحت کر دینا ضروری ہے، تاکہ بعد میں جھگڑے اور کبیدہ خاطری کا سبب نہ بنے۔

لہ قال العلامۃ عبد العلی البرجندیؒ: یجوز للاب ان یبیع عروض ولدہ الغائب ابناً کان او بنتاً وتصرف فی ثمنہ اذا کان من جنس نفقتہٖ ولا یجوز ان یبیع عقارہ لذٰلک۔

(البرجندی ج ۲ ص ۸۹ کتاب البیوع۔

وَمِثْلُہٗ فی آداب الاوصیاء (علیٰ ھامش جامع الفصولین ج ۲ ص ۱۲۳ فصل فی الاباق والکتابۃ والعتاق۔ الخ

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فتجب الدلالة علی البائع او المشتری علیھما بحسب العرف ۔ (رد المحتار ج۴ ص۴۶ کتاب البیوع) [۱]

بیع کے نفاذ کا دارومدار سرکاری کاغذات میں اندراج پر موقوف نہیں

سوال :- ایک شخص نے کچھ زمین خریدی لیکن لاپرواہی سے حکومتی کاغذات میں اندراج (رجسٹری اور انتقال) کیے بغیر بطور زراعت اُسی آدمی کے حوالہ کر دی جس سے خریدی تھی، اب کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ آدمی اس زمین پر قابض ہو گیا ہے کہ یہ زمین سرکاری کاغذات میں میری ملکیت ہے، تو کیا مشتری بغیر سرکاری کاغذات میں اندراج کے اس زمین کا مالک ہے یا نہیں ؟

الجواب :- شریعت نے بیع کے نفاذ کو سرکاری کاغذات میں اندراج پر موقوف نہیں رکھا ہے بلکہ نفاذِ بیع کے لیے جانبین کی رضامندی اور ایجاب وقبول کو ضروری قرار دیا ہے، لہٰذا سرکاری کاغذات میں اندراج نہ ہونے کے باوجود مذکورہ زمین کے جملہ حقوق مشتری کو حاصل ہوں گے اور اس پر بائع کا قبضہ غصب اور ظلم شمار ہو کر ناجائز اور حرام ہوگا ۔

لما قال فی مجلة الاحکام : البیع ینعقد بایجاب وقبول ۔

(مجلة الاحکام، المادة ۱۶۷، الفصل الاول فی ما یتعلق برکن البیع) [۲]

حق مہر میں دی ہوئی زمین کا حق فروخت بھی زوجہ ہی کو حاصل ہے

سوال :- ایک شخص نے عقد نکاح کے وقت اپنی منکوحہ کو حق مہر میں کچھ زمین دیدی، اب یہ شخص حق مہر میں دی ہوئی زمین کو بلا اجازت زوجہ کے فروخت کرنا چاہتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع خاوند کو

---

[۱] قال المفتی محمد شفیع رحمہ اللہ : اگر بائع یعنی مالک کی اجازت سے خود دلال مال کو فروخت کرے تو اس کی اجرت اولاً دلالی بائع کے ذمے ہے اور اگر محض کوشش کرنے والا ہے اور معاملہ کرنے والا ہے فروخت کرنے والا خود بائع ہے تو عرف اور رواج کا اعتبار ہوگا، رواج کے موافق جس کے ذمے دلالی ہوگی اس سے لینا جائز ہوگا ۔ (امداد المفتیین المشہیر بفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۲ ص۸۲۵ کتاب الاجارة) ــــ ومثلہ فی تالیفات رشیدیہ ص۴۱۸ کتاب الاجارة ۔

[۲] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : اما القول فالایجاب والقبول وھما رکنه ظاھرة ان الضمیر للایجاب والقبول ۔ (ردّ المحتار ج۴ ص۵۰۴ کتاب البیوع)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۵ ص۲۵۸ کتاب البیع ۔

یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: حقِ مہر میں دی ہوئی زمین کے تمامتر مالکانہ حقوق بیوی کو حاصل ہو جاتے ہیں، بیوی کی اجازت کے بغیر شوہر کو تصرف کا حق نہیں ہے۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس زمین میں شوہر کو ملکیت یا ولایت کا حق حاصل نہیں لہٰذا بلا اجازتِ زوجہ (بیوی) کے بیع نافذ العمل نہ ہوگی۔

وفی الھندیۃ: واما شرائط النفاذ فنوعان الملك اوالولایۃ والثانی ان لایکون فی المبیع حق لغیر البائع۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۳ ص۳ کتاب البیوع، الباب الاوّل فی تعریف البیع.....الخ) [1]

درخت عقدِ بیع میں زمین کے تابع ہیں

سوال: ایک شخص نے کسی سے ایک قطعہ اراضی خریدا لیکن زمین کے کنارے پر واقع درختوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بعد میں دونوں کے درمیان ان درختوں پر اختلاف پیدا ہوگیا، تو کیا یہ درخت از روئے شرع بائع کا حق ہے یا مشتری کا؟

الجواب: زمین کے فروخت کرتے وقت اس میں مذکورہ اشیاء مثلاً درخت یا آبادی وغیرہ خود بخود عقدِ بیع میں شامل ہوں گے پس اس بناء پر صورتِ مسئولہ میں درخت بھی مشتری کا حق ہیں، البتہ اگر ان مذکورہ اشیاء کو عقدِ بیع کے وقت مستثنیٰ کر کے عقد کیا جائے تو اس وقت یہ اشیاء عقد میں شامل نہیں ہوں گی۔

لما قال العلامہ ابن نجیم رحمہ اللہ: ویدخل البناء والشجر فی بیع الارض بلا ذکر لکونہ متصلاً بھا للقرار فیدخل تبعًا۔ (البحرالرائق ج۵ ص۲۹۴ کتاب البیع، فصل: یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار) [2]

---

[1] قال العلامۃ الکاسانیؒ: ومنھا وھو شرط انعقاد البیع للبائع ان یکون مملوکًا للبائع عند البیع فان لم یکن لاینعقد۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۴۷ کتاب البیوع، فصل: واما الذی یرجع الی المعقود علیہ۔الخ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۵ ص۴۵۵ کتاب البیوع

[2] قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ومن باع ارضًا دخل ما فیھا من النخل والشجر وان لم یسمہ لانہ متصل بھا للقرار فاشبہ البناء۔ (الھدایۃ ج۳ ص۲۰۵ کتاب البیوع)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۵ ص۴۸۵ کتاب البیوع،

مسجد کی آمدنی سے تجارت کرنا

سوال:۔ ایک مسجد کی آمدنی اور فنڈ فی الحال مسجد کی ضروریات سے زیادہ ہے، اس سے تجارت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسجد کی آمدنی اور فنڈ دراصل مسجد کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہوتی ہے لیکن اگر فنڈ مسجد کی ضروریات اور استعمال سے زائد ہو تو اس رقم کو کسی قابلِ نفع تجارت میں لگا کر اس سے حاصل ہونے والے منافع کو مسجد کے فنڈ میں جمع کرنا ہوگا، اس طریقہ سے مسجد کی رقم سے تجارت کرنا جائز ہے بشرطیکہ چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی تجارت کی اجازت ہو۔

لما قال فی الهندیة: متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتاً او داراً ثم باعها جاز اذا کانت له ولایة الشراء۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۴۶۱ الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم)[1]

رشوت کی رقم سے مقبرہ (قبرستان) کے لیے جگہ خریدنا

سوال:۔ رشوت کے ذریعہ حاصل شدہ مال سے مقبرہ کے لیے جگہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حصولِ مال کے لیے جائز طریقہ اور مخاطب کی رضا کو شریعتِ مقدسہ نے ضروری قرار دیا ہے، رشوت چونکہ ناجائز ذرائع سے حاصل کی جاتی ہے، لہٰذا اس کو اصل مالک یا ورثاء کو واپس کرنا ضروری ہے، رشوت کا مال چونکہ اصل مالک کی ملک سے نہیں نکلتا، اس بناء پر رشوت کی رقم سے مقبرہ (قبرستان) کے لیے جگہ خریدنا اور اس میں مسلمان میتوں کو دفنانا جائز نہیں، لہٰذا ایسے مال کے ورثاء یا اصل مالکوں کی موجودگی میں بغیر اُن کی رضامندی کے اس رقم کو رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنے سے ذمہ داری فارغ

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتاً او داراً ثم باعها جاز اذا کانت له ولایة الشراء وفی التجنیس فی الفتاوی قال الامام حسام الدین هذا هو المختار وفی الخانیة هو الصحیح۔

(التاتارخانیة ج۵ ص۸۶۲ کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد وقیم المسجد)

وَمِثْلُهٗ فی السراجیة علی هامش الخانیة ج۳ ص۱۴۲ کتاب الوقف۔

نہیں ہوگی ۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ : لومات رجل وکسبہ من ثمن البازق والظلم واخذ الرشوۃ تعود الورثۃ ولا یأخذون منہ شیئاً وھو الاولی لھم ویردونہ علی اربابہ ان عرفوھم والا یتصدق لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد ۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۱ فصل فی البیع) [1]

کرایہ کی دوکان یا مکان پر پیشگی رقم (پگڑی) لینے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ بعض علاقوں میں دوکان یا مکان کرایہ پر لیتے وقت پیشگی رقم دینا ضروری ہوتا ہے اور یہ رقم کرایہ کے علاوہ ہوتی ہے جو کہ عرف میں پگڑی کہلاتی ہے، کیا یہ رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ بسا اوقات ایک آدمی اپنا مکان یا دوکان ایک طویل مدت کے لیے کرایہ پر دیتا ہے اور کرایہ دار سے کرایہ کے علاوہ کچھ رقم یکمشت بھی وصول کرتا ہے جو پگڑی کہلاتی ہے کرایہ دار یکمشت رقم دے کر اس بات کا حقدار ہو جاتا ہے کہ ایک طویل مدت یا تاحیات کرایہ داری کو جاری رکھے، بعض حالات میں وہ اپنا یہ حق کسی دوسرے کرایہ دار کو منتقل کر کے اُس سے یہ رقم لے سکتا ہے، اور اگر اصلی مالک دوکان یا مکان واپس لینا چاہے تو اُسے یہ رقم واپس کرنا ہوگی ۔

اس مروجہ پگڑی کے بارے میں علماء کرام نے عدم جواز کا قول فرمایا ہے، کیونکہ یہ نہ تو نزول عن الحق ہے اور نہ اُجرتِ معجلہ ہے بلکہ یہ حقِ مجرد کی فروخت ہے جو کہ ناجائز ہے اور پیشگی کی رقم رشوت ہے جو کہ نصِ قطعی کی رُو سے حرام ہے، لہٰذا مروجہ پگڑی کی رسم شرع کے خلاف ہے ۔

البتہ اس یکمشت رقم کو ایک متعینہ مدت کی پیشگی اُجرت قرار دیا جائے اور متعینہ مدت تک

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : فی البزازیۃ اخذ مورثہ رشوۃً اوظلماً ان علم ذلک بعینہ لا یحل لہ اخذہ والا فلہ اخذہ حکماً اما فی الدیانۃ فیتصدق بہ بنیۃ ارضاء الخصماء ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۹۹ مطلب فی من ورث مالاً حراماً ۔

ومثلہٗ فی غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ج ۴ ص ۲۰۵ کتاب الکراھیۃ ۔

کرایہ بھی ختم ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اجارہ میں شمار ہوگا اور اجارہ کے تمام احکام اس پر جاری ہو کر اس قسم کی رقم کا لینا جائز ہے اور مروجہ رسم پگڑی ناجائز ہے۔

قال الدکتور وهبة الزحیلی: الحق المجرد او المحض هو الذی لا یترك اثراً بالتنازل عنه صلحاً او ابراءً فلا یجوز الاعتیاض عنه کحق الولایة علی النفس والمال وحق الشفعة۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۴ ص۲۱ الحقوق المجردة وغیر المجردة۔) [۱]

دوسرے کے سودے پر سودا کرنا

سوال: ایک آدمی کی کسی سے گھر خریدنے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ اسی دوران ایک تیسرے آدمی نے مداخلت کرکے زیادہ قیمت پر وہ مکان خرید لیا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بائع اور مشتری کی بات چیت کے دوران کسی اور کے لیے درمیان میں آکر قیمت بڑھانا نامناسب نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے تاہم باقاعدہ ایجاب وقبول کی صورت میں بیع تام اور صحیح ہے اگرچہ ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یبیع الرجل علی بیع اخیه ولا یخطب علی خطبة اخیه الا ان یاذن له وایضاً: عن ابی هریرة ان نبی علیه السلام نهی ان یستام علی سوم اخیه۔ (الصحیح لمسلم ج۲ ص۳ باب: تحریم بیع الرجل علی بیع اخیه وسومه علی سومه) [۲]

حرام مال سے خرید وفروخت کرنا

سوال: رشوت، سود، جوا اور دیگر حرام طریقوں سے حاصل کی ہوئی رقم سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

[۱] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۴ ص۵۱۹ کتاب البیوع)

[۲] قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن النجش وعن السوم علی سوم غیره۔ (الهدایة ج۳ ص۶۹ فصل فیما یکره)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۹۹ فصل فیما یکره۔

الجواب:۔ رشوت، سود، جوا اور دیگر حرام ذرائع سے حاصل شدہ رقم کا ذاتی ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اس سے فراغتِ ذمّہ کے لیے ضروری ہے کہ اگر اصل مالک زندہ ہوں تو ان کو واپس کرکے ذمہ فارغ کرے ورنہ فقراء اور محتاجوں پر اصل مالکان کی طرف سے صدقہ کردے۔ اس بناء پر علم کے باوجود ان اشیاء کے عوض خرید و فروخت سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: والحاصل ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیہم والّا فان علم عین الحرام لایحل له ویتصدق به بنیة صاحبه وان کان مالاً مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا یعلم اربابه ولا شئ منه بعینه حل له حکماً والاحسن دیانة التنزه عنه۔

(ردالمحتار ج۵ ص۹۹ مطلب فی من ورث مالاً حراماً)[1]

حکومت کی طرف سے روزمرہ استعمال کی اشیاء کے نرخ مقرر کرنا

سوال:۔ بسا اوقات کسی چیز کی قیمت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے جبکہ حکومت ایک حد مقرر کرکے زائد قیمت وصول کرنے پر پابندی لگا دیتی ہے، کیا حکومت کے لیے اس قسم کی پابندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت کی رو سے کسی چیز کی خرید و فروخت بائع اور مشتری کی آپس میں رضامندی پر موقوف ہے خواہ وہ قیمت زیادہ ہو یا کم، بعض اشیاء کی کوالٹی میں تفاوت کی وجہ سے اُن کے نرخوں میں بھی تفاوت آجاتا ہے، اسلئے حکومت کو شرعاً یہ حق نہیں کہ کسی چیز کے نرخ متعین کرکے پابندی لگائے کیونکہ اس قسم کی پابندیوں سے عوام پر تکلیف کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن بعض حالات میں بھی لوگ اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں بے تحاشا اضافہ کرکے عوام کو پریشان کرتے ہیں اور لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور لوگوں کو

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: لومات رجل وکسبه من ثمن البازق والظلم او اخذ الرشوة تعود الورثة ولا یاخذون منه شیئاً وھو الاولیٰ لھم ویردونه علیٰ اربابه ان عرفوھم والّا یتصدق به لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذّر الرّد۔

(البحرالرائق ج۸ ص۲۰۱ فصل فی البیع۔ کتاب الکراھیة)

وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج۴ ص۵۰۲ کتاب الکراھیة۔

کم قیمت اشیاء مجبوراً مہنگے داموں خریدنا پڑتی ہیں جس سے ملک کی معیشت متاثر ہوسکتی ہے۔ تو اس صورتِ حال میں حکومت معاشیات اور اقتصادیات کے ماہرین، سمجھدار لوگوں اور تاجروں کے مشورے سے اشیاءِ ضروریہ کی قیمتوں کا تعین کر کے زائد قیمت وصول کرنے پر پابندی لگا سکتی ہے تاکہ عوام الناس پریشان نہ ہوں اور ملک کا سرمایہ دار طبقہ غریب لوگوں کی مجبوریوں ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔

قال العلامة التمرتاشي رحمه الله: ولا يسعر حاكم الا اذا تعدى الارباب عن القيمة تعدياً فاحشاً بمشورة اهل الراي۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۹۸ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع)[۱]

ڈالڈا گھی کو دیسی گھی کی قیمت پر فروخت کرنا

سوال:۔ اگر ڈالڈا گھی میں اس طرح صفائی پیدا کر دی جائے کہ وہ بالکل دیسی گھی کی طرح نظر آتا ہو تو کیا اس کو دیسی گھی کی قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اصل میں دیسی اور ڈالڈا گھی کی قیمتوں میں کافی فرق ہوتا ہے؟

الجواب:۔ بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی سے ایسے گھی کو دیسی گھی کی قیمت پر فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر ڈالڈا گھی کو دھوکہ اور فریب سے دیسی گھی ظاہر کر کے فروخت کیا جائے تو یہ تذویر اور تلبیس کے مترادف ہو کر ناجائز رہے گا۔

لما جاء في الحديث: عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر۔
(صحیح مسلم ج۲ ص۲ کتاب البیوع۔ باب بطلان الحصاۃ۔الخ)[۲]

---

[۱] قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلیؒ: ولا ينبغي للسلطان ان يسعر على الناس لما بينا قال الا ان يتعدى ارباب الطعام تعدياً فاحشاً في القيمة فلا بأس بذلك بمشورة اهل الخبرة به لأن فيه صيانة حقوق المسلمين عن الضياع۔ (الاختيار لتعليل المختار ج۴ ص۱۶۱ كتاب الكراهية، فصل في الاحتكار)

[۲] وفي الهندية: رجل اراد ان يبيع السلعة المعيبة وهو يعلم يجب ان يبينها۔
(الفتاوى الهندية ج۳ ص۲۱۰ الباب العشرون في البياعات المكروهة والارباح الفاسدة)
ومثله في رد المحتار ج۵ ص۱۰۲ مطلب احكام نقصان المبيع فاسداً۔

زیادہ منافع کیلئے ذخیرہ اندوزی کرنا

سوال:۔ گاؤں یا شہر کی ضرورت کے باوجود ایک شخص غلہ خرید کر ذخیرہ کر لیتا ہے تاکہ مناسب وقت پر فروخت کر کے زیادہ منافع حاصل کیا جاسکے، تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تنگی اور عسرت کے دنوں میں غلہ خرید کر مصنوعی گرانی پیدا کرنے کے لیے ذخیرہ کرنا احتکار ہے جو شرعاً حرام ہے، تاہم اگر عوام الناس کی ضروریات کھلی منڈی میں آسانی سے پوری ہوتی ہوں تو پھر کسی چیز کو زیادہ منافع کی خاطر مؤخر کرنا جائز ہے۔

لماورد فی الحدیث: عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجالب مرزوق والمحتکر ملعون۔ (ابن ماجہ ص۱۵۶ باب الحکرہ) [1]

پنشن کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

سوال:۔ آجکل ملازمت کے اختتام (ریٹائرمنٹ) پر سرکاری ملازمین کو حکومت کی طرف سے پنشن کے نام پر کچھ وظیفہ دیا جاتا ہے، اس وظیفے کا کچھ حصہ دورانِ ملازمت ملازم کی تنخواہ سے کاٹا جاتا ہے اور کچھ گورنمنٹ اپنی طرف سے ملاتی ہے، اس طرح یہ وظیفہ ریٹائر ہونے والے کو حکومت سے رفتہ رفتہ ملتا رہتا ہے، تو اگر اس وظیفہ کو فروخت کر کے یکمشت نقد رقم لے لی جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ وظیفہ درحقیقت دورانِ ملازمت محنت اور خدمت کے صلہ میں بطور اعزاز و اکرام کے ملازمت سے ریٹائر ہونے والے کو حکومت کی طرف سے دیا جاتا ہے جس میں بعض حصہ عطاء سلطانی اور بعض اپنی محنت کا حصہ ہوتا ہے، اس کی فروخت کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کرنا ہے اور ایک اس کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا ہے، تو حکومت کے علاوہ کسی اور پر فروخت کرنا چند خرابیوں کی وجہ سے مشروع نہیں کیونکہ اس میں اُس رقم کو فروخت کیا جاتا ہے جو کہ ابھی اُس کے قبضے میں آئی ہی نہیں اسلئے

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی ؒ: ویکره الاحتکار فی اقوات الآدمیین والبهائم اذا کان ذٰلك فی بلدٍ لغیر الاحتکار باهله وکذٰلك التلقی فاما اذا کان لا لغیر فلا بأس به۔ (الهدایة ج۴ ص۴۲۷ کتاب الکراهیة، فصل فی البیع)
وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲۹ کتاب الاستحسان۔

غیر مقدور التسلیم ہونے کی بناء پر جائز نہیں، اسی لیے فقہاء کی عبارات اور احادیثِ نبوی میں اس قسم کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں ثمنین کا آپس میں بیع کی وجہ سے دست بدست اور مثل بمثل ہونا ضروری ہے، جو کہ یہاں مفقود ہے۔ لہٰذا ان نقصانات اور خرابیوں کی وجہ سے اس (پنشن) کی بیع جائز نہیں۔ یہاں تک گورنمنٹ پر فروخت کرنا ہے تو یہ درحقیقت بیع نہیں بلکہ عطاءِ مؤجل کو معجل بنانا ہے اور وہ اس طرح کہ حکومت نے جو وظیفہ قسط وار حیثیت سے مقرر کیا تھا اب اس زیادہ وظیفہ کو نسبتاً کر کے یکمشت لیا جا رہا ہے۔ یعنی پہلی صورت میں تاجیل تھی اور اس میں یکبارگی حاصل کرنا ہے جس میں شرعی طور پر کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وبیع الدّین لایجوز ولو باعہ من المدیون او وھبہ جاز۔ (الاشباہ والنظائر ج۴ ص۱۴۔ القول فی الدّین) [۱]

بیع میں اجل مجہول سے بیع فاسد ہو جاتی ہے

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کے ساتھ معاملہ طے کیا کہ مجھ سے کچھ رقم لے لے اور اس کے بدلے آئندہ گندم کے موسم میں جو نرخ ہوگا اس کے مطابق مجھے گندم دے دینا، تو کیا یہ معاملہ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی بھی معاملہ میں وقت کا تعین کرنا ضروری ہے، وقت کا تعین کیے بغیر معاملہ طے کرنا مفضی الی النزاع ہوتا ہے اس لیے شرعاً ایسے معاملات فاسد قرار دیئے جاتے ہیں۔ مذکورہ معاملہ بھی اسی قسم کا ہے، خواہ اسے بیع مطلق قرار دیا جائے یا بیع سلم، البتہ اگر یہ معاملہ قرض کا ہو تو پھر شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة ظفر احمد عثمانیؒ: وقد اجمعوا علی فساد السلم الی اجل مجھول ففساد البیع کذلک اولی کما مر۔ (اعلاء السنن ج۱۴ ص۵ ابواب البیع۔ دلیل فساد البیع الی اجل مجھول) [۲]

---

[۱] قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: واما بیع ھٰذہ الدیون من غیر من علیہ والشراء بھا من غیر من علیہ فینظر ان اضاف البیع والشراء الی الدین لم یجز۔ اھ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۸۲ کتاب البیوع، فصل واما شرائط الصحة فانواعٌ)

[۲] قال العلامة ابن عابدینؒ: رجل باع شیئاً بیعاً جائزاً او اخرج الثمن الی الحصاد والدیاس قال مفید البیع فی قول ابی حنیفة۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۶ کتاب البیوع) ومثلہٗ فی شرح الوقایة ج۳ ص۱۴ کتاب البیوع۔

بغیر قیمت طے کی ہوئی بیع وشراء کا حکم

سوال:- ایک شخص نے بغیر قیمت طے کئے مکئی کی کچھ گڈیاں کسی پر فروخت کر دیں اور یہ کہا کہ ان کا سائز عام گڈی سے زیادہ ہے، لیکن چار مہینے کے بعد خریدار نے لینے سے انکار کر دیا، شریعت کی رُو سے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- بیع وشراء کرتے وقت قیمت مقرر کرنا ضروری ہے، قیمت کا تعین کئے بغیر معاملہ فاسد ہو جاتا ہے لہٰذا مذکورہ معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے اس لیے یہ بیع فاسد ہے، دونوں کو چاہیئے کہ اس معاملے کو دوبارہ طے کریں۔

کمافی السنن الکبریٰ مع الجوهر النقی ج ۶ ص۲۴ تحت لا یجوز السلف حتی یکون بثمن معلوم الخ [1]

قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا ضروری ہے

سوال:- ایک آدمی اپنے جملہ مال کو یکمشت فروخت کرنا چاہتا ہے جبکہ دوسرا آدمی وہ مال ادھار لینے کا خواہشمند ہے اور مشتری بائع سے بات بھی کر جاتا ہے مگر بائع اس پر راضی نہیں، تو کیا اس سے بیع تام ہو گی یا نہیں؟

الجواب:- بیع کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ مشتری بائع کے ایجاب کے مطابق جواب دے یعنی بائع جتنا مال فروخت کرنا چاہتا ہو اتنے مال کے مطابق جواب دے، اگر مشتری بائع کے ایجاب سے زیادہ یا کم لینا چاہتا ہو تو وہ بائع کی رضامندی پر موقوف ہے، اگر وہ اجازت دے تو ٹھیک ورنہ بیع تام نہیں ہو گی۔

لما فی مجلة الاحکام: اذا اوجب احد العاقدین ببیع شیٔ بشیٔ یلزم لصحة العقد قبول العاقد الأخر على الوجه المطابق للایجاب ولیس لہٗ تبعیض الثمن او الثمن وتفریقهما۔ (شرح المجلة الاحکام لرستم باز ص۸۱ المادة ۱۷۷ الفصل الثانی فی بیان لزوم موافقة القبول والایجاب)

---

[1] قال ابن الہمام رحمہ اللہ: لقولہ علیہ السلام فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم الخ۔ (فتح القدیر ج ۶ ص۲۶۲ باب السلم۔
ومثلہٗ فی الہدایۃ ج ۳ ص۵۸ کتاب البیوع۔

باب مایجوز بیعه وما لا یجوز

(جائز اور ناجائز بیع کے مسائل و احکام)

شراب کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ اسلام میں شراب کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اسلام میں شراب بنصِ قطعی ناجائز اور حرام ہے۔ بلکہ اس عمل کو شیطانی عمل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ۔ (سورۃ المائدہ آیت ۹۰) اس لیے شراب کی خرید و فروخت حرام بلکہ بیع باطل ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

وفی الهندیة: فالباطل مالم یکن محله مالاً متقوماً کمالو اشتری خمراً او خنزیراً او صیداً الحرم... الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۴۶ کتاب البیوع، الباب الحادی عشر فی احکام البیع لغیر الجائز) لہ

شراب کی آمدنی کے عوض اشیاء فروخت کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو کپڑے کا کاروبار کرتا ہے، اگر اس کو کسی گاہک کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ شراب کی آمدنی کے عوض کپڑا خرید رہا ہے تو اس گاہک پر کپڑا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان کے لیے شراب فروشی کو ذریعۂ آمدن بنانا حرام اور ناجائز ہے اور نہ ہی اس آمدنی کے عوض دیگر اشیاء فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ شراب کی فروخت کے عوض آیا ہوا مال مالِ غیر ہے مسلمان اُس کا مالک نہیں بن سکتا۔

لِمَا جَآءَ فِی الْحَدِیْثِ: ابوحنیفة عن محمد بن قیس الهمدانی عن ابی عامر الثقفی انه

لہ قال العلامة طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ: الباطل مالایجوز بحال وله صور منها بیع الدم والخمر والخنزیر۔ (خلاصة الفتاوی ج۳ ص۳۹ کتاب البیوع، الفصل الرابع فی البیع الفاسد واحکامه)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۳ ص۵۳ کتاب البیوع باب البیع الفاسد۔

كان يهدى للنبي صلى الله عليه وسلم رواية من خمر ---- فقال رسول عليه السلام يا ابا عامر ان الله تعالىٰ قد حرم الخمر فلا حاجة لنا فى خمرك قال خذها فبعها فاستعن بثمنها على حاجتك فقال يا ابا عامر ان الله تعالىٰ قد حرم شربها وبيعها واكل ثمنها

(المسند للامام الاعظم ص۲۷۳ باب حرمة اكل ثمن خمر) ۱؎

دارالحرب میں شراب فروخت کرنے کا حکم

سوال:۔ دارالحرب میں مسلمان کے لیے کفار پر شراب فروختی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دارالحرب میں غیرمسلموں کا مال بلاغدر و دھوکہ ان کی خوشی سے جس طرح بھی لیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں، لہٰذا ان کا مال مباح ہو کر عقودِ فاسدہ سے حاصل کرنا اور شراب کے عوض لینا جائز رہے گا، تاہم نصوص کی اطلاق کو دیکھ کر عقودِ فاسدہ اور شراب فروشی سے اجتناب افضل ہے۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ:۔ ولا بين الحربي والمسلم ثمة اى لا ربوا بينهما فى دار الحرب عندهما خلافاً لابي يوسفؒ وفى البناية وكذا اذا باع خمراً او خنزيراً او ميتة او قامرهم واخذ المال كل ذٰلك يحل له۔ (البحرالرائق ج۶ ص۱۳۵ باب الربا) ۲؎

شراب ملی ہوئی اشیاء کی خرید و فروخت

سوال: شراب ملی ہوئی اشیاء مثلاً ادویات وغیرہ کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں شراب چونکہ حرام اور نجس ہے اس لیے اس سے کسی قسم کا فائدہ لینا جائز نہیں، جس چیز میں شراب شامل ہو جائے وہ چیز حرام اور ناپاک ہو جاتی ہے اگرچہ قلیل مقدار میں کیوں

۱؎ قال المرغيناني رحمہ اللہ:۔ واذا باع المسلم خمراً واخذ ثمنها وعليه دين فانه يكره لصاحب الدين ان ياخذ منه وان كان البايع نصرانياً لابأس به۔ (الهداية ج۴ ص۴۶۸ كتاب الكراهية)

وَمِثْلُهٗ فى بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲۸ كتاب الاستحسان۔

۲؎ وفى الهندية: دخل مسلم او ذمى دار الحرب بامان او لغيره وعقد مع الحربي عقد الربوا..... اوباع منهم خمراً او خنزيراً او ميتة او دماً بمال فذٰلك كله جائز عند الطرفين۔

(الفتاوى الهندية ج۳ ص۲۴۸ الفصل السادس فى الصرف فى دار الحرب)

وَمِثْلُهٗ فى الدر المختار على صدر رد المحتار ج۵ ص۱۸۶ باب الربوٰ۔

نہ ہو، اس بناء پر جن ادویات اور دیگر اشیاء میں یقیناً یا ظنِ غالب سے معلوم ہو کہ ان میں شراب کی آمیزش ہے اور علاج کسی متبادل دوائی سے ممکن ہو توان کی خرید و فروخت اور استعمال سے اجتناب کرنا چاہیئے ۔

لما ورد فی الحدیث : فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا ابا عامر ان اللہ تعالیٰ قد حرم الخمر فلا حاجة لنا فی خمرك قال خذها فبعها فاستعن بثمنها علی حاجتك فقال یا اباعامر ان اللہ تعالیٰ قد حرم شربها وبیعها واکل ثمنها ۔ (المسند للامام اعظم ص۳۲۳ کتاب البیوع) [1]

الکحل ملی ادویات کی تجارت کی شرعی حیثیت

سوال :۔ الکحل ملی ہوئی ادویات کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر ادویات میں ملایا گیا الکحل انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے کشید کیا گیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس دوا کا استعمال ضرورتاً جائز ہے گا بشرطیکہ حدِ سکر تک نہ پہنچا ہو، اور علاج کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے شیخینؒ کے مسلک پر عمل کرنا مرخص ہوگا، تاہم اگر الکحل انگور یا کھجور سے حاصل کیا گیا ہو توان دواؤں کا استعمال شدید ضرورت اور اضطرار کے علاوہ جائز نہیں ۔ البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ الکحل دواؤں میں ملانے کے بعد اس کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوجاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کی حقیقت ختم ہو کر ان ادویات کا استعمال بالاتفاق جائز ہوگا، لیکن یہ مسئلہ ماہرینِ فنِ طب کی مدد سے ہی حل ہو سکتا ہے ۔

لما قال العلامة المفتی تقی عثمانی :۔ وبهذا یتبین حکم الکحول المسکرة التی عمت بها البلوی الیوم فانها تستعمل فی کثیر من الادویة والعطور والمرکبات الاخری فانها ان اتخذت من العنب او التمر فلا سبیل الی حلتها او طهارتها وان اتخذت من غیرهما فالامر فیها سهل علی مذهب ابی حنیفة رحمه الله ولا یحرم استعمالها للتداوی او لاغراض مباحة اخری ما لم تبلغ حد الاسکار لانها انما تستعمل مرکبة مع المواد الاخری ولا یحکم بنجاستها اخذا بقول ابی حنیفة رحمه الله وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویة والعطور وغیرها لا تتخذ من العنب او التمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغیره ۔ (تکملہ فتح الملہم ۳/ ۶۰۸ کتاب الاشربہ) ۲/۴۴

---

[1] قال محمد بن الحسن الشیبانیؒ : محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رحمه الله قال الخمر حرام قلیلها وکثیرها ۔ (الجامع الصغیر ص۴۹۸ کتاب الاشربة ۔

منشّیات کی خرید و فروخت

سوال: افیون، چرس، بھنگ اور ہیروئن وغیرہ کی تجارت کا شریعتِ مقدسہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:- افیون، چرس، بھنگ اور ہیروئن نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہیں لہٰذا حرام شے کی قیمت اور گناہ پر اعانت کی وجہ سے ان کی خرید و فروخت سے اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ ان اشیاء سے انسان کی دینی اور دنیوی بربادی لازم آتی ہے۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وصح بیع غیر الخمر لما مر ومفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والافیون قلت وقد سئل عن بیع الحشیشۃ ھل یجوز فکتب لا یجوز فیحمل علیٰ انہ مرادہ بعدم الجواز عدم الحل قالہ المصنف۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج۶ ص۴۵۴ کتاب الاشربۃ)[1]

تمباکو کی خرید و فروخت

سوال:- جناب مفتی صاحب! تمباکو کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:- تمباکو کا استعمال از روئے شرع ممنوع نہیں لہٰذا استعمال کے مرخص ہونے کی بناء پر اس کی خرید و فروخت میں بھی کوئی قباحت نہیں جبکہ آجکل تمباکو فروشی ایک بہت بڑا ذریعہ معاش بن گیا ہے، غربت اور تنگی کے اس دور میں اس کا کاروبار کرنے میں کوئی شرعی جرم نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: وبالجملۃ ان تثبت فی ھٰذا الدخان اضرار صرف خالٍ من المنافع فیجوز الافتاء بتحریمہ ان لم یثبت انتفاعہ فالاصل حلہ مع ان فی الافتاء بحلہ دفع الحرج عن المسلمین فان اکثرھم مبتلون بتناولہ مع ان تحلیلہ ایسر من تحریمہ وما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الا اختار ایسرھما (تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج۲ ص۳۶۶ مسائل وفوائد شتی الخ)[2]

---

[1] قال العلامۃ الحداد الیمنیؒ: ولا یجوز اکل البنج والحشیشۃ والافیون وذٰلک کلہٗ حرام۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج۲ ص۲۷۰ کتاب الاشربۃ)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۴ ص۲۰۵ کتاب الاشربہ۔

[2] قال العلامۃ ابوالحسنات عبدالحی لکھنویؒ: فی رسالتہٖ رفع الالتباس فی حکم تعاطی لشجرۃ التمباک اما بیعھا وشرائھا فیجوز لامکان الانتفاع بھا۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج۲ ص۱۲۷ کتاب البیع)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۶ ص۴۵۹ کتاب الاشربۃ۔

ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی خرید وفروخت

سوال:۔ تلاوتِ قرآنِ مجید، دینی پروگرام اور خبریں وغیرہ سننے کی غرض سے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کا استعمال جائز امور میں ممکن ہے اس لیے ان کی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں، تاہم یہ چیزیں کسی ایسے شخص کو دینا جس سے کسی خیر کی توقع نہ ہو بلکہ محض بے دینی کے امور میں استعمال کا یقین ہو تو تعاون علی المعصیت کے شبہ سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: قلت وافاد کلامهم ان ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريمًا والا فتنزيهًا (قوله نهر) وعبارته وعرف بهذا انه لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية به والكبش النطوح۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۶۸ باب البغاة... الخ)[1]

آلاتِ موسیقی کی خرید وفروخت

سوال:۔ باجا، ستار اور دیگر آلاتِ موسیقی کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ موسیقی چونکہ اسلام میں ناجائز اور حرام ہے، اس لیے وہ آلات جو محض موسیقی کے لیے استعمال ہوتے ہوں اور بغیر کسی تغیر وتبدیلی کے ان سے موسیقی کا کام لیا جاتا ہو آلاتِ معاصی ہونے کی وجہ سے ان کی خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی کیونکہ اس میں اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے جواز کی گنجائش نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: ويكره تحريمًا بيع السلاح من اهل الفتنة لانه اعانة على المعصية...... قلت وافاد كلامهم ان ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريمًا والا فتنزيهًا نهر ونظيره كراهة بيع المعازف لان المعصية تقام بها۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۶۸ کتاب السیر)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: ان ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه ومالا فلا ولذا قال انه لا يكره بيع الجارية المغنية والكبش النطوح۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۴۳ باب البغاة)

وَمِثْلُهٗ فی تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۵۳ کتاب الاجارة۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: نظيره بيع المزامير يكره هنا ان ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه والا فلا۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۴۳ تبغییرٍ یسیر۔ آخر کتاب البغاة)

وَمِثْلُهٗ فی تنقیح الفتاوی الحامدیة ج۲ ص۱۵۳ کتاب الاجارة۔

گمراہ کن کتابوں کی تجارت کرنا

سوال:۔ آجکل بعض لوگ بے دینی، فحش گوئی، فرضی ناول، شرک وبدعات اور دیگر جرائم پیشہ لوگوں کے حالات اور سوانح پر مشتمل کتابوں کی تجارت کرتے ہیں، کیا یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے مسلمانوں کو شرک وبدعت، فحش ناول اور لادینیت پھیلانے والی کتابوں کے مطالعہ سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ دین سے دوری اور گمراہی کا سبب بنتی ہیں، لہٰذا ایسی کتابوں کے مطالعہ اور تجارت سے اجتناب ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ یہی تاجر لادینیت کا آلۂ کار اور معاون بن جاویں تاہم راسخ العلم علماء کے لیے جواب دہی کی نیت سے ایسی کتابوں کے مطالعہ کی گنجائش ہے تاکہ لوگوں کو ان کے مطالعہ سے منع کریں۔

لما قال العلامۃ محمود آلوسیؒ: واستدل بعضھم علی القول بان لھو الحدیث الکتب التی اشتریٰھا النضر بن الحارث علیٰ حرمۃ مطالعۃ التواریخ الفرس القدیمۃ وسماع ما فیھا وقرأتہ وفیہ بحث ولا یخفیٰ ان فیھا من الکذب ما فیھا فالاشتغال بھا لغیر غرض دینی حوض فی الباطل۔ (روح المعانی ج۷ ص۲۹ سورۃ المائدۃ)[1]

تعویذات کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال:۔ بعض لوگ تعویذات کی خرید وفروخت کا دھندہ اپنائے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگوں سے تعویذات کے پیسے وصول کرتے ہیں، کیا تعویذات کے عوض پیسے لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تعویذ چونکہ علاج ومعالجہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اس بناء پر جائز معاملات میں مشروع تعویذ کے عوض پیسے لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ تاہم تعویذ فروشی کو اپنا ذریعۂ معاش بنانا مناسب نہیں۔

لما اخرج الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن ابی سعید الخدری ان ناساً من اصحاب النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم اتوا علی حی من احیاء العرب فلم یقروھم فبینما ھم اذ لدغ

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا اصاب المسلمون الغنائم وکان فیما اصابوا مصحف فیہ شئ من کتب الیھود والنصاریٰ۔۔۔۔ فانہ لا ینبغی للامام ان یقسم ذلک فی غنائم المسلمین مخافۃ ان یقع فی سھم رجل من المسلمین۔۔۔۔ وبیعہ من المشرکین مکروہ۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۵ ص۳۱۳ کتاب السیر۔ مسائل قسمۃ الغنائم)

سید اولئک هل معکم دواءٌ اوراق فقالوانعم انکم لا تقرون ولا نفعل حتی تجعلوا لنا جعلاً فجعلوا لهم قطیعاً من الشاۃ فجعلوا یقرء بام القرآن و یجمع بزاقہ ویتفل فبرأ فاتوا بالشاۃ فقالوا لا ناخذہ حتی نسئال النبی علیہ السلام فسئالوہ فضحك وقال ما ادراك انہا رقیۃ خذوھا واضربوا لی بسھم۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص۸۵۴ باب الرقی بفاتحۃ الکتاب ویذکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) لہ

اخبارات کی خرید وفروخت

سوال :۔ اخبارات میں اکثر تصاویر ہوتی ہیں نیز ایسی باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا حقیقت سے دُور کا تعلق بھی نہیں ہوتا ، کیا ایسے اخبارات کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اخبارات کی خرید وفروخت کا بنیادی مقصد ملکی اور غیر ملکی حالات وواقعات سے آگاہی حاصل کرنا ہوتا ہے ، باقی رہا تصاویر کا مسئلہ تو اس کا گناہ بنانے والے پر ہر حال میں رہے گا۔ البتہ اگر اخبارات ورسائل وغیرہ شائع کرنے کا مقصد صرف فحاشی اور عریانی کو فروغ دینا ہو اور اس سے معاشرہ کے افراد کی عادات اور اخلاق متاثر ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں ان کی خرید وفروخت سے اجتناب ضروری ہو گا ۔

لما قال علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ : قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم ....وا ما اتخاذ المصور بحیوان فان کان معلقاً علی حائطٍ سواء کان لہٗ ظل ام لا اوثوباً ملبوساً اوعمامۃ اونحو ذلك فھو حرام واما الوسادۃ ونحوھا مما

لہ قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : ولا بأس بالمعاوضات اذا کتب فیھا القرآن .... اختلف فی الاستشفاء بالقرآن بان یقرأ علی المریض والملدوغ الفاتحۃ اویکتب فی ورق ویعلق علیہ اوطستٍ ویغسل ویسقی وعن النبی علیہ السلام انہ کان یعوذ نفسہ قال رضی اللہ عنہ وعلی الجواز عمل الناس الیوم وبہ وردت الاثار۔

(ردالمحتار ج ۶ ص۳۶۴ فصلٌ فی اللبس)

وَمِثْلُہٗ فی شرح المسلم للامام النووی ج۲ ص۲۲۴ باب جواز اخذ الاجرۃ علی الرقیۃ۔

یمتھن فلیس بحرام۔ (المرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۸ ص۲۶۶ باب التصاویر) ؎

دوسرے ممالک سے مال خرید کر پہنچنے سے پہلے فروخت کرنا

سوال:۔ آجکل بڑے بڑے کاروباری لوگ دوسرے ممالک سے مال منگوا کر پہنچنے سے قبل ہی فروخت کر دیتے ہیں کیونکہ وہ مشتری کے نام پر خریدا ہوا مالِ تجارت مشتری کی ملک تصور کرتے ہیں، لہٰذا قبل القبض ان اشیاء کی فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: باقاعدہ طور پر قبضہ سے قبل مال فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں لیکن آجکل بڑے بڑے کاروباری لوگ دوسرے ممالک سے جو اشیاء منگواتے ہیں تو ان کے پہنچنے میں کافی وقت لگ جاتا ہے جس میں بازار کی مندی کا اندیشہ ہوتا ہے اور گاہک کم ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے، لہٰذا ایسے مال کو فروخت کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

(۱) مال منگوانے والا گاہک کے ساتھ بیع کرنے کی بجائے بیع کا وعدہ کرلے کہ مال پہنچتے ہی آپ کے ہاتھوں اتنے داموں کے عوض فروخت کروں گا لہٰذا مال پہنچنے پر بیع درست ہوگی، البتہ اس صورت میں خلاف ورزی اگرچہ وعدہ خلافی ضرور ہے لیکن جانبین میں سے کسی ایک کے انکار کی صورت میں دوسرے کو بیع پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی کو یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنا لیا جائے جو مال پہنچانے کا کاروبار کرتی ہو، اور مال پہنچانے کا کرایہ چونکہ خریدار پر ہوتا ہے اس لیے اس خریدار کے اذن اور اجازت سے بایع جس کو بھی حوالہ کردے وہ مشتری کی ملک اور قبضہ تصور ہوگا، اگرچہ خریدار اور مشتری اس شخص یا مال بردار کمپنی کا تعین بھی نہ کرے، اس بنا پر جب بھی مال اس شخص یا مال بردار کمپنی کی تحویل میں آجائے تو یہ خریدار اور مشتری کی ملک تصور ہو کر بیع

؎ قال العلامۃ فخر الدین الشہیر بقاضی خان: واذا سأل الرجل غیرہ الاخبار المحدثۃ فی البلد قال بعضہم یکرہ الاخبار والاستخبار وقال بعضہم لا یکرہ الاستخبار ویکرہ الاخبار والصحیح انہ لا بأس بالاخبار ایضاً لیکون عالماً بالمصالح۔ (خانیہ علی ہامش الہندیہ ج۳ ص۴۲۵)
ومثلہٗ فی الصحیح البخاری ج۱ ص۲۸۳ باب کم یجوز الخیار۔

جائز رہے گی۔

مندرجہ بالا دو صورتوں کے علاوہ قبل القبض مال فروخت کرنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ : رجل اشتری عبداً ولم یقبضہ فامرہ ان یھبہ من فلان ففعل البائع ذٰلک ودفعہ الی الموھوب لہ جازت الھبة و صار المشتری قابضاً وکذا لو امر البایع ان یواجرہ فلاناً معیناً او غیر معین ففعل جاز وصار المستاجر قابضاً للمشتری اولاً ثم یصیر قابضاً لنفسہ والاجر الذی یاخذہ البایع من المستاجر یحسبہ من الثمن ان کان من جنسہ۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۱۷ باب المرابحة والتولیة) [1]

کتے کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال:۔ کتے کی خرید وفروخت از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جائز فائدے اور نفع کے لیے کتے کی خرید وفروخت کی اجازت دی ہے مثلاً شکار یا چوکیداری یا فصل وغیرہ کی حفاظت کی خاطر کتا خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً مرخص ہے۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ابوحنیفة عن الھیثم عن عکرمة عن ابن عباس رض قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصید۔

(المسند للامام الاعظم ص۳۱۹ باب الرخصة فی ثمن کلب الصید) [2]

---

[1] لما قال فی الھندیة : اذا قال المشتری للبایع ابعث الی ابنی واستاجر البایع رجلاً یحملہ الی ابنہ فھٰذا لیس بقبض والاجر علی البایع الا ان یقول استاجر علیّ من یحملہ فقبض الاجیر یکون قبض المشتری ان صدقہ انہ استاجر ودفع الیہ وان انکر استئجارہ والدفع الیہ فالقول قولہ کذا فی التاتارخانیة۔

(الفتاویٰ الھندیة ج۳ ص۱۹ الباب الرابع فی حبس المبیع بالثمن)

ومثلہٗ فی ردّ المحتار ج۵ ص۱۴۹ مطلب فی تصرف البائع فی المبیع قبل القبض۔

[2] قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ :۔ یجوز بیع الکلب ...... ولانہ ینتفع بہ حراسةً واصطیاداً فکان مالاً فیجوز بیعہ۔ (الھدایة ج۳ ص۱۰۳ مسائل منثورہ، کتاب البیوع)

ومثلہٗ فی ردّ المحتار ج۵ ص۲۲۷ باب المتفرقات، کتاب البیوع۔

پرندوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ پرندوں کو پکڑ کر فروخت کرتے ہیں، مثلاً چیل، باز، تیتر اور بٹیر وغیرہ پرندوں کو پکڑ کر خوب نفع کماتے ہیں، تو کیا از روئے شریعت یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ نے پرندوں کے شکار اور پکڑنے کو جائز قرار دیا ہے اور ان کی خرید و فروخت کی بھی اجازت دی ہے، اس معاملہ میں فریقین کی رضامندی سے جو بھی قیمت متعین کی جائے شرعاً مرخص ہوگی، تاہم آپس میں لڑانے کے لیے خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وصح بيع الكلب...... وكذا الطيور اى الجوارح والفهد والبازى يقبلان التعليم فيجوز بيعها على كل حال۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۷ باب المتفرقات، کتاب البیوع) [1]

خنزیر کی خرید وفروخت کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا اسلام میں خنزیر کی خرید وفروخت کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام نے چونکہ خنزیر کو نجس العین اور حرام قرار دیا ہے اور خنزیر سے ہر قسم کے انتفاع اور اس کی خرید وفروخت کو بھی ناجائز اور حرام قرار دیا ہے، اس لیے کسی مسلمان کیلئے اسلامی نقطۂ نظر سے خنزیر کو ذریعۂ آمدن بنانا قطعاً زیبا نہیں، یہی وجہ ہے کہ شرعاً خنزیر جب عقد میں خواہ بطور مبیعہ ہو یا ثمن ہو تو عقد باطل ہے لہٰذا خنزیر کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ تاہم جب اسلامی ملک میں ذمی رہائش پذیر ہوں تو اُن کو آپس میں اس کی خرید وفروخت کی گنجائش موجود ہے۔

لما قال العلامة مرغينانیؒ: اذا كان احد العوضين او كلاهما محرّماً فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم والخمر والخنزير۔ (الهداية ج ۳ ص ۵۳ باب البيع الفاسد) [2]

---

[1] قال فى الهندية: وكذا بيع السنور وسباع الوحش والطير جائز عندنا معلماً كان او لم يكن كذا فى الفتاوى قاضيخان۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۱۴ الفصل الرابع فى بيع الحيوانات)

وَمِثْلُهُ فى البرجندى ج ۳ ص ۱۴ كتاب البيوع۔

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيدؒ: ولو باع الخمر والخنزير كان باطلاً باعهما من مسلم او لمسلم۔ (خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۱۱ كتاب البيوع الباب الرابع فى البيع الفاسد واحكامه)

وَمِثْلُهُ فى الهندية ج ۳ ص ۱۲۶ كتاب البيوع الباب الحادى عشر فى احكام البيع الغير الجائز۔

مردار جانور کی کھال رنگنے کے بعد فروخت کرنا

سوال: مرے ہوئے غیر مذبوح جانور کی کھال نکال کر با قاعدہ طور پر رنگنے کے بعد فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ نے غیر مذبوح جانور سے انتفاع ممنوع قرار دیا ہے لیکن اس کی کھال کو باقاعدہ رنگنے یا خشک کرنے کے بعد فروخت کرنا جائز قرار دیا ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن عبد اللہ بن عباسؓ اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بشاۃ فقال ھلا استمتعتم باھابھا قالوا انھا میتۃ قال انما حرم اکلھا۔

(رواہ البخاری ج۱ ص۲۹۶ باب جلود المیتۃ قبل ان تدبغ) [۲]

مُردار جانور کی ہڈیاں فروخت کرنا

سوال: مردار جانور جس کے کھانے سے شریعت نے منع فرمایا ہے، تو کیا ان کی ہڈیوں کو جمع کرکے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں جبکہ اس جانور کو باقاعدہ طور پر ذبح نہیں کیا گیا ہو؟

الجواب: خنزیر کے علاوہ دیگر مردار جانوروں کی کھال رنگنے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں لیکن ہڈی، بال اور اُون کی خرید و فروخت شرعاً مرخص ہے کیونکہ کسی جانور کی موت کی وجہ سے اس کی یہ اشیاء ناپاک نہیں ہوتیں۔ لہٰذا اگر جانور باقاعدہ مذبوح نہ بھی ہو تو اس کے ہڈی، بال اور اُون کی فروخت جائز اور مرخص ہے۔

لما قال المرغینانیؒ: ولا بأس ببیع عظام المیتۃ وعصبھا وصوفھا وقرنھا وشعرھا ووبرھا والانتفاع بذٰلک کلہ لانھا طاھرۃ لایحلھا الموت لعدم الحیاۃ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۵۸ باب البیع الفاسد) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ الزیلعیؒ: وجلد المیتۃ قبل ان تدبغ یعنی لا یجوز بیعہ وبعدہ یباع وینتفع بہ ------ یعنی بعد الدباغ یجوز بیعہ۔ (تبیین الحقائق ج۴ ص۵۱ باب البیع الفاسد)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۳ ص۵۵ کتاب البیوع، باب البیع الفاسد۔

[۲] قال العلامۃ الزیلعیؒ: وجلد المیتۃ قبل الدباغ وبعدہ یباع وینتفع بہ کعظم المیتۃ وعصبھا وصوفھا وقرنھا ووبرھا یعنی بعد الدباغ یجوز بیعہ کما یجوز بیع عظم المیتۃ۔

(تبیین الحقائق ج۴ ص۵۱ باب البیع الفاسد)

وَمِثْلُہٗ فی الخانیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج۲ ص۱۳۳ کتاب البیع فصل فی البیع الباطل۔

گندگی کھانے والے جانوروں کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ بعض جانور مثلاً مرغی اور بکری وغیرہ گندگی اور بدبودار اشیاء کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر ایسی اشیاء کھانے کی وجہ سے ان سے بدبُو محسوس ہوتی ہو تو ایسی حالت میں ان کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مذکورہ جانور گندگی کھانے کی وجہ سے بدبودار ہوگئے ہوں تو ایسی صورت میں ان کا کھانا اور خرید و فروخت مکروہ ہے تاہم اگر ان کو گندگی کھانے سے روک لیا جائے اور بدبو زائل ہونے تک بند رکھا جائے تو پھر ان کے کھانے اور خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: الجلالة التی تأکل العذرة کرہ لحمها وتحبس الجلالة حتی یذهب نتن لحمها وفی المنتقی الجلالة المکروهة التی اذا قربت وجدت منها رائحة فلا توکل ولا یشرب لبنها ولا یعمل علیها وتلک حالها ویکره بیعها وهبتها وتلک حالها۔ (ردّ المحتار ج۶ ص۳۴۰ کتاب الحظر والاباحة)[1]

ریچھ کو ذبح کرکے روغن نکال کر فروخت کرنا

سوال:۔ ریچھ کو شرعی طریقہ سے ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت سے روغن اور تیل نکالا جاتا ہے تاکہ جانوروں کو کھلا کر اُن کی قوت بڑھائی جاسکے، تو کیا اس طریقہ سے روغن نکال کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ باقاعدہ ذبحِ شرعی سے حرام جانور کا گوشت اور کھال وغیرہ پاک ہوجاتے ہیں، اس بناء پر اس کے گوشت وغیرہ سے روغن یا تیل نکال کر انسانوں کی خوراک کے علاوہ مویشیوں اور دیگر ضروریات کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، ایسی خرید و فروخت بھی جائز ہے

لما قال فی الهندیة: واما حکمها فطهارة المذبوح وحل اکله من الماکول

---

[1] قال ابن نجیمؒ: ولا تؤکل الجلالة ولا یشرب لبنها لانه علیه السلام نهی عن اکلها وشرب لبنها والجلالة التی تعتاد اکل الجیف ولا تخلط فیکون لحمها منتناً ولو حبست حتی یزول النتن حلت۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۸۲ فصل فی الاکل والشرب)

ومِثلُہٗ فی الهندیة ج۶ ص۳۰۸ الفصل الثانی عشر فی الاجارات والمزارعات۔

وطھارۃ غیر الماکول للانتفاع لا بجھۃ الاکل کذا فی محیط السرخسی۔
(الفتاوی الہندیۃ ج۵ ص۲۸۲ کتاب المعاملۃ۔ الباب الثانی فی المتفرقات) ؎۱

قبل الدباغ مردار جانور کی کھال کی فروخت کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں مردار جانوروں کی کھال اتار کر رنگنے سے قبل ہی فروخت کر دی جاتی ہے، کیا ایسی کھال کا استعمال و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مردار جانور کے اجزاء سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا شرعاً ممنوع ہے، لہٰذا اُس کی کھال اتار کر دباغت (رنگنے) سے قبل فروخت کرنا ناجائز اور حرام ہے، تاہم کھال کو باقاعدہ دباغت کے بعد استعمال کرنے اور فروخت کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا بیع جلود المیتۃ قبل ان تدبغ لانہ غیر منتفع بہ ولا بأس ببیعھا والانتفاع بھا بعد الدباغ۔ (الھدایہ ج۳ ص۵۸ باب البیع الفاسد) ؎۲

جاندار اشیاء کے مجسموں کی خرید و فروخت

سوال:۔ اگر کھلونوں کو مرغ، بطخ، کبوتر اور دیگر جانوروں اور پرندوں کی شکل پر بنایا جائے تو کیا ایسے کھلونوں کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بلا ضرورت تصویر کشی از روئے شرع ممنوع عمل ہے اس لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جانوروں اور پرندوں کی اشکال والے کھلونوں کی خرید و فروخت سے اجتناب کرے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک موقع پر اس سے منع کرتے ہوئے یوں فرمایا۔

لما ورد فی الحدیث: فقال ابن عباسؓ لاحدثک الا ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

؎۱ قال فخر الدین عثمان بن علی الزیلعیؒ: فجاز بیعہ ولحوم السباع وشحومھا وجلودھا بعد الزکاۃ کجلود المیتۃ بعد الدباغ حتی یجوز بیعھا والانتفاع بھا فی غیر الاکل لطھارتہ بالزکاۃ۔
(تبیین الحقائق ج۴ ص۵ باب البیع الفاسد)
وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۴ ص۴۴۲ کتاب الاضحیۃ۔

؎۲ قال ابن نجیم رحمہ اللہ: (وجلد المیتۃ قبل الدبغ) ای لم یجز بیعہ لانہ غیر منتفع بہ۔ (البحر الرائق ج۶ ص۸۱ کتاب البیوع، باب البیع الفاسد)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۳ ص۱۱۵ کتاب البیوع، الفصل الخامس فی بیع المحرم الصید... الخ

يقول سمعته يقول من صوّر صورة فان الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها ابداً فربا الرجل ربوة شديدة واصفر وجهه فقال ويحك ان ابيت الا ان تصنع فعليك بهذا الشجر كل شئ ليس فيه روح ۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص۲۹۶ باب بیع التصاویر التی لیس فیها روح وما یکره من ذلک) [۱]

مرغیوں کو وزن کر کے فروخت کرنا

سوال :۔ زندہ مرغیوں کو تول کر وزن کر کے فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ جاندار اشیاء عددی متفاوت ہونے کی وجہ سے وزناً یا پیمانے کے ذریعے فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ سانس لینے کی وجہ سے ان کے وزن میں گھٹنے بڑھنے کا احتمال ہوتا ہے جو کہ مفضی الی المنازعہ ہے، البتہ دورِ حاضر میں لوگ اس معمولی گھٹنے بڑھنے کو کوئی وقعت نہیں دیتے تو نزاع نہ ہونے کی صورت میں ایسی بیع جائز ہونی چاہیئے کیونکہ فی زمانہ عادات اس پر مبنی ہیں جبکہ ایام ماضیہ میں عادت کی وجہ سے ایسی بیع کے عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے ۔

لما قال المرغینانیؒ: لان الحیوان لا یوزن عادتاً ولا یمکن معرفة ثقله بالوزن لانه یخفف نفسه مرة ویثقل اخرٰی۔ (الهدایة ج ۳ ص۸۴ کتاب البیوع۔ باب الربٰو) [۲]

آزاد عورت کی خرید و فروخت کا حکم

سوال :۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بہن یا بیٹی کی شادی کے وقت والد یا سرپرست مہر کے نام سے بہت سی رقم وصول کر کے خود استعمال کرتے ہیں جبکہ اس میں سے تھوڑا بہت جہیز میں بھی لگاتے ہیں ، کیا اس طریقہ سے لیے ہوئے مال کا استعمال جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب : اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ مہر میں مبالغہ بہتر نہیں بلکہ

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ : اذا ثبت کراهیة کسبهما لتختم ثبت کراهیة بیعها وضعها لما فیه من الاعانة علٰی ما یجوز وکل ما ادی الٰی ما لا یجوز لا یجوز۔ (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار ج ۶ ص۳۶۰ فصل فی اللبس)

وَمِثْلُهٗ فی عمدة القاری ج ۲ ص ۱۳۸ باب بیع التصاویر، الخ

[۲] قال ابن الهمامؒ : وانما قلنا ان الحیوان لیس بموزونٍ لانه لا یوزن عادةً فلیس فیه احد المقدرین الشرعیین الوزن او الکیل۔ (فتح القدیر ج ۶ ص۱۶۷ باب الربا ۔ کتاب البیوع)

وَمِثْلُهٗ فی العنایة علٰی هامش فتح القدیر ج۶ ص۱۶۷ باب الربا۔

متوسط درجہ کا ہونا چاہیئے اور مہر جس کے حق میں رکھا جائے تو وہ اسی کا حق ہوگا اُس کی اجازت کے بغیر کسی اور کو اس کے استعمال کا حق نہیں ۔ اور بعض علاقوں کا مذکورہ رواج آزاد عورت کی خرید و فروخت کے مترادف ہے جبکہ ظاہری طور پر اسے مہر کا نام دیا جاتا ہے لہٰذا یہ ناجائز و حرام ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشی رحمہ اللہ : وبطل بیع مالیس بمال کالدم والمیتة والحر

(تنویر الابصار علی صدر ردالمحتار ج ۵ ص ۵۲ باب البیع الفاسد) ـلـہ

خون کے جل کر راکھ ہوجانے پر اسکی تجارت کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل اکثر بڑے شہروں بلکہ بعض دیہاتوں میں بھی جانوروں کے خون کی تجارت عام ہے کہ مذبح خانوں سے خون جمع کر کے جلا لیا جاتا ہے اور اس کی راکھ کو فارمی مرغیوں کی خوراک تیار کرنے والی فیکٹریوں پر فروخت کر دیا جاتا ہے، کیا اس طرح جانوروں کے خون کی تجارت کرنا شرعاً جائز ہے ؟

الجواب :- کسی جانور کا خون اگرچہ مال متقوم نہیں کہ اس کو فروخت کیا جائے لیکن بسا اوقات عرف کی وجہ سے ضرورت کے تحت ایک غیر مال بھی مال بن جاتا ہے اور فقہاء اسلام نے اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، مثلاً گوبر وغیرہ۔ تو صورتِ مسئولہ کے مطابق آجکل جانوروں کے خون سے چونکہ فارمی مرغیوں کی خوراک بنتی ہے اور ضرورت کے تحت عموماً اس کا کاروبار ہوتا ہے اسلئے بناء بر عرف اس کو مال سمجھا جائے گا۔ اور مذکورہ صورت میں تو وہ خون خون ہی نہیں رہتا بلکہ جل کر راکھ بن جاتا ہے اس لیے جلے ہوئے خون کی تجارت بلا شک و شبہ جائز ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: یہ بیوپار جائز ہے ..... ان اقوال کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر کسی وقت خون کی قیمت بھی عرفاً ہو جائے تو اسکی بیع و شراء صحیح ہے اور خون کی راکھ تو پاک ہے اس کی بیع صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ۔ (امداد الاحکام جلد ۳ ص ۳۵۴، ۳۵۵ کتاب البیوع)

خون کی خرید و فروخت کے احکام

سوال :- خون کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- خون چونکہ مالِ متقوم نہیں اسلئے شرعاً اس کے

لـہ قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: اذا کان احد العوضین او کلاھما محرماً فالبیع فاسد وکذا اذا کان غیر مملوک کالحر۔ (الھدایة ج ۳ ص ۵۳ کتاب البیوع، باب البیع الفاسد)

وَمِثْلُہٗ فی مجلة الاحکام المادة ص ۲۱۱ الفصل الثانی فیما یجوز بیعہ ومالا یجوز)

خرید وفروخت جائز نہیں، تاہم اگر کسی مریض کے لیے شدید ضرورت کے وقت بلاقیمت خون نہ ملتا ہو تو قیمت دے کر اس کے لیے خون خریدنا تداوی بالمحرم کی وجہ سے مرخص ہوگا لیکن خون دینے والے کیلئے قیمت لینا جائز نہیں تاکہ خون متاعِ بازار نہ بن جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: بطل بیع مالیس بمالٍ ای لیس بمال فی سائر الادیان کالدم۔ (ردّ المحتار ج۵ ص۵۱ مطلب لبیع الموقوف من قسم الصحیح) ؎۱

انسانی اعضاء کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال:۔ بعض حالات میں کسی مریض کو آنکھ، گردہ یا اور کسی انسانی عضو کی ضرورت ہوتی ہے، تو کیا ان اعضاء کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ انسان کو مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ نے مکرم اور مشرف پیدا فرمایا ہے، اسی تکریم اور شرافت کے پیشِ نظر انسانی اعضاء کی خرید وفروخت جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں انسانی اعضاء متاعِ بازار بن کر اُن کی عظمت متاثر ہوکر اہانت لازم آئے گی، تاہم بامرِ مجبوری مرخص ہوسکتا ہے۔

لما قال العلامة کمال الدین ابن الہمامؒ: والانتفاع بہ لان الآدمی مکرم غیر مبتذل فلا یجوز ان یکون شیٔ من اجزائہ مہانا ومبتذلا وفی بیعہ اہانة لہٗ وکذا فی امتہانہ بالانتفاع۔ (فتح القدیر ج۶ ص۶۳ باب البیع الفاسد) ؎۲

جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرنا

سوال: جنگل سے لکڑیوں کو کاٹ کر فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جنگل اگر کسی قوم، قبیلے یا حکومت کی باقاعدہ مملوک اور ملکیت نہ ہو تو اس سے لکڑیاں وغیرہ جمع کرکے فروخت کرنا شرعاً جائز ہے لیکن اگر جنگل کسی کی ملکیت ہو تو چونکہ اس میں

؎۱ قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لم یجز بیع المیتة والدم لانعدام المالیة التی ھی رکن البیع۔ (البحر الرائق ج۶ ص۷ باب البیع الفاسد)

ومثلہٗ فی تبیین الحقائق ج۴ ص۴۴ باب البیع الفاسد۔

؎۲ قال العلامة الکاسانیؒ: والآدمی بجمیع اجزائہ محترم مکرم ولیس من الکرامة والاحترام ابتذالہ بالبیع والشراء۔ (البدائع والصنائع ج۵ ص۱۴۵ کتاب البیوع، فصل واما الذی یرجع الی المقصود....الخ

ومثلہٗ فی ردّ المحتار ج۶ ص۳۷۲ فصل فی النظر والمس۔ کتاب الحظر والاباحة۔

دیگر شرکاء کی حق تلفی کا اندیشہ ہے لہٰذا ان کی رضامندی کے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: والحطب فی ملك رجل لیس لاحدٍ ان یحتطبه بغیر اذنه وان کان غیر ملكٍ فلا باس به ولا یضر نسبة الی قریةٍ او جماعةٍ او جماعةٍ مالم یعلم ان ذٰلك ملك لهم وکذٰلك الذرنیخ والکبریت والثمار فی المروج والاودیة۔

(رد المحتار ج ۶ ص۴۴۰ فصل الشرب) [1]

قبرستان کے درخت کاٹنے سے قبل فروخت کرنا

سوال:۔ قبرستان کے درختوں کو کاٹنے سے قبل فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قبرستان کی زمین اگر باضابطہ طور پر وقف کی گئی ہو تو اس زمین کے درخت ذاتی استعمال میں نہیں لائے جا سکتے البتہ ان درختوں میں سے غیر پھلدار درخت قبل القلع فروخت کرنا جائز ہے اور پھلدار درختوں کو قبل القلع فروخت کرنا جائز نہیں، اور ان درختوں کو فروخت کرکے حاصل ہونے والی رقم کو قبرستان کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا، کسی شخص کو یہ رقم خود اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا اختیار نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: وفی الجامع وفی فتاوٰی ابن الفضل سئل عن اشجار موقوفة مع الارض ایجوز بیعها قال لا یجوز قبل القلع کبیع الارض وبعد القلع یجوز۔ وقال ایضًا الاشجار الموقوفة اذا کانت غیر مثمرة یجوز بیعها قبل القلع لانها هی الغلة بعینها والمثمرة لم یجز بیعها الا بعد القلع

---

[1] قال العلّامة سلیم رستم باز رحمه الله: الاشجار التی تنبت بلا غرسٍ فی الجبال المباحة غیر المملوکة (بعد فی یسیر) والقبر والزرنیخ والفیروزج کالشجر فمن اخذ من هٰذه الاشیاء ضمن والحطب فی ملكِ رجلٍ لیس لاحدٍ ان لحتطبه بغیر اذنه وان کان فی غیر ملكٍ فلا باس به ولا تضر نسبته الی قریة او جماعة مالم یعلم ان ذٰلك ملك لهم۔

[شرح المجلة تحت المادة ج۴۴۷ ص۱۲۴۳
الفصل الاوّل فی الاشیاء المباحة۔]

ومثلهٗ فی الجامع الفصولین ج۲ ص۲۶۶، ۲۶۷، الفصل الخامس والثلاثون فیما یمنع عنه مالا یمنع

کبناء الوقف والباب لا یجوز بیعہ قبل الدفع - (التاتارخانیۃ ج۵ ص۸۷۵ کتاب الوقف ، مسائل وقف الاشجار) [۱]

خودرو گھاس کی خرید وفروخت کرنا

سوال :- اگر کسی کی مملوکہ زمین میں خودرو گھاس ہو تو اس کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- خودرو گھاس چاہے مملوکہ زمین میں کیوں نہ ہو کاٹنے سے قبل اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ، تاہم اگر خودرو گھاس کے لگانے اور حفاظت کرنے میں مالکِ زمین کی محنت بھی شامل ہو مثلاً اس کے اردگرد خندق یا کانٹے دار تار وغیرہ سے حفاظت کرے اور اس کو پانی وغیرہ دے تو اِس محنت کی وجہ سے مالکِ زمین کے لیے اس خودرو گھاس کی خرید و فروخت جائز ہوگی ۔ بشرطیکہ اس گھاس کو کاٹ کر فروخت کی جائے ۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : عن رجلٍ من مہاجرین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال غزوت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثاً اسمعہ یقول المسلمین شرکاء فی ثلاث الماء والکلاء والنار - (ابوداؤد ج۲ ص۱۲۶) [۲]

اپنے مملوکہ درخت سے شہد فروخت کرنا

سوال :- اگر کسی شخص کی اپنی مملوکہ زمین میں درخت ہو اور اس میں شہد کی

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدینؒ ، وفی البزازیۃ وقال الفضلی و بیع الاشجار الموقوفۃ مع الارض لا یجوز قبل القلع کبیع الارض - وقال ایضاً اذا لم تکن مثمرۃ یجوز بیعہا قبل القلع - ایضاً لانہ غلتہا والمثمرۃ لاتباع الا بعد القلع کبیع البناء الوقف بحر -

(تنقیح الفتاوٰی حامدیۃ ج ۱ ص۱۱۵ فی مطلب بیع الاشجار الوقف)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۲ ص۱۴ الباب الخامس فی ولایۃ الوقف وتصرف القیم -

[۲] قال فی الھندیۃ ؛ ولا یجوز بیع الکلاء واجارتہ وان کان فی ارض مملوکۃ غیر ان لصاحب ان یمنع الدخول فی ارضہ ..... ھذا اذا نبت بنفسہ فاما اذا کان سقی الارض واعدھا للانبات فنبت ففی الذخیرہ والمحیط والنوازل یجوز بیعہ لانہ ملکہ وھو مختار الشہید -

(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۳ ص۱۰۹ الفصل الثانی فی بیع الثمار وانزال الکروم والاوراق الخ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۶ ص۷۷ باب البیع الفاسد -

مکھیاں شہد بنالیں تو اس شہد کی فروخت کا اختیار اس مالکِ زمین کو ہوگا یا ہر شخص اس کو کاٹ کر فروخت کرسکتا ہے؟

الجواب:۔ اپنی مملوکہ زمین میں شہد کی فروخت اور دیگر مالکانہ تصرفات کا حق صرف زمین کے مالک کو حاصل ہے، کیونکہ شہد درخت کے تابع ہوکر درخت کے حکم میں ہے۔ اس بناء پر چونکہ درخت میں تصرف کا حق صرف مالکِ زمین کو حاصل ہے، اس لیے شہد پر اختیار بھی اسی کو حاصل ہوگا لہٰذا کسی دوسرے شخص کو اس کی فروخت وغیرہ کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: بخلاف ما اذا عسل النحل فی ارضه لانه عد من انزاله فیملکه تبعاً لارضه کالشجر النابت فیه والتراب المجتمع فی ارضه بجریان الماء۔
(الهداية ج۳ ص۱۰۶ مسائل منثورة۔ کتاب البیوع)[1]

خریدکردہ درخت کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا حکم

سوال: ایک شخص نے کسی سے چند درخت خریدے، کاٹتے وقت دونوں میں کچھ تیز گفتگو ہوئی کہ درختوں کو کہاں سے کاٹا جائے، مالکِ زمین اوپر سے کاٹنے پر مصر ہے جبکہ مشتری جڑ سے اکھاڑنا چاہتا ہے، کیا ازروئے شریعت اس میں کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیع و شراء کے وقت اگر درختوں کا سودا بلا کسی شرط کے ہوا ہو تو مشتری کیلئے درختوں کا جڑ سے اکھاڑنا جائز ہے، لیکن اگر سودا طے کرتے وقت سطحِ زمین سے کاٹنے کی شرط لگائی گئی ہو تو سطحِ زمین سے ہی کاٹنا ہوگا، اور اگر جڑ سے اکھاڑنے کی صورت میں قریبی کنوئیں یا دیوار وغیرہ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو پھر جڑ سے اکھاڑنے کی بجائے سطحِ زمین سے کاٹنا ہوگا۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمه الله: وفیها اذا اشتری شجرة للقلع فانه یومر بقلعها بعروقها ولیس له حفر الارض الی انتهاء العروق بل بقلعها علی العادة الا ان شرط

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: بخلاف معسل النحل فی ارضه حیث یملکه وان لم تکن ارضه معدة لذلك من انزال الارض حتی یملکه تبعاً لها کالاشجار النابتة۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۲۸ باب المتفرقات۔ کتاب البیوع)
ومثله فی رد المحتار ج۵ ص۳۵ کتاب البیوع۔

للبايع القلع على وجه الارض او يكون فى القلع من الاصل مضرة على البايع كما اذا كانت بقرب حائطٍ او بئرٍ لانه يقطعها على وجه الارض - (البحرالرائق ج۵ ص۲۹۴ کتاب البیع، فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار) له

باغ کے بعض پھل ظاہر ہوں جبکہ بعض ظاہر نہ ہوں ایسی حالت میں باغ کی فروخت کا حکم

سوال:- بعض لوگ باغ کے صرف بعض پھل ظاہر ہونے پر خریدار پر بیچ دیتے ہیں، جبکہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ پھل کی مقدار کیا ہوگی یا مستقبل میں اس کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے، اسی حالت میں اگر باغ فروخت کیا جائے تو شرعی نقطۂ نظر سے اس کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ ایسی حالت میں درخت میں ایسے پھل بھی ہو سکتے ہیں جن کا ابھی وجود نہیں ہوتا ہے؟

الجواب:- شرعی نقطۂ نظر سے کسی چیز کی فروخت کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ مبیعہ عقد کے وقت موجود ہو تاکہ بائع مشتری کو سپرد کر کے اپنی ذمہ داری فارغ کرے۔ صورتِ مذکورہ میں جو پھل ظاہر ہو خواہ انسان کے کھانے کی صلاحیت رکھتا ہو یا حیوانات کی، اس کی خرید و فروخت جائز ہے، لیکن اگر باغ فروخت کرتے وقت پھل ظاہر نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ ہے کہ پھل ابھی بالکل ظاہر نہ ہو تو یہ عقد بیع معدوم ہو کر ناجائز ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض پھل ظاہر ہو لیکن روز بروز باغ میں مزید پھل ظاہر ہوتا رہتا ہو، ایسی حالت میں اگر مالک موجودہ پھل فروخت کرے لیکن جو پھل ابھی ظاہر نہیں ہوئے تو ظاہر المذہب کی رو سے اس کی بیع فاسد رہے گی۔

لیکن عمومِ بلویٰ اور ضرورت کو دیکھ کر علماء کرام نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور جو پھل ابھی پیدا ہو رہے ہوں تو اس کے لیے باغ کے اجارہ کے عوض مشتری کے لیے

له قال العلامة ابن عابدينؒ: اشترى شجرة للقلع يومر بقلعها بعروقها وليس له حفر الارض الى انتهاء العروق بل يقلعها على العادة الا ان شرط البائع القطع على وجه الارض او يكون فى القلع من الاصل مضرة للبايع ككونها بقرب حائطٍ او بئرٍ فيقطعها على وجه الارض -

(رد المحتار ج۴ ص۵۵ مطلب فى بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً)

ومثله فى الهندية ج۳ ص۳۵ كتاب البيوع، الفصل الثانى -

بھاری حصہ مقرر کر کے بائع کو مثلاً ہزارواں حصہ دینے کے حیلہ کا سہارا لے کر معاملہ جائز رہے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: والحیلة ان یأخذ الشجرة معاملةً علی ان لہ جزءً من الف جزءٍ وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستأجر الارض مُدَّةً معلومة یعلم فیھا الادراك بباقی الثمن وفی الاشجار الموجود ویحل لہ البائع مایوجد فان خاف ان یرجع یقول علی انی متی رجعت فی الاذن تکون ماذوناً فی الترك ثمتی ملخصاً۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۴ ص۵۵۸ کتاب البیوع) لہ

پکنے تک کی شرط لگا کر کچی فصل خریدنا

سوال:- گندم یا جو کی کچی فصل پکنے تک چھوڑنے کی شرط سے خریدی جائے اور پکنے پر کاٹی جائے تو کیا یہ بیع شرعاً درست ہوگی یا نہیں؟ اور جواز کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- گندم، جو یا دیگر فصلوں کو اس شرط سے خریدنا کہ پکنے پر کاٹوں گا تو یہ صورت ناجائز ہے، البتہ فقہاء نے جواز کی ایک صورت ذکر کی ہے کہ فصل کو مستقل طور پر قیمتاً خرید کر ایک خاص مدت کے لیے زمین اجارہ پر لی جائے اور معینہ مدت کے اندر فصل کو کاٹ لیا جائے تو اس صورت میں مذکورہ بیع اور پکنے تک فصل کا باقی رکھنا صحیح ہوگا۔

لما قال طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: وان کان البیع بشرط الترك لایجوز۔ (خلاصة الفتاوی ج۳ ص۲۹ کتاب البیوع۔ الفصل الثانی فیما یجوز بیعہ... الخ) لہ[۲]

لہ قال العلامة ابن الھمامؒ: وفی ثمار الاشجار یشتری الموجود ویحل لہ البائع مایوجد فان خاف ان یرجع یفعل فی الاذن فی ترك الثمر علی الشجر وھو ان یأذن المشتری علی انہٗ متی رجع من الاذن کان ماذوناً فی الترك باذنٍ جدیدٍ فیجعلہ علی مثل ھٰذا الشرط۔

(فتح القدیر ج۵ ص۴۹۲ کتاب البیوع)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصة الفتاوی ج۳ ص۲۹ کتاب البیوع الفصل الثالث فیما یجوز بیعہ..الخ۔

۲ لہ قال طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو اراد ان یترك فی الارض ویکون لہ الولایة الشرعیة فالحیلة ان یشتری الحشیش واشجار البطیخ ببعض الثمن ویستاجر الارض ببعض الثمن من صاحب الارض ایاماً معلوماً۔ (خلاصة الفتاوی ج۳ ص۲۹ کتاب البیوع الفصل الثانی فیما یجوز بیعہ ومالا یجوز)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۳ ص۳۳ کتاب البیوع۔ الفصل الثانی فیما یدخل فی بیع الاراضی، الخ۔

قرعہ اندازی کے ذریعے خرید و فروخت کرنا

سوال:۔ ایک چیز کی قیمت ایک ہزار روپے ہے، بیس آدمیوں نے آپس میں ۵۰/۵۰ روپے جمع کرکے یہ فیصلہ کیا کہ قرعہ اندازی کرکے جس کے نام پر یہ چیز نکل آئے تو یہ اس کو دی جائے گی اور باقیماندہ افراد محروم رہ جائیں گے، کیا یہ طریقۂ تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مطہرہ میں خرید و فروخت کے جو اصول وضع کیے گئے ہیں اُن کے فقدان کی وجہ سے ایسی بیع جائز نہیں، صورتِ مذکورہ میں ایک ممنوع امر یہ ہے کہ اگر نام نکل آئے تو اس کو مبیعہ دیا جائے گا ورنہ نہیں جو کہ شرط فاسد ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ہر ایک ممبر اپنا نام نکلنے کا متمنّی ہوتا ہے لیکن پتہ نہیں کہ نکلے یا نہیں، تو گویا بیع علی خطر الوجود ہونے کی وجہ سے قمار لازم آتا ہے جو کہ بنصِ قرآنی ممنوع ہے اس بناء پر مذکورہ معاملہ شرطِ فاسد اور قمار کی وجہ سے جائز نہیں۔

لما قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (سورۃ المائدۃ آیت ۹۰) [۱]

تجارتی لائسنس (پرمٹ) کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

سوال:۔ ایک شخص کے پاس حکومت کی طرف سے جاری کردہ تحریری سرٹیفکیٹ کی صورت میں ایک تجارتی لائسنس (پرمٹ) ہے تاکہ درآمد برآمد کے وقت کوئی اعتراض نہ کرے، اب وہ شخص اس اجازت نامہ کو فروخت کرنا چاہتا ہے، یہ لائسنس چونکہ کاغذ کی شکل میں ہوتا ہے تو کیا اس کی فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عصرِ حاضر میں اکثر ممالک نے تاجروں پر لائسنس کے بغیر درآمد برآمد کی پابندی لگائی ہوتی ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ لائسنس ایک مادی چیز نہیں بلکہ دوسرے ممالک کو مال دینے یا لینے کا دوسرا نام ہے اور اس لائسنس کے حصول کیلئے چونکہ وقت، کوشش اور

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ: ماکان مبادلۃ مالٍ بمال یفسد بالشرائط الفاسد ویبطل تعلیقہ۔ ایضاً لدخولہ فی التملیکات لانھا اعم۔
(ردالمحتار ج۵ ص۲۴۰ مایبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقہ بہ)
ومثلہٗ فی البحرالرائق ج۶ ص۱۷۹ باب المتفرقات۔ کتاب البیوع۔

مال صرف کرنا پڑتا ہے تب کہیں جاکر حامل لائسنس کو تحریری سرٹیفکیٹ کے ذریعے قانونی پوزیشن حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ مختلف قسم کی سہولیات کا حقدار ہو جاتا ہے اور بغیر لائسنس کے مال درآمد برآمد کرنا قانوناً جرم ہوتا ہے اور اس کے مرتکب شخص کو سزا کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، اس لیے یہ لائسنس بڑا قیمتی ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے کروڑوں روپے کی تجارت ممکن ہوتی ہے۔ تو اس طرح تجارتی لائسنس کے ساتھ اموال والا معاملہ کیا جا سکتا ہے چونکہ حامل لائسنس کو یہ حق اصالتاً ثابت ہے تو اگر وہ عوض لے کر اپنے حق سے دستبردار ہو کر کسی دوسرے کے نام منتقل کر دے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مال کے بدلے اپنے وظائف اور حقوق سے دستبرداری شرعاً مرخص ہے، البتہ اگر لائسنس کسی مخصوص فرد یا مخصوص کمپنی کا ہو جس کی کسی دوسرے فرد یا کمپنی کو انتقال کی بالکل قانوناً اجازت نہ ہو، تو چونکہ ایسے لائسنس کو کسی دوسرے کے نام منتقل کرنے کی صورت میں جھوٹ، دھوکہ اور فریب لازم آتا ہے لہٰذا یہ بیع ناجائز ہوگی۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: ولا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة وعلى هذا لا يجوز الاعتياض عن الوظائف بالاوقاف وفيها في آخر بحث تعارض العرف مع اللغة المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لكن افتى كثير باعتباره وعليه فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمالٍ۔ (الدر المختار ج۴ ص۵۱۹ کتاب البیوع)[1]

انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:- آجکل حکومت نے انعامی بانڈز کے نام سے ایک کاروبار شروع کیا ہوا ہے جو کہ مختلف مالیت کے بانڈز کی شکل میں ہے، طریقۂ کار اس کا یہ ہوتا ہے کہ بانڈ حاصل کرنے کے ہر ماہ بعد قرعہ اندازی کی جاتی ہے، قرعہ اندازی میں جو نمبر نکلتے ہیں اُن کے حاملین کو زیادہ رقم دیدی جاتی

---

[1] قال العلامة خالد اتاسيؒ: اقول وعلى ما ذكروه من جواز الاعتياض عن الحقوق المجردة بمال ينبغي ان يجوز الاعتياض عن التعلي وعن حق الشرب وعن حق المسيل بمال.... كما جاز النزول عن الوظائف ونحوها لا سيما اذا كان صاحب حق التعلي فقيراً قد عجز عن اعادة علوه فلو لم يجز ذلك له على الوجه الذي ذكرناه يتضرر فليتامل و ليحرر۔ (شرح مجلة الاحكام ـ المادة ۲ ص۱۲۱ ج۱ الفصل الثاني في بيع ما يجوز وما لا يجوز۔ ومِثلهُ في فقهي مقالات ج۱ ص۱۹ بيع حقوق المجردة۔

ہے اور باقی تمام ممبران زیادہ رقم سے محروم ہو کر اپنی جمع شدہ رقم چھوڑنے یا واپس لینے کے مجاز ہوتے ہیں، تو کیا اس طرح انعامی بانڈز کی خرید وفروخت اور اس کے ذریعے حاصل شدہ رقم کو استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مذکورہ کاروبار دو وجوہات کی بناء پر مشروع نہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس میں ربوا پائی جاتی ہے اور اعانت علی الربوا بھی ہے کیونکہ حکومت ان ممبروں سے حاصل ہونے والی رقم کو اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک مختلف قسم کے سودی معاملات میں استعمال کرتی ہے جو کہ حکومت کے ساتھ سودی معاملات میں تعاون ہے اور مختلف افراد سے جمع ہونے والی رقم کا فائدہ صرف مخصوص افراد حاصل کرتے اور باقیماندہ ممبران محروم ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ تمام ممبر اپنی اپنی رقم کے عوض میں زیادہ رقم کے متمنی ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک کا حصہ علیٰ خطر الوجود ہوتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انعام حاصل ہوتا ہے یا نہیں، لہٰذا یہ قمار کی صورت ہے۔

اس لیے ان وجوہات کی بناء پر مذکورہ کاروبار سود اور قمار کی وجہ سے ناجائز ہے اور چونکہ یہ دونوں نصِ قرآنی کی رُو سے ناجائز اور حرام ہیں، لہٰذا یہ کاروبار اور اس کے ذریعے ملنے والی رقم کسی بھی مسلمان کی شایانِ شان نہیں۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ۔ (سورۃ المائدۃ آیت ۹۰) [۱]

غیر ملکی ویزا کی خرید وفروخت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کو اس کے بھائی نے سعودی عرب کا ویزا بھیجا ہے، بعض وجوہات کی بناء پر وہ خود سعودی عرب نہیں جا سکتا اور ویزہ کسی دوسرے شخص پر پچاس ہزار روپے کے عوض فروخت کرنا چاہتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس شخص کے لیے ویزا فروخت کر کے رقم حاصل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: موجودہ دور میں بیشتر ممالک اپنے ملک میں کسی غیر ملکی کو بغیر ویزا کے داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ایک قانونی جرم قرار دیا ہے، جبکہ ویزہ ابذاتِ خود کوئی مادی چیز تو ہے نہیں

---

[۱] لما ورد فی الحدیث: عن جابرٍ قال لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ھم سواء۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۴ کتاب الربوا)

بلکہ کسی دوسرے ملک میں داخل ہونے اور وہاں ایک متعین وقت تک رہنے کا تحریری اجازت نامہ ہے جس کی رُو سے حاملِ ویزا کو مناسب سہولیات بھی حاصل ہوتی ہیں جبکہ بغیر ویزہ کے داخلہ ممنوع ہوتا ہے، چونکہ کسی ملک کے ویزا کے حصول کے لیے کافی وقت اور مال لگایا جاتا ہے اور حاملِ ویزہ کو چونکہ وہاں داخلے اور رہنے کا حق اصالتاً حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا اگر وہ اپنے حق اور وظیفہ سے دستبردار ہو کر ویزہ کسی دوسرے کے نام فروخت کرے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ مناسب عوض لے کر کسی کو اپنا حق اور وظیفہ چھوڑنا فقہاء نے مرخص قرار دیا ہے لہٰذا ویزہ فروخت کر کے رقم حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق شفعة وعلیٰ ھذا لا یجوز الاعتیاض عن الوظائف بالاوقاف وفیھا فی آخر بحث تعارض العرف مع اللغة المذھب عدم اعتبار العرف الخاص لکن افتی کثیر باعتباره وعلیه فیفتیٰ بجواز النزول عن الوظائف بمالٍ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۴ ص۵۱۹ کتاب البیوع) [1]

انتخابات کے دوران ووٹ کی خرید وفروخت کا مسئلہ

سوال:۔ بعض علاقوں میں انتخابات کے وقت لوگ اُمیدواروں سے بھاری رقم لے کر اپنا ووٹ اس کے حق میں استعمال کرتے ہیں، تو کیا ووٹ کے عوض رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ووٹ جس کے حق میں استعمال کیا جاتا ہے وہ اس کے حق میں ملک و ملت کی خیر خواہی کی شہادت ہے، اور ووٹ ایک قسم کی سفارش ہے کہ امیدوار کے لیے متعلقہ عہدے کی سفارش کر رہا ہے، ووٹ ایک قسم کا مشورہ ہے کہ یہی امیدوار اس عہدے کا مستحق ہے، لہٰذا ووٹ کی مذکورہ بالا حیثیتوں سے یہ بات عیاں ہے کہ ووٹ مالِ متقوم نہیں، اور کسی بھی چیز کی

---

[1] قال العلامة خالد الاتاسی رحمہ اللہ: اقول وعلیٰ ما ذکروه من جواز الاعتیاض عن الحقوق المجردة بمال ینبغی ان یجوز الاعتیاض عن التعلی وعن حق الشرب وعن حق المسیل بمال.... کما جاز النزول عن الوظائف ونحوها لا سیما اذا کان صاحب حق العلو فقیراً قد عجز عن اعادة علوه فلو لم یجز ذلك له علی الوجه الذی ذکرناه یتضرر فلیتامل ولیحرد۔ (شرح مجلة الاحکام۔ المادة ۲ ص۱۲۱/ج۱ الفصل الثانی فی بیع ما یجوز وما لا یجوز۔ ومثلهٗ فی فقہی مقالات ج۱ ص۱۹ بیع حقوق المجردة۔

خرید و فروخت کے لیے اُسی چیز کا مالِ متقوم ہونا ضروری ہے، لہٰذا ووٹ کے بدلے رقم حاصل کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں -

لما قال الدکتور وھبۃ الزحیلی: اتفق الفقہاء علی صحۃ البیع اذا کان المعقود علیہ مالاً متقوماً محرزاً موجوداً مقدوراً علی تسلیمہ معلوماً للعاقدین لم یتعلق بہ حق الغیر- (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۴ ص۵۰۴ کتاب البیوع۔ ثالثاً البیوع الممنوعۃ بسبب المعقود علیہ۔الخ) لہ

ٹریڈ مارک کی خرید و فروخت

سوال:- بعض کمپنیوں اور اداروں کی اپنی تجارتی علامت ہوتی ہے جو کہ حکومت کی طرف سے رجسٹرڈ ہوتی ہے اور اُسے گاہک کو رغبت اور تیزی دلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیا اس کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: کسی کمپنی کی مصنوعات پر تجارتی علامت یا ٹریڈ مارک رغبت یا بے رغبتی کا سبب ہوتی ہے اس لیے تاجروں کی نظر میں اس کی وقعت بڑھ جاتی ہے چونکہ موجودہ دور میں التباس اور دھوکہ بازی عام ہونے کی وجہ سے حکومتوں کی جانب سے ان ٹریڈ مارکوں کی رجسٹریشن ہونے لگی اور ایک تاجر کے لیے دوسرے تاجر کا ٹریڈ مارک کا استعمال قانونی طور پر جرم قرار دیا گیا ہے اس لیے تاجروں کی نظر میں اس کی قیمت گویا مادی بن گئی ہے اور تاجر اسے مہنگے داموں بیچنے اور خریدنے لگے ہیں اور ٹریڈ مارک کو تحریری سرٹیفکیٹ کی شکل دی گئی ہے۔ یہ تو ایک حق مجرد ہے لیکن اس کے حصول کے لیے چونکہ بے تحاشا مال صرف کیا جاتا ہے، گویا کہ وہ تاجر کے لیے ایک ثابت حق بن جاتی ہے جو کہ اس کے لیے اصالتاً ثابت ہے۔ تو فقہاء کی تصریحات کے مطابق عوض لے کر اپنا حق اور وظیفہ چھوڑنا مرخص ہے، لہٰذا ٹریڈ مارک کی فروخت میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ ٹریڈ مارک رجسٹرڈ ہو کیونکہ رجسٹریشن کے بغیر یہ علامت قابلِ قبول نہیں ہوتی ۔ اور دوسرا یہ کہ عوام پر دھوکہ اور التباس نہ ہو کہ خود

لہ قال العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن الجزائریؒ: ومنھا ان یکون المبیع مملوکاً للبائع حال البیع ..... وان یکون مقدوراً علی تسلیمہ فلا ینعقد بیع المغصوب...... ومنھا ان یکون المبیع معلوماً والثمن معلوماً علماً یمنع من المنازعۃ فبیع المجھول جھالۃ تفضی الی المنازعۃ غیر صحیح - (کتاب الفقہ علی مذاھب الاربعۃ ج ۲ ص ۱۶۴ کتاب البیع الرکن الثالث - المعقود علیہ) -

استعمال کرتا ہے اور اس سے بھی رقم حاصل کرے۔

لما قال العلّامة الحصکفیؒ: فی الاشباہ لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ کحق الشفعۃ وعلیٰ ھٰذا لایجوز الاعتیاض عن الوظائف بالاوقاف وفیھا فی آخر بحث تعارض العرف مع اللغۃ المذھب عدم الاعتبار بالعرف الخاص لکن افتی کثیر باعتبارہ وعلیہ فیفتیٰ بجواز النزول عن الوظائف بمالٍ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۴ ص۵۱۸، ۵۱۹ کتاب البیوع) ؎۱

بیع بذریعہ نیلام عام

سوال: آجکل بیع وشراء کا یہ طریقہ رائج ہے کہ کسی چیز کو منڈی اور مارکیٹ میں رکھ کر لوگوں میں خریدنے کا اعلان ہوتا ہے، خریدار اپنا اپنا نرخ لگا کر مبیعہ خریدنے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں لیکن جو خریدار زیادہ قیمت بتائے تو وہ مبیعہ اس کے حوالے کیا جاتا ہے، کیا خرید وفروخت کا یہ طریقہ اپنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی ایک خریدار سے باقاعدہ معاہدہ ہوئے بغیر یونہی متعدد خریداروں کی رائے معلوم کرکے سب سے زیادہ قیمت دینے والے سے ایجاب وقبول کرنا جائز ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو بیع من یزید کہا جاتا ہے، خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے لیے چند اشیاء فروخت کرنے میں یہ طریقہ اپنایا تھا۔

لما جاء فی الحدیث: عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باع حلسًا وقدحا وقال من یشتری ھٰذا الحلس والقدح فقال رجل اخذتھما بدرھم فقال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم من یزید علیٰ درھم فاعطاہ رجلٌ درھمین فباعھما منہ۔
(ترمذی ج۱ ص۲۳۱ باب ما جاء فی بیع من یزید۔ کتاب البیوع) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ خالد الاتاسیؒ: اقول وعلیٰ ما ذکرہ من جواز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ بمال ینبغی ان یجوز الاعتیاض عن التعلی وعن حق الشرب وعن حق المسیل بمال.... کما جاز النزول عن الوظائف ونحوھا لاسیما اذا کان صاحب حق العلو فقیرًا قد عجز عن اعادۃ علوہ فلو لم یجز ذلک لہ علی الوجہ الذی ذکرناہ یتضرر فلیتامل ولیحرر۔ (شرح مجلۃ الاحکام۔ المادۃ ۲/۱۲۱ ج۲ ص۱۲۱ الفصل الثانی فی بیع ما یجوز وما لا یجوز۔

وَمِثْلُہٗ فی فقہی مقالات ج۱ ص۱۹ بیع حقوق المجردۃ۔

؎۲ قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا بأس ببیع من یزید (..........) لانہ بیع الفقراء والحاجۃ ماسۃ الیہ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۶۹ کتاب البیوع۔ فصل فیما یکرہ)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۵ ص۱۰۲ مطلب احکام نقصان المبیع فاسدًا۔

سرکاری کاغذات میں جعلسازی سے خود کو مالک ظاہر کرکے کسی کی زمین فروخت کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے شخص کے پاس بطور رہن رکھی تھی لیکن اُس نے سرکاری کاغذات میں دھوکہ اور جعلسازی سے اس زمین کا انتقال اپنے نام پر کرالیا، سرکاری کاغذات میں ردّوبدل کی وجہ سے اب یہ شخص اس زمین کو فروخت کرے تو کیا یہ بیع شرعاً جائز ہوگی؟

الجواب:۔ بشرطِ صدق وثبوت اگر یہ زمین کسی کے لیے تسلیم شدہ یا بذریعہ گواہ ثابت شدہ ہو تو کسی کے غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ سے اس زمین میں شرعاً اُس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس زمین کے تمام تر حقوق بمع حقِ فروخت اصل مالک کو حاصل ہیں، البتہ اس زمین کی فروخت موقوف علیٰ شرط التسلیم ہوگی یعنی جب تک زمین مشتری کے حوالے نہیں کی گئی ہو تو بیع موقوف ہوگی۔

لما قال العلامة الكاسانی رحمه الله:- منها ان يكون مقدور التسليم عند العقد فان كان معجوز التسليم عندهٗ لا ينعقد۔ (البدائع والصنائع ج ۵ ص ۱۴۷ كتاب البيوع۔ فصل واما الذى يرجع الى المعقود عليه)[1]

حکومت کی اجازت کے بغیر غیر ملکی اشیاء کی تجارت کرنا

سوال:۔ وہ غیر ملکی اشیاء جن کی خرید وفروخت پر حکومت کی طرف سے پابندی ہو اُس کے کاروبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ جو اشیاء بیرونِ ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں اُن پر حکومت تاجروں سے ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی وغیرہ کے نام سے کچھ رقم وصول کرتی ہے، بسا اوقات ان ٹیکسوں میں ناقابلِ برداشت حد تک اضافہ کردیا جاتا ہے، اگر یہ ٹیکس مناسب اور جائز انداز میں لیا جاتا ہو اور قومی خزانہ میں

---

[1] قال طاهر بن عبد الرشيد البخاری رحمه الله: واما بيع المغصوب فقد ذكر محمدؒ انهٗ موقوف ان اقر به الغاصب ثم البيع وان جحد وللمغصوب منه بينة فكذلك وان لم يكن ولم يسلمه حتى هلك ينقض البيع۔

(خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۴۰ الباب الرابع فى بيع الفاسد واحكامه)

ومثلهٗ فى الجامع الفصولين ج ۲ ص ۹۰ الفصل الثانى والثلاثون فى بيع الغصب۔

جمع ہوکر قومی مفاد میں استعمال کیا جاتا ہو تو پھر سامانِ تجارت چوری چھپے لانا مناسب نہیں کیونکہ حکومتِ وقت درآمد کردہ اشیاء پر ضروری ٹیکس لگانے کی مجاز ہے، البتہ اگر حکومت ان ٹیکسوں میں ناقابلِ برداشت اضافہ کرکے تاجروں کو تنگ کرتی ہو اور ٹیکس کے نام سے وصول کی گئی رقم قومی خزانہ کی بجائے ذاتی خواہشات اور ضروریات میں صرف کی جاتی ہو تو ایسی صورت میں مال لانے والا ٹیکس سے بچنے کی مناسب تدابیر اختیار کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ دروغگوئی، خیانت اور دھوکہ بازی سے بہرحال اجتناب ضروری ہے۔

قال القاضی ابو یعلیٰ محمد بن الحسین الفراءؒ: ان کان اللیل تغرًا یتاخم دار الحرب وکانت اموالہم اذا دخلت دار الاسلام معشورة من صلح استقر معھم اثبت فی الدیوان عقد صلحھم وقدر المأخوذ منھم من عشر او خمس او زیادة او نقصان منہ وان کان یختلف باختلاف الازمنة والاموال فصلت فیہ وکان الدیوان موضوعًا لاخراج رسومہ والاستفاء ما یرفع الیہ من مقادیر الامتعة المحمولة الیہ۔ (الاحکام السلطانیة ص۲۴۶) [1]

حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری درختوں کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ سرکاری ملازمین کے ذریعے سرکاری زمین پر اُگے ہوئے درختوں کی خرید و فروخت کا حکم کیا ہے؟

الجواب:۔ حکومت کی طرف سے اگر ان ملازمین کو سرکاری درختوں کی فروخت کی اجازت ہو اور رقم حاصل کرکے قومی خزانہ میں پہنچتی ہو تو ملازمین کے لیے درختوں کو فروخت کرنے میں شرعًا کوئی حرج نہیں، البتہ اگر ملازم خیانت، بددیانتی اور مار دھاڑ سے فروخت کرتے ہوں تو علم ہونے کے باوجود اُن سے خریدنا ناجائز ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے، کیونکہ قومی ملکیت ہونے کی وجہ سے ان درختوں میں پوری قوم کا حصہ ہے۔

---

[1] قال فخر الدین الزیلعیؒ: والاصل ان متی عرفنا ما یأخذون منا اخذنا منھم مثلہ بذلک امر عمر رضی اللہ عنہ وان لم نعرف اخذنا منھم العشر لقول عمر فان اعیاکم فالعشر وان کان یأخذون الکل ناخذ منھم الجمیع الا قدر ما یوصلہ الیٰ مأمنہ فی الصحیح۔

(تبیین الحقائق ج۱ ص۲۸۵ باب العاشر)

وَمِثْلُہٗ فی الجامع الصغیر ص۱۰۱ باب فیمن یمر علی العاشر بمال۔

لما فی مجلۃ الاحکام :۔ لیس للوکیل ان یبیع بانقص مما عینہ الموکل یعنی اذا کان الموکل قد عین ثمنا فلیس للوکیل ان یبیع بانقص من ذلک و اذا باع ینعقد البیع موقوفا علی اجازۃ موکلہ ھ او قال العلامۃ خالد اتاسی : ثم لو خالف الوکیل بالبیع وباع وسلم المبیع للمشتری ثم ھلک فی ید المشتری یکون الوکیل ضامنا لقیمتہ لانہ بالمخالفۃ صار غاصباً اھ ۔ شرح المجلۃ لخالد اتاسی ۴/ ۴۸۵/ ۴۸۶ مادۃ ۱۴۹۵ ص

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا

سوال :بعض لوگ اندرونِ ملک مخصوص علاقوں سے دیگر علاقوں تک کپڑا ، برتن اور دیگر سامان خفیہ طریقے سے لے جاتے ہیں جبکہ بعض اوقات حکومت کے کارندے ان کو پکڑ کر ان کا سامان ضبط کر کے نیلام کر دیتے ہیں ، کیا ان ضبط شدہ اشیاء کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ چونکہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ سامان اصل مالک کی ملک سے نہیں نکلتا ہے کیونکہ حکومت کیلئے رعایا کے اموال ضبط کرنا مناسب نہیں لہٰذا ایسا سامان اصل مالک کے ملک سے خارج نہ ہونے کی وجہ سے واجب الرّد ہے ، اس بناء پر ضبط شدہ مال کی خرید و فروخت جائز نہیں اور حکومت کی اندرونِ ملک انتقالِ اشیاء پر پابندی لگانا جائز نہیں ۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ : ولیس للامام ان یخرج شیئاً من ید احدٍ الا بحق ثابت معروف ۔ (ردّ المحتار ج ۴ ص ۱۸۰ مطلب القول الذی لیدان الارض ملکہ وان کانت خراجیۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ القاضی ابو یعلی الحنبلی رحمہ اللہ : فاما اعشار الاموال المنتقلۃ فی دارالاسلام من بلدٍ الی بلدٍ فمحرمۃ لا یبیحھا شرع ولا یسوغھا اجتھاد ولا ھی من سیاسات العدل وقلما تکون الا فی البلاد الجائرۃ ولذلک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ صاحب مکس ۔

(الاحکام السلطانیۃ ص ۲۴۶ فصل فی وضع الیلون ۔ القسم الثانی اعشار الاموال)

وَمِثْلُہٗ محمد حامد الفقی علی ھامش الاحکام السلطانیۃ ص ۲۴۶

غیر محفوظ سرکاری کاغذات کے ذریعے جائیداد وغیرہ کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

سوال:۔ ملکی قانون کے تحت ایک شخص سرکاری کاغذات (رجسٹری و انتقال) کے ذریعے اپنی جائیداد وغیرہ فروخت کرسکتا ہے، ان کاغذات کے اعتبار اور عدم اعتبار کے متعلق شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ از روئے شرع جو سرکاری کاغذات تغیر و تبدل سے محفوظ ہوں تو اُن کو قابلِ اعتبار قرار دے کر ان کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، موجودہ حالات میں چونکہ رشوت، جھوٹ، دھوکہ اور فریب ہر جگہ غالب ہو چکا ہے اس بناء پر دورِ حاضر میں صرف کاغذات کے ذریعے خرید و فروخت مناسب نہیں۔

لما فی مجلة الاحکام: لا یعمل بالخط والختم واحدهما الا اذا کان سالماً من شبهة التزویر والتضنیع فیعمل به یعنی انه یکون مداراً للحکم ولا یحتاج الی الثبوت بوجه آخر۔ (المجلة المادة ۱۷۳۶ الباب الثانی۔ الفصل الاول فی الحجج الخطیة) [1]

وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین کو مسجد یا قبرستان کے لیے وقف کیا، وقف کے بعد اُس زمین کو وہ فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس واقف کو موقوفہ زمین کی فروخت کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زمین کو وقف کر دینے کے بعد شرعاً زمین واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے بشرطیکہ وقف کی شرائط کا لحاظ کرکے وقفِ تام ہو۔ وقف کر دینے کے بعد زمین میں واقف کو کسی قسم کے ذاتی یا مالکانہ تصرفات کا حق حاصل نہیں رہتا، لہٰذا اس زمین کو

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: فالحاصل ان المدار علی انتفاء الشبهة ظاهراً وعلیه فما یوجد فی دفتر التجار فی زماننا اذا مات احدهم وقد حرر بخطه ما علیه فی دفتره الذی یقرب من الیقین انه لا یکتب فیه سبیل التجرید والهزل یعمل به۔
(تنقیح الحامدیة ج ۲ ص ۲۱ مطلب فی دفاتر التجار حادثه فی تاجر له دفتر)

خرید وفروخت یا ہبہ کا مجاز نہیں ہے اور نہ اس زمین میں وراثت جاری ہوسکتی ہے۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ : واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۶۱۶ کتاب الوقف)[1]

مسجد کا ضرورت سے زائد سامان فروخت کرنا

سوال:۔ اگر کسی قصبہ کے لوگ اپنے قصبہ سے مکمل طور پر کسی دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہوں اور اس قصبہ میں مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو کیا ایسی حالت میں مسجد کا سامان فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر حقیقتاً قصبہ والے مکمل طور پر اپنے قصبہ سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہوں اور وہاں مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو اس صورت میں چونکہ مسجد کو ایسے ہی چھوڑنے پر اسکے سامان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے لہٰذا ایسی کسی بھی مسجد کی اشیاء فروخت کرنا جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کو کسی دوسری مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جائے گا، البتہ مسجد کی زمین کسی بھی دوسرے مقصد کے لیے استعمال نہیں ہوسکتی۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : قلت لکن الفرق غیر ظاہر فلیتأمل والذی ینبغی متابعۃ المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد او حوض کما افتیٰ بہ الامام ابو شجاعؒ والامام الحلوانیؒ وکفیٰ بہم قدوۃ ولا سیما فی زماننا فان المسجد او غیرہ من رباط اوحوض اذا لم ینقل یأخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد وکذلک اوقافہ یأکلھا النظار او غیرھم وفی فتاوی النسفی سئل شیخ عن اھل قریۃ رحلوا وتداعی مسجدھا الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبۃ و ینقلونہ الی دورھم ھل لواحد لاھل المحلۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک

---

[1] قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ : فاذا تم ای الوقف فلا یملک ولا یعار ولا یرھن۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۴ ص۳۵۲ کتاب الوقف)
وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۶ ص۲۲۱ ،۲۲۰ کتاب الصدقۃ۔ فصل واما حکم الوقف الجائز الخ۔

الثمن یصرفه الی بعض المساجد او الی هٰذا المسجد قال نعم۔

(ردّ المحتار ج ۴ ص۳۶۰ مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوہ)[1]

غیر موقوف قبرستان کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے ایک قطعہ زمین خریدا جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جگہ قبرستان کی ہے، لیکن تقریباً ساٹھ سال سے اس میں کسی بھی میت کو دفن نہیں کیا گیا ہے اور اس قطعۂ زمین کو مالک نے قبرستان کے لیے وقف بھی نہیں کیا تھا، کیا اب مالکِ زمین کو اس کی فروخت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ غیر موقوف قبرستان میں اگر یہ یقین ہو کہ اموات کی لاشیں ختم ہو کر خاک بن گئی ہیں تو ایسی صورت میں اس کا مالک اس زمین میں ہر قسم کے مالکانہ تصرفات کا مجاز ہوگا، البتہ اگر وقف کا شائبہ بھی موجود ہو تو موقوفہ قبرستان کی خرید و فروخت یا دیگر مالکانہ تصرفات کا حق اس کو حاصل نہیں۔

لما قال الشیخ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی رحمہ اللہ:۔ ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه۔ (التبیین الحقائق ج ۱ ص۲۴۶ باب الجنائز)[2]

وصولِ حق کے لیے غاصب کی جائیداد فروخت کرنا جائز ہے

سوال: میرے ایک رشتہ دار نے میری ملکیتی زمین سرکاری کاغذات (رجسٹری و انتقال وغیرہ) میں جعلسازی سے ردّ و بدل کرکے فروخت

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله:۔ حشیش المسجد اذا کان له قیمة فلاهل المسجد ان یبیعوها وان رفعوا الی الحاکم فهو احب وکذا الحباب والنعش اذا افسدا فلاهل المسجد ان یبیعوها وان رفعوا الی الحاکم فهو احب۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج ۵ ص۸۵۵ کتاب الوقف۔ مسائل وقف المساجد)

ومثله فی الهندیة ج ۲ ص۴۵۸ الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به۔

[2] قال العلامه ابن عابدینؒ:۔ ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۲۳۳ مطلب فی دفن المیت)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص۱۶۷ الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی مکان اٰخر۔

کردی ہے، میں نے بہت اصرار کیا کہ وہ اس زمین کو مجھے واپس کردے لیکن وہ کسی طرح بھی زمین واپس کرنے کو تیار نہیں ہے، اب میرے اس رشتہ دار کو چند وجوہات کی بناء پر ملک چھوڑنا پڑ گیا ہے جبکہ اس کا دو کنال رقبہ میرے قبضے میں ہے، تو کیا میرے لیے اس دو کنال رقبہ کو فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ہے؟

الجواب:۔ بشرطِ صحتِ سوال کسی کے غاصبانہ قبضہ کرنے سے آپ کی زمین اُسکی ملکیت نہیں بن سکتی اور نہ ہی ناجائز طور پر سرکاری کاغذات میں تبدیلی کرکے فروخت کر دینے سے شرعاً ملکیت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ زمین میں مالک کو باقاعدہ طور پر ہر قسم کے تصرّفات کا حق حاصل ہے اپنے حق کے حصول کے لیے غاصب کی منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کی فروخت کرکے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: قال ونقل جد والدي لامه الجمال الاشقر في شرحه للقدوري ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق والفتوىٰ اليوم على جواز الاخذ عند القدرة من اي مالٍ كان لا سيما في ديارنا لمداومتهم للعقوق۔ (رد المحتار ج۴ ص۹۵ مطلب يعذر بالعمل بمذهب الغير عند الضرورة) [1]

بُت فروشی کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ بُتوں کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتے ہیں، از روئے شرع یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بُت چونکہ آلۂ معاصی اور شرک پرستی میں معین ہیں، لہٰذا اعانت علی المعصیت کی بناء پر ان کی خرید وفروخت جائز نہیں، علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بُت فروشی سے منع فرمایا ہے۔

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وفيه ان ابن ابي ليلى والشافعي يطلقان اخذ خلاف جنس حقه للمجانسة في المالية وقالا هو الاوسع ويجوز الاخذ به وان لم يكن مذهبنا فان الانسان يعذر في العمل به عند الضرورة۔
(البحر الرائق ج۵ ص۵۶ كتاب السرقة)
ومثلهُ في الدر المنتقى على صدر المحتار ج۴ ص۹۵ مطلب يعذر بالعمل بمذهب الغير عند الضرورة۔

اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ: عن جابر بن عبد اللہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عام الفتح وھو بمکۃ ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام۔ (الصحیح البخاری ج ۱ ص ۲۹۸ باب البیع المیتۃ والاصنام) [۱]

غصب شدہ املاک کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال: بعض اوقات علاقائی جھگڑوں میں ایک قوم دوسری قوم کو مغلوب کرکے اس کی تمام جائیداد مال مویشی وغیرہ پر غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ کرکے ضبط کرلیتی ہے، تو کیا اس غاصب قوم سے مغلوب قوم کی غصب شدہ جائیداد خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے مال وجان پر غاصبانہ قبضہ کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس طرح قبضہ شدہ جائیداد وغیرہ کسی فریق کی ملکیت بن سکتی ہے بلکہ ان غصب شدہ املاک کی واپسی شریعت مقدسہ نے واجب قرار دی ہے، اس بناء پر یہ قبضہ غصب شمار ہوکر اصل مالکوں یا ورثاء کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر اصل مالک یا ورثاء معلوم نہ ہوں تو ان کی طرف سے فقراء ومساکین پر صدقہ کرکے اپنا ذمہ فارغ کرلیں، لہٰذا مشتری کو اگر یہ علم ہو کہ جو جائیداد وہ خرید رہا ہے وہ غصب کردہ اور ظلم وجبر سے ہتھیائی گئی ہے تو پھر اس کے لیے وہ جائیداد اور مال مویشی وغیرہ خریدنا جائز نہیں، اور جو بیع ہوجائے وہ بیع فضولی کے حکم میں ہو کر موقوف رہے گی۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفسہ منہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۵۵ کتاب الغصب) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ علی بن سلطان محمد القاریؒ: حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام وان کانت من ذھب او فضۃ۔ (المرقاۃ ج ۶ ص ۴۹ باب الکسب وطلب الحلال۔ الفصل الاول)

ومثلہٗ فی عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۵۴ باب بیع المیتۃ والاصنام۔

[۲] قال العلامۃ علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: الغصب فی الشریعۃ اخذ مال متقوم محترم بغیر اذن المالک علی وجہ یزیل یدہ ..... وعلی الغاصب رد العین المغصوبۃ۔ (الھدایۃ ج ۳ ص ۳۷۰ کتاب الغصب)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۰۸ کتاب الغصب۔

بیٹے پر زمین فروخت کرنا

سوال:۔ کیا شریعتِ اسلامیہ میں والد اپنی مملوکہ زمین بیٹے پر فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ والد اپنی مملوکہ جائیداد میں ہر قسم کے تصرفات کا حق رکھنے کے علاوہ جس پر بھی چاہے فروخت کرسکتا ہے، لہٰذا بیٹے پر زمین فروخت کرنے میں کوئی قباحت نہیں اور نہ ہی یہ شرعاً ممنوع ہے۔

لما قال حافظ الدین محمد بن البزازؒ:۔ دارٌ لرجل اومشترك بین الاب والرجل وللاب ابن صغیر له ام فقالت اشتریت هٰذه الدار لابنی بماله والاب حاضر اواشتریت منکما لابنی بماله فقال بعنا وقع الملك للابن۔

(البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۷۶ باب الثانی فی بیع اب وام ووصی) [1]

باریک کپڑے کی تجارت کرنا

سوال: باریک کپڑے پہننے سے عموماً بدن صاف نظر آتا ہے، کیا ایسے باریک کپڑے کی تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا باریک کپڑا جو دوہرا کرکے زیبِ تن کرنے کے باوجود بدن نظر آتا ہو تو ایسا کپڑا بے حیائی اور عریانی کا پیش خیمہ بنتے اور پردہ متاثر ہونے کے باوجود فروخت کرنا درحقیقت اعانت علی المعصیۃ کے مترادف ہے، اس لیے ایسے کپڑوں کی تجارت سے اجتناب کرنا چاہیے تاہم ایجاب وقبول سے بیع تام ہوگی۔

لما قال العلامة محمد بن محمد ابن البزاز الکردویؒ: وبیع المکعب المفضض للرجال اذا علم انه یشتریه للبسه یکره۔ (البزازیه علیٰ هامش الهندیه ج۴ ص۵۲ الثالث فی المتفرقات) [2]

---

[1] لما قال العلامة فخر الدین الشهیر بقاضیخانؒ: امرأة قالت لزوجها وبینهما ولد صغیر اشتریت منك دارك هٰذه لابننا بکذا وقال الاب بعتها جاز لان الاب لما قبل البیع فقد جاز شرائها للصغیر فیجوز۔ (الخانیة علی هامش الهندیة ج۲ ص۲۸۴ باب فی بیع غیر المالك)

وَمِثْلُهٗ فی شرح مجلة الاحکام لسلیم رستم باز تحت المادة نمبر ۱۶۷ ص۷۵۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ ما قامت المعصیة بعینه یکره بیعه تحریماً والا فتنزیهاً وبیع المکعب المفضض للرجل اذا علم انه یلبسه یکره لانه اعانة علی لبس الحرام (رد المحتار ج۶ ص۳۹۲ کتاب الحظر والاباحة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۵ ص۱۴۳ نعیم بتغییرٍ یسیرٍ، فی آخر باب البغاة۔

کفار کے ملبوسات کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:- غیر مسلم اقوام کے بیجائی کے ملبوسات مثلاً پتلون اور ٹائی وغیرہ کی خرید و فروخت کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:- وہ اشیاء جو بلا تغیر و تبدیل بے دینی اور معصیت کا آلہ ہوں یا کسی غیر مسلم قوم کا شعار ہوں ایسی اشیاء کی خرید و فروخت سے اجتناب کرنا ضروری ہے کیونکہ استعمال کی ممانعت خرید و فروخت کی ممانعت کی دلیل ہے تاکہ اعانت علی المعصیت کے زمرہ میں داخل نہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: ماقامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً والافتنزيهاً وبيع المكعب المفضض للرجل انه يلبسه يكره لانه اعانة على لبس الحرام خياطاً امره ان يتخذ له ثوباً على ذي الفساق يكره له ان يفعل لانه سبب التشبّه بالمجوس والفسقة۔ [1]

(رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۲ فصل فی البیع۔ کتاب الکراهية)

غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد فروخت کا حکم

سوال:- تقسیم ملک کے نتیجہ میں ہندوؤں کے یہاں سے چلے جانے کے بعد ان کی جائیدادیں وغیرہ رہ گئی ہیں ایک شخص نے کچھ حصہ پر قبضہ کر کے اُسے اپنی ملکیت میں لے لیا ہے، کیا اُس کے لیے اِس جائیداد کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- غیر مسلم اقوام کی متروکہ جائیداد اور دیگر اشیاء چونکہ بیت المال اور قومی خزانہ کا حق بنتا ہے، اس بناء پر ذاتی مفاد کے لیے اس پر قبضہ کرنا اور اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر حکومت کی با ضابطہ اجازت سے فروخت کی جائے اور رقم قومی خزانہ میں جمع ہو تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: وما اوجف المسلمون عليه من اموال اهل الحرب بغير قتال يصرف فی مصالح المسلمين كما يصرف الخراج قالوا هو مثل الاراضی التی اجلوا اهلها عنها۔ (الهداية ج ۲ ص ۵۶۴ باب المستأمن) [2]

---

[1] قال النبی صلی الله عليه وسلم: عن ابن عمرؓ قال قال عليه الصلوٰة والسلام من تشبّه بقوم فهو منهم۔ (ابو داؤد ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس) ۔ ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۱ کتاب الکراهية۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: وما اخذ منهم بلا حرب ولا قهر كالهدية والصلح فهو لاغنيمة ولا فئ وحكمه حكم الفئ لايخمس ويوضع فی بيت المال۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۱۳۸ مطلب فی بيان معنى الغنيمة والفئ)
ومثلهٗ فی فتح القدير ج ۵ ص ۲۷۲ کتاب البیوع۔

بلا اجازت کسی کی زمین فروخت کرنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو ترکہ میں سے ان کے حقہ سے محروم کر دیتے ہیں، تو کیا ان لوگوں سے ایسی اراضی یا دیگر جائیداد خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بہنوں اور بیٹیوں کو جائیداد میں ان کے مقررہ حقے سے محروم کرنا اسلامی تعلیمات کو پامال کرنے کے مترادف ہے اور ان کے حقہ پر اُن کی رضامندی کے بغیر قبضہ کر کے فروخت کرنا مغصوبہ زمین کی فروخت کے حکم میں ہے، لہٰذا اُن کی اجازت کے بغیر فروخت کردہ زمین بیع فضولی کے حکم میں شمار ہو کر حقہ داروں (بیٹیوں اور بہنوں) کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر وہ اجازت دیں تو بیع نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔

قال العلامة سليم رستم باز: كلٌّ واحد من الشركاء في شركة الملك اجنبي في حصة سائرهم فليس احدهم وكيلاً عن الآخر ولا يجوز لصمن ثم ان يتصرف في حصة شريكه بدون اذنه۔ (شرح مجلة الاحكام، المادة ۱۰۷۵ ص۶۰۱ الفصل الثاني في بيان كيفية التصرف في الاعيان المشتركة) [۱]

حقِ تعلّی کی فروخت کا حکم

سوال:۔ موجودہ دور میں بعض مقامات میں لوگوں کی مجبوری سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے زمین فروخت کرتے وقت یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ آپ کو دس فٹ کے اندر اندر ایک چھت بنانے کی اجازت ہو گی، اگر دس فٹ سے مکان اونچا کرنا ہو تو اس کی بھی قیمت ادا کرنا ہوگی، البتہ اس کی قیمت نیچے والے حقہ سے کم ہوگی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین فروخت کرتے وقت اس قسم کی شرط عائد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ فضا مال نہیں کیونکہ اس کا احراز ممکن نہیں، اور حقوقِ مجردہ کی فروخت شرعاً ممنوع ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ نیچے والی منزل

---

[۱] قال في الهندية: ولا يجوز لاحدهما ان يتصرف في نصيب الآخر الا بامره وكل واحدٍ منهما كالاجنبي في نصيب صاحبه۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۲ ص۳۰۱ الفصل الاول في بيان انواع الشركة)

وَمِثْلُهٗ في البرجندي ج۳ ص۱۴۲ كتاب الشركة۔

ایک آدمی کی ہو اور اوپر والی منزل کسی دوسرے کی ہو اور خدانخواستہ دونوں گرجائیں تو اوپر والا اپنا حق نیچے والے پر فروخت کردے تو یہ بیع ناجائز ہوگی کیونکہ یہ حقِ تعلی ہے اور حقِ تعلی کی فروخت سے فقہاء نے منع فرمایا ہے۔

قال العلامة الكاساني رحمه الله: سفل وعلو بين رَجُلَيْنِ انهدما فباع صاحب العلو علوه لم يجز لان الهواء ليس بمالٍ۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۴۵ کتاب البیوع، فصل واما الذی یرجع الی المعقود علیه فانواعٌ) [1]

شرط لگاکر کوئی چیز فروخت کرنا

سوال:۔ ایک آدمی نے کسی پر اپنا گھر فروخت کرتے وقت یہ شرط لگادی کہ میں آٹھ مہینے تک اس گھر میں رہوں گا، کیا اس شرط کے ساتھ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر گھر کی بیع کو اس شرط پر موقوف رکھا گیا کہ اگر مشتری اس شرط کو قبول نہ کرتا تو بائع اس پر راضی نہ ہوتا تو یہ بیع فاسد ہوگی کیونکہ شریعتِ مقدسہ نے بیع وشرائع کے دوران ہر اُس شرط کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں کسی ایک جانب یا مبیعہ کو فائدہ ہو، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں بیع فاسد تصور ہوگی۔ تاہم اگر بیع کو اس شرط پر موقوف نہیں کیا گیا بلکہ مشورے کی حیثیت سے رکھا گیا تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں جس کے نتیجے میں اس کی رعایت ضروری نہیں بلکہ شرط کی رعایت احسان کے مترادف ہوگی۔

لما قال العلامة التمرتاشی رحمه الله: ولا بیع بشرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدهما او لمبیع۔ (تنویر الابصار علیٰ صدر رد المحتار ج۵ ص۸۵ باب البیع الفاسد) [2]

کسی چیز پر قبضہ کرلینے کے بعد زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے ایک گاڑی ایک لاکھ روپے میں

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: لان حق التعلی لیس بمال لان المال ما یمکن احرازه۔
(الهدایة علیٰ صدر فتح القدیر ج۶ ص۲۴۲ کتاب البیوع۔

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: لو کان فی الشرط منفعة لاحد المتعاقدین بان شرط البائع ان یقرض المشتری او علی القلب یفسد العقد۔
(خلاصة الفتاویٰ ج۳ ص۵۰ کتاب البیوع، الفصل الخامس فی البیع)
ومِثْلُهُ فی الهندیة ج۳ ص۳ کتاب البیوع، الباب الاول فی تعریف البیع الخ۔

خریدی اور قبضہ کر کے دوسرے شخص پر دو لاکھ روپے میں فروخت کر دی، دوسرے شخص نے خرید کر تیسرے آدمی پر دو لاکھ دس ہزار روپے میں فروخت کر دی، تو کیا یہ معاملہ سود در سود ہے یا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: شریعت نے قبل القبض کسی چیز میں تصرف کی اجازت نہیں دی ہے لیکن باقاعدہ طور پر کسی چیز کو قبضہ کر کے فروخت کرنے کو مشروع رکھا ہے، لہٰذا بائع اور مشتری کے درمیان جو بھی قیمت مقرر ہو جائے وہی صحیح اور مشروع ہے۔

قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: هو مبادلة المال بالمال بالتراضي۔

(فتح القدير ج ۵ ص۴۵۴ كتاب البيوع) [۱]

بغیر زمین کے پانی فروخت کرنا

سوال: اگر کسی زمین کا حقِ شرب بغیر زمین کے فروخت کیا جائے تو کیا یہ بیع شرعاً درست ہو گی یا نہیں؟

الجواب: شریعت نے ماءِ محرز (یعنی وہ پانی جو کسی برتن میں محفوظ ہو) کے علاوہ عام پانی کو مباح الاصل قرار دیا ہے اور زمین کا حقِ شرب زمین کے توابع میں شمار کیا ہے۔ فقہاءِ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر بلا تذکرہ شرب زمین فروخت کی جائے تو زمین کے ساتھ حقِ شرب خود بخود شامل ہو گا۔ لہٰذا مفتیٰ بہ اور ظاہر الروایۃ قول کے مطابق مستقل طور پر حقِ شرب کی خرید و فروخت، ہبہ یا تصدق وغیرہ جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين: ولا يباع الشرب ولا يوهب ولا يُؤَجر ولا يتصدق به لانه ليس بمال متقوم في ظاهر الرواية وعليه الفتوىٰ۔ (رد المحتار ج ۵ ص۸۰ باب البيع الفاسد) [۲]

---

[۱] قال العلامة جلال الدين رحمه الله: البيع مبادلة المال بالمال بالتراضي۔

(كفاية شرح الهداية في ذيل فتح القدير ج ۵ ص۴۵۴ كتاب البيوع)

وَمِثْلُهٗ في العناية على هامش فتح القدير ج ۵ ص۴۵۴ كتاب البيوع۔

[۲] قال العلامة قاضيخان: ولا يجوز بيع مسيل الماء وهبته ولا بيع الطريق بدون الارض وكذلك بيع الشرب

(فتاوىٰ قاضيخان على هامش الهندية ج۲ ص۱۵۴ كتاب البيوع، باب البيع الفاسد)

وَمِثْلُهٗ في شرح المجلة تحت المادة ۲۱۶ ص۱۰۵، الفصل الثاني، فيما يجوز بيعه وما لا يجوز۔

کسی گاڑی کی متوقع آمدنی فروخت کرنا

سوال:۔ دو آدمیوں نے آپس میں مشترکہ طور پر ایک بس خریدی، اب دونوں میں سے ایک نے کہا کہ بس کا تمام تر سالانہ منافع مجھے اتنی رقم پر فروخت کرو، تو کیا یہ عقد شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خرید و فروخت کے لیے شریعت نے مبیعہ کی موجودگی ضروری قرار دی ہے، صورتِ مذکورہ میں چونکہ سالانہ منافع یا اصل نامعلوم اور معدوم ہے، لہٰذا یہ بیع معدوم کے زمرہ میں شمار ہو کر باطل ہوگی۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: منها ان یکون موجودًا فلا ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۳۸ کتاب البیوع فصل وأما الذی یرجع الی المعقود۔ الخ)[1]

مقررہ نرخوں سے زیادہ قیمت پر مال فروخت کرنا

سوال:۔ ایک آدمی نے کھاد کی ایجنسی کھول رکھی ہے اور وہ گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کردہ نرخوں پر کھاد فروخت کرتا ہے، بعض اوقات کھاد شارٹ ہونے کی وجہ سے مارکیٹ میں کم ملتی ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہی ڈیلر کھاد زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں یہ کھاد ڈیلر گورنمنٹ کا وکیل نہیں کیونکہ کاروبار کا تمام تر منافع مالک ہی کو ملتا ہے لیکن اس نے گورنمنٹ سے کھاد مقررہ نرخوں پر فروخت کرنے کا عہد و پیمان کر رکھا ہے اور گورنمنٹ اُسے نرخ بتا کر کھاد دیتی ہے، لہٰذا اس سے زائد نرخ پر فروخت کرنے میں بدعہدی لازم آتی ہے اور زائد نرخوں پر فروخت کرنے سے جھوٹ، مخلوقِ خدا پر ظلم و زیادتی، بے رحمی اور بے جا سختی لازم آتی ہے، اس لیے اس سے اجتناب اور پرہیز ضروری ہے۔

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وبیع ما لیس فی ملکه لبطلان المعدوم إذ من شرط المعقود علیه ان یکون موجودًا مالًا متقومًا فی نفسه۔
(ردالمحتار ج۵ ص۵۸ کتاب البیوع مطلب الآدمی مکرم شرعًا ولو کافرًا)
وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج۶ ص۱۱ کتاب البیوع۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ع ۳۴)[۱]

بیع میں اجنبی کے فعل کی شرط لگانا

سوال:- ایک شخص نے کسی پر اس شرط سے زمین فروخت کی کہ فلاں شخص مجھ پر معینہ قطعہ اراضی فروخت کرے گا اور اگر اس نے فروخت نہ کی تو میں بیع واپس کرنے کا مجاز ہوں گا، باقاعدہ بیع کے بعد اُس شخص نے اس پر معینہ قطعۂ اراضی فروخت کرنے سے انکار کر دیا، تو اب بائع کہتا ہے کہ چونکہ میں نے اپنی زمین کی واپسی کی شرط لگائی تھی لہٰذا میں اپنی بیع کو منسوخ کرتا ہوں، تو کیا اس کو اپنی زمین واپس لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- بیع میں وہ شروط پورے کرنے ہوتے ہیں جو کہ بیع کے مقتضیات یا لوازماتِ عقد میں سے ہوں تو شرط مذکورہ چونکہ ملازمات اور مقتضیات میں سے نہیں اور نہ ہی مفسد للعقد ہے کیونکہ اسے اجنبی کے فعل سے معلق کیا گیا ہے، اس بناء پر یہ عقد صحیح ہو کر شرط فاسد شمار ہوگی، پس بائع کو زمین واپس لینے کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وفی المنتقی قال محمد کل شئ یشترطه المشتری علی البائع یفسد به البیع فاذا شرطه علیٰ اجنبی فهو باطل رای فا لشرط باطل منحة الخالق) کما اذا اشتری دابة علیٰ ان یهبه فلان الاجنبی کذا فهو باطل۔

(البحر الرائق ج ۶ ص ۸۶ باب البیع الفاسد)[۲]

ایجاب وقبول کے وقت مبیعہ کو مشتری کے حوالہ کرنے کے لیے چند دن کی مہلت کی شرط لگانا

سوال:- عقدِ بیع کے دوران یہ شرط لگانا کہ مبیعہ ابھی نہیں بلکہ چند دن حوالہ کروں گا، تو کیا بائع کے لیے یہ شرط لگانا شرعاً

---

[۱] قال العلامة التمرتاشیؒ: ولا یسعر حاکم الا اذا تعدی الارباب عن القیمة تعدیا فاحشا فیسعر بمشورة اهل الرای۔ (تنویر الابصار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص ۴۰۰ کتاب الکراهیة۔ فصل فی البیع

[۲] قال العلامة ابن عابدینؒ: المراد بالنفع ما شرط من احد العاقدین علی الاخر فلو علیٰ اجنبی لایفسد ویبطل الشرط لما فی الفتح عن الولوالجیة بعتك الدار بالف علیٰ ان یقرضنی فلان الاجنبی عشرة دراهم فقبل المشتری لایفسد البیع لانه لایلزم الاجنبی ولا خیار للبائع۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۸۵ مطلب فی الشرط الفاسد اذا ذکر بعد العقد او قبله)

ومثله فی شرح المجلة لسلیم رستم باز تحت المادة ۱۸۹ ص ۸۹

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرط مذکورہ نہ تو بیع کے مقتضیات میں سے ہے اور نہ ملازمات میں سے ہے بلکہ بائع کے فائدہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے بیع کیا گیا ہے اور مبیعہ حوالہ کرنے میں مہلت کی شرط لگانا فقہاء نے شرطِ فاسد قرار دیا ہے، اسی بناء پر مذکورہ شرط بھی ناجائز ہے، البتہ اگر رقم سے کر بطورِ وعدہ چند دن بعد مبیعہ حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو بیع استجرار کی رُو سے یہ پیشگی رقم وعدۂ بیع شمار ہوکر مبیعہ حوالہ کرتے وقت بیع منعقد ہو جائے گی۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ومن باع عیناً علیٰ ان لا یسلمه الیٰ رأس الشهر فالبیع فاسد لان الاجل فی المبیع العین باطل فیکون شرطاً فاسداً وهذا لان الاجل شرع ترفیهاً فیلیق بالدیون دون الاعیان۔ (الهدایة ج۳ ص۶۳ باب البیع الفاسد) [۱]

نفع کی خاطر گاہک کو دوسری دوکان سے سودا لینے کیلئے قرض پر رقم دینا

سوال: ایک شخص کسی دوکاندار سے کوئی چیز قرض پر خریدنا چاہتا ہے لیکن وہ چیز دوکاندار کے پاس نہیں ہے اور دوکاندار اس شرط پر گاہک کو قرض رقم دیتا ہے کہ مجھے اتنا منافع دو گے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ دوکاندار گاہک کو قرض رقم دے کر منافع کا مطالبہ کرتا ہے قرض دینے کی صورت میں کسی قسم کا منافع حاصل کرنا شرعاً ممنوع ہے اسلئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ شرط لگا کر قرض دینے سے شرط پر عمل لازم نہیں ہے، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں قرض لینے کے بعد نہ تو گاہک کو منافع دینا ضروری ہے اور نہ دوکاندار کو لینا جائز ہے۔

لما قال النبی صلی الله علیه وسلم: کل قرض جرّ نفعاً فهو ربوا۔ (نصب الرایة ج۴ ص۶۰ کتاب الحوالة) [۲]

---

[۱] قال فی الهندیة: اذا شرط الاجل فی البیع العین فسد العقد وان شرط الاجل فی الثمن والثمن دین فان کان الاجل معلوماً جاز البیع وان کان مجهولاً فسد البیع۔

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۳۲ الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع الخ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۸۵ باب البیع الفاسد۔

[۲] قال الحصکفیؒ: القرض بالشرط حرام والشرط لغو۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۵ ص۱۶۶ فصل فی القرض)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۱۸۷ کتاب البیوع، باب المتفرقات۔

عیب دار اشیاء کی خرید و فروخت کرنا

سوال :- ایک دوکاندار کے پاس مختلف اقسام کی گندم ہے جسے وہ مختلف نرخوں میں فروخت کرتا ہے، اگر دوکاندار ان مختلف اقسام کی گندم کو ملا کر ایک علیٰحدہ قسم نکالے جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ ہر قسم کی گندم شامل ہو تو کیا یہ طریقۂ تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر دوکاندار گندم کی حقیقت چھپا کر خریدار پر اعلیٰ قیمت پر فروخت کرے تو یہ ناجائز ہے، لیکن اگر گاہک کو بتا کر فروخت کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ بائع کی نشاندہی کے بعد عیب دار چیز کی فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں، کسی چیز کے عیب کو چھپا کر فروخت کرنا گناہ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : لایحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن لان الغش حرام۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۵ ص۴۷ کتاب البیوع، باب خیار العیب)[1]

نقد رقم قرض دینے کی بجائے کوئی چیز مہنگی دینا

سوال :- ایک آدمی نے کسی سے تین ہزار روپے قرض لینا چاہا، بجائے قرض رقم کے اس نے ایک کپڑا ساڑھے تین ہزار روپے میں اس کے ہاتھ فروخت کیا جبکہ بازار میں اس کپڑے کی قیمت تین ہزار روپے ہے، ضرورت مند نے کپڑا ایک بازار میں اسکو تین ہزار روپے میں فروخت کر دیا، اس صورت میں قرض دینے والے کو پانچسو روپے منافع ملا اور ضرورتمند کو تین ہزار روپے ملے، جبکہ بعد میں کپڑا لینے والا شخص کپڑا دینے والے کو تین ہزار روپے کی بجائے تین ہزار پانچسو روپے ادا کرے گا، تو کیا از روئے شرع یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ اس صورت میں قرض دے کر ضرورتمند کی خیرخواہی کی بجائے مفاد پرستی نمایاں نظر آتی ہے لیکن بیع کی جملہ شرائط کی رعایت کی وجہ سے یہ عقد جائز ہے، اس صورت میں مشتری کا مقصد اور ضروریات پوری ہو جاتی ہیں جبکہ بائع کو بوجۂ نسیئہ مروجہ قیمت سے زیادہ

---

[1] قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ : اذا اطلع المشتری علی عیب المبیع فھو بالخیار ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۴۲ باب خیار العیب، کتاب البیوع)
ومِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۳۵ باب خیار العیب۔ کتاب البیوع۔

رقم ملتی ہے جس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نقد کی نسبت اُدھار میں زیادہ قیمت لگانا جائز ہے۔

لما قال العلامۃ کمال الدین ابن الہمام رحمہ اللہ: کان یحتاج المدیون فیأبی المسئول ان یقرض بل ان یبیع ما یساوی عشرۃ بخمسۃ عشر الی اجلٍ فیشتریہ المدیون و یبیعہ فی السّوق بعشرۃ حالۃً ولا بأس فی ھٰذا فانّ الرّجل تام لہ قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیہ دائماً بل ھو مندوب فان ترکہ بمجرد رغبۃٍ منہ الیٰ زیادۃ الدنیا فمکروہ او لعارضٍ یعذر بہ فلا-------- و مالم ترجع الیہ العین التی خرجت منہ لا یسمّی بیع العینۃ لانہ من العین المسترجعۃ لا العین مطلقاً والا فکلٌّ بیع بیع العینۃِ ۔ (فتح القدیر ج۶ ص۳۲۴ الکفالۃ) [1]

آٹا پیسنے کے عوض اناج جمع کرکے فروخت کرنا

سوال:۔ آجکل بعض علاقوں میں مشین سے آٹا پیسنے کے عوض مکئی وغیرہ لی جاتی ہے، تو کیا آٹا پیسنے کے عوض مکئی لینا اور اسے جمع کرکے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آٹا پیسنے کے عوض مکئی لینا جائز ہے لہٰذا آٹا پیسنے کے عوض مکئی وغیرہ جمع کرکے اپنے لیے استعمال کرنا یا فروخت کرنا دونوں طرح جائز ہے، البتہ پسے ہوئے آٹا سے خصوصی طور پر مزدوری مقرر کرکے لینا قفیز الطحان کے حکم میں ہوکر اجارہ فاسدہ رہے گا۔

لما قال ابن عابدین رحمہ اللہ: استاجر بغلاً لیحمل طعاماً ببعضہ او ثوراً لیطحن برّہ

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: فان لم یعد کما اذا باعہ المدیون فی السوق فلا کراھۃ فیہ بل خلاف الاولیٰ لان الاجل قابلہ قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیہ دائماً بل ھو مندوب ومالم ترجع الیہ العین التی خرجت منہ لا یسمّی بیع العینۃ لانہ من العین المسترجعۃ لا العین مطلقاً والا فکلٌّ بیعٍ بیع العینۃ واقرہ فی البحر والنھر والشرنبلالی وھو ظاھر وجعلہ السیّد ابو السعود محمل قول ابی یوسفؒ وحمل قول محمدؒ والحدیث علیٰ صورۃ العود۔ (رد المحتار ج۵ ص۳۲۶ کتاب البیوع، باب المتفرقات، مطلب بیع العینۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۲۳۵ کتاب الکفالۃ۔

ببعض دقیقه فسدت .... والحیلة ان یفرز الاجر اوّلاً او یسمی قفیزاً بلا تعین ثم یعطیه قفیزاً منه فیجوز قال الرملی وبه علم بالاولی الجواز ما یفعل فی دیارنا من اخذ الاجرة من الحنطة والدراھم معاً ولا شك فی جوازہ۔

(ردّ المحتار ج ۶ ص۵۷ کتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی البیع) [1]

مشترکہ زمین سے اپنا حصّہ فروخت کرنا

سوال:۔ چند آدمیوں کے درمیان دس کنال مشترکہ زمین ہے، ان میں سے ایک حصّہ دار اپنا حصّہ فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کیا شریعتِ مقدّسہ میں مشترکہ زمین سے کسی حصّہ دار کو اپنا حصّہ فروخت کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: مشترکہ زمین سے اپنا معلوم حصّہ فروخت کرنا از روئے شرع جائز ہے اگرچہ تقسیم نہ ہوئی ہو، تاہم اگر اپنا حصّہ فروخت کرتے وقت معلوم نہ ہو کہ مثلاً ثلث ہے یا ربع، ایک کنال ہے یا دو کنال، تو ایسی صورت میں یہ بیع جہالت کی وجہ سے باطل شمار ہو کر ناجائز ہوگی۔

لما قال محمد خالد الاتاسیؒ: بیع حصّة شائعةٍ معلومة کالنّصف والثلث والعشر من عقار مملوك قبل الافراز صحیح لانه لا یشترط فی صحة البیع الافراز عند التسلیم لا تفاقهم علیٰ صحة بیع مشاع لا یمکن افرازہ۔ (شرح مجلّة الاحکام تحت المادة ۲۱۴/۲۱۵ ص۱۰۳) [2]

---

[1] قال فی الهندیة: والحیلة فی ذٰلك لمن اراد الجواز ان یشترط صاحب الحنطة قفیزاً من الدقیق الجید و لم یقل من هٰذہ الحنطة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۴ ص۴۴۴، کتاب الاجارة، الفصل فی قفیز الطحان وما هو فی معناہ)۔

وَمِثْلُهٗ فی شرح المجلّة لسلیم رستم باز تحت المادة ص۴۲۶۔

[2] قال محمود بن اسماعیل الشهیر بابن قاضی سماوةؒ: اما بیعه فقسمان یحتمل القسمة اولا وکل قسم علیٰ وجهین اما ان باع من اجنبی او من شریکه فالوجه الاوّل وهو البیع من اجنبی علیٰ صنفین واما ان کان الکل له فباع نصفه او کان بین اثنین فباع احدهما نصیبه فالبیع جائز فی المواضع کلها۔ (جامع الفصولین ج۲ ص۸۲ الفصل الحادی والثلاثون فی مسائل الشیوع)

وَمِثْلُهٗ فی تنقیح الحامدیة ج۱ ص۲۲۶ کتاب البیوع۔

مشترکہ طور پر خریدی ہوئی چیز سے اپنا حصہ نکالنے کا طریقہ

سوال:۔ چند ساتھیوں نے آپس میں رقم جمع کرکے ایک چیز خریدی، چند ماہ کے استعمال کے بعد ان میں سے ایک نے اپنا حصہ واپس لینا چاہا تو کیا اُس ساتھی کو اس چیز کی موجودہ قیمت کے لحاظ سے رقم واپس کی جائے گی یا قیمتِ خرید کے حساب سے؟ جبکہ استعمال کی وجہ سے اُس چیز کی قیمت کافی کم ہوگئی ہو؟

الجواب:۔ کوئی چیز مشترکہ طور پر خرید کر استعمال کرنے کے بعد جب کوئی حصہ دار اپنا حصہ واپس لینا چاہے تو اس کو موجودہ وقت کی قیمت کے اعتبار سے رقم واپس کی جائے گی نہ کہ قیمتِ خرید کے مطابق، کیونکہ کسی چیز کے استعمال کرنے اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اسکی قیمت میں بھی ضرور اُتار چڑھاؤ پیدا ہوتا رہتا ہے۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: ولو تراضیا ان تقوم الکتب ویأخذ کلٌّ بعضها بالقیمة لو کان بالتراضی جاز والا لا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۶ ص۲۶۱ کتاب الحظر والاباحة)[1]

زیادہ منافع کی اُمید پر کسی چیز کی فروخت میں تاخیر کرنا

سوال:۔ کاروبار کے سلسلے میں اگر کوئی شخص کسی دوسرے شہر سے حیوانات کی خوراک یا غلہ وغیرہ لائے اور اس وقت مارکیٹ میں مندی ہو، اب یہ شخص اس امید پر مال کی فروخت چند ماہ کے لیے مؤخر کردے تاکہ بعد میں منافع زیادہ ملے۔ کیا اس شخص کا یہ اقدام ذخیرہ اندوزی کے دائرہ میں آکر حرام ہے یا جواز کی گنجائش ہے؟

الجواب:۔ ذخیرہ اندوزی میں بنیادی طور پر مقامی لوگوں کی حق تلفی کرکے اپنے منافع و فوائد پیشِ نظر ہوتے ہیں لیکن کسی دوسرے شہر سے اجناس وغیرہ اپنے شہر یا گاؤں کو منتقل کرنے سے اس گاؤں والوں کا حق نہیں رہتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا یہ اقدام جائز ہے کیونکہ اس میں مقامی لوگوں کی حق تلفی نہیں ہوتی، تاہم مسلمانوں کو تکلیف میں دیکھتے ہوئے

---

[1] قال فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی رحمہ اللہ: والعبد الواحد والدابة الواحدة یباع ویقسم ثمنها لانها لا تحتمل القسمة وکذٰلک کل ما یکون فی تبعیضه ضرر۔
(الخانیة علی هامش الهندیة ج۳ ص۱۵۰ کتاب القسمة)
ومثلهٗ فی شرح المجلة لسلیم رستم باز تحت المادة ۱۱۴۲ ص۶۳۳۔

ذاتی مفادات کو ترجیح دینا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: ومن احتکر غلۃ ضیعتہ او ما جلبہ من بلد آخر فلیس بمحتکر۔ (الہدایۃ ج۴ ص۴۷۲ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع) لہ

بیع قطعی سے انحراف درست نہیں

سوال: ایک شخص نے کسی پر بخوشی و رضا اپنی دوکان پچاس ہزار روپے کے عوض فروخت کی اور مشتری نے کچھ رقم ادا کر کے باقی کا وعدہ کیا، چند دنوں کے بعد یہی بائع کسی اور آدمی کے ساتھ دوکان کا سودا کرنا چاہتا ہے، کیا بائع کے لیے اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: باضابطہ طور پر ایجاب وقبول کے بعد بائع بیع فسخ کر کے مبیعہ کو کسی دوسرے پر فروخت کرنے کا شرعاً حق نہیں رکھتا، البتہ اگر بائع اور مشتری نے آپس میں باہمی رضامندی سے بیع فسخ کر لی تو بائع کے لیے مبیعہ کسی دوسرے کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: واذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحدٍ منہما الا من عیبٍ او عدم رؤیۃٍ۔ (الہدایۃ ج۳ ص۲۵ کتاب البیوع) ٢ہ

بائع اور مشتری کا ایک بار تولنے پر اکتفاء کرنا

سوال: جب موزونی یا مکیلی اشیاء ناپ تول کے حساب سے خریدی جائیں، اگر مشتری کے سامنے ایک دفعہ جب چیز تولی جائے تو کیا مشتری کے لیے دوبارہ تولنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی چیز کو ناپ تول کے حساب سے خرید کر جب طرفین کی موجودگی میں اس

لہ قال فی الہندیۃ: ومن اشتری طعاماً فی مصرٍ وجلبہ الی مصرٍ آخر واحتکرہ فیہ فانہ لا یکرہ ہکذا فی المحیط۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۳ ص۲۱۳ فصل فی الاحتکار، کتاب البیوع)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲۹ کتاب الاستحسان۔

٢ہ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: البیع یلزم بایجاب وقبول ای حکم البیع یلزم بہما لانہ جعلہما غیرہ وانہ یلزم بہما مع ان البیع لیس الا ہما لانہما ارکانہ۔

(البحر الرائق ج۵ ص۲۶۲ کتاب البیوع)

وَمِثْلُہٗ فی التبیین الحقائق ج۴ ص۳ کتاب البیوع۔

مطلوبہ چیز کو ناپ تول لیا جائے تو مشتری کو دوبارہ ناپ تول کی ضرورت نہیں بلکہ خریدنے کے بعد دونوں کی موجودگی میں ہی تول لینا کافی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: قال فی الخانیة لو اشتری کیلیاً مکایلةً او موزوناً موازنةً فکال البائع بحضرة المشتری۔ قال الامام ابن الفضل یکفیه کیل البایع ویجوز له ان یتصرف فیه قبل ان یکیله ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۱ مطلب فی تصرف البائع فی المبیع قبل القبض) [1]

شرکاء کا اپنے حصص کا کسی ایک شریک کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال:- چند شرکاء آپس میں مشترکہ طور پر کوئی چیز خریدتے ہیں خریدنے کے بعد آپس میں یہ شرکاء بولی کرکے جو زیادہ قیمت پر آمادہ ہو تو وہ مبیعہ لیکر ہر ایک شریک کو اپنی رقم بمع منافع واپس کرتا ہے، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں چونکہ تمام شرکاء مشترکہ طور پر کوئی چیز لے کر آپس میں نیلام کرتے ہیں اور جو زیادہ رقم دینے والا ہو تو مبیعہ اس کے حوالے کیا جاتا ہے، پس اس میں اگر نیلام سے طے شدہ رقم اپنے حصہ کے علاوہ دیگر شرکاء کے حصص کا عوض ہو تو یہ جائز رہے گا ورنہ مجموعہ کو خریدنا جس میں اپنا حصہ بھی شامل ہو جائز نہیں۔

لما قال فی مجلة الاحکام: الشریك مخیر ان شاء باع حصته من شریکه وان شاء باعها من اجنبی بدون اذن شریکه ۔ لکن فی صور خلط الاموال واختلاطها التی بیناها فی الفصل الاول۔ (مجلة الاحکام المادة ۱۰۸۸ ص ۶۰۸) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: اما اذا کاله فی حضرته فانه یغنی عن کیله وهو الصحیح لان المبیع صار معلوماً بکیل واحد ۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۸، فصل فی بیان التصرف فی المبیع والثمن قبل قبضه)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۳ ص ۸۵ کتاب البیوع۔

[2] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: وکل من شرکاء الملك اجنبی فی مال صاحبه. فصح له بیع حصته ولو من غیر شریکه بلا اذن الا فی صورة الخلط ۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۰۰ کتاب الشرکة مطلب الحق ان الدین یملك)

وَمِثْلُهٗ فی شرح المجلة لسلیم رستم باز تحت المادة ۱۰۸۸ ص ۶۰۸ ۔

قرض کو فروخت کرنا

سوال: میں سعودی عرب میں کاروبار کرتا تھا وہاں میرا کسی کے ذمے دس ہزار روپے قرضہ ہے لیکن اب وہاں جانا اور اپنا قرض وصول کرنا بہت ہی مشکل ہے اس لیے میں یہ قرض کسی پر نو (۹) ہزار روپے پر فروخت کرنا چاہتا ہوں، کیا قرض کی رقم اس طرح فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مقروض کے علاوہ کسی اور پر قرض فروخت کرنا فقہاء نے ممنوع قرار دیا ہے۔ صورتِ مذکورہ میں چونکہ نقد نو ہزار روپے کے بدلے قرض کے دس ہزار روپے لیے جاتے ہیں جو کہ ربٰوا نسیئہ کی وجہ سے اس کا خریدنا حرام ہوگا۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وبیع الدّین لا یجوز ولو باعہ من المدیون او وھبہ جاز۔ (الاشباہ والنظائر ج ۴ ص ۱۲ المادۃ ۱۶ کتاب البیوع)

غیر مسلموں کی متروکہ اشیاء فروخت کرنا

سوال: کسی ملک میں غیر مسلم کچھ عرصہ تک آباد رہنے کے بعد وہاں سے چلے جائیں تو اُن کی باقیماندہ اشیاء کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کو فروخت کرکے حاصل ہونے والی قیمت کو ذاتی استعمال میں لانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی مسلم ملک سے غیر مسلم اقوام کے چلے جانے کے بعد ان کی رہ جانے والی جائیداد یا دیگر اشیاء ذاتی مفاد کے لیے فروخت کرنا شرعاً ممنوع ہے بلکہ ان اشیاء کو یا ان کی قیمت کو بیت المال کے حوالہ کرنا ہوگا، اور اگر بیت المال کا کوئی قابلِ اعتماد انتظام نہ ہو بلکہ اُس میں ان اشیاء کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کسی ایسی جگہ میں خرچ کرنا مناسب ہے جہاں سے عمومی مفادات وابستہ ہوں، ایسے اموال کے لیے دینی مدارس اور درسگاہیں بہترین مقاماتِ مصرف ہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: وما اوجف المسلمون علیہم من اموال

---

[1] قال ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ: بیع ھذہ الدیون من غیر من علیہ والشراء بھا من غیر من علیہ فینظر ان اضاف البیع والشراء الی الدّین لم یجز۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۸۲ فصل واما شرائط الصحۃ)

ومثلہ فی فتاویٰ تنقیح حامدیۃ ج ۲ ص ۲۴۹ کتاب المداینات۔

اهل الحرب بغير قتال يصرف عليه فى مصالح المسلمين كما يصرف الخراج قالوا هو مثل الاراضى التى اجلوا اهلها عنها ۔ (الهداية ج ۲ ص۵۶۴ کتاب السیر، فصل: واذا دخل الحربي الينا۔ الخ) لہ

ہم جنس موزونی اشیاء کو بلاوزن فروخت کرنا	**سوال**:۔ بعض علاقوں میں کچھ اشیاء بغیر تول کے فروخت کی جاتی ہیں، پس

اگر بعض موزونی اشیاء مثلاً پیاز، لہسن وغیرہ اندازہ سے بغیر تول کے اپنی ہم جنس پر فروخت کی جائیں تو از روئے شرع یہ بیع درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ موزونی اشیاء بغیر تول کے اپنی جنس پر فروخت کرنا اور تبادلہ میں لینا جائز نہیں کیونکہ اس میں ربوٰا (سود) کا شبہ پایا جاتا ہے، پس یہی شبہ حقیقی ربوٰا کے قائم مقام ہوکر بیع جائز نہ ہوگی۔

لما قال علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: ویجوز بیع الطعام والحبوب مکایلة و مجازفةً وهذا اذا باعه بخلاف جنسه لقوله عليه السلام اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم بعد ان يكون يدًا بيدٍ بخلاف ما اذا باعه بجنسه مجازفةً لما فيه من احتمال الربوٰا۔ (الهداية ج ۳ ص۲۷ کتاب البيوع) ؎

گڑ کا معیار بہتر بنانے کے لیے رنگ کاٹ استعمال کرنا	**سوال**:۔ بعض علاقوں میں گڑ صاف کرنے کے لیے

لہ قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وما اخذ منهم بلا حربٍ ولا قهرٍ كا لهدية والصلح فهو لا غنيمة ولا فيْئٌ وحكمه حكم الفئ لا يخمس ويوضع فى بيت المال۔
(رد المحتار ج ۴ ص۱۳۸ باب المغنم وقسمته، مطلب فى بيان معنى الغنيمة والفئ)
وَمِثْلُهٗ فى فتح القدير ج ۵ ص۲۷۲ کتاب السیر۔

؎ قال ابن نجيم: ويباع الطعام كيلاً وجزافاً الحديث البخارى فاذا اختلف هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم ولا يرد عليه بيع الجنس بالجنس من الربوٰا مجازفةً لما سيأتى فى الربوٰا من انه غير جائز الا اذا كان قليلاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص۲۸۲ کتاب البيوع)
وَمِثْلُهٗ فى فتح القدير ج ۵ ص۴۷۹ کتاب البيوع۔

رنگ کاٹ (خاص قسم کا کیمیکل) استعمال کیا جاتا ہے تاکہ سفید ہو کر قیمت بڑھ جائے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور بیع پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: ۔ اگر گڑ کی صفائی اور اس کا معیار بہتر بنانے کے لیے رنگ کاٹ استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر رنگ کاٹ کے استعمال کا مقصد ادنیٰ قسم کو اعلیٰ ظاہر کرنا ہو یا مشتری کی تلبیس اور اسے دھوکہ دینا مقصود ہو تو یہ ملاوٹ کے مترادف ہو کر ناجائز اور حرام ہوگا۔

اخرج الامام ابوداؤدؒ: عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرّ برجل یبیع طعامًا فسئله کیف تبیعه فاخبره فاوحی الیه ان ادخل یدك فادخل یده فیه فاذا هو مبلول فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس مِنّا مَنْ غَشّ۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۳ باب نهی عن الغش۔کتاب البیوع) [1]

جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا

جمعہ کی اذان کے بعد تجارت (کاروبار) کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ جمعہ کے دن جب وقت داخل ہونے پر اذان دی جائے تو اُس وقت جمعہ کے متعلقہ امور کے علاوہ دیگر امور میں مصروف ہونا مناسب نہیں، اس بناء پر جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جمعہ کی سعی اور تیاری متاثر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کو موقوف کر دینا چاہیئے۔

لما قال الله تبارك وتعالیٰ: یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورة الجمعة آیت ۹) [2]

---

[1] قال فی الهندیة: ویکره ان یلبس الجید بالردی وان یصبغ اللحم بالزعفران۔
(الفتاویٰ الهندیة ج ۳ ص ۲۱۵ فصل فی الاحتکار)

وَمِثْلُهٗ فی ردالمحتار ج ۵ ص ۱۰۲ باب البیع الفاسد، بعد مطلب احکام نقصان المبیع فاسدًا۔

[2] لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: والبیع عند اذان الجمعة قال الله تعالیٰ وذروا البیع ثم فیه اخلال بواجب السعی علی بعض الوجوه وقد ذکرنا الاذان المعتبر فیه فی کتاب الصلوٰة کل ذٰلك یکره لما ذکرنا ولا یفسد به البیع۔ (الهدایة ج ۳ ص ۶۹ فصل فیما یکره۔کتاب البیوع۔

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۶ ص ۹۹ فصل فی البیع الفاسد۔

ضرورت سے زائد روٹیاں جمع کر کے فروخت کرنا

سوال:۔ بعض لوگ ضرورت سے زائد روٹیاں (ٹکڑے وغیرہ) جمع کر کے فروخت کرتے ہیں تو کیا ان روٹیوں کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خرید و فروخت کے لیے بنیادی طور پر کسی چیز کا مال متقوم ہونا لازمی ہے، اس بناء پر روٹی اور آٹا چونکہ مال متقوم میں سے ہے لہٰذا اسکی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے۔

لما قال فخرالدین عثمان بن علی الزیلعیؒ: وشرطه ان یکون فی العقد عوضان کل واحدٍ منهما مال یتحقق رکن البیع وهو مبادلة المال بالمال۔ (تبیین الحقائق ج۴ ص۴۶ فصل فی قبض المشتری المبیع فی البیع الفاسد بامر البائع) لے

کاریز کا پانی فروخت کرنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں پانی کی کمی دور کرنے کے لیے کاریز استعمال کئے جاتے ہیں، تو کیا ان کاریزوں سے حاصل ہونے والا پانی فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے کاریز کو نہر جاری کے حکم میں شمار کیا ہے، نہر کے پانی کی طرح کاریز کا پانی بھی مملوک اور محرز نہیں اسلئے کاریز کا پانی فروخت کرنا جائز نہیں، تاہم اگر اس کو باقاعدہ طور پر محرز کر کے فروخت کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: والثالث اذا دخل الماء فی المقاسم فحق الشفعة ثابت۔۔۔۔ ولان البئر ونحوها ماوضع للاحراز ولایملك المباح بدونه کالظبی اذا تکنس فی ارضه۔

(الهدایة ج۴ ص۴۸۲ فصول فی مسائل الشرب) لے

لے قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وقید بقوله وکل من عوضیه مال لیخرج البیع بالمیتة وکل بیع باطل۔ (البحرالرائق ج۶ ص۹۲ فصل فی البیع الفاسد)

وَمِثْلُهُ فی حاشیة الشلبی علیٰ هامش تبیین الحقائق ج۴ ص۳ کتاب البیوع۔

لے قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: والقناة مجری الماء تحت الارض۔۔۔ لانه نهر فی الحقیقة تعتبر بالنهر ولان الانهار والابار والحیاض لم توضع للاحراز والمباح لایملك الا بالاحراز۔ (البحرالرائق ج۸ ص۲۱۲ کتاب احیاء الموات)

وَمِثْلُهُ فی ردالمحتار ج۶ ص۴۳۹ کتاب احیاء الموات۔

بیع فضولی کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کی مملوکہ زمین اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس کے بھائی نے فروخت کردی، اب وہ اپنی زمین واپس لینا چاہتا ہے، اس کے اصرار کے باوجود بھی مشتری واپس کرنے پر رضامند نہیں، تو اب مذکورہ زمین کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:۔ کسی کی مملوکہ زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر شرعاً کسی کو بھی تصرّف کا حق حاصل نہیں لہٰذا جو زمین کسی کی بذریعہ شہادت ثابت شدہ و تسلیم شدہ ملکیت ہو تو اس میں کسی اور کا تصرّف درست نہیں اور وہ شرعاً اپنی ملکیتی زمین واپس لینے کا مجاز ہے۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ومن باع ملك غيره بغير امره فالمالك بالخيار ان شاء اجاز البيع وان شاء فسخ۔ (الهداية ج ۳ ص۹۰ کتاب البیوع۔ فصل فی بیع الفضولی)[1]

جانوروں کے خون کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ جانوروں کا خون بیچنا کیسا ہے، اور اس سے انتفاع کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ خون بذاتِ خود ایک نجس شے ہے اور اسلام نے اس کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے، اس سے بلا ضرورتِ شرعی انتفاع لینا بھی صحیح نہیں، لہٰذا جانوروں کے خون کی خرید و فروخت اور اس سے انتفاع دونوں صحیح نہیں ہے۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: بطل بیع ما لیس بمالٍ کالدم والمیتة۔ (تنویر الابصار ج ۴ ص۱۱۲ کتاب البیوع)

کما قال الله تعالیٰ: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ۔ (سورة البقرہ آیت ۱۷۳)

کما قال الرسولﷺ: انّ الله اذا حرّم علیٰ قوم اکل شیٔ حرّم علیهم ثمنه۔

(اعلاء السنن ج ۱۴ ص۸۰ ابواب البیوع الفاسدة۔ باب حرمة بیع الخمر الخ)

---

[1] قال العلامہ ابن عابدین رحمه الله: شرائط النفاذ اثنان الملك او الولاية وان لا يكون فی البيع حق لغير البائع فلم ينفذ بيع الفضولی۔ (ردّ المحتار ج ۴ ص۵۰۵ کتاب البیوع، مطلب شرائط البیع انواعٌ اربعة)

وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج ۳ ص۳ کتاب البیوع، الباب الاول فی تعریف البیع ... الخ۔

[2] قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: بیع المیتة والدم والحر باطل لانها لیست اموالاً فلا تکون محلاً للبیع۔ (الهداية ج ۳ ص۳۳ باب الفاسد۔ کتاب البیوع)

مشترکہ جائیداد اور اراضی کی بیع وشراء کا حکم

سوال:۔ مشترکہ جائیداد اور اراضی کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب: مشترکہ جائیداد کی خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ اس میں تمام شرکاء کی رضامندی شامل ہو کیونکہ ہر ایک اپنے حصہ کا مالک ہے اور مالک اپنے حصہ میں تصرف کرسکتا ہے، لہٰذا یہ بیع صحیح ہے فاسد نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: اذ باع احد الشریکین نصفھا فان ثم یجوز البیع فی نصف الدار لان بیع المالک انصرف الی نصیبہ باع احدھما نصیبہ فالبیع جائز فی المواضع۔ (تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص۲۲۴ کتاب البیوع)[1]

مشتری کا بائع کو دھوکا دینا

سوال:۔ ایک شخص نے کسی سے بغبنِ فاحش زمین خریدی، اب وہ تیرہ چودہ سال کے بعد یہ زمین بائع کو واپس کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کو یہ حق حاصل ہے؟

الجواب:۔ ایسی خرید و فروخت جس میں ایک دوسرے کو دھوکا دیا گیا ہو فریقین کو اسے رَدّ کرنے کا اختیار ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وان غر المشتری البائع اوبا العکس اوغرہ الدلال فلہ الرّد۔ (رد المحتار ج۴ ص۱۶۸ باب المرابحۃ والتولیۃ)

لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس غبن کے معلوم ہونے سے پہلے مشتری نے مبیع میں تصرف نہ کیا ہو ورنہ بائع نے ثمن میں تصرّف کیا ہو جس سے ان کی رضا معلوم ہوتی ہے۔

کما قولہ علیہ السلام: نہی عن بیع الحصاۃ وعن بیع الغرر۔ (اعلاء السنن ج۴ ص۸۹)[2]

---

[1] قال العلامۃ الزیلعیؒ: ھٰذا لانہ بالبیع صار شرکۃ ملک حتی لایجوز لکل واحد منھما ان یتصرف فی نصیب الاجر ثم بالقصد بعد ذٰلک صار شرکۃ عقد فیجوز لکل واحد منہما ان یتصرّف فی نصیب صاحبہ۔ (تبیین الحقائق ج۳ ص۳۱۷ کتاب البیوع)

[2] قال العلامۃ خالد اتاسیؒ: اذا غرّ احد المتبایعین الاٰخر وتحقق ان فی البیع غبنًا فاحشًا فللمغبون ان یفسخ البیع حینئذٍ۔ (شرح المجلہ ج ۱ ص۱۹۹ الفصل السابع)۔

قربانی کے لیے خریدے گئے حاملہ جانور کی واپسی کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے کسی سے قربانی کے لیے جانور خریدا، بیع ہو جانے کے بعد مشتری کو علم ہوا کہ وہ تو حاملہ ہے، کیا صرف اس وجہ سے اس کو واپس کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیع تام ہو جانے کے بعد جب کسی جانور میں عیب کا پتہ چلے اور وہ بائع کے ہاں سے ہی اس جانور میں موجود ہو اور بائع نے بتایا بھی نہ ہو تو اس وجہ سے مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے، کسی جانور کا حاملہ ہونا کوئی عیب نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں، تاہم اقالہ کی صورت میں مبیعہ واپس کیا جاسکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: نعم له ردها بعیب الحبل والحبل عیب فی الجاریة لا فی البهائم۔ (تنقیح الحامدیة ج۱ ص۲۷۰ کتاب البیوع۔ باب الخیارات)[له]

بیع فسخ کرنے کی صورت میں بائع پر جرمانہ لگانا

سوال:۔ دو آدمیوں نے کچھ مشترکہ زمین فروخت کی اور مشتری سے کچھ رقم نقد لے لی اور بقیہ رقم رجسٹری کی تکمیل تک مؤخر کر دی گئی اور اس کے ساتھ مشتری نے یہ شرط لگائی کہ اگر بائع نے زمین واپس لی تو اسے پچیس ۲۵ روپے جرمانہ ادا کرنا ہوگا، کیا ایسا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب:۔ مذکورہ صورت میں اگر یہ شرط اور رقم کی وصولی وغیرہ بیع کے ایجاب و قبول کے وقت لگائی گئی ہو تو یہ بیع فاسد ہے اور اس سے ہر ایک بلا رضائے غیر فسخ کرسکتا ہے، نیز فسخ کی صورت میں وصول کردہ رقم واپس کرنا ضروری ہے، تاہم فسخ کرنے والے سے جرمانہ لینا جائز نہیں اور اگر ایجاب وقبول کے بعد ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: طلب فی الشرط الفاسد اذا ذکر

له قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل اشتری حمارًا واحبلها لایردها بالعیب۔ (خلاصة الفتاوی ج۳ ص۳۷ باب خیار العیب، کتاب البیوع)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۴۵ باب خیار العیب۔

بعد العقد او قبله لا يقتضيه العقد ولا يلائمه و فيه نفع لاحدهما او فيه نفع مبيع هو اهل الاستحقاق بنفع۔ (رد المحتار ج۴ ص۱۳۶ باب بیع الفاسد) [1]

وقتِ معین تک ثمن کی ادائیگی کا اختیار دینا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے متعلق کہ اگر بائع مشتری سے یہ کہے کہ اگر تو شام تک مجھے رقم ادا کر دے تو تیرے اور میرے درمیان معاملہ باقی ورنہ رد ہوگا، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب:- اس طرح کی بیع کرنا بیع کی صحت کے منافی نہیں، لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر مشتری نے شام تک طے شدہ رقم بائع کو ادا نہ کی تو استحساناً بیع ختم ہو جائے گی۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: وعن باع على انه ان لم ينقد الثمن الى ثلثة ايام فلا بيع بينهما جاز۔ (الهداية ج۳ ص۳۴ باب خيار الشرط) [2]

پشیمان ہونے پر رقم واپس کرنا لازم ہے

سوال:- ایک شخص نے کسی سے مکان خرید اور کچھ پیشگی رقم بھی اسے دے دی، مگر ایجاب وقبول اور مبیعہ پر قبضہ کرنے کے بعد کسی وجہ سے مشتری مکان خریدنے پر پشیمان ہو گیا اور بائع کو مکان واپس کر کے ادا کردہ رقم واپس لینا چاہتا ہے۔ تو کیا مشتری مکان واپس کر کے بائع سے اپنی رقم لینے کا شرعاً حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:- بائع کے لئے پیشانی کی رقم لینا حرام ہے، بلکہ بائع اپنے مبیع پر قبضہ کے بعد ثمن مشتری کو واپس کردے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: فان شرط اكثر منه او اقل فالشرط باطل

---

[1] كما فى الحديث قوله عليه السلام: كل شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل فبطل الشرط الواحد وكل مالم يعقد اه به۔ (اعلاء السنن ج۱۴ ص۱۱۳ باب النهى عن البيع بالشرط)
وَمِثْلُهُ فى الهداية ج۳ ص۴۳ كتاب البيوع۔ باب بيع الفاسد۔

[2] قال العلامة ابن عابدين: فان نقد الثمن تم البيع وان لم ينقد انفسخ البيع وفى بعضها فسد البيع ولو باع عبد على انه ان لم ينقد المشترى الثمن الى ثلثه ايام فلا بيع صح استحسانًا۔ (رد المحتار ج۴ ص۵۲ كتاب البيوع)

ویرد مثل الثمن الاوّل لقوله علیہ السّلام من اقال نادماً بیعتہ اقال اللہ عثراتہ یوم القیامۃ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۷۱ باب الاقالۃ) [1]

بیع میں بیعانہ ضبط کرنے کے رواج کا شرعی حکم

سوال:۔ کسی شخص نے ایک مکان فروخت کیا اور رواج کے مطابق مشتری سے کچھ رقم بطور بیعانہ بھی لے لی، اور اس بیع میں فریقین کے مابین یہ شرط طے پائی کہ ایک مدتِ معین تک اگر بائع انکار کر دے تو وہ مشتری کو دس ہزار روپے بطور جرمانہ دے گا، اور اگر مشتری مقررہ مدت میں باقی رقم ادا کرکے اس مکان کی رجسٹری نہ کرا سکا تو بیعانہ کی رقم ضبط کر لی جائے گی۔ اس کے کسی وجہ سے مشتری اس شرط کو پورا نہ کر سکا تو کیا بائع کو بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مذکورہ صورت میں مشروط عقدِ بیع فاسد ہے اور متعاقدین کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے، نیز بائع کو بیعانہ ضبط کرنے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔ [2]

کما قولہ علیہ السّلام: نہی عن بیع العربانؑ (اعلاء السنن ج۱۴ ص۱۲۷ باب النہی عن بیع العربان)

کلوگرام کے حساب سے کوئی چیز خرید کر سیر کے حساب سے فروخت کرنا جائز ہے

سوال:۔ ایک شخص بیرونِ ملک سے کچھ چیزیں کلوگرام کے حساب سے خرید کر اپنے ملک میں سیر کے حساب سے فروخت کرتا ہے، اسی طرح وہاں سے کپڑا میٹر کے حساب سے خرید کر اپنے وطن میں اُسے گز کے حساب سے فروخت کرتا ہے، تو کیا اس کا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق خرید و فروخت کا یہ طریقہ بالکل جائز ہے

---

[1] قال العلامۃ ابن الھمامؒ: وحقیقۃ الفسخ لیس الا رفع الاوّل کان لم یکن فیثبت الحال الاوّل وثبوت الحال الاوّل ھو برجوع عین الثمن الاوّل الی مالکہ کان لم یدخل فی الوجود غیرہ وھو یستلزم تعیین الاوّل۔ (فتح القدیر ج۶ ص۱۱۴ باب الاقالۃ)

[2] قال العلامۃ المرغینانیؒ: کل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لاحد المتعاقدین او للمعقود علیہ وھو من اھل الاستحقاق یفسدہ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۶۲ باب البیع الفاسد)

بشرطیکہ اس میں کوئی دھوکا نہ ہو۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: یجوز بیع الطعام والحبوب مکایلۃ و مجازفۃ ــــ قال ویجوز بإناء بعینہ لا یعرف مقدارہ و بوزن حجر بعینہ لا یعرف مقدارہ لان الجہالۃ لا تفضی الی المنازعۃ۔ (الہدایۃ ج ۳ ص۲۷ کتاب البیوع)[1]

نابالغ کی جائیداد جبراً فروخت کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:۔

(۱) کیا کسی نابالغ کی جائیداد جبراً فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) دو نابالغ بھائیوں میں سے ایک، اپنے دوسرے بھائی کی جائیداد فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اُس کو اِس کا علم بھی نہ ہو؟

(۳) شفعہ کا حق نسبت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے یا جوار (قُرب) کی وجہ سے؟

الجواب:۔ (۱) کسی اجنبی کو نابالغ کی جائیداد بدون اس کی رضا کے فروخت کرنا درست نہیں، تاہم باپ کو منفعت کے پیشِ نظر تصرف کا حق ہے۔

(۲) اگر یہ فروخت کنندہ بذاتِ خود یتیم ہو اور اس کے ساتھ نابالغ اور غیر عاقل بھی ہو تو اس کی خرید و فروخت کالعدم و نامنظور ہے

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وشرط اھلیۃ المتعاقدین یکونھما عاقلین لا یشترط البلوغ۔ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۴ ص۵ کتاب البیوع)

(۳) اور شفعہ کا حق نسبتِ نسب کی بجائے شرکت اور جوار (قُرب) کی وجہ سے زیادہ حاصل ہے۔

قال العلامۃ علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: واذا اکرہ الرجل علی بیع مالہ اوعلی شراء سلعۃٍ اوعلی ان یقر لرجل بالف یواجر دارہ واکرہ علی ذٰلک

---

[1] قال العلامۃ بدرالدین العینی رحمہ اللہ: یباع الطعام کیلاای من حیث الکیل ویباع ایضاً وجزاماً لان بکل منھما یصیر معلوماً اما المکایلۃ فظاھر واما الجزاف فلانہ بالاشارۃ تنفع الجہالۃ۔ (عینی شرح کنز ج ۲ ص۳ تحت فی بیان احکام البیوع) ومثلہٗ فی البحرالرائق ج ۵ ص۲۸۲ تحت احکام البیوع۔

بالقتل او بالضرب الشدید و بالحبس فباع او اشتری فھو بالخیار ان شاء مضی البیع و ان شاء فسخہ بالمبیع ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۳۳ کتاب البیوع)[1]

بائع کا منفعت کی شرط لگانا باطل ہے

سوال :- ایک شخص نے کسی پر ایک مکان بطور رہن یہ شرط لگا کر فروخت کر دیا کہ جب رقم واپس کی جائے گی تو مکان بھی واپس مل جائے گا، تو کیا یہ بیع شرعاً جائز ہے ؟

الجواب :- جس بیع میں بائع کی منفعت کے لیے ایسی شرط لگائی گئی ہو تو وہ بیع فاسد ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں اس سے ممانعت کی گئی ہے ۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ : وکل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لاحد المتعاقدین اوللمعقود علیہ وھو من اھل الاستحقاق یفسدہ العقد۔
(الھدایۃ ج۳ ص۶۲ کتاب البیوع ، باب البیع الفاسد)[2]

رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے بیع و شراء کا حکم

سوال :- ایک گاؤں کے مکینوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ہم اپنے گاؤں کی چیزیں مثلاً انڈے، مرغیاں وغیرہ فلاں خاص شخص ہی کو فروخت کریں گے، نیز وہ اس معین شخص پر یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ تو ہم کو بیس روپے ماہانہ چندہ دے گا جسے ہم رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کریں گے، تو کیا خرید و فروخت کیلئے ایسی شرط

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ : (وقولہ بالجور) القضاء بخلاف الحق اما عن خطاء او عمد وکل علی وجھین اما فی حقہ تعالیٰ او حق العبد فالخطاء فی حق العبد اما ان یمکن فیہ لتدارک والرد اولا فان امکن بان قضی بمال او صدقۃ او طلاق او عتاق ...... یبطل القضاء ۔ (رد المحتار ج۴ ص۳۸۰ کتاب القضاء مطلب فیما لو قضی بالجور)

وایضاً (وقف بیع مال الغیر) لو الغیر بالغاً عاقلاً فلو صغیراً او مجنوناً لم ینعقد اصلاً کما فی الزواھد معزیاً للحاوی ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۴ ص۱۵۲ کتاب الوقف)

[2] قال العلامۃ المرغینانیؒ : کل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعہ لاحد المتعاقدین الیٰ اخرہٖ ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۶۲ باب بیع الفاسد)

ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۳ ص۵۴ کتاب البیوع ۔ باب البیع الفاسد۔

لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ درج بالا صورت میں منصوبہ بندی سے ایک معین شخص سے خرید وفروخت جائز ہے بشرطیکہ اس سے ذخیرہ اندوزی اور روزمرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتیں بڑھانا مقصود نہ ہو، البتہ چندہ دینے کی شرط لگانا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی اپنی خوشی سے چندہ دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وفی مجلة الاحکام : البیع بشرط لیس فیہ نفع لاحد العاقدین یصح والشرط لغو۔ (مجلة الاحکام ص۸۹ المادة ۱۸۹ کتاب البیوع۔ الفصل الرابع فی الشرط بالبیع) [۱]

موہوبہ زمین کی خرید وفروخت کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موہوبہ زمین کی خرید وفروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ موہوبہ زمین کو باقاعدہ ہبہ کے بعد فروخت کیا جاسکتا ہے بلکہ اس سے واہب کو رجوع کا حق بھی ختم ہوجاتا ہے ۔

قال العلامة سلیم رستم بازؒ : اذا باع الموھوب لہ الموھوب او اخرجہ عن ملکہ بالھبة والتسلیم لایبقی للواھب حق الرجوع ۔

(شرح المجلة۔المادة ۸۶۰ ص۴۸۱ تحت احکام الھبة) [۲]

الکحل کی تجارت کا حکم

سوال :۔ آجکل بعض ادویات میں الکحل استعمال کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا کاروبار رواج پکڑ چکا ہے، تو کیا الکحل کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں ؟

---

[۱] قال العلامة سلیم رستم باز اللبنانیؒ : لو شرطا فی البیع نفعاً علی اجنبی کما اذا باعہ شیئاً بشرط ان یقرضہ فلان عشرة دراھم فالبیع صحیح والشرط لغو ۔ (شرح مجلة الاحکام ص۸۹ المادة ۱۸۹ کتاب البیوع ۔ الفصل الرابع فی الشرط بالبیع)

[۲] قال العلامة ابن نجیمؒ : خروج الھبة من ملک الموھوب لہ بالکلیة بان باع الھبة او وھبھا (البحر الرائق ج۷ ص۲۹۳ تحت باب الرجوع فی الھبة)

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشربہ اربعہ کے علاوہ جب شراب دیگر اناج واشیاء سے بنائی گئی ہو تو بصورتِ شرعی مجبوری استعمال کرنا جائز ہے تو اس کی تجارت کی بھی گنجائش موجود ہے۔ موجودہ الکحل (جو کہ شراب ہی کی ایک قسم ہے) چونکہ پٹرول، جَو، مکئی وغیرہ اشیاء سے بنائی جاتی ہے اور ضرورتاً بہت ساری ادویات، رنگوں کے علاوہ دیگر کیمیکلز میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے اس لیے بناء برقول امام ابوحنیفہؒ اس کی خرید وفروخت جائز ہے، موجودہ دور میں عمومِ بلویٰ کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: الشراب لغة كل مائع يشرب واصطلاحاً ما يسكر والمحرم منها اربعة...... وصح بيع غير الخمر۔ قال ابن عابدينؒ: (تحت قوله صح بيع غير الخمر) اى عنده خلافاً لهما فى البيع والضمان لكن الفتوىٰ على قوله فى البيع۔ (ردالمحتار ج۶ ص۴۵۴ كتاب الاشربة) ؎۱

حیوانات کی ادھار بیع کا حکم

سوال: ایک آدمی نے دوسرے شخص سے کہا کہ آپ اس سال مجھے اپنا بیل دے دیں، میں اس کے عوض میں آئندہ سال دوسرا بیل دے دوں گا، تو کیا شرعاً یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسئولہ صورت میں حیوان کی بیع حیوان کے بدلے میں بصورتِ قرض ہے جو کہ شرعاً حرام ہے، اس لیے دونوں عاقدین کی یہ عقدِ بیع جائز نہیں۔

عن ابن عمرؓ ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى بيع الحيوان بالحيوان نسيئةً۔ (معانی الآثار ج۲ ص۲۲۹ باب النهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئةً) ؎۲

؎۱ قال العلامة المرغينانيؒ: الاشربة المحرمة اربعة...... وقد بينا المعنىٰ من قبل الا ان حرمة هذه الاشربة دون حرمة الخمر حتى لا يكفر مستحلها ويكفر مستحل الخمر..... ويجوز بيعها ويضمن متلفها عند ابى حنيفة خلافاً لهما فيهما الخ۔ (الهداية ج۴ ص۴۹۲ كتاب الاشربة)

؎۲ قال الشيخ ظفر احمد العثمانيؒ: لا يجوز بيع شئ من الحيوان من الرقيق ولا غيره بشئ من الحيوانات الرقيق ولا غيره نسيئة لان الحيوان لا يجوز فيه السلم اى التاجيل وقال عن عبدالله بن مسعودؓ انه نهى السلم فى الحيوان۔ (اعلاء السنن ج۱۴ ص۳۸۵ باب النهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة)

ومثله فى كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج۲ ص۳۰۸ كتاب البيع، اركان السلم۔

خشک و تر کھجور میں تفاضل

سوال:۔ تیار کھجور جوکہ عام طور پر بازار میں ملتی ہے اگر اس کو تر یعنی کچی کھجور سے (جوکہ ابھی تک درخت پر ہے) دوگنا زیادہ وزن سے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بازار میں دونوں کی قیمت میں بہت فرق ہے، مثلاً تر کھجور فی کلو دس۱۰ روپے اور تیار کھجور تیس۳۰ روپے فی کلو کے حساب سے فروخت کی جاتی ہے۔

الجواب:۔ احناف کے نزدیک رطب اور تمر دونوں ایک جنس سے ہیں اس لیے ان کی بیع برابر سرابر کی جائے گی، زیادتی ربٰو (سود) میں داخل ہے، لہٰذا تر کھجور کو عام کھجور کے مقابلہ میں دوگنا وزن یا قیمت پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ويجوز بيع الرطب بالتمر مثلاً بمثل عند ابي حنيفةؒ وقالا لا يجوز لقوله عليه السلام حين سئل عنه او ينقص اذا جف فقيل نعم فقال عليه السلام لا اذا وله ان الرطب تمر لقوله عليه السلام حين أهدى اليه رطب أ وكل تمر خيبر هكذا اسماه تمرًا وبيع التمر بالتمر بمثله جائز۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج۶ ص۱۶۸ باب الربٰو) [۱]

مختلف ممالک کی کرنسی کی تجارت کا حکم

سوال:۔ آجکل صراف بازار میں ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے زیادہ داموں بیچنے کا رواج عام ہے، مثلاً ایک آدمی نے امریکی ڈالر ایک دن قبل پچاس۵۰ روپے کا لیا ہے اب وہ اس کو پچپن۵۵ روپے میں فروخت کرتا ہے۔ توکیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دو ملکوں کی کرنسی چونکہ مختلف الاجناس اشیاء میں داخل ہے اور اسی وجہ سے ان کے نام کی اکائیاں وغیرہ مختلف ہوتی ہیں، اور مختلف الاجناس اشیاء

---

[۱] قال العلامة اكمل الدين البابرتیؒ: (قال ويجوز بيع الرطب بالتمر مثلا بمثل) بيع الرطب بالتمر متفاضلًا لا يجوز بالاجماع ومثلًا بمثل جوزه ابو حنيفةؒ خاصة وقالا لا يجوز۔
(العناية على هامش فتح القدير ج۶ ص۱۶۸ باب الربٰو)
ومثلهٗ فی الدر المختار على صدر رد المحتار ج۵ ص۱۸۱ باب الربٰو۔

کو تفاضل کے ساتھ بیچنا جائز ہے، لہٰذا ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وان عدما .... حل کهروی بمرویین لعدم العلة فبقی علیٰ اصل الاباحة وان وجد احدهما ای القدر وحده او الجنس حل الفضل وحرم النساء ولو مع التساوی۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج ۵ ص ۱۷۲ باب الربٰو، مطلب فی الابراء عن الرباء) [۱]

قبل القبض کسی چیز کی فروخت کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میں جائیداد کی خرید و فروخت (پراپرٹی) کا کاروبار کرتا ہوں، اس تجارت میں بعض اوقات زمین اور مکانات وغیرہ کا اس کے مالک سے قبضہ لیا جاتا ہے تاکہ اس کو کسی اور شخص پر فروخت کر دیا جائے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ قبل القبض کسی چیز کا فروخت کرنا شرعاً ممنوع ہے، البتہ احناف کے نزدیک زمین اس حکم سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا زمین پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی بیع کرنا جائز ہے۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمہ اللہ: اما بیع الاعیان غیر المنقولة قبل قبضها کبیع الارض والضیاع والنخیل والدور ونحو ذلك من الاشیاء الثابتة التی لا یخشیٰ هلاکها فانه یصح۔ (کتاب الفقه علیٰ مذاهب الاربعة ج ۲ ص ۲۳۴ کتاب البیع، مبحث التصرف فی المبیع) [۲]

---

[۱] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: واذا عدم الوصفان الجنس والمعنیٰ المضموم الیه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة والاصل فیه الاباحة واذا وجدا حرم التفاضل والنساء لوجود العلة واذا وجد احدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء۔

(الهدایة علیٰ فتح القدیر ج ۶ ص ۱۵۳ باب الربٰو)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۶ ص ۱۵۳ باب الربٰو۔

[۲] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ: والثالث لا یجوز بیع مبیع قبل قبضه الا الدور والارض قاله ابو حنیفة وابو یوسف۔ (رحمهم اللہ)

(اعلاء السنن ج ۱۴ ص ۲۳۶ باب النهی عن بیع المشتری قبل القبض)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۸۱ فصل شرائط صحة البیع۔

قسطوں کے اختتام سے قبل گاڑی کو پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار کون ہے؟

سوال:۔ اگر ایک گاڑی قسطوں پر خریدی جائے اور قسطوں کی مکمل ادائیگی سے قبل اگر گاڑی کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو یہ نقصان بائع کا متصور ہوگا یا مشتری کا؟ قرآن وسنت سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ بیع چاہے نقد رقم سے ہو یا اُدھار سے، ایجاب وقبول کر لینے اور قبضہ ہو جانے پر بیع تام ہو جاتی اور مبیع مشتری کی ملکیت بن جاتی ہے، اس کے بعد مبیعہ کو جو نقصان پہنچے گا وہ مشتری کا ہوگا، بائع پر رجوع صحیح نہیں، تاہم اگر مبیعہ بائع کی ملکیت میں ہلاک ہو جائے تو نقصان بائع پہ ہوگا۔

قال العلامة سلیم رستم باز رحمہ اللہ:۔ المبیع اذا هلك فی ید البائع قبل ان یقبضه المشتری یهلك من مال البائع ولا شئ علی المشتری ...... اذا هلك المبیع بعد القبض هلك من مال المشتری ولا شئ علی البائع۔ (شرح مجلة الاحکام۔ المادة ۲۹۳، ۲۹۴ ص۱۵۰ الفصل الخامس) [1]

قسط لیٹ ہونے کی وجہ سے مبیع واپس نہیں ہو سکتا

سوال: گاڑیوں کی تجارت کرنے والے بعض لوگ قسطوں میں گاڑی فروخت کرتے وقت یہ شرط لگاتے ہیں کہ اگر مشتری نے اتنی مدت میں تمام قسطیں ادا نہ کیں تو ادا کی گئی اقساط ضبط متصور ہوں گی اور مبیعہ میری ملکیت ہوگا، اور دونوں (بائع اور مشتری) ان شرائط پر دستخط کرتے ہیں۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ بعض اقساط لیٹ ہو جانے یعنی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع مبیعہ کو واپس لینے کا

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ:۔ ولو قبضه المشتری وهلك فی یده فی مدة الخیار ضمنه بالقیمة ...... ولو هلك فی ید البائع انفسخ البیع لاشئ علی المشتری اعتبارًا بالبیع الصحیح المطلق۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۵ ص۵۰۴ کتاب البیوع)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۵ ص۵۰۴ کتاب البیوع۔

شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خرید و فروخت میں ایجاب و قبول کر لینے سے بیع تام ہو جاتی ہے، اس کے بعد فریقین میں سے کسی کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فریقِ ثانی کی رضامندی کے بغیر مبیعہ پر ہاتھ ڈالے۔ اسی بناء پر صورتِ مسئولہ میں اس قسم کی شرائط طے کرنا لغو ہے، رقم بدستور مشتری کے ذمے واجب الاداء ہے، اور اگر وہ ٹال مٹول سے کام لیتا ہو تو قانون کا سہارا لے کر رقم وصول کی جاسکتی ہے، اس طرح لیت و لعل کرنے سے اس کے ذمہ باقی اقساط ختم نہیں ہو جاتیں اور نہ بائع بغیر اس کی رضامندی کے مبیعہ واپس لے سکتا ہے۔

قال العلامة سلیم رستم باز رحمه الله: اذا كان البيع لازماً فليس لاحد المتبايعين الرجوع عنه ۔ (شرح مجلة الاحكام ۔ المادة ۳۷۵ ص۲۱۱ الفصل الثاني في احكام انواع البيوع) [1]

گاہکوں کو مختلف قیمتوں پر سودا بیچنے کا شرعی حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دوکاندار حضرات ایک گاہک کو ایک دام سے کوئی چیز دیتا ہے جبکہ دوسرے گاہک کو وہی چیز کسی اور دام سے دیتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا کہ دونوں گاہکوں میں برابری کرنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ بیع نام ہے ایک مال کو دوسرے مال سے باہمی رضامندی سے تبدیل کرنا، شریعت نے اس معاملے میں کسی کو پابند نہیں کیا ہے، اس لیے دوکاندار کا ایسا کرنا جائز ہے تاہم ناجائز منافع سے پرہیز کیا جائے۔

قال العلامة علی حیدر رحمه الله: وجاء تعريف البيع في كثير من الكتب الفقهية بانه مبادلة المال بالمال بالرضا ۔ (درر الحكام شرح مجلة الاحكام ج۱ ص۱۰۶ مقدمة في بيان الاصطلاحات الفقهية) [2]

---

[1] قال العلامة علی حیدر رحمه الله: ليس لاحد المتبايعين او ورثته في البيع النافذ اللازم ان يرجع عنه رضاء الآخر بوجه من الوجوه ۔ (درر الحكام شرح مجلة الاحكام ج۱ ص۲۰۱ الفصل الثاني في بيان احكام انواع البيع)

[2] قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: قال فخر الاسلام البيع لغة مبادلة المال بالمال وكذا في الشرع لكن زيد فيه قيد التراضي ۔ (فتح القدير ج۵ ص۴۵۵ كتاب البيوع)

ومثلهٗ في كنز الدقائق ص۲۲۷ كتاب البيوع ۔

تجارت میں منافع کا تعین نہیں

سوال:- بعض تاجر ایک چیز جس قیمت سے خریدتے ہیں پھر اس کو دوگنا، سہ گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیا اسلام نے منافع کے لیے کوئی حد مقرر کی ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعت مقدسہ نے تجارت میں مال کے منافع کی کوئی خاص حد مقرر نہیں کی، یہ دونوں عاقدین کا باہمی معاملہ ہے، جس طرح طے پا جائے اسی طرح جائز ہے البتہ اس حد تک منافع لینا کہ جس سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہو خلافِ مروت ہے، حکومتِ وقت پر لازم ہے کہ وہ ناجائز منافع خوری پر قابو پانے کے لیے مناسب اقدام کرے۔

قال العلامة علی حیدر رحمه الله: جاء تعریف البیع فی کثیر من الکتب الفقهیة بانه مبادلة المال بالمال بالرضاء. (درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۱ ص۱۰۶ مقدمه فی بیان الاصطلاحات الفقهیة) [۱]

بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال فروخت کرنا

سوال:- کیا بیوی اپنے شوہر کی مملوکہ چیز بغیر اس کی اجازت کے فروخت کر سکتی ہے یا نہیں، مطلع ہو جانے پر شوہر کو اپنی چیز واپس لینے کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب:- بیوی باوجود قربت کے شوہر کے مال میں بمنزلہ اجنبیہ کے ہے جس میں اس کے تصرفات، تصرفاتِ فضولی کے حکم میں ہے، علم ہو جانے پر شوہر کو اختیار ہے کہ وہ ایسی بیع کو باقی رکھے یا مسترد کرے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: کل تصرف صدر منه تملیکا کان کبیع وتزویج او اسقاطا کطلاق واعتاق وله مجیز ای لهذا التصرف من یقدر علی اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۱۰۶ فصل فی الفضولی کتاب البیوع) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابو البرکات النسفی رحمه الله: هو مبادلة المال بالمال بالتراضی. (کنز الدقائق ص۲۲۷ کتاب البیوع)
ومثله فی فتح القدیر ج۵ ص۴۵۵ کتاب البیوع۔

[۲] قال العلامة سلیم رستم باز رحمه الله: البیع الذی یتعلق به حق الغیر کبیع الفضولی وبیع المرهون ینعقد موقوفا علی اجازة ذلک الآخر. (مجلة الاحکام - المادة ۳۶۸ کتاب البیوع)
ومثله فی درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج۱ ص۳۹۱ - الباب السابع - تحت المادة ۳۶۸۔

بجلی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بجلی کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بجلی کوئی عین نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ مبیعہ کا عین ہونا ضروری نہیں اس لیے اگر کوئی چیز عین نہ ہو مگر عرفاً وہ مال سمجھی جاتی ہو تو اس کی بیع جائز ہے، لہٰذا بجلی اگرچہ عین نہیں لیکن اس کی بیع وشراء جائز ہے اس لیے کہ اس قسم کی اشیاء مالیت میں داخل ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: المالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم۔ (رد المحتار ج۴ ص۵۰۱ كتاب البيع مطلب في تعريف المال والملك)[۱]

ڈرافٹ کی رسید کی بیع کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا بھائی سعودی عرب میں محنت مزدوری کرتا ہے، اگر وہ ڈرافٹ کے ذریعے کچھ پیسے پاکستان اپنے اہل وعیال کے لیے بھیجے اور کسی وجہ سے وہ ڈرافٹ لیٹ ہو جائے اور اس کے اہل خانہ کو رقم کی اشد ضرورت ہو تو کیا میں اُن کے اہلِ خانہ سے اس ڈرافٹ کی مالیت کے عوض وہ ڈرافٹ خرید سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ ڈرافٹ بل اگرچہ فی ذاتہ ایک سادہ کاغذ ہے جس کی کوئی ذاتی قدر وقیمت نہیں مگر اس وقت وہ ایک معین رقم کی نمائندگی کرتا ہے اس لیے اِس وقت بناء بر عرف وہ بھی قیمتی مال بن چکا ہے اس لیے اس کو اتنی قیمت کے بدلے خریدنا جائز ہے جتنی کہ اس کی مالیت ہے، اسی طرح ٹریول چیک اور بانڈز وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: والمالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم۔ (رد المحتار ج۴ ص۵۰۱ كتاب البيع، مطلب في تعريف المال والملك)[۲]

---

[۱] قال الشيخ وهبة الزحيلي: المال هو كل عين ذات قيمة مادية بين الناس۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج۴ ص۳۴۵ الفصل الاول عقد البيع)
وَمِثْلُهٗ في الدر المنتقى على هامش مجمع الانهر ج۲ ص۳ كتاب البيوع۔

[۲] قال الشيخ وهبة الزحيلي: المال هو كل عين ذات قيمة مادية بين الناس۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج۴ ص۳۴۵ كتاب البيوع)
وَمِثْلُهٗ في الدر المنتقى على هامش مجمع الانهر ج۲ ص۳ كتاب البيوع۔

زندہ مرغی کو تول کر فروخت کرنا

سوال :۔ آجکل بازار میں زندہ مرغیاں تول کر فروخت کی جاتی ہیں جبکہ ان کا گوشت حساب شدہ وزن سے کم ہوتا ہے، تو کیا ایسا معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ چونکہ زندہ مرغیوں کے مروجہ طریقہ بیع میں پولٹری فارم والا مشتری پر صرف گوشت فروخت نہیں کرتا بلکہ وہ زندہ مرغی فروخت کرتا ہے اس لیے اصل مبیع معلوم ہونے کی وجہ سے ایسا معاملہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللّٰہ : البیع شرعاً مبادلۃ شیء مرغوب فیہ بمثلہ ...... علیٰ وجہ مفید مخصوص ای بایجاب او تعاط اھ۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۴ ص۵ کتاب البیوع) [۱]

مرغیوں کی بیٹ کو بطور کھاد فروخت کرنا

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! آجکل مالکانِ پولٹری فارم مرغیوں کی بیٹ کو بصورتِ کھاد زمینداروں پر فروخت کر دیتے ہیں، کیا شرعی ایسی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں ؟ نیز اس بیع سے وصول شدہ رقم کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ پولٹری فارم کی کھاد صرف مرغیوں کی بیٹ پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ اس میں چاول کا چھلکا، مٹی اور لکڑی وغیرہ کا برادہ اور دیگر کئی اشیاء خلط ملط ہوتی ہیں اس لیے اس کو فروخت کرنا مرخص اور اس سے حاصل ہونے والی رقم بھی جائز اور حلال ہے، فقہی ذخائر میں اس کے نظائر موجود ہیں ۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللّٰہ : ورجیع الآدمی لم یغلب علیہ التراب فلو مغلوباً بہ جاز کسرقین وبعر واکتفی فی البحر بمجرد خلط

---

[۱] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی : البیع : واصطلاحاً عند الحنفیۃ مبادلۃ مال بمال علیٰ وجہ مخصوص او ھو مبادلۃ شیٔ مرغوب فیہ بمثلہ علیٰ وجہ مخصوص ای بایجاب او تعاط اھ۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۴ ص۳۴۴ ۔ الفصل الاوّل عقد البیع)
ومِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۵ ص۷۳ کتاب البیوع۔

بتراب۔ قال ابن عابدینؒ تحته ویجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به والوقود به۔ (ردالمحتار ج۴ ص۱۱۱ فصل بیع الفاسد۔ قبل مطلب الآدمی مکرم شرعاً وکافراً) [1]

تصنیف یا طباعت کے حقوق فروخت کرنا

سوال:۔ آجکل تصنیف وتالیف اور طباعت کے حقوق کی تجارت عام ہے، مصنف حضرات اپنی تصانیف کے مسودے تاجرانِ کتب پر مہنگے داموں فروخت کردیتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقِ تصنیف اگرچہ حقوقِ مجردہ سے متعلق ہے مگر حقوقِ مجردہ کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ حقوق جن کے ساتھ مالی منفعت وابستہ ہو جیسے حقِ وظیفہ وغیرہ۔ (۲) دوسرے وہ حقوق جن کے ساتھ مالی منفعت متعلق نہیں، جیسے حقِ شفعہ وغیرہ۔ شریعتِ اسلامی میں مالی منفعت والے حقوق سے دستبرداری کے عوض مال لینا جائز ہے۔ حقِ تصنیف کے ساتھ بھی دورِ حاضر میں چونکہ مالی منفعت وابستہ ہے اس لیے اس کی بیع وشراء جائز ہے، فقہی اصطلاح میں اس کو حقِ اسبقیت کہا جاتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة وعلیٰ هذا لا یجوز الاعتیاض عن الوظائف بالاوقاف وفیها فی آخر بحث تعارض العرف مع اللغة المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لکن افتی کثیر باعتباره وعلیه فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمالٍ۔
(الدر المختار علیٰ ردالمحتار ج۴ ص۱۶ کتاب البیوع) [2]

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: ولا بأس ببیع السرقین او السرجین وهو الزبل وبیع البعر لانه منتفع به لانه یلقی فی الارض لاستکثار الریع فکان مالاً والمال محل للبیع۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج۴ ص۴۳۶ بیع النجس والمتنجس)

[2] قال العلامة خالد الاتاسیؒ: اقول علیٰ ما ذکره من جواز الاعتیاض عن الحقوق المجردة بمالٍ ینبغی ان یجوز الاعتیاض عن التعلی وعن حق الشرب وعن حق المسیل بمال..... کما جاز النزول عن الوظائف ونحوها لاسیما اذا کان صاحب حق العلو فقیراً قد عجز عن اعادة علوه فلو لم یجز ذلك له علی الوجه الذی ذکرناه یتضرر فلیتأمل ولیحرر۔ (شرح مجلة الاحکام۔ مادة ۲۱۶ ج۲ ص۱۲۱ الفصل الثانی فی بیع ما یجوز وما لا یجوز)
ومثله فی نظام الفتاوی ج۲ ص۳۱۴ کتاب المعاملات۔

فارمی مرغیوں کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ آجکل جو فارمی مرغیاں فروخت ہو رہی ہیں ان کو جو خوراک دی جاتی ہے اس میں دیگر چیزوں کے علاوہ خشک خون بھی ہوتا ہے جو کہ حرام ہے، تو کیا اس طرح خون کھانے والی مرغیوں کی خرید و فروخت اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ان مرغیوں میں نجاست اور خون ملی ہوئی خوراک کھلانے کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی ہو تو پھر ان کا کھانا ناجائز اور خرید و فروخت مکروہ ہے، اور اگر ان مرغیوں کو نجاست اور خون وغیرہ کھلانا بند کر کے پاک غذا کھلائی جائے یہاں تک کہ ان کی بدبو بالکل ختم ہو جائے تو پھر ان کا کھانا، بیع و شراء اور ہبہ وغیرہ سب درست ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی الملتقیٰ المکروہ الجلالة التی اذا قربت وجد منها رائحة فلا تؤکل ولا یشرب لبنها ولا یعمل علیها ولا یکرہ بیعها وهبتها وفی تلك حالها۔ (رد المحتار حاشیة علی الدر المختار جلد ۵ ص۲۱۵ کتاب الذبائح) [۱]

چونکہ اس بارے میں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مرغیوں کی غذا میں خون یا دوسرے نجس اجزاء نہایت کم مقدار میں ہوتے ہیں، دوم یہ کہ اس غذا کی تیاری میں کیمیکلز استعمال ہوتے ہیں جس کی وجہ سے خون اور دیگر نجس اجزاء کی ماہیت بدل جاتی ہے، لہٰذا قلبِ ماہیت اور اجزاء نجسہ کے مغلوب ہو جانے کی وجہ سے فارمی مرغیوں کا کھانا، ان کی خرید و فروخت اور ہبہ وغیرہ سب درست اور جائز ہے۔

---

[۱] وفی الهندیة: انما تکون جلالة اذا نتن وتغیر لحمها ووجدت منه ریح منتنة فهی الجلالة حینئذٍ لا یشرب لبنها ولا یؤکل لحمها وبیعها وهبتها جائز هٰذا اذا کانت لا تخلط ولا تأکل الا العذرة غالبًا الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۲۸۹ الباب الثانی فی بیان ما یؤکل من الحیوان ومالا) ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۸ ص۱۲۳ کتاب الکراهیة۔

کُتیا کا دودھ پینے والے گائے کے بچے کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گائے کا بچہ اگر کُتیا کا دودھ پی لے اور مالک کو پتہ لگ جائے کہ اس بچھڑے نے کتیا کا دودھ پیا ہے، اب اگر مالک اس کو فروخت کرنا چاہے تو کیا اس کی خرید و فروخت اور کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر گائے کے اس بچے نے چند دن بعد پاک خوراک کھائی ہو تو پھر اس کی خرید و فروخت کرنا اور کھانا لا بأس بہ ہے ورنہ کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الهندية: الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایامًا فلا بأس بمنزلة الجلالة والجلالة اذا حبست ایامًا فعلفت لا بأس بها فکذا هذا۔

(الفتاوی الهندية ج ۵ ص ۲۹۰ الباب الثانی فی بیان ما یؤکل من الحیوان وما لا یؤکل) لہ

بائع اول کا مشتری ثانی سے واپس خرید نا جائز ہے

سوال:۔ زید نے عمرو پر ایک گاڑی نقد رقم پر فروخت کی، بعد میں عمرو نے وہ گاڑی بکر کو تین، چار مہینے کے قرض پر دے دی، اب اگر زید اس گاڑی کو بکر سے فروخت کردہ قیمت سے کچھ کم یا زیادہ قیمت پر خرید لے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ بعض لوگ اسے سود کا معاملہ قرار دیتے ہیں تو کیا واقعی یہ سودی معاملہ ہے ؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں بائع اول کے لیے یہ مبیعہ مشتری ثانی سے اُس قیمت سے کم یا زیادہ پر خریدنا جائز ہے جس قیمت پر اس نے مشتری اول پر بیچا تھا اس میں سود کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی۔

لما فی الهندية: ولو باع المشتری من رجل ثم ان البائع الاول اشتراه

لہ قال العلامة الحصکفیؒ: وکرہ لحمهما ای الجلالة ...... کما حل اکل جدی غذا بلبن خنزیر لان لحمه لا یتغیر وما غذی به یصیر مستهلکًا۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۰ کتاب الحظر والاباحة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۲ کتاب الکراهية۔

من المشتری الثانی باقل مما باع جاز۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۳۲ الفصل العاشر فی بیع شیئین احدهما لا یجوز البیع فیه......) ؎۱

نابالغ یتیموں کی جائیداد کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ چار یتیم بھائی ہیں جن میں سے ایک بالغ اور تین نابالغ ہیں، جن کا کابل شہر (افغانستان) میں ایک مکان ہے، اب وہاں کے حالات کی خرابی اور کمیونسٹ انقلاب کے پیشِ نظر بالغ بھائی اس مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہے کیونکہ خطرہ ہے کہ مکان غصب نہ ہو جائے، تو کیا ان تین نابالغ اور ایک بالغ بھائی کے مشورے سے اس مکان کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اگر مکان نہ بیچنے سے ان یتیموں کا نقصان ہو رہا ہو تو اس کو بیچ دیا جائے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے ان کے لیے کوئی دوسرا محفوظ پلاٹ، مکان یا زمین خرید لی جائے یا وہ صورت اختیار کی جائے جس میں ان یتیموں کو فائدہ ہو، ضرر اور نقصان نہ ہو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وجاز شراء مالا بد للصغیر منه وبیعه ای بیع مالا بد للصغیر منه لاخ وعمّ وامّ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۶ فصل فی البیع، کتاب الحظر والاباحة) ؎۲

؎۱ قال العلامة الحصکفیؒ: المشتری اذا باع المبیع من آخر قبل نقد الثمن جاز للبائع شراؤه منه بالاقل۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۱۶۷ باب الاقالة)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۱۰۴ باب الاقالة۔

؎۲ قال العلامة ابن نجیمؒ: وشراء مالا بد للصغیر منه وبیعه للعمّ والامّ والملتقط...... یعنی یجوز لهؤلاء الثلاثة ان یشتروا للصغیر ویبیعوا مالا بد منه وذلک مثل النفقة والسکوة ولا نه لولم یکن لهم ذلک لتضرر الصغیر وهو ممنوع۔ (البحر الرائق ج۸ ص۲۰۹ فصل فی البیع، کتاب الکراهیة)

زالہ باری سے متاثر ہونے والی مچھلیوں کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ بعض اوقات بارش اور ژالہ باری کی وجہ سے مچھلیاں پانی کے اوپر تیرنے لگتی ہیں جو کہ بظاہر مری ہوئی نظر آتی ہیں لیکن ان میں کسی قسم کی بدبو اور تعفن نہیں ہوتی، تو بعض لوگ ان مچھلیوں کو اکٹھا کر کے فروخت کرتے ہیں، تو کیا اس طرح کی مچھلیوں کا کھانا اور فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو مچھلی طبعی موت سے مری ہو تو اس کا کھانا اور خرید و فروخت برائے خوراک جائز نہیں ہے اور جو مچھلی کسی عارضی سبب مثلاً بارش یا اولے وغیرہ پڑنے کی وجہ سے مری ہو تو اس کا کھانا اور خرید و فروخت جائز ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کی بیع بھی درست ہے۔

لما فی الهندية: والاصل ان السمك متى مات بسبب حادث حل اكله وان مات حتف انفه لا بسبب ظاهر لا يحل اكله۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص۴۲۸ الباب السادس فى الصيد السمك)[۱]

بیعہ میں زیادتی بائع کا حق ہے

سوال:۔ ایک شخص نے دو جریب زمین فروخت کی اور اس کا حدود اربعہ بھی لکھ کر دیدیا اور ہر جریب کی قیمت بھی متعین کرلی، بیع کے بعد زمین مذکورہ کی پیمائش کی گئی تو وہ متعین مقدار سے زائد نکلی، اب یہ زائد زمین مشتری کا حق ہے یا بائع کا؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں مقدارِ متعینہ سے زائد زمین بائع کا حق ہے، البتہ مشتری کو یہ اختیار حاصل ہے کہ یا تو وہ اس بیعہ کو چھوڑ دے یا پھر اضافی رقم بائع کو ادا کر کے کل بیعہ لے لے۔

---

[۱] قال العلامة الحصكفىؒ: ولا يحل حيوان مائى الا السمك الذى مات بآفة ولو متولداً فى ماء نجس ولو طافية مجروحة وهبانية غير الطافى على وجه الماء الذى مات حتف انفه۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص۲۱۶ كتاب الذبائح)

وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۸ ص۱۷۲ فصل فى ما يحل وما لا يحل۔

لما فی الهندیة : ولو قال بعت منك هذا الثوب او هذه الارض على انها عشرة اذرع كل ذراع بدرهم فوجدها عشرة لزمته بعشرة دراهم ولا خیار له وان وجدها خمسة عشر ذراعاً فهو بالخیار ان شاء اخذ الجمیع كل ذراع بدرهم وان شاء ترکها۔ (الفتاوی الهندیة ج ۳ ص ۱۲۴ الفصل الثامن فی جهالة المبیع او الثمن) [1]

تصاویر کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! میں تصاویر کا کاروبار کرتا ہوں، کیا یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں، اور اس کی آمدنی حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:- کسی بھی ذی روح کی فوٹو اور تصاویر بنانا اور ان کی خرید و فروخت ناجائز اور حرام ہے، ظاہر ہے کہ ناجائز اور حرام کاروبار سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز ہی ہوتی ہے۔

لما اخرج الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن عون ابن ابی جحیفة عن ابیه ان النبی صلی الله علیه وسلم نهى عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب البغی ولعن اكل الربوٰ وموكله والواشمة والمستوشمة والمصور۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۸۱ باب من لعن المصور۔ کتاب اللباس) [2]

زقوم کا پھل کھانے اور اس کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:- بعض لوگ زقوم (تھوہر) کا پھل

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : وان زاد شئ علیه فهو للبائع لان البیع وقع على مقدار معین والقدر لیس بوصف۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۸۸ کتاب البیع)

[2] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : ولا یجوز على الغناء والنوح والملاهی لان المعصیة لا یتصور استحقاقها بالعقد فلا یجب علیه الاجر من غیر ان یستحق علیه لان المبادلة لا تکون الا عند الاستحقاق۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۲ باب الاجارة الفاسدة)

بڑے شوق سے کھاتے ہیں، اور آجکل بازاروں میں اس کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زقوم جہنم کا درخت ہے اس لیے اس کا پھل کھانا اور خرید و فروخت جائز نہیں ہے، تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:۔ دنیا کے زقوم اور جہنم کے زقوم میں زمین آسمان کا فرق ہے اور زقوم کے پھل میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے لہٰذا اس کا کھانا اور خرید و فروخت دونوں جائز ہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: (البیع) شرعاً مبادلة شئ مرغوب فیه بمثله خرج غیر المرغوب کتراب ومیتة ودم الخ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۴ ص۴ کتاب البیوع) له

اجرت قبل القبض کی خرید و فروخت کا حکم | زید ٹھیکداری کا کام کرتا ہے۔ اس کے ہاں کاروبار کا یہ طریقہ ہے کہ وہ دوسرے اشخاص سے گاڑیاں کرایہ پر لیتا ہے اور اجرت کی رسید دے دیتا ہے۔ مگر اجرت کام ختم ہونے کے بعد دیتا ہے۔ اب اگر گاڑی کے مالک کو پیسوں کی ضرورت ہو۔ اور وہ اس رسید کو ٹھیکدار یا کسی دوسرے پر فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو کیا وہ اس طرح شرعاً کر سکتا ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا ○

الجواب:۔ بیع کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ بائع کو مبیعہ پر ملکِ تام حاصل ہو اور مبیعہ قبل القبض پر چونکہ ملکیتِ تام حاصل نہیں ہوتی اس لیے ایسی بیع درست نہیں ہوتی، اسی طرح صورتِ مسئولہ میں چونکہ موجر نے اجرت کو قبل القبض فروخت کیا ہے اس لیے یہ معاملہ درست نہیں۔

قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: لا یملك الاجرة الا بواحد من

له قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: (البیع) هو مبادلة المال بالمال بالتراضی ..... وفی کشف الکبیر المال مایمیل الیه الطبع .... والمالیة انما تثبت بتمول الناس کافة او بتقوم البعض والتقوم یثبت بها وبإباحة الانتفاع له شرعاً۔
(البحر الرائق جلد ۵ ص۲۵۶ کتاب البیع)

هٰذہ الاربعة والمراد انهٗ لا یستحقها الموجر الّا بذٰلك ...... لکن لیس لهٗ بیعها قبل قبضها ۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۳۰ کتاب الاجارۃ) [1]

گدھوں اور کُتوں کے گوشت کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ بعض ممالک میں گدھوں اور کُتوں کا گوشت بازار میں فروخت کیا جاتا ہے تو کیا گدھے اور کُتے کو ذبح کر کے ان کا گوشت وغیرہ فروخت کرنا عند الاحناف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ گدھے اور کُتے کو اگر باقاعدہ ذبح کیا گیا ہو تو پھر ان کا گوشت اور چمڑا بیچنا جائز ہے، لیکن فروخت کرنے کے جواز سے کھانے کا جواز لازم نہیں آتا۔

لما فی الهندیة: ویجوز بیع لحوم السباع والحمر المذبوحة فی الروایة الصحیحة ولایجوز بیع لحوم السباع المیتة کذا فی محیط السرخسی واما جلود السباع والحمر والبغال فما کانت مذبوحة اومدبوغة جاز بیعها ومالا فلا۔ (الفتاوی الهندیة ج ۳ ص ۱۱۵ الفصل الخامس فی بیع المحرم الصید وفی بیع المحرمات) [2]

شیر اور ریچھ کی چربی کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ شیر اور ریچھ کی چربی کو حکماء اور طبیب حضرات خرید کر اسے مختلف امراض میں دوائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، تو کیا ان درندوں کی چربی کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ چربی مذبوح شیر اور ریچھ کی ہو تو اس کی تجارت جائز ہے جبکہ

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: قوله وما یستجرہ الانسان الخ ذکر فی البحر ان من شرائط المعقود علیه ان یکون موجوداً فلم ینعقد بیع المعدوم الخ
(رد المحتار ج ۴ ص ۱۳ مطلب فی بیع الاستجرار)
ومِثلُهٗ فی الهندیة ج ۳ ص ۳ کتاب البیوع۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله وجلد میتة قید بها لانها لو کانت مذبوحة ذباغ لحمها اوجلدها جاز لانه یطهر بالزکاة الّا الخنزیر خانیة۔
(رد المحتار حاشیة علی الدر المختار ج ۴ ص ۱۲۷ مطلب الدراهم والدنانیر جنس واحد فی مسائل)

مردار زبچھ اور شیر کی چربی کی تجارت جائز نہیں ہے۔

لما فی الهندیة: ویجوز بیع لحوم السباع والحمر المذ بوحة فی الروایة الصحیحة ولا یجوز بیع لحوم السباع المیتة کذا فی محیط السرخسی۔

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۱۵ الفصل الخامس فی بیع المحرم الصید وفی بیع المحرمات) [1]

ذبح سے پہلے کھال کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ قربانی کے جانور کی کھال قربانی کرنے سے پہلے فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قربانی کرنے سے پہلے جانور کے چرم وغیرہ کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

لما فی الهندیة: ولو باع الجلد والکرش قبل الذبح لا یجوز فان ذبح بعد ذلك ونزع الجلد والکرش وسلم لا ینقلب العقد جائزاً کذا فی الذخیرة۔

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۲۹ الفصل التاسع فی بیوع الاشیاء المتصلة بغیرها۔۔۔۔۔۔۔)

صحیح چیز میں ردّی کی ملاوٹ کر کے فروخت کرنا

سوال:۔ ایک شخص اعلیٰ قسم کی مکئی زیادہ قیمت پر اور ادنیٰ یعنی ردّی قسم کی مکئی کم قیمت پر خریدتا ہے پھر ان دونوں کو ملا کر ان کے معیار کے مطابق نرخ مقرر کر کے فروخت کرتا ہے، تو اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر خریدنے والے کو اس ملاوٹ کے متعلق بتا دیا جائے اور پھر بھی

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله وجلد میتة قید بها لانها لو کانت مذبوحة فباع لحمها او جلدها جاز لانه یطهر بالذکوٰة الّا الخنزیر خانیة۔

(ردالمحتار حاشیة علی الدر المختار ج۴ ص۱۲۷ مطلب الدراهم والدنانیر جنس واحد فی مسائل)

وقال ایضاً: بخلاف الودك ای دهن المیتة لانه جزءها فلا یکون مالاً ابن ملك فلا یجوز بیعه الخ۔ (ردالمحتار حاشیة علی الدر المختار ج۴ ص۱۲۸ مطلب الدراهم والدنانیر جنس واحد)

ومثله فی الخانیة علی هامش الهندیة ج۲ ص۱۵۳ باب بیع الفاسد۔

خرید لیتا ہے تو یہ معاملہ لا بأس بہ ہوگا، اور اگر خریدار کو اس ملاوٹ کے متعلق نہ بتایا جائے اور وہ اسے عمدہ اور ملاوٹ سے پاک مکئی سمجھ رہا ہو تو یہ معاملہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہے: من غشنا فلیس منّا۔

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مر برجل یبیع طعاما فساله کیف تبیع؟ فاخبره فاوحیٰ الیه ان ادخل یدك فیه فادخل یده فیه فاذا هو مبلول فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس منا من غش۔ (بذل المجهود فی حل ابی داؤد ج۵ ص۱۲۴ کتاب البیوع۔ باب فی النهی عن الغش) لہ

زبانی سودا بیع بالمعدوم کے حکم میں ہے

سوال:۔ احمد نے زید کے ساتھ ایک سودا کیا کہ کل کو سَو افغانی (افغان کرنسی) ایک روپیہ چھ آنے پر دوں گا، دوسرے دن احمد نے بکر سے سَو افغانی کا ایک روپیہ چار آنے پر سودا کیا، یہ صرف زبانی کلامی سودا تھا کسی طرف سے قبضہ نہیں ہوا تھا، اب احمد بکر کو زید کے سامنے لاکر زید سے دو آنے منافع لے کر چلا گیا اور باقی معاملہ کو زید اور بکر کے درمیان چھوڑ دیا، تو اب یہ دو آنے منافع احمد کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مبیعہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں صرف زبانی سودا کرنے سے بیع تام نہیں ہوتی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی زید اور احمد کے مابین بیع تام نہیں ہوئی لہٰذا زید کے لیے یہ دو آنے منافع لینا جائز نہیں ہے۔

وفی الهندیة: ومنها فی المبیع وهو ان یکون موجوداً فلا ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۲ کتاب البیوع) ؎۲

لہ عن ابی هریرةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مر علی صبرة طعام فادخل یده فیها فنالت اصابعه بللا فقال ماهٰذا یا صاحب الطعام قال اصابته السماء یا رسول الله فقال افلا جعلته فوق الطعام حتی یراه الناس مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔
(مشکوٰة ج۲ ص۲۴۸ کتاب البیوع۔ باب المنهی عنها من البیوع۔ الفصل الاول)

؎۲ قال العلامة الحصکفیؒ: لان رکن البیع مبادلة المال بالمال ولم یوجد والمعدوم کبیع حق التعلی..... لانه معدوم۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۱۱۳ باب بیع الفاسد مطلب فی بیع المغیب فی الارض)

مشتری کی ٹال مٹول میں بیع کو فسخ کرنا

سوال:۔ اگر بیع ہو جانے کے بعد مشتری ثمن (قیمت) ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہو تو کیا بائع بیع کو فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ آجکل یہ ایک رواج بن چکا ہے؟

الجواب:۔ بیع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے صورتِ مسئولہ میں مشتری کے ٹال مٹول کرنے پر چونکہ بائع راضی نہیں کہ مشتری نہ تو قیمت ادا کرتا ہے اور نہ ہی چیز واپس کرتا ہے لہٰذا اس مجبوری کی وجہ سے بائع کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: لان المشتری لما جحد کان فسخا من جهته اذا الفسخ یثبت به کما اذا تجاهد فاذا عزم البائع علی ترك الخصومة تم الفسخ بمجرد العزم...... ولانه لما تعذر استیفاء الثمن من المشتری فات رضا البائع فیستقبل بفسخه۔ (البحرالرائق ج ۷ ص۳۶ مسائل شتیٰ، باب التحکیم)

ادائیگی ثمن کے غیر متعین وقت کا حکم

سوال:۔ آجکل ایک عام رواج ہے کہ گاہک جب کسی جاننے والے دوکاندار کے پاس چلا جاتا ہے تو سودا سلف خریدنے کے بعد اسے کہہ دیتا ہے کہ پیسے بعد میں دوں گا لیکن ادائیگی کا وقت مقرر نہیں کرتا، تو کیا اس قسم کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اُدھار کی بیع میں جب تک ثمن کی ادائیگی کے وقت کا تعین نہ کیا جائے تو وہ بیع فاسد ہوگی، مگر صورتِ مسئولہ میں چونکہ بیع ہو جانے کے بعد گاہک نے دوکاندار سے کہا ہے کہ پیسے بعد میں دوں گا، لہٰذا اگر دوکاندار بخوشی اسے قبول کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

قال الحصکفیؒ: وصح بثمن حال وهو الاصل او مؤجل الی معلوم لئلا یفضی الی النزاع۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۲۵ مطلب فی التاجیل الی اجل مجهول) [1]

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: قوله وصح بثمن حال و باجل معلوم ای البیع لاطلاق النصوص وفی السراج الوهاج ان الحلول مقتضی العقد وموجبه والاجل لا یثبت بالشرط قید بعلم الاجل لان جهالة تفضی الی النزاع۔

(البحرالرائق ج۵ ص۲۷۹ کتاب البیع)

مُردار جانوروں کی ہڈیوں کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:- اگر کسی جگہ کوئی جانور مردار ہو جائے اور مالک اس کو باہر پھینک دے تو کیا اس کی ہڈیوں کو فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یا گوشت کی طرح ہڈیوں کی بیع بھی ناجائز ہے؟

الجواب:- ویسے تو شرعاً کسی بھی غیر مذبوحہ جانور کی بیع جائز نہیں مگر اس حکم سے اُس کے بعض اجزاء مثلاً ہڈیاں، بال اور سینگ وغیرہ مستثنیٰ ہیں لہٰذا مردار جانور کے ان اجزاء کی خرید و فروخت جائز ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: وبیع جلود المیتات باطل اذا لم تکن مذبوحۃ او مدبوغۃ ویجوز بیع عظامھا وعصبھا وصوفھا وظلفھا وقرنھا۔ (الفتاوی قاضی خان علی ہامش الهندیۃ ج۲ ص۱۳۳ فصل فی البیع الباطل)[1]

واؤچر کو فروخت کرنے کا حکم

سوال:- ہم لوگ تمباکو کمپنی والوں پر فروخت کرتے ہیں اور کمپنی والے نقد ادائیگی کی بجائے اس رقم کی رسید، جسے واؤچر کہا جاتا ہے، دیدیتے ہیں، تو کیا ہم اس رسید (واؤچر) کو بوقتِ ضرورت کم قیمت پر فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- واؤچر بذاتِ خود کاغذ کا ایک بے قیمت پُرزہ ہے مگر اس رقم کی وجہ سے قیمتی بن جاتا ہے اس لیے اس کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن واؤچر میں درج رقم سے کم پر فروخت کرنا سُود سے خالی نہیں اس لیے ناجائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (الربا) قال فی البحر فضل احد المتجانسین نعم ھذا یناسب تعریف الکنز بقولہ فضل مال بلاعوض فی معاوضۃ مال بمال۔

(رد المحتار حاشیۃ علی الدر المختار ج۴ ص۱۹۶ باب الربو)[2]

---

[1] وفی الهندیۃ: اما شعر المیتۃ وعظمھا وصوفھا وقرنھا فلا بأس بالانتفاع بھا وبیع ذلک کلہ جائز۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۳ ص۱۱۵ الفصل الخامس فی بیع المحرمات)

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: فضل مال بلاعوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانسین علی الآخر بالعیار الشرعی ای الکیل والوزن۔ (البحر الرائق جلد۶ ص۱۲۴ باب الربوٰ)

بیع قبل القبض کا حکم

سوال:- ایک آدمی نے کسی سے ...۳ ہزار کلوگرام مال کا زبانی سودا کیا لیکن مال نہیں اٹھایا بلکہ بائع کے پاس ہی پڑا ہے، چند دن بعد اس مال کی مارکیٹ میں قیمت بڑھ جاتی ہے تو مشتری بائع سے کہتا ہے کہ آپ مجھے منافع دے کر مال اپنے پاس ہی رکھیں، تو کیا مشتری کے لیے یہ منافع لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- شریعتِ مقدسہ میں مبیعہ پر قبضہ کرنے سے قبل اس کو کسی پر فروخت کرنا جائز نہیں، اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی بظاہر بیع المنقول قبل القبض ہے اس لیے اس کی بیع جائز نہیں۔

لما فی الهندية : فنقول من حکم المبيع اذا کان منقولا ان لا يجوز بيعه قبل القبض الى ان قال واما اذا تصرف فيه مع بائعه فان باعه منه لم يجز بيعه اصلا قبل القبض۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۳ الفصل الثالث فی معرفة المبيع والثمن والتصرف) ؎

مبیعہ کو دوبارہ بائع پر فروخت کرنے کی شرط لگانا

سوال :- بعض لوگ کوئی چیز فروخت کرتے وقت مشتری کے ساتھ یہ شرط لگاتے ہیں کہ جب میرے پاس پیسے آجائیں تو اس چیز کو مجھ پر دوبارہ فروخت کروگے یا جب تم فروخت کرنا چاہو تو معاملہ میرے ساتھ ہی ہوگا کسی اور پر فروخت نہیں کروگے۔ تو کیا بیع کرتے وقت اس قسم کی شرائط لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے بیع پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

الجواب :- بیع میں اس قسم کی شرائط جن میں بائع یا مشتری یا مبیعہ کو کوئی فائدہ ہو، لگانا شرعاً جائز نہیں، اس قسم کی شرائط سے کاروبار (بیع) فاسد ہوجاتا ہے لہٰذا صورتِ مذکورہ کی بیع فاسد ہے۔

؎ قال العلامة ابن عابدينؒ : وهو لا يصح به القبض ...... وقيل بالقبض لان العقد فی ذاته صحيح غير انه لا يجب على المشتری دفع الثمن لعدم القبض۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۴۸ مطلب اشترى دارا ما جوّ لا يطالب بالثمن قبل قبضها)

قال العلامة الحصکفیؒ: ولا بیع بشرط عطف علی الی النیروز یعنی الاصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدھما اوفیه نفع لمبیع۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۴ ص۱۳۵ مطلب فی البیع بشرط الفاسد) ؎۱

سونے کے زیورات کی اُدھار تجارت کا حکم

سوال:- ہم چند پاکستانی دوست ملائیشیا میں پہلے کپڑے کی ادھار تجارت کرتے تھے لیکن اب کپڑے کی تجارت کا بہت مندہ ہے جبکہ سونے کے زیورات مثلاً انگوٹھیاں، بالیاں، جھومر اور دوسری اشیاء کی زبردست مانگ ہے تو ہم نے یہ تجارت شروع کردی، اب ہم سونے کے یہ زیورات ادھار پر بیچتے ہیں اور ماہانہ قسطوار یہ رقم ہمیں واپس ملتی ہے، اب کسی نے بتایا ہے کہ اس طرح ادھار پر سونے کی تجارت جائز نہیں ہے لیکن عدم جواز کی کوئی وجہ بھی بیان نہیں کی، لہٰذا آپ اس کے جواز اور عدم جواز کی وضاحت فرماکر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- اگر سونے کی تجارت اس طریقہ سے ہو کہ سونا نقد ہو اور روپیہ اُدھار جیسا کہ سوال میں ہے تو پھر یہ تجارت جائز ہے اس لیے کہ یہ دونوں مختلف الاجناس اشیاء ہیں، اور اگر دونوں ادھار پر ہوں تو پھر ناجائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تنبیه) سئل الحانوتی عن بیع الذھب بالفلوس نسیئة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلین۔ (رد المحتار حاشیه علی الدر المختار ج۴ ص۲۰۵ باب الربوٰ، کتاب البیوع) ؎۲

؎۱ وفی الھندیة: ولو باع شیئاً علی ان یھب له المشتری او یتصدق علیه او یبیع منه شیئاً او یقرضه کان فاسداً۔ (الفتاوٰی الھندیة ج۳ ص۱۳۴ الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع والتی لا تفسد)

؎۲ لما فی الھندیة: وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ اذا اشتری فلوساً بدراھم ولیس عند ھذا فلوس ولا عند الآخر دراھم ثم ان احدھما دفع وتفرقا جاز وان لم ینقد واحد منھما حتی تفرقا لم یجز کذا فی المحیط۔

(الفتاوٰی الھندیة ج۳ ص۲۲۴ الفصل الثالث فی بیع الفلوس)

ومثلهٗ فی الفتاوٰی البزازیة علی ھامش الھندیة ج۵ ص۲ کتاب الصرف۔

جعل سازی کے ذریعے ویزے فروخت کرنا

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل بعض لوگ پاسپورٹ اور ویزے وغیرہ پر اصل فوٹو کو تبدیل کر کے جعلسازی سے کسی دوسرے شخص کو سمندر پار ممالک میں بھیجتے ہیں اور اس پر بھاری رقم لیتے ہیں۔ تو کیا ان لوگوں کا یہ کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ویزہ اگرچہ کاغذ کا ایک پرزہ ہوتا ہے مگر متعلقہ ملک کی حکومت کی طرف سے اسے قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے لہٰذا قانونی دائرۂ اختیار میں رہتے ہوئے اس کو بیچنا اور اس کی بھاری قیمت لینا شرعاً جائز ہے۔ **لیکن کسی خاص (نامی نیٹ) ویزہ میں تصویر تبدیل کر کے کسی دوسرے شخص پر فروخت کرنا** سراسر دھوکہ ہے اور نہ ہی ایسے ویزے کی کوئی قانونی حیثیت ہوتی ہے، لہٰذا دھوکہ دہی اور غیر قانونی طریقے سے کسی پر ویزہ فروخت کر کے بھاری رقم لینا ناجائز اور حرام ہے، اس لیے کہ ویزہ کے عوض پیسے لینا قانونی تحفظ کی بناء پر تو جائز ہے نہ کہ دھوکہ دہی کے ذریعے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : (قوله فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال) ـ قال العلامة العینیؒ : فی فتاواه لیس شیء یعتمد علیه ولکن العلماء والحکام مشوا ذلك للضرورة واشترطوا امضاء الناظر مثلاً یقع فیه نزاع۔

(رد المحتار جلد ۴ صفحہ ۵۱۹ کتاب البیوع مطلب فی النزول عن الوظائف بالمال)

گندے انڈے فروخت کرنے کا حکم

سوال :- ایک دوکاندار نے اپنے گاہک پر کچھ انڈے فروخت کیے، گھر جا کر اس نے جونہی انڈے توڑے تو وہ گندے نکل آئے، تو کیا گاہک کو شرعاً حق حاصل ہے کہ وہ گندے انڈے دکاندار کو واپس کر کے اس سے اپنی رقم لے لے؟

الجواب :- انڈے جب خراب ہو جائیں تو وہ مال نہیں رہتا، ان کا فروخت کرنا جائز نہیں اگر کہیں ایسا معاملہ ہو گیا ہو اور گاہک ان گندے انڈوں کو استعمال میں نہ لایا ہو تو اس کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوکاندار کو گندے انڈے واپس کر کے اس سے اپنے پیسے لے لے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ : من اشتری بیضاً او بطیخاً او قثاءً او خیاراً او جوزاً فکسره فوجده فاسداً فان لم ینتفع به رجع بالثمن لانه لیس بمال فکان البیع باطلاً۔

(الهدایه ج ۳ ص ۲۷ باب البیع الفاسد)

باب فی الخیار

(بیع میں خیار کے مسائل و احکام)

خیارِ رؤیت کا حکم

سوال:۔ اگر ایک چیز ایسی حالت میں خریدی جائے کہ مشتری نے اصالتاً یا وکالتاً نہ دیکھی ہو اور دیکھنے کے بعد مشتری کو پسند نہ آئے تو کیا وہ اس کو واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو چیز بغیر دیکھے خریدی جائے تو بیع کی حقیقت موجود ہو کر معاملہ کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہتا، تاہم مشتری کو دیکھنے پر اختیار حاصل ہے، اگر اسے پسند نہ ہو تو وہ بغیر کوئی وجہ بتلائے بائع کو واپس کر سکتا ہے، تاہم اگر خریدنے پر آمادہ ہو تو پھر پوری قیمت ادا کرنی ہوگی۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ:۔ ومن اشتریٰ شیئاً لم یرہ فالبیع جائز وله الخیار اذا راٰہ ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ۔

(الھدایة ج۳ ص۴۴ کتاب البیوع۔ باب خیار الرویة) [1]

غبنِ فاحش کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص نے کسی سے زمین خریدی، لیکن خریدتے وقت دلال یا بائع نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے وہ زمین ایسی قیمت پر فروخت کی جو کہ عام مارکیٹ کے حساب سے کہیں زیادہ تھی، تو کیا اس بنا پر مشتری یہ زمین بائع کو شرعاً واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مشتری نے ان تمام حالات کو جانتے ہوئے بھی اس زمین میں تصرف کیا ہو اور اس کے مالکانہ تصرفات پر کچھ مدت گذر گئی ہو تو پھر اس کو واپس کرنے کا حق

---

[1] قال فی الھندیة: من اشتریٰ شیئاً لم یرہ فله الخیار اذا راٰہ ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ سواء راٰہ علی الصفة التی وصفت له او علیٰ خلافھا۔

(الفتاوی الھندیة ج۳ ص۵۷ الباب السابع فی خیار الرؤیة)

ومثلهٗ فی البحرالرائق ج۶ ص۲۶ باب خیار الرؤیة۔

حاصل نہیں، کیونکہ غبنِ فاحش میں اگرچہ مشتری کو مبیعہ واپس کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن اس پر علم کے باوجود تصرّفات کرنے سے یہ حق باقی نہیں رہتا۔

لما قال العلامۃ سلیم رستم بازؒ: المشتری الذی حصل لہ تغریر اذا اطلع علی الغبن الفاحش ثم تصرف فی المبیع تصرف الملاک سقط حق فسخہ کما .... لو سقی الارض المبیعۃ اوغرسھا الی غیر ذٰلک من التصرفات الدالۃ علی الرضا۔ (شرح مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۳۵۹ ص۲۲۴) لہ

جملہ عیوب سے برأت کا اعلان کرکے کوئی چیز فروخت کرنا

سوال:۔ ایک آدمی نے کوئی چیز فروخت کرتے وقت مشتری سے یوں کہا کہ اس چیز کے نقائص کے بارے میں اگر کچھ کہنا ہو تو اب کہہ لے ورنہ بعد میں میں کسی قسم کے عیب کا ذمہ دار نہیں ہوں گا، کیا بائع کا مشتری کو اس طرح کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خرید و فروخت میں بیع بشرط برأت من العیوب درست ہے کہ بائع مبیعہ کے تمام عیوب سے برأت کا اعلان اور اظہار کرے، اس طرح کرنے سے بعد میں تنازعہ اور کبیدہ خاطری کی گنجائش نہیں رہتی اس لیے اس شرط پر کوئی معاملہ کرنا شرعاً مرخص ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وصح البیع بشرط البرأۃ من کل عیب وان لم یسم خلافاً للشافعی لان البرأۃ عن الحقوق المجھولۃ لایصح عندہٗ ویصح عندنا لعدم افضائہ الی المنازعۃ ویدخل فیہ الموجود والحادث بعد العقد قبل القبض فلا یرد بعیب بان قال بعتک ھٰذا العبد علیٰ انی بری من کل عیب۔ (ردالمحتار ج۵ ص۴۲ تحت مطلب فی البیع بشرط البرأۃ من کل عیب) ۲ہ

لہ قال حافظ الدین محمد بن البزازؒ:۔ کل تصرف یدل علی الرضا بعد العلم بہ یمنع الرد والرجوع بالنقص .... وسقی الارض وزراعتھا وکسح الکرم رضاء۔

(البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج۴ ص۳۵۱/۳۵۲ کتاب البیوع۔ باب الخیار)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۳ ص۷۵ کتاب البیوع۔

۲ہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وصح البیع بشرط البرأۃ من کل عیب وان لم یسم خلافاً للشافعی لان البرأۃ من الحقوق المجھولۃ لاتصح عندہ وتصح عندنا لعدم افضائہ الی المنازعۃ۔

(تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ ج۱ ص۲۷۳ جواب السوال ۲ باب خیارالرؤیۃ)

وَمثلہٗ فی شرح المجلۃ لسلیم رستم باز تحت المادۃ ۱۸۹ ص۸۹

بیع بالوفاء کا حکم

سوال: ایک شخص نے دس ہزار روپے کے عوض زمین کی بیع قطعی کرکے مشتری سے معاوضہ نقد وصول کرلیا ہے اور اب اس زمین میں بائع کا کوئی دخل نہیں رہا، لیکن بیع اس شرط سے طے کی کہ میعادِ مقررہ میں رقم واپس ہونے پر زمین واپس کی جائے گی۔ تو کیا بیع مذکورہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل قواعد کی رُو سے یہ معاملہ رہن ہو کر اس زمین سے اِنتفاع حرام ہوگا اور اگر اس معاملہ کو بیع تصوّر کیا جائے تو مشروط ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے، تاہم بحالتِ اضطرار بائع کے لیے متاخرین کے فتویٰ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے لیکن بلا ضرورتِ شدیدہ اس سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: وبیع الوفاء ذکرته هنا تبعاً للدرر وصورته ان یبیعه العین بالف علیٰ انه اذا رد علیه الثمن رد العین..... قیل هو رهن قال منلا خسرو في جواهر الفتاوی انه الصحیح وقیل بیع یفید الانتفاع به هذا محتمل لاحد القولین، الاوّل انه بیع صحیح مفید لبعض احکامه من حل الانتفاع به الا انه لا یملك بیعه وقال الزیلعیؒ في الاکراه وعلیه الفتویٰ۔ الثاني القول الجامع لبعض المحققین انه فاسد في حق بعض الاحکام کحل الانزال ومنافع المبیع ورهن في حق البعض حتیٰ لم یملك المشتري بیعه من آخر ولا رهنه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۲۷۷ کتاب البیوع۔ باب الصرف، مطلب بیع الوفاء)[1]

اطلاع علی العیب کا حکم

سوال: زید نے عمر کو ایک چیز فروخت کرتے وقت یہ کہا کہ اس چیز میں فلاں عیب ہے، مشتری (عمر) نے زید سے کہا کوئی بات نہیں ہے اور وہ چیز خرید لی، مشتری نے اس پر قبضہ بھی کرلیا اور اس میں تصرّف بھی کیا، اب ایک سال کے بعد مشتری اس عیب کی وجہ سے

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصري رحمه الله: القول الثامن الجامع لبعض المحققین انه فاسد في حق بعض الاحکام حتیٰ ملك کل منهما الفسخ وصحیح في بعض الاحکام کحل الانزال ومنافع المبیع ورهن في حق البعض (بحذف یسیر) وینبغي ان لا یعدل في الافتاء عن القول الجامع.
(البحر الرائق ج۶ ص۸ باب خیار الشرط، تحت "فرع")

وَمِثْلُهٗ في التبیین الحقائق ج۵ ص۱۸۳ باب خیار الشرط۔

بلیعہ واپس کرنا چاہتا ہے، تو کیا اسے واپسی کا اختیار ہے ؟

الجواب:۔ بائع جب مشتری کو مبیعہ میں عیب پر مطلع کر دے اور اطلاع علی العیب کے بعد مشتری بیع تام کرکے بلیعہ پر قبضہ اور تصرف کرنے کے بعد بائع کو اس عیب کی وجہ سے واپس کرنا چاہے تو شرعاً اس کو یہ اختیار حاصل نہیں، تاہم اگر بائع و مشتری باہمی رضامندی سے اقالہ کرنا چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة سلیم رستم باز رحؒ: بعد اطلاع المشتری علی عیب فی المبیع اذا تصرف فیہ تصرف الملك سقط خیارہ مثلا وعرض المشتری المبیع للبیع بعد اطلاعہ علی عیب قدیم فیہ کان عرض المبیع للبیع رضی بالعیب فلا یردہ بعد ذلك۔ (شرح المجلۃ ص۱۸۵ المادۃ ۳۴۴)

عدم رؤیت کی وجہ سے تبادلۂ زمین منسوخ کرنا

سوال:۔ دو دوستوں (زید اور عمر) نے آپس میں بن دیکھے زمین کا تبادلہ کیا تھا لیکن بعد میں ایک (زید) کی زمین بنجر اور دوسرے (عمر) کی زمین زرخیز نکلی، تو کیا زید سے عمر اپنی زمین کی واپسی کا حق رکھتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ بیع و شراء اور تبادلہ کی صورت میں عاقدین کا بلیعہ یا عوضین کو دیکھ لینا ضروری ہے، اگر کوئی تبادلہ یا سودا بن دیکھے ہو جائے تو عدم رؤیت کی وجہ سے دونوں کو اپنی اپنی چیز واپس لینے اور دینے کا حق حاصل ہے، لہٰذا عمر زید سے اپنی زرخیز زمین واپس لے سکتا ہے۔

قال الشیخ ابن الهمامؒ: ولنا قولہ علیہ السلام من اشترٰی شیئاً لم یرہ فلہ الخیار اذا راٰہ۔ (فتح القدیر ج۶ ص۳۳۶ باب الخیار)

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: من اشترٰی شیئاً لم یرہ فلہ الخیار اذا راٰہ ان شاء اخذہ بجمیع ثمنہ وان شاء

لہ لمافی الهندیة: الاصل ان المشتری متٰی تصرف فی المشتری بعد العلم بالعیب تصرف الملك بطل حقہ فی الرد۔
(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۷۵ کتاب البیوع، باب الخیار)

ردّہ سواء الخ (الھدایۃ ج۳ ص۵۷ باب خیار العیب) [1]

عیب دار چیز کی خرید و فروخت

سوال :۔ عیب دار اشیاء کی بیع و شراء (خرید و فروخت) جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ بیع میں مبیعہ کا مال متقوم ہونا ضروری ہے، عیب ایک خارجی شے ہے اس لیے عیب دار اشیاء کی بیع جائز ہے بشرطیکہ عیب کو چھپایا نہ جائے۔

عن زید بن ثابت انہٗ قال من باع غلاماً بالبراءۃ فھو بریٔ من کل عیب وکذلک الیٰ آخرہ۔ (اعلاء السنن ج۱۴ ص۹۲۔ باب البیع بالبراءۃ من کل عیب) [2]

غیر ملکی ویزوں کی خرید و فروخت میں خیارِ عیب کا حکم

سوال :۔ زید نے عمرو سے الریاض (سعودی عرب) کا ویزا اس شرط پر خریدا کہ کفیل الریاض کا رہنے والا ہوگا، اب عمرو الریاض میں زید کے لیے کفیل کا انتظام کرنے سے قاصر رہا جس کی وجہ سے زید نے کچھ عرصہ پہاڑوں میں حکومت سے چوری چھپے گذارا، بالآخر مجبوراً اپنے آپ کو سعودی حکومت کے حوالہ کر دیا جس نے قانونی کاروائی کے بعد اُسے واپس پاکستان بھیج دیا، زید نے عمرو کو پاکستانی کرنسی میں ۴۰ ہزار روپے نقد دیئے تھے اور مزید ۳۰ ہزار کا وعدہ کیا تھا تو اب اس صورت میں زید عمرو کو حسبِ وعدہ ۳۰ ہزار روپے دینے کا پابند ہے یا عمرو زید کو چالیس ہزار روپے واپس کرے گا؟ شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں اگر سعودی عرب کا ویزا بیع کے وقت موجود تھا

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ : رجل اشتریٰ ارضاً وکرماً فظھر ان شربہ فکان علیٰ ناوقۃ ای میزاب توضع علیٰ ظھر نھر او موضع آخر کان لہ ان یردلان ذٰلک یعد عیبا عند الناس الخ المشتری بالخیار ان شاء امسکھا بجمیع الثمن وان شاء ردّ۔ (تنقیح الحامدیۃ ج۱ ص۲۷۶ کتاب البیوع، باب الخیار)

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ : واذا اطلع المشتری علی العیب فی المبیع فھو بالخیار وان شاء اخذہٗ بجمیع الثمن وان شاء ردّہ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۲۳ باب خیار العیب)

ومِثلُہٗ فی رد المحتار ج۴ ص۱۰۰ باب خیار العیب۔

اور اس میں الریاض شہر کے ہی کسی باشندہ کی کفالت کا ذکر تھا مگر الریاض پہنچنے پر کفالت کا معاملہ معاہدہ کے برعکس نکلا تو اس میں مشتری کو نقص وفسخ کا حق حاصل ہے۔

لما فی الهندية : وان اشترى ثوبًا على انه عشرة اذرع بعشرة الى قوله فالمشترى بالخيار الى قوله وان نقص فقد فات الوصف المرغوب فيختل رضاه فيتخير الخ۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص۱۲۴ الفصل الثامن فى جهالة المبيع والثمن) ؎

اور احتمال مذکورہ صورت میں بھی ظاہر ہے کہ وصف مرغوب فوت ہوا ہے، لہٰذا مشتری کو نقص کا اختیار حاصل ہے۔

خیارِ رؤیت ناقابلِ انتقال حق ہے

سوال :۔ ہمارے والد صاحب نے کراچی سے کچھ مال منگوایا اور مال پہنچنے سے قبل والد صاحب فوت ہو گئے، جب مال آیا تو وہ عیب دار نکلا جو کہ ہمیں پسند نہیں، اب ہم اس مال کو واپس کرنا چاہتے ہیں مگر کمپنی والے نہیں مانتے، تو کیا شرعاً ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم اس مال میں خیارِ رؤیت کا حق استعمال کر کے مال واپس کر دیں؟

الجواب :۔ خیار رؤیت ایسا حق ہے کہ جس میں ارث جاری نہیں ہوتا اور نہ یہ ورثا کی طرف منتقل ہوتا ہے، لہٰذا اگر آپ کے والد صاحب نے مال کو نہیں بھی دیکھا ہو اور ان کے انتقال کے بعد پسند نہ آنے پر آپ کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ خیار رؤیت کا حق استعمال کر کے اُسے واپس کریں کیونکہ بیع تام ہو چکی ہے، تاہم اگر کمپنی والے اقالہ کرنا چاہیں تو صحیح ہے۔

لما فی مجلة الاحکام : خيار الرؤية لاينتقل الى الوارث فاذا مات المشترى قبل ان يرى المبيع لزم البيع ولا خيار لوارثه۔ وقال العلامة رستم باز : لان خيار الرؤية ليس الا مجرد ارادة ومشيئة وهذا وصف فلا يمكن انتقاله الى الوارث۔ (شرح مجلة الاحکام ص۱۷۱ المادة ۳۲۱ باب الخيارات)

؎ قال العلامة الحصكفیؒ : ثم الخيارات بلغت سبعة عشر الثلاثة..... وفوات وصف مرغوب فيه - قال ابن عابدينؒ : هو ما يذكره فى هذا الباب فى قوله اشترى عبدا بشرط خبزه او كتبه الخ۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۴ ص۵۰، ۵۱ باب خيار الشرط)

ومثله فى البحر الرائق ج ۶ ص۲۴ باب خيار الشرط۔

باب الاقالة

(سودا واپس کرنے کے احکام و مسائل)

اقالہ میں طرفین کا رضامند ہونا

سوال: بائع اور مشتری کے درمیان باقاعدہ عقد (سودا) ہو جانے کے بعد اگر ایک فریق واپسی کی خواہش کرے لیکن دوسرا فریق اس پر رضامند نہ ہو، تو کیا واپسی کا خواہش مند جبرًا اپنا حق واپسی منوا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: باقاعدہ ایجاب وقبول کے بعد عقدِ بیع لازم ہو کر کسی ایک کو جبرًا عقد ختم کرنے کا حق حاصل نہیں، تاہم اگر اقالہ کی صورت ہو تو اس کے لیے طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: من شرائطها اتحاد المجلس ورضا المتعاقدين لان الكلام في رفع عقد لازم واما رفع ما ليس بلازم فلمن له الخيار بعلم صاحبه لا برضاه بحر۔ (ردالمحتار ج۵ ص۱۲۱ باب الاقالة) [1]

اقالہ میں قیمت کم کرنے کی شرط لگانا

سوال: انعقادِ بیع کے بعد اگر طرفین اس شرط پر بیع فسخ کرنا چاہیں کہ مشتری بائع کو ادا کی ہوئی رقم میں سے کچھ چھوڑے گا، کیا شرعًا دونوں کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بیع فسخ کرتے وقت اگر بائع اور مشتری قیمت کم کرنے کی شرط لگاتے ہیں تو دونوں کی رضامندی سے بیع فسخ ہو کر بائع مشتری کو پوری رقم واپس کرے گا، رقم منہا کرنے کی شرط کالعدم ہو کر باطل رہے گی۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی رحمه الله: الاقالة جائزة فی البیع

---

[1] قال فی الھندیة: وشرط صحة الاقالة رضاء المتقائلین۔
(الفتاوی الھندیة ج۳ ص۱۵۷ الباب الثالث عشر فی الاقالة)
ومثله فی شرح مجلة الاحکام لسلیم رستم باز، تحت المادة ۱۹۰ ص۹۲

بمثل الثمن الاوّل فان شرط اکثر منہ او اقل فالشرط باطل ویرد مثل الثمن الاوّل۔
(الھدایۃ ج۳ ص۶۷ باب الاقالۃ) [1]

فروخت شدہ چیز کو کم قیمت پر واپس لینا

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کو قرض پر اونٹ فروخت کیا، قیمت کی ادائیگی کے وقت مشتری نے ادائیگی سے انکار کرتے ہوئے مبیع واپس کرنا چاہا، اب بائع مشتری سے اونٹ اسی قیمت پر یا اس سے کم قیمت پر واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں باقاعدہ طور پر ایجاب وقبول ہو کر بیع قطعی ہو چکی ہے جس سے مبیعہ بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں آچکا ہے لیکن اب اگر مشتری بیع فسخ کرکے مبیعہ واپس کرنا چاہتا ہے تو بائع کو مبیعہ سابقہ قیمت پر یا اس سے زائد قیمت پر واپس لینے میں کوئی حرج نہیں تاہم یہ جائز نہیں کہ بائع مبیعہ کو کم قیمت پر واپس لے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ: لو باع شیئًا اصالۃً بنفسہ او وکیلہ او وکالۃ عن غیرہ لیس لہ شراءہ باقل لا لنفسہ ولا لغیرہ۔
(رد المحتار ج۵ ص۷۴ باب البیع الفاسد، مطلب فی التداوی بلبن البنت۔الخ) [2]

مبیعہ پسند نہ آنے پر واپس کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے دوسرے آدمی پر کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ یہ فلاں کمپنی کی مصنوعات

---

[1] قال العلامۃ سلیم رستم باز رحمہ اللّٰہ: الثالث انھا لا تفسد الشرط الفاسد وان لم تصح تعلیقھا بہ بل یکون الشرط لغوًا فلو تقایلا علیٰ ان یوخر المشتری الثمن سنۃ اوعلیٰ ان یحط منہ خمسین صحت الاقالۃ لا التاخیر والحط۔
(شرح مجلۃ الاحکام لسلیم رستم باز ص۹۱ المادۃ ۱۹۰ الفصل الخامس فی الاقالۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۳ ص۱۵۶ الباب الثالث عشر فی الاقالۃ۔

[2] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: شراء ما باع باقل مما باع من الذی اشتراہ او من وارثہ قبل نقد الثمن لنفسہ او لغیرہ........ فاسد عندنا۔
(خلاصۃ الفتاوی ج۳ ص۴۱ کتاب البیوع، الفصل الرابع فی البیع الفاسد واحکامہ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۳ ص۱۳۲ الباب العاشر فی الشروط التی تفسد والتی لا تفسدہ۔

میں سے ہے جو کہ عمدہ اور اعلیٰ معیار کی حامل ہے، لیکن خریدنے کے بعد اس چیز کی حقیقت کچھ اور نکلی، تو کیا اس وجہ سے مشتری کو مبیعہ واپس کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- عقدِ بیع کے وقت کسی چیز کے بیان کیے ہوئے ایسے اوصاف (جن کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے) کا مبیعہ میں موجود ہونا ضروری ہے ورنہ عدم موجودگی کی صورت میں مشتری کو کل قیمت پر لینے یا بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل رہے گا۔ اس بناء پر مذکورہ صورت میں کمپنی کی مصنوعات بوقتِ بیع بیان کردہ اوصاف یعنی عمدگی اور پائیداری سے عاری معلوم ہوں تو مشتری کو کل قیمت پر لینے یا واپس کرنے کا حق حاصل ہے۔

لما قال فی الهندیة: وان اشترٰی ثوبًا علیٰ انهٗ عشرة اذرع بعشرة او ارضًا علیٰ انها مائة اذرع بمائةٍ فوجدها اقل فالمشتری بالخیار ان شاء اخذها بجمیع الثمن وان شاء ترك وان وجدها اکثر من الذراع الذی سماه فهو للمشتری علیٰ خیار للبائع وان نقص فقد فات الوصف المرغوب فیختل رضاه ولا یحط شئ من الثمن کذا فی الکافی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۳ ص۱۲۴ الفصل الثامن) [۱]

اقالہ کی صورت میں رقم میں زیادتی جائز نہیں

سوال:- زید نے اپنا کھیت بکر پر مبلغ ایک لاکھ روپے میں فروخت کر دیا، بکر نے موقع پر دس ہزار روپے زید کو پیشگی دیدیئے اور بقایا رقم چند دنوں کے بعد دینے کا وعدہ کیا، ایک مہینہ گذرنے کے بعد زید نے اپنا کھیت بکر سے واپس لینا چاہا اور کہا کہ میں کھیت کو فروخت نہیں کرتا ہوں، اور بکر کو اس کی اصل رقم دس ہزار روپے کے علاوہ پانچ ہزار روپے بطورِ پشیمانی بھی دیئے، تو کیا بکر کے لیے

---

[۱] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: اشترٰی من اٰخر فرسًا ذکر البائع انها من نسلِ خیل فلان لفرس مشهور بالجودة ثم تبین کذبه هل له الرّد ام لا فاجاب اذا اشتراها بناءً علیٰ ما وصف له بثمن لو لم یصفها بهٰذه الصفة لاتشتری بذٰلك الثمن والتفاوت بین الثمنین فاحش وهی لا تساوی ما اشتراها به له الرّد اذا تبین خلاف ذٰلك۔ (تنقیح فتاوٰی حامدیة ج۱ ص۲۳۷ باب الخیارات)

ومثلهٗ فی شرح مجلة الاحکام، تحت المادة ۱۸۹ ص۸۹ باب الخیارات۔

یہ پانچ ہزار روپے بطور پشیمانی کے لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ صورتِ مذکورہ میں ایجاب وقبول کے بعد اگرچہ بیع منعقد ہوچکی تھی اور زید زمین کو واپس لینے کا مجاز نہیں تھا مگر جب بکر نے بیع فسخ کرنے پر رضامندگی ظاہر کی اور بیع کو ختم کر دیا (اسے شرعاً اقالہ کہا جاتا ہے) تو اس کے بدلے میں بکر کے لیے زید سے بصورتِ جرمانہ اور پشیمانی کے اپنی اصل رقم کے علاوہ مزید کچھ رقم لینا حلال نہیں ہے۔

لما ورد في الحديث : لا يحل مال امرء مسلم الا عن طيب قلبه انتهى۔

(مشكوة المصابيح ج۱ ص۲۵۵ باب الغصب والعارية) [1]

ثمن خرچ ہوجانے سے اقالہ کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ایک آدمی کسی زمیندار سے خریدی ہوئی چیز اسے واپس کرنا چاہتا ہے اور زمیندار بھی واپسی پر راضی ہے لیکن جو رقم اس نے مشتری سے لی تھی وہ اس سے ختم ہوچکی ہے، اب زمیندار مشتری سے کہتا ہے کہ تم مجھے یہ چیز واپس کردو لیکن پیسے ایک ماہ کے بعد ملیں گے۔ تو کیا ایسا اقالہ کرنا جائز ہے جبکہ واقعتاً زمیندار کے پاس پیسے نہیں ہیں ؟

الجواب :۔ ثمن (پیسوں) کا تلف یا ختم ہوجانا اقالہ کے انعقاد کیلئے مانع نہیں ہے اسلئے اگر دونوں متعاقدین باہمی رضامندی سے اقالہ کرنا چاہتے ہوں اور مشتری رقم کی واپسی کا انتظار کرسکتا ہو تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة سليم رستم بازؒ : هلاك الثمن اي تلفه لا يمنع صحة الاقالة ــ قال العلامة سليم رستم بازؒ : وذلك لان الاقالة رفع البيع والاصل في البيع المبيع لا الثمن ولهذا لو هلك المبيع قبل القبض يبطل البيع بخلاف هلاك الثمن ۔

(شرح مجلة الاحكام ص۹۵ المادة ۱۹۶ فصل في الاقالة)

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله : قوله وتصح بمثل الثمن الاول حتى لو كان الثمن عشرة دنانير فدفع اليه دراهم ثم تقابلا وقد رخصت الدنانير رجع بالدنانير لا بما دفع وكذا الرد بعيب الخ ۔

(رد المحتار على هامش الدر المختار ج۴ ص۱۶۵ باب الاقالة)

ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۱۰۲ باب الاقالة ۔

باب المرابحة والتولية
(بیع مرابحہ و تولیتہ کے احکام و مسائل)

بیع مرابحہ میں منافع کی مقدار متعین نہیں

سوال:۔ ایک دوکاندار عام طور پر مارکیٹ سے زائد نرخ پر سودا فروخت کرتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ نیز کیا شریعت نے کسی چیز کی فروخت پر منافع کی کوئی حد مقرر کی ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے خرید و فروخت کو بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی پر موقوف رکھا ہے، بائع اور مشتری جس نرخ پر بھی متفق ہوں وہی نرخ شرعاً جائز ہے۔ فقہاء نے بیع مرابحہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے نرخ کی تعین نہیں فرمائی ہے،[1] البتہ بازار کے عام نرخوں سے زائد پر فروخت کرنا جائز تو ہے مگر خلافِ مروت ہے۔

لما قال فی الهندية : ومن اشترىٰ شيئًا واغلى فی ثمنه جاز ۔

(الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۶۱ كتاب البيوع ، الباب الرابع عشر فی المرابحة والتولية ..الخ)

بیع مرابحہ میں شبۂ خیانت سے اجتناب ضروری ہے

سوال:۔ اگر کسی چیز کو ادھار سے خریدا جائے تو فروخت کرتے وقت اُس کو یہ بتلانا ضروری ہے کہ میں نے اس کو اتنی قیمت میں ادھار خریدا ہے اور اتنے نفع میں فروخت کرتا ہوں؟

الجواب:۔ بیع مرابحہ کا دارومدار دیانت و امانت پر ہے، اس میں ہر اس قدم سے اجتناب ضروری ہے جس سے شبۂ خیانت ہو، چونکہ ادھار میں عموماً نقد کی نسبت سے قیمت زیادہ رکھی جاتی ہے اس لیے ادھار سے خریدی ہوئی چیز اگر گاہک کو قیمتِ خرید بتا کر فروخت کرے تو اصل قیمت کے ساتھ ادھار کا اظہار بھی ضروری ہے۔

---

[1] قال العلامة جلال الدين الخوارزمیؒ : هو مبادلة المال بالمال بالتراضی ۔
(الكفاية فی ذيل فتح القدير ج ۵ ص۴۵۴ كتاب البيوع)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدير ج۴ ص۴۵۵ كتاب البيوع ۔

لما قال العلامة علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ:۔ ومن اشتری غلامًا بالف درھم نسیئۃً فباعہ بربح مائۃٍ ولم یبین فعلم المشتری فان شاء ردہ وان شاء قبل لان للاجل شبھًا بالمبیع الایری انہٗ یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔ (الھدایۃ ج۲ ص۶۷ باب المرابحۃ والتولیۃ) [۱]

بیع مرابحہ میں گز اور میٹر کے تعین کی ضرورت

سوال:۔ کپڑے کا ایک دوکاندار بعض کپڑا گز کے حساب سے اور بعض میٹر کے حساب سے خریدتا ہے اور گاہک کو ایک روپیہ فی گز منافع لے کر بیچتا ہے اور بل دکھا کر میٹر اور گز کی تفصیل طے کئے بغیر معاملہ طے ہو جاتا ہے، کیا دوکاندار کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ گاہک کو کسی چیز کی قیمتِ خرید بتا کر فروخت کرنا بیع مرابحہ ہے، میٹر اور گز میں چونکہ تقریبًا ساڑھے تین انچ فرق ہے اس لیے میٹر کے حساب سے خریدے ہوئے کپڑے کو میٹر اور گز کا تعین کئے بغیر فروخت کرنے میں خیانت کا قوی احتمال ہے اس لیے معاملہ کو یوں مبہم کر کے چھوڑنا جائز نہیں ہے، دوکاندار کو چاہیئے کہ اوّل تو گاہک کو قیمتِ خرید بتائے ہی نہیں اور اگر قیمتِ خرید بتائے تو پھر گز اور میٹر کا فرق بتا دینا بھی انتہائی ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ:۔ ولھذا کان مبناھما علی الامانۃ والاحتراز عن الخیانۃ وعن شبھتھا۔ (الھدایۃ ج۳ ص۷۳ باب المرابحۃ والتولیۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: اشتراہ بالفٍ نسیئۃً وباع بربح مائۃ بلا بیان خیر المشتری۔ وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: ای بعین ردہ واخذہ بالف ومائۃ حالۃ لان للاجل شبھًا بالمبیع الا تری انہٗ یزاد فی الثمن لاجلہ۔ (الدرالمختار مع رد المحتار ج۵ ص۱۴۲، ۱۴۱، مطلب اشتری من شریکہ سلعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۲۲۴ باب المرابحۃ والتولیۃ۔

[۲] قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ: فالاصل فیہ ان بیع المرابحۃ والتولیۃ بیع امانۃ.... فتجب صیانتھا عن الخیانۃ وعن سبب الخیانۃ والتھمۃ لان التحرز عن ذٰلک کلہ واجب ما امکن۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۲۲۳ باب المرابحۃ والتولیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۵ ص۱۳۸ باب المرابحۃ والتولیۃ۔

آمدورفت کا خرچہ خریدی گئی چیز کی اصل قیمت میں ملانا

سوال: ایک دوکاندار کوئی چیز خریدنے کے لیے کسی دوسرے شہر جائے تو اس پر جو خرچہ آمدورفت وغیرہ آتا ہے وہ اگر اس چیز کی قیمتِ خرید میں شمار کر کے فروخت کرے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: کسی چیز کے خریدتے وقت اس پر آنے والے اخراجات عقدِ مرابحہ کی صورت میں قیمتِ خرید میں ملا کر گاہک سے وصول کرنا شبۂ خیانت کا مقتضی ہے اس لیے ازروئے شرع یہ جائز نہیں کہ بائع اصل قیمت بتاتے وقت یہ اضافی اخراجات بھی اس میں ضم کرے۔ تاہم قیمتِ خرید سے قطع نظر کر کے بائع فروخت کرنے کے لیے جو معیار مقرر کرے اس میں اصل قیمت کے ساتھ اضافی اخراجات بھی شامل ہوں اور مشتری اور بائع کے درمیان باہمی رضامندی سے کسی قیمت پر اتفاق ہو تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: لا یضم نفقة نفسه ای فی سفره ککسوته وطعامه ومرکبه وغسل ثیابه۔ (رد المحتار ج ۵ ص۱۳۷ باب المرابحة والتولیة)[1]

کسی چیز کی قیمتِ خرید میں اضافی اخراجات ملانے کی صورت

سوال: بیرونِ ملک سے سامانِ تجارت منگوانے کی صورت میں مختلف سرکاری ٹیکسوں کی ادائیگی اور دوسرے اخراجات سے قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ ایک چیز کی قیمت بین الاقوامی منڈی میں ایک ہزار روپے ہو تو یہاں پہنچتے پہنچتے اس کے جملہ اخراجات دس ہزار روپے سے متجاوز ہو جاتے ہیں، تو کیا یہاں اس چیز کو ان کئی گنا اضافی اخراجات کے ساتھ فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سامانِ تجارت پر آنے والے اخراجات کو قیمتِ خرید میں ضم کرنا مرخص ہے اس صورت میں اضافی اخراجات خریدے ہوئے مال پر تقسیم کر کے گاہک سے وصول کرنے میں

---

[1] لما قال فی الهندية: ولا یحمل علیه ما انفق علیه فی سفره من طعامٍ ولا کراءٍ ولا مؤنةٍ لانعدام العرف فیه ظاهراً کذا فی المبسوط۔
(الفتاوی الهندية ج ۳ ص۱۶۲ الباب الرابع عشر فی المرابحة والتولیة)
ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص۱۱ کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة۔

شرعاً کوئی حرج نہیں، تاہم شبۂ خیانت سے بچنے کے لیے اگر قیمتِ خرید بتانے کی ضرورت محسوس ہو تو اضافی اخراجات ملاکر قیمتِ خرید بتانا دیانت کے خلاف ہے، البتہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے تو اس کی گنجائش موجود ہے ۔

لما قال العلامۃ علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ :۔ و یجوز ان یضیف الی رأس المال اجرۃ القصار والطراز والصبغ والفتل واجرۃ حمل الطعام ویقول قام علیّ بکذا ولا یقول اشتریتہ بکذا کیلا یکون کاذباً۔ (الہدایۃ ج۳ ص۷۲ باب المرابحۃ والتولیۃ) لہ

بیع مرابحہ میں خیانت کے باعث مشتری کا مبیعہ واپس کرنا

سوال :۔ مشتری اگر بائع پر اعتماد کرکے دو فیصد منافع دینے پر تیار ہو جس کے نتیجے میں بائع نے چار ہزار کی خریدی ہوئی چیز مشتری پر پانچ ہزار میں فروخت کردی، بعد میں مشتری کو کسی ذریعہ سے بائع کے جھوٹ پر آگاہی ہوئی کہ یہ چیز تو اس نے چار ہزار میں خریدی تھی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مشتری بائع سے اداکی گئی زائد رقم (ایک ہزار بیس روپے) واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ بیع مرابحہ میں جب بائع کی خیانت ظاہر ہو جائے تو مشتری کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہے تاہم طے شدہ قیمت میں کمی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مشتری یا تو خریدی ہوئی چیز بائع کو واپس کرکے اپنی پوری رقم واپس لے لے یا پھر طے شدہ پوری قیمت ادا کرے ۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ :۔ فان اطلع المشتری علی خیانۃ فی المرابحۃ فھو بالخیار عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ترکہ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۷۲ باب المرابحۃ والتولیۃ) ۲ ہے

لہ قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ :۔ ولہ ان یضم الی رأس المال اجر القصار والصبغ والطراز والفتل وحمل الطعام وسوق الغنم ویقول قام علیّ بکذا ولا یقول اشتریتہ لانہ کذب ۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۱۱ باب التولیۃ والمرابحۃ)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۵ ص۱۳۵ کتاب البیوع ، باب المرابحۃ والتولیۃ)

۲ہ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ :۔ فان ظھر خیانتہ فی مرابحۃ باقرارہ او برھان علی ذٰلک او بنکولہ عن الیمین اخذہ المشتری بکل ثمنہ اوردہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۱۳۷ کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ۔

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۲۲۶ باب المرابحۃ والتولیۃ ۔

سیل ٹیکس قیمتِ خرید میں ملانے کا حکم

سوال:۔ حکومت تاجروں اور چھوٹے دوکانداروں سے سیلز ٹیکس کے نام سے جو ٹیکس وصول کرتی ہے تو کیا بائع کے لیے اتنی مقدار رقم مبیعہ کی قیمتِ خرید میں ملانا اور مشتری سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ موجودہ دور میں حکومت کی طرف سے عائد کردہ سیلز ٹیکس یا دیگر ٹیکس چونکہ جائز حدود سے نکل کر ظلم و تعدّی کے دائرہ میں داخل ہیں اور اس میں کسی امیر یا غریب کی تمیز بھی نہیں، شرح ٹیکس بھی اتنی زیادہ ہے کہ دینے والا اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہے اس بنا پر سیلز ٹیکس بالکل اُس رقم کی طرح ہے جو راستے میں تاجروں سے ظلماً و جبراً وصول کی جاتی ہے۔ اس لیے صورتِ مسئولہ میں مشتری کو قیمتِ خرید بتاتے وقت اس میں ٹیکس کا اضافہ ضم کرنے میں خیانت کا پہلو غالب ہو جاتا ہے، تاہم اگر بائع مشتری کو قیمتِ خرید بتائے بغیر جملہ ٹیکسوں کا حساب کرکے اُس سے کسی قیمت پر اتفاق کرلے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: لا يضم اجر الطبيب ...... وما يؤخذ في الطريق من الظلم الا اذا جرت العادة بضمه هذا اهو لاصل كما علمت فليكن المعول عليه۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۵ ص۱۳۷ باب المرابحة والتولية)

ضلع ٹیکس، پل ٹیکس، محصول چونگی وغیرہ اخراجات اصل قیمت میں ملانا

سوال:۔ پل ٹیکس، ضلع ٹیکس، راہداری اور محصول چونگی وغیرہ کے اخراجات مبیعہ کی اصل قیمت سے ملانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آجکل حکومت کے عائد کردہ مذکورہ بالا ٹیکس ظالمانہ اور جابرانہ صورت اختیار کر چکے ہیں، ان اضافی اخراجات کا مبیعہ کی قیمتِ خرید میں ملانا یا نہ ملانا تجّار کی عادت اور عرف پر موقوف ہوگا، پس اگر تجّار کی عادت اور عرف ملانے کی ہو تو پھر ایسا کرنا جائز رہے ورنہ اضافی اخراجات کا اصل قیمت میں ملانا جائز نہیں۔

لہ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله:۔ هي اي التولية بيع بثمن سابق والمرابحة بيع وبزيادة۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۰۷ باب المرابحة والتولية)

ومثله في الهندية ج۳ ص۱۶۳ كتاب البيوع۔ باب المرابحة والتولية۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله : لا يضم اجر الطبيب ...... وما یاخذ فی الطریق من الظلم الا اذا جرت العادة بضمه هٰذا هو الاصل کما علمت فلیکن المعوّل علیه ۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۵ ص۱۳۷ باب المرابحة والتولیة) له

قسطوں میں اشیاء کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیّت

سوال:۔ آج کل بعض کاروباری ادارے عوام کی سہولت کے لیے روزمرّہ استعمال کی اشیاء قسطوں میں فروخت کرتے ہیں لیکن نقد ادائیگی کی نسبت اقساط میں خریدنے کی صورت میں زیادہ قیمت ادا کرنا پڑتی ہے، تو کیا بذریعہ اقساط حکومتی یا بعض پرائیویٹ اداروں سے اشیاء ضروریہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دورِ حاضر میں اقساط کے ذریعے روزمرہ استعمال کی چیزوں کی خرید و فروخت کا رواج عام ہو چکا ہے کیونکہ کم آمدنی اور متوسط طبقہ کے لوگ مہنگائی اور تنگدستی کی وجہ سے اپنی ضرورت کی چیزیں نقد ادائیگی کر کے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے، لہٰذا انہیں ضروری اشیاء اور دیگر سامان وغیرہ مجبوراً قسطوں میں خریدنا پڑتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بائع اسی وقت اپنا سامان خریدار کی طلب پر اس کے حوالے کر دیتا ہے جبکہ خریدار اُس چیز کی قیمت نقد ادا نہیں کرتا بلکہ طے شدہ قسطوں کی صورت میں ادا کرتا ہے، اس طریقہ پر کوئی چیز خریدنے کی صورت میں اس کی قیمت زیادہ لگائی جاتی ہے، اگر خریدار اس چیز کو نقد خریدنا چاہے تو مقررہ قیمت سے کم قیمت پر بازار سے خرید سکتا ہے جبکہ قسطوں میں ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت دینی پڑتی ہے۔

مذکورہ طریقۂ بیع میں صرف یہی ایک پیچیدگی نظر آتی ہے کہ ادھار خریدنے کی صورت میں قیمت زیادہ اور نقد خریدنے کی صورت میں قیمت کم دینی پڑتی ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدّثین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اُدھار بیع میں نقد بیع کے مقابلہ میں زیادہ قیمت لگانا شرعاً مرخّص ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عاقدین کسی ایک قیمت پر متفق ہوں

له قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : والذی یوخذ فی الطریق من الظلم لا یضم الا فی موضع جرت العادة فیه بینهم با لضم ۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۱۱ باب المرابحة والتولیة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۳ ص۱۶۳ کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر بائع یہ کہے کہ یہ چیز میں نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں بیچتا ہوں، اور طرفین کسی ایک نرخ پر اتفاق کئے بغیر جدا ہوئے تو یہ بیع ناجائز ہے، البتہ اگر اسی مجلس میں نقد یا ادھار میں سے کسی ایک قیمت پر دونوں کا اتفاق ہو گیا تو بیع جائز ہے یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نقد اور ادھار کی بجائے مختلف مدتوں کے مقابلے میں مختلف قیمتیں مقرر کی جائیں، مثلاً نقد سو روپے میں جبکہ ادھار ایک سو بیس روپے میں اور یہ ادھار ایک ماہ کے لیے ہوگا، اور اگر ادھار دو ماہ کا ہو تو ایک سو پچاس روپے میں اور اگر ادھار تین ماہ کے لیے ہو تو اور بھی زیادہ قیمت ہوگی۔ تو جس طرح نقد اور ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں اختلاف جائز ہے تو اسی طرح مدتوں کے اختلاف کی بناء پر بھی قیمتوں میں اختلاف جائز ہے، کیونکہ بیع کی ان دونوں قسموں میں بظاہر کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عاقدین کے درمیان عقدِ بیع میں مختلف مدتوں اور قیمتوں کے درمیان کسی ایک مدت اور قیمت کا تعین ہونا ضروری ہے۔ اور اگر یہ کہا کہ ایک ماہ تک رقم ادا کرو گے تو اتنی قیمت، دو ماہ تک ادا کرو گے تو اتنی قیمت اور تین ماہ تک ادا کرو گے تو اتنی قیمت، اور اگر تعین کئے بغیر جدا ہوئے تو جہالت لازم ہو کر بیع ناجائز ہے۔

قال الامام ترمذی رحمہ اللہ: تحت ھٰذا الحدیث نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃٍ وقد فسر بعض اھل العلم قالوا بیعتین فی بیعۃ ان یقول ابیعک ھٰذا الثوب بنقدٍ لعشرۃ وبنسیئۃٍ بعشرین ولا یفارقہ احد البیعین فان فارقہ فلا بأس بہ اذا کانت العقدۃ علیٰ احدٍ منھما۔ (الترمذی ج ۱ ص ۲۳۳ کتاب البیوع۔ باب ما جاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ) [1]

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا | سوال:۔ بعض اوقات ایک چیز

---

[1] قال العلامۃ علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: لان للاجل شبھًا بالمبیع الا یریٰ انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔

(الھدایۃ ج ۳ ص ۷۶ باب المرابحۃ والتولیۃ، کتاب البیوع)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۷ باب المرابحۃ والتولیۃ۔

نقد ادائیگی کی صورت میں کم قیمت پر جبکہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر ملتی ہے، کیا نقد اور ادھار کی صورت میں قیمت میں کمی بیشی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ نقد اور ادھار کی صورت میں قیمت میں کمی بیشی مرخص ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مجلسِ عقد میں مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد مقرر کر لی جائے ۔

لما قال العلامة علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمه الله :لان للاجل شبهًا بالمبیع الایری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل ۔ (الهداية ج۳ ص۷۶ کتاب البیوع۔ باب المرابحة والتولية) [۱]

بیع مرابحہ میں دھوکہ سے لی گئی زائد رقم پر رجوع کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی سے شوتل (جانوروں کا چارا) خریدنا چاہا اور اُس سے اس کا نرخ پوچھا تو اس نے بتایا کہ بوری کے حساب سے ۴۵ روپے فی بوری مجھے پڑتی ہے اور آپ کو میں ۵۰ روپے فی بوری کے حساب سے دوں گا، وہ شخص اس سے بوریاں خرید لیتا ہے اور بعد میں اس کو پتہ چلتا ہے کہ بازار میں تو اس کا ریٹ ۴۸ روپے فی بوری ہے، اب شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ بائع سے زیادہ لی ہوئی رقم واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ بیع مرابحہ کی ہے، بیع مرابحہ میں عاقدین کے مابین جو بھی طے پا گیا وہی اس چیز کی قیمت ہے، البتہ غبن فاحش کی صورت میں مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس سودے کو طے شدہ قیمت پر قبول کرے یا واپس کر کے بائع سے اپنے پیسے واپس لے لے، نقصان یا زیادتی کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا ۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: فان اطلع المشتری علی خیانة فی المرابحة فهو بالخیار۔ (الهداية ج۳ ص۵۵ باب المرابحة والتولية) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله :۔ لان للاجل الا تری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل ۔
(البحر الرائق ج۶ ص۱۱۴ کتاب البیوع، باب المرابحة والتولية)
ومثله فی فتح القدیر ج۶ ص۱۳۳ کتاب البیوع۔ باب المرابحة والتولية ۔

[۲] قال العلامة ابو البرکات النسفی رحمه الله : فان خان فی مرابحة اخذ بکل ثمنه ۔
(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۱۱۰ تحت باب المرابحة)
ومثله فی ردالمحتار ج۴ ص۱۴۷ باب المرابحة والتولية ۔

بیع کو زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دوکاندار آٹھ آنے کی چیز دو روپے میں فروخت کرتا ہے لیکن اپنی قیمتِ خرید کو خفیہ رکھتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق ایسا کرنا جائز اور حلال تو ہے مگر خلافِ مروت ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مناسب قیمت پر فروخت کرے، قیمتِ خرید کو ظاہر کیے بغیر مبیع بیچنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ولو اشترٰی ثوبًا بالعشر دراھم رقمہٗ اثنی عشر فباعه مرابحة علی الرقم بغیر بیان جاز اذ اکان الرقم معلومًا والربح معلومًا ولا یکون خیانة لانة صادق لکن لا یقول اشتریته لانه یکون کاذبًا فیه۔

(بدائع الصنائع ج۵ ص۲۲۳ فی تحت بیان فی المرابحة) [۱]

بیع مرابحہ میں فیصدی کے ساتھ منافع کے تعین کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص بیع مرابحہ کرتے وقت اصل قیمت سے زائد رقم کیلئے فیصدی کا سہارا لے، مثلاً زید (تاجر) بکر (گاہک) سے کہتا ہے کہ میں آپ سے اس مال میں پانچ فیصد منافع لوں گا، تو کیا یہ عقد جائز ہے؟ کیا یہ سود کے زمرے میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عقدِ مرابحہ میں اس نوعیت سے منافع کا تعین کرنا اگرچہ آجکل کے سودی لین دین کے ساتھ مشابہ ضرور ہے مگر حقیقت میں یہ سود نہیں لہٰذا صرف مشابہت کی بناء پر اس کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسلیے صورتِ مسئولہ کے مطابق منافع کا تعین فیصد کے اعتبار سے کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اس عقد میں بیع مرابحہ کے جملہ لوازمات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ: المرابحة نقل ما ملکه بالعقد الاوّل بالثمن الاوّل مع زیادة ربح والتولیة نقل ما ملکه بالعقد الاوّل بالثمن الاوّل من غیر زیادة ربح والبیعات جائزان۔ (الھدایة ج۳ ص۵۴ باب المرابحة والتولیة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۱۰۰ تحت باب المرابحة والتولیة۔

وضاحت

★

آجکل بلکہ زمانہ قدیم سے بازار میں ایک رواج چلا آرہا ہے کہ تاجر حضرات کوئی چیز نقد ادائیگی کی صورت میں کم قیمت پر فروخت کرتے ہیں اور اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر بیچتے ہیں۔ اہل علم حضرات نے اس کی شرعی حیثیت کو اُجاگر کرنے کے لئے بہت کچھ لکھا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا۔ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ الحق میں بھی اس موضوع پر ایک طویل سلسلۂ بحث چلا تھا، اس بحث میں مولانا طاسین صاحب کراچی، مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی نے اپنا اپنا نقطۂ نظر پیش کیا جبکہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ نے دارالعلوم کا مؤقف دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اب افادۂ عام کے لیئے اس سلسلۂ بحث کو فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جارہا ہے۔ ——— (ازمرتب) ———

اُدھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب مجلسِ علمی کراچی

زیرِ نظر مضمون میں میرا اصل مقصد، جس خاص مسئلہ کی شرعی حیثیت سے بحث و تحقیق کرنا ہے وہ مسئلہ ہے کہ اُدھار پر کوئی چیز اُس قیمت سے زائد پر فروخت کرنا جو قیمت اس چیز کی بازار میں بصورت نقد رائج ہو، مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں عام طور پر بصورتِ نقد ایک سو روپے ہے اس کو مثلاً ایک سال کے اُدھار پر ایک سو پچاس روپے میں فروخت کرنا اور خریدنا۔ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی اس میں جس معاشی معاملے کا ذکر ہے قرآن وحدیث کی رُو سے یہ جائز معاملہ ہے یا ناجائز معاملہ؟ اس بحث و تحقیق میں اس کا تعین کرنا اصل مقصود ہے، اور یہ اس لیے کہ متعدد اشخاص نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا ہے اور یہ ایک زندہ مسئلہ ہونے کے ساتھ اپنے اثرات ومعروضی نتائج کے لحاظ سے بڑا اہم اور ضروری مسئلہ بھی ہے۔

بحث کے شروع میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حقیقت میں کسی مسئلہ و معاملہ کے متعلق شرعی حکم صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا تفصیلی یا اجمالی ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہو کیونکہ شریعتِ اسلامی کا حقیقی ماخذ و سرچشمہ صرف قرآن وحدیث ہیں لہٰذا اصلاً اس بحث کا دائرہ انہی تک محدود رہے گا، تعامل صحابۂ کرام رض در اصل کتاب وسنت پر مبنی ہے۔ لہٰذا کسی مسئلہ اور معاملہ کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لیے اس کو دیکھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا بھی ضروری ہے۔ محدثینِ کرام کے ہاں حدیث کا جو وسیع مفہوم ہے اس میں آثارِ صحابہ رض بھی شامل ہیں، مطلب یہ کہ کسی معاملہ کے شرعی جواز و عدمِ جواز کے متعلق صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ فقہ و فتاویٰ کی فلاں کتاب میں فلاں فقیہ نے اس کو جائز یا ناجائز کہا اور لکھا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کی اس نص اور دلیل کا ذکر بھی ضروری ہے جس کی بناء پر اس فقیہ نے ایسا کہا اور لکھا ہے اور یہ اس لیے بھی کہ وفاقی شرعی عدالت کے جج حضرات کسی فقیہ کے قول کو صرف اس وقت مانتے ہیں جب اس کے ساتھ قرآن و حدیث کی کوئی دلیل موجود ہو کیونکہ دستورِ مملکتِ خداداد پاکستان کے اندر صرف قرآن وحدیث کو اسلامی احکام کا ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔

اصل مسئلہ پر بحث سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک ادھار و قرض پر کوئی چیز بیچنے اور خریدنے کا تعلق ہے تو یہ قرآن وحدیث کی رُو سے قطعی طور پر جائز ہے۔ اس کے ثبوت میں قرآنِ مجید کی

آیت مداینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث پیش کر دینا کافی ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسروں سے ادھار پر ضرورت کی چیزیں لینے کا واضح بیان ہے، اور یہ بھی کہ بعض دفعہ ادائیگی کے وقت آپؐ نے بہتر طور پر ادائیگی فرمائی۔ قرآن و حدیث میں قرضِ حسنہ کے متعلق جو تعلیم ہے اس سے بھی صریح طور پر اُس ادھار کا جواز ثابت ہوتا ہے جس پر کوئی اضافہ نہ ہو۔ کسی ضرورت مند کو ادھار پر اس کی ضرورت کی چیز اسی قیمت پر دینا جو نقد کی صورت میں ہو قرضِ حسنہ کی تعریف میں آتا ہے جو کہ بڑے اجر و ثواب کا نیک عمل ہے، بعض احادیث میں اس کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے جو نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب و مستحسن عمل ہے۔

اسی طرح بیع مرابحہ کی وہ شکل بھی قطعی طور پر جائز ہے جس میں فروخت کی جانے والی چیز کی اصل قیمت بھی صحیح بتلائی گئی اور اس پر نفع کی مقدار بھی صرف اتنی لگائی گئی ہو جو تاجروں کے ہاں اور بازار کے عام رواج کے مطابق ہو یا اس سے بھی کم ہو، مثلاً اگر بازار میں عام طور پر نفع کی مقدار دس فیصد رائج ہو اور مرابحہ میں فروخت کرنے والا فروخت کی جانے والی چیز کی اصل قیمت پر زیادہ سے زیادہ دس فیصد منافع لگائے، مثلاً جو چیز اس کو سو روپے میں پڑی ہے اس پر نفع دس روپے یا اس سے کم لگا کر بیع مرابحہ کے طور پر فروخت کرے تو اس کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ بالفاظِ دیگر بازار میں عام نرخ کے مطابق ایک چیز کی قیمت ایک سو روپے تھی اور مرابحت کی شکل میں بھی وہ ایک سو روپے میں ہی فروخت کی گئی یا مثلاً رعایت کے ساتھ ایک سو پانچ روپے میں فروخت کی گئی تو بیع مرابحہ کی یہ صورت بالکل جائز ہوتی ہے اور شرعی طور پر یہ معاملہ قطعاً درست ہوتا ہے کیونکہ اس میں فریقینِ معاملہ کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے، اور یہ اس وجہ سے موجود ہوتی ہے کہ اس میں ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا اس کی مرضی کے مطابق معاوضہ پایا جاتا ہے جو قلبی رضامندی کا خارجی اور معروضی معیار ہے بخلاف مرابحت کی ایسی شکل کے کہ جس میں فروخت کرنے والا خریدار کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز بازار کے مقابلہ میں کہیں زیادہ نفع پر فروخت کرتا ہے، مثلاً یہ دیکھتے ہوئے کہ خریدار نقد ادائیگی نہیں کر سکتا کچھ عرصہ کے ادھار پر لینا چاہتا ہے لہٰذا ادھار کی وجہ سے نفع دس فیصد کی بجائے بیس یا تیس فیصد لگا دیتا ہے، اس صورت میں خریدار کی اگرچہ ظاہری طور پر رضامندی موجود ہوتی ہے لیکن حقیقی طور پر موجود نہیں ہوتی کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ جو چیز وہ ادھار کی وجہ سے مثلاً ڈیڑھ سو روپے میں خرید رہا ہے وہ بازار میں بصورتِ نقد سو روپے میں ملتی ہے اور یہ کہ فروخت کرنے والا دوسرا فریق اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پچاس روپے کا اضافہ کر رہا ہے چنانچہ وہ ضرورت کے تحت لے تو لیتا ہے لیکن دل سے خوش نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کے لیے پچاس روپے کا مادی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہٰذا مرابحہ کی یہ شکل بلحاظ حقیقت

درست نہیں ہوتی بلکہ باطل معاملہ کی تعریف میں آتی ہے، اس کی مزید کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

اب میں اپنے اصل مسئلہ کی طرف آتا ہوں یعنی یہ کہ اُدھار کی صورت میں کوئی چیز نقد قیمت کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو انتہائی تلاش و جستجو کے باوجود مجھے قرآنِ کریم، احادیثِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایسی دلیل نہیں مل سکی جس سے معاملہ مذکورہ کا جواز نکلتا اور ثابت ہوتا ہو۔ البتہ عدم جواز کے متعلق قرآن، حدیث اور آثار صحابہؓ میں واضح اور قطعی دلائل ملتے ہیں۔ تحریم ربوٰ سے متعلق جو آیات، احادیث اور آثار ہیں ان سے معاملہ زیرِ بحث کا قطعی طور پر ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ قرآن حکیم نے عہدِ جاہلیت کی جس متعارف ربٰو کو قطعی طور پر حرام و ممنوع قرار دیا ہے اُس کی چند شکلوں میں سے ایک شکل یہ بھی تھی کہ ایک شخص دوسرے پر کوئی چیز اُدھار بیچتا تو مدتِ قرض کے لحاظ سے اس کی قیمت میں اضافہ کرتا۔ مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں ایک سو درہم ہوتی ایک سال کے اُدھار پر ڈیڑھ سو درہم میں بیچتا، پھر جب ایک سال کے بعد بھی مقروض ڈیڑھ سو درہم ادا نہ کرسکتا تو قرض خواہ اس سے کہتا میں مدتِ قرض میں مزید اتنا اضافہ کر دیتا ہوں تم اپنے ذمہ رقم کی مقدار اتنی بڑھا دو اور پھر قرض کی رقم کی مقدار مزید ایک سال کے لیے دو سو درہم کر دی جاتی، پھر اگر دوسری مدت میں بھی وہ ادا نہ کرسکتا تو مزید مہلت کے عوض قرض کی رقم میں مزید اضافہ کر دیا جاتا، اس طرح بڑھتے بڑھتے یہ رقم اصل کے کئی گنا ہو جاتی یعنی اَضۡعَافًا مُّضَاعَفَةً بن جاتی، یہی حال نقد کے قرض میں بھی ہوتا، ایک آدمی دُوسرے کو مثلاً ایک سو درہم ایک سال کے لیے قرض دیتا تو اس مدت کے لحاظ سے اس میں اضافہ کر دیا جاتا جو درمیان میں ہر ماہ یا سال کے بعد یکمشت اصل کے ساتھ واجب الادا ہوتا، جیساکہ موجودہ بینکاری نظام میں ہوتا ہے۔ غرضیکہ قرآنِ حکیم نے ربٰوالنسیئۃ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا اُن میں سے ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار مندرجہ ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریم ربٰو کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے:۔

(۱) عن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ قال کان الربوٰ الذی اذن اللہ فیہ بالحرب لمن لم یترکہ عند الجاھلیۃ یکون للرجل علی رجل حق الی اجل فاذا حل الاجل قال صاحب الحق اتقضی ام تربی، فان قضاہ اخذ منہ والا طواہ۔ (جامع الاصول ج ۱ ص ۴۷۹ رقم حدیث ۴۰۴ باب الربوٰ الفرع الثالث فی عادۃ المتقدم)

(ترجمہ) "حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا وہ ربٰو جس کو ترک نہ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اعلانِ جنگ فرمایا عہدِ جاہلیت میں اس کی شکل اس طرح تھی کہ ایک آدمی کا دوسرے پر ایک خاص

مدت کے لیے حق یعنی دین و قرض ہوتا پس جب مقررہ وقت آتا تو صاحبِ حق یعنی قرض خواہ اپنے مقروض سے کہتا ادا کرتے ہو یا مزید مہلت کے عوض مالِ قرض میں اضافہ کرتے ہو اگر وہ ادا کرتا تو ٹھیک معاملہ ختم کر دیتا ورنہ اس کو ہر مرتبہ بڑھاتا چلا جاتا۔"

(۲) عن مجاهدؒ انهٗ قال فی ربوا الّذی نهی الله عنه کان فی الجاهلیة یکون للرجل علی الرجل دَین فیقول لك کذا وکذا وتؤخرعنی فیؤخرعنه ۔ (تفسیر الطبری ج ۳ ص ۱۰۱ سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵)

(ترجمہ) "حضرت مجاہدؒ نے فرمایا وہ ربٰو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا عہدِ جاہلیت میں اس کی شکل یہ ہوتی کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر واجب الادا دَین (قرض) ہوتا تو جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو مقروض آدمی اپنے قرض خواہ سے کہتا مہلت بڑھا دو اور مطالبہ مؤخر کر دو اس کے بدلے آپ کے لیے اتنا اتنا مزید ہو گا چنانچہ وہ مطالبہ مؤخر کر کے مہلت بڑھا دیتا اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا۔"

(۳) عن سعید بن جبیرؒ قال ان الرجل کان یکون لهٗ علی الرجل المال فاذا حل الاجل طلبه من صاحبه فیقول المطلوب اخرعنی وازید لك فی مالك فیفعلان ذلك ۔ (تفسیر الدر المنثور ج ۱ ص ۶۴۵ سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵)

(ترجمہ) "حضرت سعید بن جبیرؒ نے ربٰو جاہلی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ اس طرح تھی کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر بطور قرض مال ہوتا پھر جب قرض کی مقررہ مدت پوری ہوتی تو قرض والا اپنے مقروض سے اپنا مال طلب کرتا پھر اگر مقروض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوتا تو مقروض سے کہتا مجھے مزید مہلت دیجئے میں اس کے عوض آپ کے مال میں آپ کے لیے اضافہ کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ آپس میں ایسا کر لیتے اور یوں یہ سلسلہ جاری رہتا۔"

(۴) عن قتادۃؓ قال ان ربوا الجاهلیة یبیع الرجل المبیع الی اجل مسمّی فاذا حل الاجل ولم یکن عند صاحبه قضاء زاده واخر عنه ۔ (تفسیر الطبری ج ۳ ص ۱۰۱ سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵)

(ترجمہ) "حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ربٰو جاہلی کی ایک شکل یہ تھی کہ ایک آدمی اپنی کوئی چیز ایک خاص وقت تک کے لیے قرض پر بیچتا پھر جب وہ خاص وقت آتا اور اس کے مقروض کے پاس ادائیگی کا انتظام نہ ہوتا تو مال بڑھا کر مزید مہلت دے دیتا۔"

(۵) عن عطاء ابن ابی رباح قال کانت ثقیف تدائن فی بنی المغیرة فی الجاهلیة فاذا حل الاجل قالوا نزیدکم وتؤخرون ۔ (تفسیر الدر المنثور ج ۲ ص ۱۲۸ سورۃ آل عمران آیت ۱۳۰)

(ترجمہ) "حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے فرمایا عہدِ جاہلیت میں بنو ثقیف، بنو المغیرہ کو قرض دیا کرتے تھے جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو بنو المغیرہ بنو ثقیف سے کہتے ہم تمہارا مال زیادہ کر دیتے ہیں

آپ ہمیں مزید مہلت دے دیجئے۔"

ان مذکورہ روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ربٰو الجاہلی جس کا دوسرا نام ربٰوالنسیئۃ ہے، قرض کا ایسا معاملہ تھا جس میں مہلت اور مدتِ قرض کے عوض مال قرض میں اضافہ کیا جاتا تھا خواہ وہ قرض نقد کی صورت میں ہو یا کسی فروخت کردہ چیز کی قیمت کی صورت میں، اور یہ کہ اس کو قرآنِ حکیم نے حرام و ممنوع ٹھہرا کر اس خیال کی نفی اور تردید کردی کہ قرض دینے والا مہلت قرض کے عوض مقروض سے قرض کے اصل مال پر کچھ بھی زائد مال مل سکتا ہے۔

یہاں یہ مناسب اور مفید سمجھتا ہوں کہ اکابر مفسرین کرام کی کچھ عبارات پیش کردوں جو انہوں نے ربائے جاہلی کی تفسیر میں فرمائی ہیں تاکہ حقیقتِ حال اچھی طرح واضح ہو جائے۔ چنانچہ امام ابوبکر الجصاصؒ اپنی جلیل القدر فقہی تفسیر میں ربٰو کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

والربوا الذی کانت العرب تعرفہ وتفعلہ انما کان قرض الدراہم والدنانیر الی اجل بزیادۃ علی مقدار ما استقرضہ علی ما یتراضون بہ ھذا کان المتعارف المشہور عندھم۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵۵۲ باب الربٰو)

(ترجمہ) "وہ ربٰوا جس کو اہلِ عرب جانتے پہچانتے اور کیا کرتے تھے اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ ایک مقررہ مدت تک دراہم ودنانیر کے قرض کا معاملہ تھا جس میں یہ طے پاتا تھا کہ قرض کے اصل مال پر کچھ زائد بھی ضرور لینا دینا ہوگا، ربٰو کا یہی معاملہ عربوں کے ہاں متعارف اور مشہور تھا۔"

اس سے کچھ آگے ایک اور عبارت اس طرح ہے:۔

ولم یکن تعاملہم بالربٰو الاعلی الوجہ الذی ذکرنا من قرض دراہم ودنانیر الی اجل مع شرط الزیادۃ۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۵۵۳ باب الربٰو)

(ترجمہ) "عربوں کے اندر جس ربٰو پر عملدرآمد تھا اس کی وہی شکل تھی جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا یعنی ایک خاص مدت تک دراہم ودنانیر کا قرض جس کے ساتھ زیادتی کی شرط ہوتی تھی۔"

پھر دو صفحات کے بعد ایک تیسری عبارت کچھ اس طرح ہے:۔

انہ معلوم ان الربٰو الجاہلیۃ انما کان قرضاً مؤجلاً بزیادۃ مشروطۃ فکانت الزیادۃ بدلاً من الاجل، فابطلہ اللہ وحرمہ وقال وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۵۵۴ باب الربوٰ من ابواب الربٰو الذی تضمنت الآیۃ تحریمہ)

(ترجمہ) "یہ ایک معلوم اور جانی ہوئی بات ہے کہ عہدِ جاہلیت کی ربٰو سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ

زیادتی کی شرط کے ساتھ میعادی قرض کا معاملہ تھا اور اس میں قرض کے اصل مال پر جو زیادتی ہوتی تھی وہ مدت اور مہلتِ قرض کا بدل سمجھی جاتی تھی پس اس کو اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا اور فرمایا اگر تم اس سے توبہ کر کے باز آجاؤ تو پھر تمہارے لیے صرف تمہارے اصل اموال ہیں جو تم نے بطور قرض دیئے تھے نہ تم ان پر کچھ زائد لیکر اپنے مقروضوں پر ظلم کرو اور نہ وہ تمہارے اصل اموال روک کر تم پر ظلم کریں۔"

واضح رہے کہ یہاں ظلم کے معنی حق تلفی کے ہیں۔

اس تیسری عبارت میں جو بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ قرض کے اصل مال پر جو زیادتی مشروط ہوتی تھی وہ اجل یعنی مدتِ قرض کا عوض اور بدل سمجھی جاتی تھی۔

دوسرے مفسر امام فخر الدین الرازیؒ نے اپنی عظیم المرتبت تفسیر مفاتیح الغیب میں جو کہ تفسیر الکبیر کے نام سے معروف ہے، ربٰو کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

اما الربٰو النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھورًا متعارفًا فی الجاھلیۃ وذٰلک انھم کانوا یدفعون المال علی ان یاخذوا کل شھر قدرًا معینًا ویکون رأس المال باقیًا، ثم اذا حل الدّین طالبوا المدیون برأس المال فان تعذر علیہ الاداء زادوا فی الحق والاجل فھٰذا ھو الربٰو الذی کانوا فی الجاھلیۃ یتعاملون۔ (تفسیر الکبیر ج ۷ ص ۹۱ سورۃ البقرہ)

(ترجمہ) "البتہ ربٰو النسیئۃ جو عہدِ جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھی عملاً اس کی شکل اس طرح تھی کہ بعض لوگ اپنا مال دوسروں کو بطور قرض اس شرط پر دیتے کہ وہ ہر ماہ اپنے مقروض سے خاص مقدار میں کچھ مال بطور سود لیتے رہیں گے اور قرض کا اصل مال اپنی حالت پر باقی رہے گا پھر جب ادائیگی مقررہ وقت آتا تو وہ مقروض سے اصل مال کا مطالبہ کرتے پھر اگر اس کے لیے ادائیگی مشکل ہوتی تو اپنے حق اور قرض کی مہلت میں اضافہ کر دیتے، پس یہی وہ ربٰو تھی جس کا لوگ عہدِ جاہلیت میں لین دین اور کاروبار کرتے تھے"

اسی تفسیر میں ربٰو سے متعلق ایک اور عبارت کچھ اس طرح ہے:۔

کان الرجل فی الجاھلیۃ اذا کان لہٗ علیٰ انسان مائۃ درھم الی الاجل فاذا جاء الاجل ولم یکن المدیون واجدًا لذٰلک قال زدنی فی المال حتیٰ ازید فی الاجل فربما جعلہ مائتین۔ (تفسیر الکبیر ج ۹ ص ۲ سورۃ آل عمران آیۃ ۱۳۰)

(ترجمہ) "زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی کے کسی انسان پر ایک خاص وقت کیلئے ایک سو درہم قرض ہوتے پھر جب وہ وقت آتا اور مقروض کے پاس ادائیگی کیلئے مال نہ ہوتا تو وہ کہتا تم میرے حق میں اضافہ کرو تاکہ میں اجل کو زیادہ کر دوں پس بسا اوقات وہ سو درہم کے دو سو درہم کر دیتا۔"

مذکورہ عبارات میں اس کی تصریح ہے کہ عہدِ جاہلیت کی ربٰو جس کو قرآن مجید نے قطعی حرام بتلایا ہے اس کے اندر جو مرکزی تصوّر کارفرما تھا وہ یہ کہ مقرض یعنی قرض دینے والا مدتِ قرض کے بدلے قرض کے اصل مال پر کچھ زائد مال کا حقدار قرار پاتا ہے، قرآنِ کریم نے اس ربٰو کو حرام قرار دے کر اور یہ فرماکر کہ مقرض اپنے اصل مال پر جو کچھ بھی زائد لیتا ہے وہ اس کا حق نہیں ہوتا بلکہ مقروض کا حق ہوتا ہے، تصوّر مذکور کی نفی کردی ہے، گویا یہ فرمایا کہ اجل اور مدتِ قرض کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مال کا بدل بن سکتی ہو اور جس کا کوئی معاوضہ لیا دیا جاسکتا ہو۔

یہاں تک ربٰو الجاہلی اور ربٰو النسیئۃ کی حقیقت و ماہیت اور اس کی شرعی حیثیت کے متعلق قدرے تفصیل کے ساتھ جو کچھ لکھا اور عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں جب ہم اپنے زیرِ بحث معاملے کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ معاملہ اپنی حقیقت و ماہیت، اپنے منشاء و مقاصد اور اپنے لازمی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربٰو النسیئۃ جیسا معاملہ ہے، وہ اس طرح کہ اس میں ایک شے جس کی قیمت نقد سے بازار میں عام طور پر مثلاً ایک سو روپے ہوتی ہے جب ایک سال کے ادھار پر وہ ایک سو پچاس روپے میں بیچی جاتی ہے تو اس میں پچاس روپے کا جو اضافہ ہوتا ہے وہ دراصل ایک سال کی مدت و مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے، نیز جس طرح ربٰو النسیئۃ میں مقروض سے قرض کے اصل مال پر لیا جانے والا زائد مال بلاعوض ہوتا اور مقروض کی حق تلفی قرار پاتا ہے۔ اسی طرح زیرِ بحث معاملہ میں بیچی جانے والی شے کی اصل قیمت پر ادھار کی وجہ سے جو اضافہ ہوتا ہے بیچنے والے کی طرف سے خریدار کے لیے اس کا کوئی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہٰذا بیچنے والا جو زائد لیتا ہے خریدار کا حق لیتا اور اس کی حق تلفی کرتا ہے، نیز جس طرح ربٰو النسیئۃ میں قرض دہندہ کا مقصد بغیر کسی دماغی و جسمانی محنت و مشقت کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ضمانت کے اپنے سرمائے اور تمول کو بڑھانا ہوتا ہے اسی طرح زیرِ بحث بیع المؤجل کے معاملہ میں فروخت کنندہ کا مقصد بغیر کسی پیدا آور محنت اور عملی جدوجہد کے اور بغیر کسی نقصان برداشت کرنے کی ذمہ داری کے نفع کمانا اور اپنے سرمائے کو بڑھانا ہوتا ہے۔ پھر جس طرح ربٰو النسیئۃ کے معاشرے میں معاشی عدم توازن اور غیر فطری نشیب و فراز رونما ہوتا اور ملکی دولت چند اغنیا اور سرمایہ داروں کے درمیان سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح زیرِ بحث معاملہ کے بھی عام رواج سے معاشرے میں ویسی ہی معاشی حالت پیدا ہوتی ہے غرضیکہ وہ تمام اخلاقی، معاشرتی اور معاشی برائیاں جو ربٰو النسیئۃ کے عملی رواج سے ظہور میں آتی اور معاشرے کے توازن کو بگاڑتی ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام نے ربٰو النسیئۃ کو قطعی طور پر حرام اور ممنوع ٹھہرایا ہے، وہ سب زیرِ بحث بیع مؤجل کے معاملہ سے بھی لازماً ظہور میں آتی ہیں لہٰذا اصول قیاس کا تقاضا یہ

ہے کہ اس معاملہ کا بھی وہی شرعی حکم ہونا چاہیئے، جو معاملہ ربوٰ النسیئۃ کا ہے یعنی حرام کیونکہ بنیادی طور پر ان کے درمیان کچھ فرق نہیں صرف لفظی فرق ہے جس کا عقود ومعاملات میں شرعاً کوئی لحاظ اور اعتبار نہیں ہوتا۔ الاعتبار فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والالمبا مسلّمہ قاعدہ کلیہ ہے۔

قرآن مجید کی جس دوسری آیت سے معاملۂ زیر بحث کی شرعی حیثیت پر روشنی پڑتی اور اس کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے وہ سورۃ النساء کی یہ آیت کریمہ ہے:۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۹)

(ترجمہ) "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ ایسی تجارت کا طریقہ ہو جس میں فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہو۔"

اس آیتِ کریمہ کے دو حصے ہیں، پہلے حصہ میں باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال کھانے کی ممانعت ہے اور اِلَّا حرفِ استثناء کے بعد دوسرے حصہ میں ایسی تجارت کے طریقہ سے ایک دوسرے کا مال لینے کی اجازت ہے جس میں ہر فریق کی حقیقی اور دلی رضامندی پائی جاتی ہو۔ پہلے حصہ میں جو لفظ باطل ہے وہ حق کی ضد ہے، اسی وجہ سے اس کا ترجمہ ناحق کیا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے باطل کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول پیش کیا ہے:۔

الباطل ھو کل ما یوخذ من الانسان بغیر عوض۔ (تفسیر الکبیر ج ۱۰ ص ۷۲ سورۃ النساء آیت ۳۰)

(ترجمہ) "ہر وہ مال لینا باطل ہے جو کسی انسان سے بغیر عوض کے لیا جائے۔"

علامہ رشید الرضا باطل کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

اما الباطل ما لم یکن فی مقابلۃ شیٔ حقیقی۔ (تفسیر المنار ص)

(ترجمہ) "باطل وہ ہے جو کسی حقیقی شے کے مقابلہ میں نہ ہو یعنی اس کے بالمقابل کوئی حقیقی چیز نہ ہو۔"

لہٰذا آیت مذکورہ کے پہلے حصہ کا مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بغیر عوض کے نہ لو، یعنی معاوضے کے معاملات میں ایک دوسرے کا مال بغیر ایسے عوض کے نہ لو جو مالیت اور قدر و قیمت میں اس کے برابر ہو کیونکہ کسی مال کا صحیح عوض اور بدل صرف وہ ہوتا ہے جو قدر و قیمت میں اس مال کے برابر ہو، بنا بریں آیتِ کریمہ کے پہلے حصہ کی رُو سے ہر وہ معاشی معاملہ باطل اور ممنوع قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کے مال کا سرے سے عوض موجود ہی نہ ہو یا عوض تو موجود ہو لیکن قدر و قیمت کے لحاظ سے اس مال کے مساوی نہ ہو۔ آیت کریمہ کے دوسرے حصہ

میں معاوضے کے صرف اس معاملہ کو باطل سے مستثنیٰ اور جائز بتلایا گیا ہے جس میں ہر فریق کیلئے اس کی چیز کا بدل موجود ہوتا لہٰذا فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے، چونکہ تجارت یعنی بیع و شراء کا معاملہ ایسا ہی ہے اس میں بائع کو اپنی چیز کا عوض ثمن اور قیمت کی شکل میں اور مشتری کو اپنی چیز کا عوض خریدی ہوئی شے یعنی مبیع کی شکل میں ملتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بائع مشتری کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز اُس قیمت سے زائد پر بیچ دیتا ہے جو عام طور پر بازار میں اس چیز کی ہوتی ہے، یا بعض دفعہ مشتری بائع کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی چیز اُس قیمت سے کم پر خرید لیتا ہے جو بازار میں عام طور پر ہوتی ہے، لہٰذا بیع و شرائع کی ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ایک فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہیں ہوتی اس وجہ سے کہ اس کے لیے اس کی چیز کا پورا اور صحیح عوض و بدل موجود نہیں ہوتا لہٰذا بیع و شراء کا ایسا معاملہ کسی ایک فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز و ممنوع قرار پاتا ہے۔ جہاں تک ظاہری اور زبانی رضامندی کا تعلق ہے وہ تو معاملۂ ربوٰ میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ربوٰ کا معاملہ حرام و ممنوع رہتا ہے، بلکہ حقیقت میں رضامندی کا خارجی اور معروضی معیار ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا صحیح عوض و بدل موجود ہونا ہے، وہ موجود ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود ہونا ہے اور موجود نہ ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود نہ ہونا ہے۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں معاملۂ زیرِ بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے کیونکہ اس میں بیچنے والا ادھار کی وجہ سے اپنی سو روپے کی چیز جو ڈیڑھ سو میں بیچتا ہے تو اس میں خریدار سے جو پچاس روپے زائد لیتا ہے ان کا کوئی عوض اس کی طرف سے خریدار کے لیے موجود نہیں ہوتا لہٰذا وہ بغیر عوض کے دوسرے کا مال لیتا ہے جس کو آیت کے اندر باطل سے تعبیر کر کے ممنوع ٹھہرایا گیا ہے، نیز بیع و شرائع کا یہ ایسا معاملہ دکھائی دیتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کی چیز کا عوض موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رضامندی موجود نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ اس میں خریدار کے لیے مذکورہ بالا مثال کے مطابق پچاس روپے کا عوض موجود نہیں ہوتا جو قرض کی وجہ سے بیچنے والا خریدار سے لیتا ہے لہٰذا اس کی حقیقی رضامندی بھی موجود نہیں ہوتی لہٰذا اس پہلو سے بھی یہ معاملہ ناجائز اور ممنوع قرار پاتا ہے۔

زیرِ بحث معاملہ کی شرعی حیثیت سے متعلق جہاں تک احادیثِ نبویہ کا تعلق ہے تو متعدد احادیث سے بھی اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے، ان بکثرت احادیث سے بھی جن میں ربوٰ کی سختی کے ساتھ مذمت اور ممانعت ہے، طوالت سے بچتے ہوئے میں ان کو یہاں نقل اور ذکر نہیں کر رہا، بیع عینہ کی ممانعت

سے متعلق جو احادیث ہیں ان سے بھی اس معاملے کا عدم جواز مفہوم و مستنبط ہوتا ہے البتہ یہاں میں اس حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں ربٰوالنسیئۃ کی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے جو کہ حدیث کی بعض کتابوں میں ان الفاظ سے موجود ہے :۔

عن علیؓ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربًا ۔ (بلوغ المرام مترجم ص ۱۷۳ حدیث ۸۸۲)

(ترجمہ) "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربٰو ہے"

مطلب یہ کہ جو قرض، قرض دینے والے کیلئے قرض لینے والے کی طرف سے مالی منفعت کا سبب اور ذریعہ بنتا ہو وہ ربٰو ہے ۔ اس حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ سند کے لحاظ سے اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اس کے مضمون کی تائید چونکہ متعدد آثارِ صحابۂ کرامؓ سے ہوتی ہے لہٰذا اس کو ہمیشہ قابلِ اعتماد سمجھا گیا اور فقہاءِ کرام اس سے استدلال کرتے رہے ہیں، صحابۂ کرامؓ کے وہ آثار جن سے اس حدیث کو تقویت ملتی ہے سنن الکبرٰی للبیہقیؒ اور اعلاء السنن وغیرہ میں مذکور ہیں ۔ ان آثار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ قرض دینے والا قرض کی وجہ سے اپنے مقروض سے کسی طرح کا کوئی مادی فائدہ اٹھائے اگرچہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، میں بغرضِ اختصار ان کو یہاں نقل نہیں کر رہا جو دیکھنا چاہے کتب مذکورہ میں دیکھ سکتا ہے ۔ مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ نے ربٰو کے موضوع پر اپنے رسالہ کشف الدجیٰ میں ان کو یکجا جمع کر دیا ہے ۔ جو امداد الفتاوٰی میں بھی شامل ہے ۔

بہرحال اس حدیث کی رُو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز قرار پاتا ہے کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جو شخص مثلاً ایک سو روپے کی چیز ادھار پر ڈیڑھ سو روپے میں فروخت کرتا ہے وہ پچاس روپے جو زائد لیتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ قرض سے فائدہ اٹھاتا اور منفعت اندوز ہوتا ہے، اگر قرض نہ ہوتا تو نقد کی صورت میں اس کو اس چیز کے صرف سو روپے ملتے، پھر جب یہ معاملہ حدیث مذکور کے مطابق ربٰو کی تعریف میں آتا ہے تو اس کا بھی وہی شرعی حکم ہو سکتا ہے جو ربٰو و سُود کا ہے یعنی حرام و ناجائز ہونا ۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس کی بناء پر پورے وثوق و یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیر بحث معاملہ قرآن و حدیث کی رُو سے حرام اور ناجائز معاملہ ہے ۔

اس کے بعد یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے بعض علماء کرام نے اپنی کتابوں میں بطور فتویٰ لکھا ہے کہ معاملہ مذکور شرعاً جائز معاملہ ہے یعنی شرعاً اس میں کچھ حرج نہیں کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زائد قیمت پر بیچی جائے۔ چنانچہ اسی فتوے کے پیش نظر بلا سود بینکاری کے لیے سود کے متبادل جو معاملات تجویز کیے گئے ہیں ان میں سے ایک معاملہ یہ بھی ہے گویا بینک کو اس کی اجازت دیدی گئی ہے کہ اس سے اگر کوئی شخص مشین وغیرہ خریدنے کے لیے قرضہ مانگے تو وہ اس کو سود پر نقد دینے کی بجائے اس سے یہ کہے کہ میں تیری مطلوبہ چیز خرید کر تم کو ایک سال کے اُدھار پر دیدیتا ہوں اور ادھار کی وجہ سے مرابحہ کے نام پر اس کی اتنی قیمت لگائے جو بازار کی مروجہ قیمت سے کہیں زائد ہو۔ مثلاً یہ کہے کہ یہ چیز جو مجھے سو روپے میں پڑی ہے پچاس روپے کے نفع کے ساتھ بیچتا ہوں تم ایک سو پچاس روپے ایک سال کے بعد ادا کر دینا، مطلب یہ کہ اس طرح کے معاملہ کو بینک کیلئے جائز قرار دیا گیا ہے جو حقیقت میں اپنے مقصد اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربٰو کی طرح کا معاملہ ہے اگرچہ اس کو بیع مرابحہ اور بیع مؤجل کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ویسے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا بیع مرابحہ بھی شرعاً اُس وقت جائز ہے جب اس میں ربح و نفع کی مقدار بازار کے عام عرف و رواج کے مطابق ہو، اسی بیع مؤجل بھی شرعاً اُس وقت جائز ہے جب بیچی جانے والی چیز کی قیمت اُدھار میں بھی اتنی ہی ہو جتنی نقد کی صورت میں تھی۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو حضرات علماء کرام معاملہ زیر بحث کو شرعاً جائز سمجھتے اور کہتے ہیں ان کے وہ دلائل کیا ہیں جن کی بناء پر وہ ادھار کی چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کو جائز و درست مانتے ہیں لیکن اس بارے میں نہ میں اُن حضرات میں سے کسی کا اسم گرامی ذکر کروں گا اور نہ اس کتاب کا نام لکھوں گا جس میں کسی نے ایسا لکھا ہے بلکہ صرف وہ دلائل ذکر کروں گا جو ان حضرات نے اپنے مؤقف کے ثبوت میں پیش فرمائے ہیں اور فیصلہ اہل علم حضرات پر چھوڑ دوں گا جو استدلال اور استنباط کے مختلف طریقوں کا غیر معمولی علم و فہم رکھتے، صحیح اور غلط استدلال کے درمیان تمیز کر سکتے اور فیصلہ کرنے میں انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہیں۔

قارئین کرام یہ پڑھ کر حیران و متعجب ہوں گے کہ جو اہل علم حضرات معاملہ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کے ثبوت میں نہ تو قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کرتے ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث، نہ آثار صحابہؓ میں سے کوئی اثر، نہ ائمہ مجتہدین کا کوئی اجتہادی قول اور نہ مسلّمہ قواعدِ فقہیہ میں سے کوئی قاعدہ پیش فرماتے ہیں بلکہ اس کے ثبوت میں بطور دلیل فقہ حنفی کی دو مشہور کتابوں مبسوط اور

ہدایہ کی ایک ایسی عبارت پیش کرتے ہیں جس سے کسی طرح بھی یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا خریدنا شریعتِ اسلامی کی رو سے جائز ہے۔ میں اُس عبارت کو پیش کرنے سے پہلے جس سے ان حضرات نے استدلال فرمایا ہے اُس سیاق وسباق کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں وہ عبارت ذکر ہوئی ہے تاکہ حقیقتِ واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جس سیاق وسباق میں وہ عبارت واقع ہے اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ فقہ حنفی کی مذکورہ بالا کتابوں میں جہاں بیع مرابحہ کی بحث ہے اس میں بیع المرابحہ کی فقہی تعریف، اس کی صحت کی شرائط اور اس کی مختلف شکلوں اور ان کے متعلق شرعی احکام کا بیان ہے۔ بیع مرابحہ کی تعریف جن الفاظ میں کی گئی ہے اردو زبان میں اس کا مطلب اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے بیع مرابحہ خرید وفروخت کا ایسا معاملہ ہے جس میں ایک شخص یہ کہہ کر اپنی کوئی چیز دُوسرے پر فروخت کرتا ہے کہ یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی یا مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور دوسرا اس پر اعتماد و بھروسہ کر کے وہ چیز خرید لیتا ہے گویا اس میں کوئی چیز اس کی قیمتِ خرید پر متعین نفع کے ساتھ بیچی خریدی جاتی ہے، چونکہ اس بیع میں سچائی اور دیانتداری بنیادی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا اس کو بیع الامانۃ بھی کہا جاتا ہے، اس بیع کی صحت اور تکمیل کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ حقیقتاً جھوٹ اور خیانت موجود نہ ہو بلکہ اس کا شبہ بھی نہ پایا جاتا ہو، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ معاملہ طے پا جانے کے بعد اگر جھوٹ و خیانت کا شبہ ظاہر ہو جائے تو خریدار کو اس کے ردّ و قبول کا خیار ہوتا ہے یعنی چاہے تو اس کو برقرار رکھے اور چاہے تو ختم کر دے۔

بیع المرابحہ کی وہ شکلیں جن میں جھوٹ و خیانت کے شبہ کی بنا پر خریدار کو معاملہ طے ہو جانے کے بعد ردّ و قبول کا خیار ہوتا ہے ان میں سے ایک شکل جس کا امام محمد الشیبانیؒ نے اپنی کتاب جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے، اس طرح ہے :-

من اشترٰی غلامًا بالف درھم نسیئۃ فباعہ بربح مائۃ درھم ولم یبین فعلم المشتری فان شاء ردّہ وان شاء قبل۔ (جامع الصغیر ص ۳۴۸ باب فی المرابحۃ والتولیۃ)

(ترجمہ) "ایک شخص نے ایک غلام ایک ہزار درہم میں اُدھار پر خریدا اور پھر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو فروخت کر دیا اور خریدار کو یہ نہیں بتلایا کہ میں نے ایک ہزار درہم میں اُدھار پر خریدا تھا، معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار کو اس کا علم ہوا تو ایسی صورت میں اس کو ردّ و قبول دونوں کا اختیار رہتا ہے۔"

جامع الصغیر میں امام محمد الشیبانیؒ نے عبارت مذکور کے بعد اس کی کوئی توجیہہ نہیں فرمائی کہ اس صورت میں خریدار کو معاملے کے رَدّ کا کیوں اختیار ہوتا ہے؟ اس کی عقلی طور پر کیا وجہ ہے؟ لیکن بعد کے بعض حنفی فقہاء کرام نے مذکورہ جزیئے کو نقل کرنے کے بعد اس کی توجیہہ بھی لکھی ہے شمس الائمۃ السرخسیؒ نے اپنی کتاب المبسوط میں اس کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے"۔

قال رحمہ اللہ واذا اشتری شیئاً نسیئۃ فلیس لہٗ ان یبیعہ مرابحۃ حتی یتبین انہٗ اشتراہ نسیئۃ لان بیع المرابحۃ بیع الامانۃ تنفی عنہ کل تہمۃ وجنایۃ ویتحرز فیہ من کل کذب وفی معاریض الکلام شبہۃ فلا یجوز استعمالہا فی بیع المرابحۃ ثم الانسان فی العادۃ یشتری الشیٔ بالنسیئۃ باکثر مما یشتری بالنقد۔ (المبسوط ج۱۳ ص۷۸ باب المرابحۃ والتولیۃ)

اس عبارت کا وہ حصہ جو اس بحث کا مقصود ہے یہ ہے:۔

ثم الانسان فی العادۃ یشتری الشیٔ بالنسیئۃ باکثر مما یشتری بالنقد۔

(ترجمہ) "پھر انسان عادۃً ادھار کی چیز اس قیمت سے زائد پر خرید لیتا ہے جو نقد کی صورت میں ہوتی ہے"۔

مطلب یہ کہ ادھار پر خریدی ہوئی چیز جب مرابحہ کے طور پر فروخت کی جائے تو امانتداری اور راست گوئی کا تقاضا یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو صاف بتلادے کہ یہ شے میں نے ادھار پر اتنے میں خریدی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں، اور یہ بتا دینا اس لیے ضروری ہے کہ حاجتمند انسان جب کوئی شے ادھار پر خریدتا ہے تو عادتاً بمقابلہ نقد کے زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ یہ چیز بھی اس نے اپنی حاجتمندی اور ناداری کی وجہ سے زیادہ قیمت پر خرید لی ہو جو بصورت نقد بازار میں اس کی نہ ہو، اور اب چونکہ وہ نقد کی صورت میں فروخت کر رہا ہے ادھار کی صورت میں نہیں کر رہا لہٰذا اس پر لازم ہے کہ خریدار کو اس حقیقت سے آگاہ کرے، چنانچہ آگاہ ہوجانے کے بعد بھی اگر وہ اس کو مطلوبہ قیمت پر خرید لیتا ہے تو پھر اس کو طے شدہ معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا بخلاف اس صورت کے کہ وہ خریدار کو اس سے آگاہ نہیں کرتا اور معاملہ طے پا جانے کے بعد اُسے اس کا پتہ چلتا ہے تو وہ اس معاملے کو فسخ کر سکتا ہے۔

المبسوط کی مذکورہ عبارت میں جس انسان اور اسکی عادت کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ وہ وہی ہوسکتا ہے جو کسی چیز کا حاجتمند ہو اور ناداری کی وجہ سے نقد پر نہ خرید سکتا ہو اور وہ چیز اس کو نقد کی قیمت پر بطور قرضِ حسنہ کے بھی نہ مل سکتی ہو، ایسا انسان اپنی حاجت برآری کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ وہ ادھار دینے والے کی مرضی کے مطابق زیادہ قیمت پر خرید لے۔ اور لفظ عادت کا مطلب ہے کہ ایسا ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ

ایسا لازماً اور دائماً ہوتا ہے، کیونکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ قرضِ حسنہ کی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے والے اور ربوٰ کی ہر شکل سے بچنے اور اجتناب کرنے والے متقی مسلمان جب کسی حاجتمند انسان کو اس کی ضرورت کی چیز اُدھار پر دیتے ہیں تو اسی قیمت پر دیتے ہیں جو بصورت نقد بازار میں اس کی رائج ہوتی اُدھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر نہیں دیتے۔

بہرحال اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مادی فائدہ کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے اور اپنے معاشی معاملات میں اسلامی اصول و احکام اور حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتے، اسی لیے ایسے لوگوں کا رویہ اور طرزِ عمل شریعتِ اسلامی کی رُو سے جائز و درست نہیں ہے۔ شمس الائمہ السرخسیؒ کی مذکورہ عبارت میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ ان کے نزدیک لوگوں کی مذکورہ عادت شرعاً جائز و درست عادت ہے، رہا یہ سوال کہ پھر انہوں نے اس کو ناجائز کیوں نہیں لکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان کا مقصد اس عادت کے جواز و عدمِ جواز سے بحث کرنا نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد بیع المرابحہ کی ایک خاص شکل سے متعلق امام محمدؒ کے مذکورہ قول کی توجیہ کرنا ہے جو عادت مذکورہ کے ناجائز ہونے کی شکل میں بھی ہو جاتی ہے۔

مبسوط کی مذکورہ عبارت کے بعد اب میں صاحب الہدایہ علامہ المرغینانیؒ کی وہ عبارت نقل کرتا ہوں جس سے زیرِ بحث معاملے کے جواز کے لیے استدلال فرمایا گیا ہے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:-

قال من اشترى غلاماً بالف درهم نسيئة فباعه بربح مائة ولم يبين، فعلم المشتري فان شاء ردّه وان شاء قبل لان للاجل شبها بالمبيع الا يرى انه يزاد في الثمن لاجل الاجل والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة فصار كانه اشترى شيئين وباع احدهما مرابحة بثمنهما۔ (هدايه اخيرين ص٥٧، ٥٨ باب المرابحة والتولية)

(ترجمہ) "امام محمدؒ نے کہا جس نے ایک ہزار درہم کے بدلے ایک غلام ادھار پر خریدا اور پھر مرابحہ کے طور پر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو بیچ ڈالا اور خریدار کو نہیں بتلایا کہ میں نے یہ ادھار پر خریدا تھا بعد میں خریدار کو اس کا علم ہوا، پس اب اگر وہ چاہے تو اس کو ردّ کر دے اور چاہے تو اس کو قبول کر سکتا ہے کیونکہ اجل یعنی قرض کی مہلت اور مدت بیچی جانے والی چیز سے کچھ مشابہت رکھتی ہے کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے اور چونکہ مرابحت کے باب میں شبہ مبیع کو حقیقت مبیع سے ملحق کر دیا گیا ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ گویا بیچنے والے نے جس قیمت میں دو چیزیں خریدی تھیں یعنی غلام اور اجل، اس قیمت پر ان میں سے ایک یعنی غلام کو بیچ دیا۔"

اس عبارت میں مقصود بحث اس کا وہ حصہ ہے جس میں صاحب ہدایہ نے امام محمدؒ کے قول مذکور کی توجیہ پیش فرمائی ہے یعنی مرابحہ کی مذکورہ شکل میں معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے، عقلی طور پر اسکی وجہ کیا ہے، وہ وجہ صاحب ہدایہ کے نزدیک مرابحہ کی اس شکل میں شبہ خیانت کا پایا جانا ہے جس سے بیع مرابحہ کو پاک ہونا چاہیئے کیونکہ بیع المرابحہ بیع الامانۃ ہے اور شبہ خیانت کی جو وضاحت انہوں نے فرمائی ہے وہ یہ کہ جو شخص ادھار پہ کوئی چیز خریدتا ہے اس کے متعلق گو یقین نہ سہی لیکن یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اس نے جس قیمت میں وہ چیز خریدی ہے وہ قیمت تنہا اس چیز کی نہ ہو بلکہ ادھار کی جو اجل اور مہلت ہے اس کی بھی ہو کیونکہ کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ادھار کی مہلت اور مدت کی وجہ سے فروخت کی جانے والی چیز کی قیمت بڑھا دیتے ہیں، لہٰذا ادھار پر خریدی ہوئی ہر چیز کے متعلق یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اسکی جو قیمت ہے وہ تنہا اس کی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ اجل اور مہلت ادھار کی بھی ہو بنا بریں جو شخص نقد کی صورت میں بھی اس شئے کی وہی قیمت وصول کرتا ہے جو ادھار کی صورت میں اس شئے کی تھی تو گویا وہ دو چیزوں کی قیمت ایک چیز سے وصول کرتا ہے کیونکہ نقد کی صورت میں اجل نہیں ہوتی صرف چیز ہوتی ہے لہٰذا وہ ایک طرح کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے جو مرابحہ کے معاملہ میں عیب ہے اور چونکہ مبیع میں عیب ظاہر ہونے کی صورت میں خریدار کو رد و قبول کا خیار ہوتا ہے لہٰذا بیع المرابحہ کی اس شکل میں بھی خریدار کو رد و قبول کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

اس توجیہ کے ضمن میں علامہ مرغینانیؒ نے اپنی اس بات کی تائید میں کہ اجل مبیع سے کچھ مشابہ ہے فرمایا الا یری انہ یزداد فی الثمن لاجل الاجل کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل یعنی ادھار کی مدت کی وجہ سے شئے کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے، اس سے بعض اہل علم حضرات نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ادھار کی چیز کی قیمت بمقابلہ نقد کے بڑھا دینا شریعتِ اسلامی کی رُو سے جائز ہے، حالانکہ عبارت مذکورہ سے یہ مطلب بالکل نہیں نکلتا۔ اس عبارت میں جو بات کہی گئی ہے بلحاظ واقعہ بالکل درست ہے کہ کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں یعنی ادھار کی چیز کی قیمت زیادہ کر دیتے ہیں لیکن ان کا ایسا کرنا قرآن وحدیث کی رُو سے جائز ہوتا ہے یا ناجائز؟ عبارت مذکورہ کے کسی لفظ سے اس کا اظہار نہیں ہوتا اسلئے کہ صاحب ہدایہ کا مقصد یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اجل کی مبیع سے کچھ مشابہت یا اجل کے مبیع ہونے کا شبہ ہے کیونکہ کچھ لوگ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرتے ہیں، یہاں ان کا مقصد اس کے جواز وعدم جواز سے بحث کرنا اور یہ بتلانا نہیں کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ یہی وجہ ہے کہ ہدایہ کے شارحین نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں لکھا، فتح القدیر، بنایۃ، غایۃ اور کفایۃ وغیرہ کو دیکھ لیجئے کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اجل کی وجہ سے شئے کے ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح کسی کا اس کو ناجائز نہ لکھنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں پر مقصد اس کے جواز وعدم جواز سے بحث کرنا ہے ہی نہیں، نیز جو معاملہ بدیہی طور پر

ناجائز ہو اس کو ناجائز لکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ بہرحال کسی معاملے کے جائز یا ناجائز ہونے کا اصل معیار قرآن وحدیث اور ان کے اصول وا حکام ہیں، چنانچہ جو معاملہ ان کے مطابق ہو وہ جائز اور جو مطابق نہ ہو بلکہ خلاف ہو وہ ناجائز قرار پاتا ہے۔ لوگوں کا اس کو کرنا یا نہ کرنا اس کے جواز وعدم جواز کا کوئی معیار نہیں ورنہ شریعت ایک کھلونا بن کر رہ جائے گی۔

علاوہ ازیں اگر مذکورہ عبارت یعنی یزدادفی الثمن لاجل الاجل سے یہ مفہوم ہے کہ اجل یعنی مہلت قرض کسی ثمن وقیمت کا عوض و بدل بن سکتی ہے تو تین سطروں کے بعد خود صاحب ہدایہ نے واضح الفاظ سے اس کی نفی کر دی ہے، فرمایا "وان استهلکه ثم علم لزمه بالف ومائة لان الاجل لا یقابله شئ من الثمن" اور اگر مذکورہ مثال میں خریدار نے خرید نے کے بعد غلام کو ہلاک یا فروخت کر دیا یعنی اس کے ہاتھ میں نہ رہا اور پھر اس کو یہ علم ہوا کہ وہ ایک غلام ایک ہزار درہم میں ادھار پر خرید اگیا تھا اور ایک سو درہم منافع کے ساتھ مجھ پر فروخت کیا گیا تو اب وہ فروخت کرنے والے سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا اور اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو گیارہ سو روپے آپ کو دیئے ہیں ان میں جو اجل کا عوض تھے وہ مجھے واپس کر دو کیونکہ اجل ایک ایسی چیز ہے جس کے مقابلہ میں کوئی ثمن نہیں ہو سکتا۔ "لان الاجل لا یقابله شئ من الثمن" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اجل اور مہلت ادھار کے بالمقابل کوئی مال لینا دینا جائز نہیں۔ اور چونکہ ہمارے زیر بحث معاملہ میں بصورت ادھار نقد کے مقابلہ میں جو زائد قیمت لگائی جاتی ہے وہ اجل اور مدت ادھار کی وجہ سے لگائی جاتی ہے، لہٰذا ھدایہ کی اس دوسری عبارت سے الٹا اس معاملے کا ناجائز ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ المبسوط اور الہدایہ کی جن عبارات سے معاملہ زیر بحث کے جواز کے لیے استدلال کیا گیا ہے، اگر کچھ بھی غور وفکر سے کام لیا جائے تو یہ استدلال بے جان نظر آتا ہے اور ان عبارات سے کسی طرح اس معاملے کا جواز نہیں نکلتا جبکہ اس کے مقابلہ میں عدم جواز کے دلائل قرآن وحدیث سے تعلق رکھتے اور مضبوط و مستحکم دلائل ہیں جو قدرے تفصیل کے ساتھ پہلے عرض کیے گئے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ جو اہل علم حضرات معاملہ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس مسئلہ پر از سر نو پڑھیں اور غور وفکر کریں گے اور پوری توجہ اور احتیاط کے ساتھ اس معاملے کی شرعی حیثیت کا تعین فرمائیں گے

جواب از

حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ کلاچی

استفتاء:- بخدمت گرامی استاذ محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گذارش یہ ہے کہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک بابت رجب ۱۴۱۲ھ
مطابق دسمبر ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا طاسین صاحب کا ایک مضمون آیا ہے جس میں انہوں نے بیع نقد
اور نسیہ میں قیمت کے فرق کو ناجائز قرار دیا ہے اور حرام تک سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ ہمارے
اکابرین اسے جائز قرار دیتے رہے ہیں، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ امدادیہ میں
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امداد المفتین میں، حضرت مولانا مفتی رشید احمد
صاحب مدظلہ نے احسن الفتاویٰ میں اور مفتی کل ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب
دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ کفایت المفتی میں ہے۔

ان سب حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے ۔۔۔ آپ صحیح صورتحال سے مطلع فرمائیں کہ
ان دونوں باتوں میں تعارض ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس کو صحیح سمجھا جائے اور پوچھنے والوں
کو کیا بتلایا جائے ۔۔۔ اگر اجازت ہو تو آپ کا جواب تطبیق یا ترجیح کا الحق کو بھیج دوں ۔۔۔
بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ الحق بھی مولانا طاسین صاحب کی رائے کی تائید میں ہے کیونکہ
اس نے بلا کسی نکیر کے اس کو شائع کیا ہے۔

حافظ عبدالقیوم حقانی خطیب جامع مسجد لوہاراں کلاچی ۲۸ رجب ۱۴۱۲ھ

الجواب:- دونوں فتوؤں میں تعارض ظاہر ہے ۔۔۔ اکابر علماء مذکورین فی السوال
کے فتویٰ کو غلط سمجھنے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے، حضرت مولانا طاسین صاحب کا مضمون الحق
میں ادھورا ہے بینات میں غالباً پورا ہے، اور مجھے کسی صاحب نے ان کے مضمون کا عکس
(فوٹوسٹیٹ) بھی بھیجا ہے۔ مولانا نے اپنے مضمون میں دو باتیں فرمائی ہیں میں مختصراً ان پر
کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات یہ کہ جواز کا فتویٰ دینے والوں کے پاس دلیل ہدایہ اور مبسوط کی یہ عبارت ہے
الا تری انہ یزاد الثمن لاجل الاجل، آپ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ

معاملہ جائز بھی ہے انہوں نے مرابحہ کی بحث میں صرف لوگوں کی عادت کا ذکر کر دیا ہے اس کو جائز کہنے کی بات نہیں کی ـــــ دوسری بات یہ کہ جائز کہنے والوں کے پاس قرآن وسنت کی کوئی دلیل تو کیا کسی مجتہد کا قول بھی نہیں۔

اس ناکارہ کے ناتمام مطالعہ کے مطابق حضرت مولانا کی یہ دونوں باتیں محل نظر ہیں آپ کا یہ فرمانا کہ علامہ سرخسیؒ نے صرف لوگوں کی عادت کا ذکر کیا ہے خود اسے جائز نہیں فرمایا، اس کے لیے ناظرین کو علامہ سرخسی رحمہ اللہ کی مبسوط جلد ۱۳ ص ۸ ملاحظہ فرمالینا چاہیئے، عبارت یہ ہے :۔

واذا عقد العقد علیٰ انہٗ الیٰ اجل کذا بکذا وبالنقد بکذا او قال الیٰ شهرٍ بکذا والیٰ شهرین بکذا او هو فاسد لانہٗ لم یعامله علیٰ ثمنٍ معلومٍ ولنهی النبیّ صلی الله علیه وسلم عن شرطین فی بیع وهٰذا هو تفسیر الشرطین فی بیعٍ۔

(ترجمہ) "جب عقد اس طرح کیا جائے کہ اجل پر قیمت اتنی ہے اور نقد پر اتنی یا ایک مہینہ کا اجل ہو تو قیمت اتنی اور دو ماہ کا اجل ہو تو قیمت اتنی، تو یہ عقد فاسد ہوگا اور فاسد اسلئے ہو گا کہ معاملہ میں ثمن معلوم نہ ہوسکا تردد میں چھیڑ دیا، اور اس لیے بھی فاسد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں شرطین سے منع فرمایا ہے اور شرطین فی بیع کے یہی معنی ہیں، (یعنی ثمن یا مبیعہ میں تردد)"

آپ نے دیکھا کہ اس صورت کے فساد کی وجہ علامہ سرخسیؒ نے تردد فی الثمن کو کہا ہے جو اصولِ بیع کے بھی خلاف ہے اور نصِ صریح کے بھی۔ علامہ سرخسیؒ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ صورت چونکہ ربوٰ النسیئۃ میں داخل ہے اس لیے فاسد ہے ـــــ اس پر بھی اگر اطمینان نہیں تو علامہ سرخسیؒ کی اس عبارت کے ساتھ متصل یہ صریح عبارت بھی پڑھ لیجئے، آپ فرماتے ہیں :۔

وهٰذا اذا افترقا علیٰ هٰذا فان کان یتراضیان بینهما ولم یتفرقا حتیٰ قاطعه علیٰ ثمنٍ معلومٍ واتمّا العقد فهو جائز لانهما ما افترقا الا بعد تمام شرط صحة العقد۔

(ترجمہ) "یعنی فساد اس صورت کا اس وقت ہے کہ جب بائع اور مشتری اسی متردّدانہ حالت میں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں، لیکن اگر وہ دونوں راضی ہو گئے اور جدا ہونے سے پہلے پہلے ثمن معلوم کر لیا اور عقد کو اتمام تک پہنچا دیا (یعنی ایک ہی صورت اجل والی یا نقد والی متعین کر لی) تو پھر یہ عقد جائز ہے کیونکہ اب بائع اور مشتری صحتِ عقد کی شرط کو پورا کر کے آپس میں جدا ہو گئے ہیں"

تو ایسی صورت میں نہ تو بیع کے عام اصول کی خلاف ورزی ہوتی کہ نہ ثمن مجہول ہے اور نہ مبیع

اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی خلاف ورزی ہوئی کیونکہ شرطین فی بیع کے معنی علامہ سرخسیؒ نے یہی بیان فرمائے کہ ثمن وغیرہ میں یہ تردد ہو یا یہ یا وہ، جیساکہ انہوں نے فرمایا وھٰذا ھوالشرطین فی بیع۔ اب آپ خود ہی فرمائیں کہ مولانا کی اس تاویل میں کتنی جان ہے کہ علامہ سرخسیؒ نے لوگوں کی عادت کا ذکر کیا ہے کہ جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

دوسری بات کہ مجوزین کے پاس کسی مجتہد کا قول بھی نہیں ہے (اس سے اتنا تو بہرحال معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کے نزدیک غیر مجتہد کے لیے (جیسے کہ ہم سب ہیں) مجتہد کا قول بھی دلیل شرعی ہے) تو اس کے لیے کتاب الاصل المعروف بالمبسوط کا صفحہ ۱۹ جلد ۵ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ واضح رہے کہ کتاب کی لوح پر یہ عبارت درج ہے اور جس میں غالباً کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

کتاب الاصل المعروف بالمبسوط

للامام الحافظ المجتہد الربانی ابی عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپؒ فرماتے ہیں: واذا باع الرجل بیعاً فقال ھو بالنسیئۃ بکذا وبالنقد بکذا کذا او قال الی اجل کذا بکذا۔ وکذا فافترقا علی ھٰذا فانہ لایجوز بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن شرطین فی بیع قال محمدؒ حدثنا بذٰلک ابوحنیفۃؒ رفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ــ "یعنی جب کوئی اس طرح بیع کرے کہ قرض پر اتنی قیمت ہے اور نقد پر اتنی یا ایک ماہ کی مدت پر اس کی قیمت یہ ہے اور دو ماہ کی مہلت پر قیمت وہ ہے اور پھر تردد کی حالت میں بائع اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں شرطین سے منع فرمایا ہے، یعنی ثمن وغیرہ کا تردد، جیساکہ شرح سرخسیؒ میں پہلے گذر چکا ہے۔"

کتاب الاصل کی یہ عبارت اس لیے نقل کی گئی ہے تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو کہ زیر بحث صورت کو جائز کہنے والوں کے پاس کسی مجتہد کا قول ہے یا نہیں۔ باقی رہے وہ بہت سے دلائل اور کثیر عبارتیں جو آپ نے اپنے مضمون میں تحریر فرمائی ہیں تو ان کی تفصیل میں گئے بغیر اتنا عرض ہے کہ مولانا کے خیال میں زیر بحث صورت ربٰوا بالنسیئۃ میں داخل ہے اور مجوزین کے نزدیک جن میں صاحب ھدایہ اور صاحب مبسوط (سرخسیؒ) اور خود مجتہد ربانی امام محمد شیبانیؒ شامل ہیں، یہ صورت ربٰوا النسیئۃ میں داخل نہیں ہے ورنہ اس کے عدم جواز کو صورت تردد تک محدود نہ رکھتے اور تعیین صورت یا نقد یا نسیہ پر جواز کا فتویٰ نہ دیتے اور صاف فرما دیتے کہ یہ صورت ربٰوا النسیئۃ کی ہے اس لیے حرام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اجل ایک وصف ہے اور وصف کا نہ کوئی عوض لیا جا سکتا ہے نہ دیا جا سکتا ہے

لیکن وصف مرغوب کی وجہ سے قیمت بڑھ سکتی ہے اور نامرغوب کی وجہ سے قیمت گھٹ جاتی ہے۔ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اصول بتادیا کہ جیّد ھا ورد یہا سواءُ. جید اور ردّی کا مقابلہ ہو بھی تو برابر برابر لینا ہوگا جودت کے عوض زیادتی نہ دے سکتے ہو نہ لے سکتے ہو، بہترین کھجور کے ایک سیر کے بدلہ میں معمولی کھجور کے دو سیر دینے سے منع فرمادیا کیونکہ اس میں سیر کے بدلے سیر آجاتا اور دوسرا سیر وصف جودت کے عوض میں لیا جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ لیکن خود ہی حیلہ کی یہ صورت بتلادی کہ ردّی کھجور کو کم قیمت پر بیچ ڈالو۔ بجائے ایک سیر کے دو سیر فروخت کر دو اور پھر بہتر کھجور کو زیادہ قیمت سے لے لو۔ تو کیا بہترین کھجور کی قیمت کا اضافہ اس وصف مرغوب کی وجہ سے نہیں ہوا۔ اس عقلی اور فطری بات کا انکار آخر کون کر سکتا ہے کہ مرغوب چیز کی قیمت بمقابلہ نامرغوب کے زیادہ ہوگی، اسکے باوجود یہ صورت جائز نہیں کہ ایک سیر بہتر کھجور کے بدلہ میں معمولی کھجور کا ایک سیر تو سیر کے مقابلہ میں ہو اور دوسرا سیر جودت کے مقابلہ میں ہو۔ اور اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ بہتر کھجور والے کو معمولی کھجور کا ایک سیر اور مثلاً ایک روپیہ بھی ساتھ دیدیا جائے کیونکہ اس صورت میں بیدِ روپیہ یا دوسرا سیر وصف کے عوض ثابت ہوگا اور وصف کا عوض لینا جائز نہیں حالانکہ بہتر کھجور کو عام کھجوروں کے نرخ سے زیادہ قیمت پر خریدنا بالکل جائز ہے حالانکہ یہاں بھی قیمت کی زیادتی وصف کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی اور وجہ سے۔ یہی معاملہ ہے اجل کا بھی ــــ کہ نفسِ اجل کا عوض لینا ناجائز ہے لیکن بوجہ اجل کے قیمت کا بڑھ جانا فطری اور عقلی بات ہے اور شریعت نے اس کو منع نہیں فرمایا، جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصف کے متعلق فرمایا کہ بہتر کھجور کو زیادہ قیمت سے خرید لیا کرو۔ اُسی کو فقہاء اسلام نے فرمایا ان الاجل لایقابلہ الثمن اور وان الثمن یزاد لاجل الاجل۔ نفس اجل پر عوض لینے کی وہی صورت ہے جو آپ کی عبارات میں بھی ہے اور جس کو ربوٰا النسیئۃ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ عقد ہوا اس پر کہ ایک ماہ کے بعد اس مبیعہ کا ایک روپیہ دے دوا اور جب مشتری نے ایک ماہ کے بعد روپیہ نہیں دیا تو بائع نے کہا کہ چلو دوسری پہلی پر دے دو لیکن چار آنے بڑھا کر، تو یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ اجل ہی کو بیچا گیا۔ لیکن اجل ایک وصف مرغوب ہے کہ مشتری کو فوری رقم نہیں دینی پڑتی اور آسانی سے اپنا کام چلا لیتا ہے، ہاں جنس اور قدر ایک ہونے کی صورت میں اس آسانی سے کام چلانے کا اعتبار نہیں کیونکہ اموال ربویہ ہیں اور نص کے خلاف اس لیے اس کی قیمت بڑھ گئی جیسے جید کھجور کی قیمت بوجہ جودت کے بڑھ گئی ــــ حالانکہ صرف جودت کا عوض نہ اپنی جنس سے دیا جا سکتا ہے نہ غیر جنس سے، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔

بہرحال فقہاء کرام حتیٰ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیر بحث صورت ربوٰ النسیئہ میں داخل نہیں بلکہ اس مسئلہ میں اب مولانا (طاسین صاحب) کے ہمخیال حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب مرحوم کا اسی مسئلہ پر ایک مضمون جنوری کے "حکمت قرآن" میں چھپ چکا ہے جس میں انہوں نے بہت سی وہی عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے جو کہ مولانا کے مضمون میں ہیں کہ سود سے اس بیع مؤجل کا فرق دو وجوں سے ہے کہ یہ دین پر اضافہ نہیں بلکہ شروع ہی سے ثمن مہنگا بتلا دینا ہے نیز مدت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس زیادتی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ پھر آگے دیکھا کہ یہ زیر بحث صورت اگرچہ عین ربوٰ تو نہیں مگر یہاں بھی ذہنیت وہی سود خوارانہ ہے، پھر کہتے ہیں کہ یہ مقصد اور مفاسد کے لحاظ سے ایک حرام حیلہ ہے یا اگر نرم الفاظ استعمال کئے جائیں تو مکروہ اور شریعت اسلامی کے اصل مزاج کے خلاف ایک حیلہ ہے۔ (اگر حضرت مفتی صاحب مرحوم بقید حیات ہوتے تو ان سے اسلام کے اصل مزاج اور غیر اصل مزاج کا فرق دریافت کیا جاتا) بہرحال مفتی صاحب کے نزدیک بھی ان عبارات سے مسئلہ زیر بحث یقینی طور پر ثابت نہیں کیونکہ ربوٰ النسیئہ اور اس صورت میں دو وجہوں سے فرق ہے، ربوٰ النسیئہ عین سود ہے جبکہ یہ عین سود نہیں اس کو حرام کہنے کی بجائے مکروہ کہنے کی گنجائش ہے۔

باقی رہی مولانا کی یہ جذباتی بات کہ اس سے مجبور لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ تو گذارش یہ ہے کہ اگر ضروریات زندگی کی بنیادی چیزیں مثلاً اشیاء خوردونوش، علاج و ادویات کی چیزیں ستر پوشی کا عام لباس حتیٰ کہ جانوروں کا چارہ اور گھاس وغیرہ کمیاب ہونے کی وجہ سے مہنگے داموں بیچی جائیں تو وہ یقیناً حرام اور عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ مگر اس میں نہ تو مؤجل اور معجل کا فرق ہے، اگر نقد کی صورت میں ایسا کرے تو بھی کبیرہ گناہ اور اجل کی صورت میں ایسا کرے تو بھی عذاب الٰہی کا مستحق، اور نہ بایں معنیٰ کہ وہ بیع ہی نہیں ہوتی، بیع ہو گئی، طے شدہ دام دینے پڑیں گے ہاں بوقت ضرورت حکومت تسعیر سے کام لے سکتی ہے اور اس کی مخالفت پر تعزیر کا حق بھی رکھتی ہے۔ مگر اس سے زیر بحث مسئلہ کو مطلقاً حرام اور سود کہنا یا بار بار قطعی حرام کہنا مناسب نہیں، اس سے یا تو تمام فقہاء مجوزین اور ان کے متبعین کی تجہیل لازم آتی ہے یا تفسیق، جو کسی طرح بھی اخلاف صالحین کے شایان شان نہیں، تجہیل اس لیے کہ یہ روایات اور عبارات عام معروف ہیں اور یقیناً مولانا صاحب کے پیش نظر ہوں گی اور تفسیق اس صورت میں کہ جان بوجھ کر ان سے چشم پوشی کی اور لوگوں کو غلط راستہ پر ڈالا اگر اخلاف اسی طرح بیباکی سے اسلاف کو بدنام کرتے رہے تو نفاذ اسلام و شریعت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے سے رہا۔ والامر بید اللہ۔ علاوہ ازیں یہ کاروبار، قرض پر مال خریدنا ہمیشہ مجبوری سے ہی نہیں ہوتا

بلکہ زیادہ تر صورتیں ایسی ہیں کہ کاروباری لوگ اپنا کاروبار بڑھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں تو ایسے میں ظاہر ہے کہ گناہ بھی نہیں، اسی طرح وہ اشیاء جو صرف عیاشی کے لیے خریدی جاتی ہیں یا زیادہ سہولت کے لیے ان کو گراں قیمت پر دینے میں بھی کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم

الحق کو بھیجنے میں کوئی حرج نہیں، باقی ان کا خیال تو ان کو ہی معلوم ہوگا، شاید تکمیلِ مضمون کے بعد کوئی تائید یا ترمیم و تردید لکھیں۔ بہتر ہے کہ "حکمتِ قرآن" لاہور کو بھی بھیجدیا جائے کیونکہ انہوں نے اس موضوع پر مختلف مقالات شائع کرنے کی پیشکش کی ہے۔

جواب از

مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

یہ مضمون درحقیقت حضرت مولانا محمد طاسین صاحب مدظلہ کے اس مضمون کا تجزیہ اور تفصیلی تجزیہ ہے جو مجلہ "الحق" کی جلد ۲۷ کے شمارہ ۴/۳ میں "اُدھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ قبل ازیں حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم کا وقیع مضمون بھی "الحق" کے حوالہ سے بطور جواب قارئین کرام کی نذر سے گذرا ہوگا جس میں کافی حد تک زیر بحث مسئلہ کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اول الذکر مضمون نگار کی اسلامی اور جدید معاشیات پر عمیق نظر اور متعلقہ فن میں وافر معلومات رکھنے سے کسی کو انکار نہیں، موصوف کا ملک کی اُن چند گنتی چُنی شخصیات میں شمار ہوتا ہے، جن کو اہلِ نظر جدید معاشی نظام میں اسلامی نظامِ معیشت کا وکیل سمجھتے ہیں۔ آپ کی علمی کاوشیں "مجلسِ علمی" میں ادبی اور ریسرچ و تحقیق کے میدان میں مسلّم ہیں، بایں ہمہ ممکن ہے کہ موصوف کی زیرِ بحث مسئلہ میں رائے وقتی مصلحت یا مروّجہ حالات و واقعات سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے موزوں ہو لیکن شرعی نقطۂ نظر سے موصوف کے اٹھائے ہوئے نکات قابلِ توجہ ہی نہیں بلکہ محلِ نظر بھی ہیں۔ موصوف کی رائے کہ "اُدھار کی صورت میں قیمت کی زیادتی حرام اور ناجائز ہے" کے تجزیہ سے قبل ہم قرآن وحدیث کے حوالہ سے مسئلہ کا ایک طائرانہ مطالعہ کر کے داخلی اور خارجی قرائن کی رُو سے اس کا جائزہ لیں گے لیکن اس سے قبل مسئلہ کا اجمالی تعارف بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ قارئین کرام کسی اُلجھن اور غلط فہمی کے شکار نہ ہوں۔

قدیم معاشرہ کے مطالعہ سے قطع نظر موجودہ معاشرہ کی ۹۸ فیصد آبادی ایسے معاشی مسائل میں

جکڑی ہوتی ہے کہ کوئی شخص اپنی ضرورت کی کسی چیز کو یکمشت نقد خریدنے کی [illegible] رکھتا ہو تو اپنی آمدنی اور قوتِ برداشت کو مدِ نظر رکھ کر ماہانہ یا سالانہ قسط وار خریدنے پر تیار ہوجاتا ہے، ظاہر ہے کہ بائع نقد گاہک یعنی یکمشت زرِ بیع ملنے کی صورت میں ادھار پر فروخت کرنے کے لیے بہت کم آمادہ ہوگا (معاملات میں تقویٰ اور دیانتداری کی بات اگرچہ اس سے الگ ہے) کیونکہ اُدھار کی صورت میں اس کی مالی منفعت لازمی طور پر متاثر ہوگی، اس لیے بائع کو اُدھار پر آمادہ کرنے کے لیے قیمتِ فروخت میں نقد کی نسبت سے کچھ زیادتی رکھی جاتی ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر نقد کی حالت میں اس چیز کی قیمت کھلی مارکیٹ میں ایک سو روپے ہو تو ادھار کی وجہ سے اس کی قیمت ایک سو بیس روپے تک پہنچ جاتی ہے، اب بائع کا ادھار کی وجہ سے قیمت میں بیس روپے کا اضافہ وصول کرنے یا مُشتری کے ایسے معاملہ کے ارتکاب کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ میرے ناقص خیال میں دوسرے عام فہم مسائل کی طرح اس کا جواب بھی نہایت آسان الفاظ میں دیا جاسکتا ہے لیکن موصوف کے علمی و تحقیقی مزاج اور باریک بینی نے اس کو ایک نظری اور پیچیدہ مسئلہ بنا دیا۔

آسان اور سہل ہونے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہم پاکستان میں اٹھانوے فیصد فقہ حنفی کے مقلّد ہیں، شاید ملک کے طول و عرض میں "تبحّر فی العلم" والے حضرات بہت کم تعداد میں ہوں لیکن مجتہدین فی الشرع، فی المذہب، فی المسائل کے رُتبہ تک پہنچنے والے تو درکنار اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح کے پایہ کا بھی کوئی شخص نظر نہیں آتا، ایسے علمی انحطاط کے حوالے سے ہمیں سیدنا امام ابوحنیفہؒ یا ان کے مذہب کے مسلّمہ قواعد و ضوابط کی رُو سے مسلک کے ذیلی مجتہدین میں سے کسی ایک کے فرمودات پر اعتماد کرتے ہوئے اصل مراجع یعنی آیتِ قرآنی یا حدیث کے مطالبہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ ایسے نازک مرحلہ پر طبقہ ثالثہ کے سرخیل علامہ سرخسیؒ یا طبقہ خامسہ کے نامور فقیہ صاحبِ ہدایہ (علامہ مرغینانیؒ) کے قول پر بغیر کسی تاویل اور حیل و حُجّت کے اعتماد کرنا ہمارا فریضۂ منصبی میں سے ہے۔

قدیم فقہی ذخائر میں کسی واضح جُزئیہ کے مُیسّر ہونے کے باوجود اصل مراجع یعنی قرآن و حدیث سے کسی دلیل کا مطالبہ کرنا درحقیقت مجتہدین کا کام ہے، اس لیے موصوف کا یہ تمہیدی بیان اکابرینِ اُمت کی رائے سے موافقت نہیں رکھتا کہ :-

"کسی معاملہ کے شرعی جواز و عدمِ جواز کے متعلق صرف اتنا کافی نہیں کہ فقہ و فتاویٰ کی فلاں کتاب میں فلاں فقیہ نے اس کو جائز یا ناجائز کہا اور لکھا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی اُس نص اور دلیل کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جس کی بنا پر اُس

فقیہ نے ایسا کہا اور لکھا ہے"۔ (ماہنامہ الحق ج ۷ ۲ شمارہ ۳ صٓ۲۱)

مقلّد کی ذمہ داری | میرے خیال میں مقلد کو تسلیم و رضا کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ورنہ شاید ایسے بے موقع لب کشائی سے اپنے مذہب و مسلک پر بدگمانی کا شکار ہو کر اس سے ہاتھ دھونا نہ پڑیں۔ بارہویں صدی کے نامور فقیہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ اصول افتاء کے ضمن میں اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فاقول ان هٰذا الشرط (اعنی لایحل ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا) کان فی زمانهم اما فی زماننا فیکتفی با لحفظ کما فی القنیة وغیرها فیحل الافتاء بقول بل یجب وان لم من این قال۔ (شرح عقود رسم المفتی صٓ۲۷ فلیس الا القول بالتفصیل)

(ترجمہ) "میرے خیال میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کہ "ہمارے قول پر اس وقت تک فتویٰ دینا جائز نہیں جب تک اصل مرجع معلوم نہ ہو" کا اشتراط ان کے اپنے دور میں تھا ہمارے وقت میں محض مذہب کی جزئیات پر فتویٰ دینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے اگرچہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ امام نے کس دلیل کی روشنی میں یہ بات کہی ہے"۔

مقلدین کو دلیل کا مطالبہ کرنا مقلدین کا کام نہیں بلکہ مجتہدین کا کام ہے، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:۔

ولاشك ان هٰذا خاص بالمفتی المجتهد دون المقلد المحض فان التقلید هو الاخذ بغیر معرفة دلیل۔ (شرح عقود رسم المفتی صٓ۲۷ فلیس الا القول بالتفصیل)

(ترجمہ) "اس میں کوئی شک نہیں کہ دلیل کا مطالبہ کرنا مجتہد کا کام ہے اور مقلد کے لئے تو بغیر دلیل کے مطالبہ کرنے کے صرف جزئیہ پر عمل کرنے سے اور کوئی چارہ نہیں"۔

دلیل کے مطالبہ کی حقیقت | کیونکہ دلیل کا یہ مطلب نہیں کہ متعلقہ مسئلہ میں صرف قرآن حکیم کی آیت یا حدیث کا اجمالی تذکرہ ہو، اور نہ ایسے شخص کے شکوک وشبہات کے ازالہ کے لیے اجمالی علم کارآمد ہے جو ابتداء ہی سے فقہی اقوال پر قناعت کا نظریہ نہ رکھتا ہو بلکہ دلیل کا مطالبہ کرتے وقت اس میں مذہب و مسلک کے قواعد وضوابط کی رُو سے طریقہ استدلال اور پھر داخلی و خارجی قرائن کے حوالہ سے پرکھنے کی صلاحیت ضروری ہے اور متعلقہ مسلک کے جملہ مسائل پر علم بھی ضروری ہے تاکہ سیاق وسباق کے حوالہ سے مسئلہ پر پورا علم رکھے، ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی علمی بصیرت اس معیار پر پہنچی ہوئی ہو تو تقلید کی جگہ یہ خود

مجتہد بننے کا حقدار ہے پھر اس کو تقلید کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہتی، جیسا کہ علامہ موصوفؒ مزید فرماتے ہیں:۔

لان معرفة الدليل انما تكون للمجتهد لتوقفها على معرفة سلامته من المعارض وهي متوقفة على استقراء الادلة كلها ولا يقدر على ذٰلك الا المجتهد اما مجرد معرفة ان المجتهد الفلاني اخذ الحكم الفلاني من الدليل الفلاني فلا فائدة فيها۔ (شرح عقود رسم المفتي ص۲۴ فليس الا القول بالتفصيل)

(ترجمہ) "دلیل کی پہچان مجتہد کا وظیفہ ہے کیونکہ اس کے لیے دلیل کے معارضہ سے محفوظ ہونے کا علم ضروری ہے جس کے لیے جملہ دلائل کا استقرا ضروری ہے اور اس پر مجتہد کے سوا اور کوئی قادر نہیں تاہم محض یہ جاننا کہ فلاں امام نے فلاں دلیل سے یہ حکم لیا ہے کسی خاص فائدہ کا حامل نہیں"۔

ہم تو مقلّد ہیں اور ہمارے لیے علامہ مرغینانیؒ یا علامہ سرخسیؒ کا جزئیہ تو درکنار بلکہ محض حضرت تھانویؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کی رائے بھی حرفِ آخر ہے، تقلید کے حوالہ سے ہم ان ائمہ کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہوئے اصل مراجع کی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن یہاں زیرِ بحث مسئلہ میں مولانا محترم اور آپ کے ہمنوا حضرات کی تسلّی کے لیے اپنے طالبعلمانہ مطالعہ کے حوالہ سے چند حوالہ جات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں تاکہ قارئین پر واضح ہو کہ فقہاء کا یہ مسئلہ ان کی ذاتی اختراع یا عندیہ نہیں بلکہ اس کی تائید میں منصوص واقعات، آیت اور حدیث بطور استناد کے موجود ہیں۔

زیرِ نظر مسئلہ میں قیمت میں زیادتی کی حقیقت

اس کی پوری حقیقت تو انشاءاللہ آئندہ صفحات میں موصوف کے مضمون کے تجزیہ کے بعد واضح ہو جائے گی کہ نقد کی نسبت سے ادھار میں یہ تفاوت کیا ادھار کا عوض ہے یا ادھار کی وجہ سے ہے، دونوں کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور دونوں کے درمیان مابہ الامتیاز کیا ہے؟ تاکہ منصوص حرام وناجائز کاروبار "ربٰو النسیئۃ" سے اس کا فرق ہو سکے۔ سرِ دست ہم یہ مقدمہ رکھ کر دلائل کی طرف قدم بڑھاتے ہیں کہ زیرِ نظر مسئلہ میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں یہ تفاوت اُدھار کا معاوضہ نہیں، حقیقت میں ایسا کبھی نہیں کہ زرِ بیع میں کچھ قیمت مبیعہ کی ہے اور کچھ قیمت اس اجل کی ہے تاکہ بوقتِ ضرورت کوئی ایک دوسرے سے الگ ہو سکے بلکہ معاشرتی اور واقعاتی نظائر و حالات کو مدِنظر رکھ نقد میں ادھار کی نسبت منافع، فوائد اور دوسری خوبیوں کی فراوانی کی وجہ سے

کچھ زیادتی آتی ہے"ہم آسانی کے لیے اسے یوں تعبیر کرسکتے ہیں کہ "ان الزیادۃ ھھنا لاجل الاجل لا لعوض الاجل" یعنی "یہاں پر زیادتی ادھار کی وجہ سے ہے ادھار کے عوض میں نہیں"۔
قرآن وحدیث میں اس کے متعدد نظائر پائے جاتے ہیں جس میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی آتی ہے بلکہ صحابۂ کرامؓ کے بعض واقعات عملی طور پر اس کے شاہد ہیں۔

قرآن سے استدلال

قرآن مجید کی "آیت المداینہ" پر سوچ وفکر کرنے سے شاید اس حقیقت شناسی کے لیے مواد مل سکے کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں تفاوت جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے:

"خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے مقررہ مدت تک کیے ہوئے عقدِ سَلَم کے معاملہ کو اپنی کتاب میں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ۔ (سورۃ البقرہ آیت ـــ) کی رو سے حلال قرار دے کر اجازت دی ہے" (تفسیر المظہری جلد۱ ص۴۱۲ سورۃ البقرہ)

اور حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں:

لا بأس بالطعام الموصوف بسعر معلوم الی اجل معلوم۔ (بخاری شریف ج۱ ص۳۰۰)
(ترجمہ) "مقررہ مدت تک مقررہ نرخ پر معلوم غلہ کے کاروبار میں کوئی حرج نہیں"۔

معلوم ہوا کہ آیت مداینہ بنیادی طور پر "عقدِ سَلَم" کے بارے میں ہے اور عقد سلم کی تعریف علماء نے یوں کی ہے: "بیع اجل بعاجل" (فتح القدیر جلد۶ ص۲۰۴ باب السلم)

اس اجمال کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی مشتری مقررہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے مثلاً کسی شخص کو ایک ہزار روپے دیکر یہ معاہدہ کرے کہ یہ رقم پیشگی وصول کرکے فلاں وقت مجھے گندم اس نرخ کے اعتبار سے دینے کے پابند رہوگے اور بائع بھی مقررہ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے رقم وصول کرکے معاہدہ قبول کرے تو اسے "عقدِ سلم" کہا جاتا ہے۔ خیر القرون کے دور سے لیکر آج تک بغیر کسی انکار کے یہ معاملات جائز اور مشروع ہیں۔ "عقدِ سلم" کی ماہیت پر غور وخوض کرنے کے بعد یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں کہ مشتری وقتی طور پر یکمشت زرِ سلم کی ادائیگی پر تیار رہ کر مہینوں تک مبیعہ کی وصولی کے لیے انتظار کس جذبہ کے تحت کرتا ہے؟ کیا اس کے لیے خیر خواہی اور ہمدردی کا کوئی حسین جذبہ کارفرما ہے؟ کبھی نہیں! اگر خیر خواہی کا جذبہ ہوتا تو قرضۂ حسنہ کی صورت میں بائع سے اس آڑے وقت میں تعاون کا ہاتھ بڑھا دیتا، متعدد شرائط کی رعایت کرکے پیشگی رقم دیکر مہینوں تک مبیعہ کی وصولی کا

انتظار کرنے سے بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس بارِ گراں کے تحمل کے عوض اس کو مقررہ وقت پر مبیعہ ارزاں قیمت پر میسر ہو کیونکہ عقدِ سلم میں مبیعہ بازار کی قیمت سے بائع کو عموماً سستا پڑتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحؒ عقدِ سلم کی مشروعیت میں اس فلسفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

انما ابیح علیٰ خلاف القیاس رفع حاجۃ الفقیر حالا عن نفقۃ عیالہ القادر علی المسلم فیہ مالا وحاجۃ المشتری الی الاستبیاح لعیالہ وھو بالسلم اسھل اذیکون المبیع فی السلم نازلا عن قیمتہ فی البیع غالباً۔ (التفسیر المظہری ج۔۱ ص۴۲۱ سورۃ البقرہ)

(ترجمہ) "عقدِ سلم خلاف القیاس ہونے کے باوجود اس وجہ سے جائز قرار دیا کہ اس میں بائع اپنی خستہ حالی میں بچوں کے لیے خرچہ کا بندوبست کرکے مستقبل میں اسکی ادائیگی پر قادر ہو کر عہدہ برآ ہو سکتا ہے جبکہ مشتری کو سلم میں فائدہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ عموماً عقدِ سلم میں قیمت مروجہ قیمت سے ارزاں ہوتی ہے۔"

معلوم ہوا کہ عقدِ سلم میں زرِ بیع کی پیشگی ادائیگی اور مبیعہ کی تاخیر سے قیمت کی مارکیٹ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی، عقدِ سلم میں ادھار یعنی نسیہ لازمی شرط ہے، اگر اس میں ادھار نہ ہو تو سلم کی حقیقت ختم ہو جائے گی، لہٰذا جب بیع عاجل بعاجل میں نسیہ اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں تفاوت کا آنا ممنوع نہیں، سود کے زمرہ میں نہیں آتا تو زیرِ نظر معاملہ یعنی ادھار میں جو بیع عاجل بعاجل کی مخصوص صورت میں قیمت کا تفاوت کیوں ممنوع قرار دیا جا رہا ہے، یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ عقدِ سلم خلاف القیاس وارد ہو کر اس پر دوسرا معاملہ قیاس نہیں کیا جاتا کیونکہ عقدِ سلم غیر موجود مبیعہ کی فروخت کے جواز کی حیثیت سے خلاف القیاس ہے نہ ہم اس پر کوئی قیاس کرتے ہیں بلکہ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نقد اور ادھار میں مبیعہ یا ثمن کا متاثر ہو کر کمی یا زیادتی کا آنا مشروع معاملہ ہے ربٰو بالنسیہ کے زمرہ میں نہیں آتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عملی واقعہ سے استدلال

نسیہ کی وجہ سے قیمت میں زیادتی آنے کے جواز کی نشاندہی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس کا تعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی زندگی سے ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں "باب شراء النبیؐ بالنسیئۃ" کے عنوان سے باب باندھ کر یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی طور پر نقد کی طرح بعض اوقات ادھار پر بھی ضروریاتِ زندگی خریدیں، اس باب میں امام بخاری رحؒ نے اس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت لاتی ہے جس میں

آپ فرماتی ہیں :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشتری طعاماً من یہودی الی اجل ورھنہ درعا من حدید ۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۱ باب الرھن عند الیھود وغیرھم)

(ترجمہ) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلّہ ادھار پر خریدا اور اپنا لوہے کا بنا ہوا ایک درع رہن میں رکھا۔"

امام بخاریؒ نے یہ روایت متعدد بار مختلف مسائل میں نقل کی ہے، اس لیے نسیہ پر معاملہ کا جواز ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ موصوف بھی اپنے مقالہ کی ابتدا میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"جہاں تک اُدھار و قرض پر کوئی چیز بیچنے اور خریدنے کا تعلق ہے قرآن وحدیث کی رُو سے قطعی طور پر جائز ہے، اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیت مداینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث پیش کر دینا کافی ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں سے ادھار پر ضرورت کی چیزیں لینے کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہ بعض ادائیگی کے وقت آپؐ نے بہتر طور پر ادائیگی فرمائی۔" (ماہنامہ الحق جلد ۲، شمارہ ۳ ص ۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جیسے دوسرے معاملات کے مطالعہ سے قطع نظر ہم یہودی سے مذکورہ معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں، ایک متعصب دشمنِ اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اور پھر اس کے بعد روزمرہ ضرورت آنے والی چیز "درع" کو رہن کرنے کے پسِ پردہ واقعات کے جائزہ سے جو صورت سامنے آتی ہے اس میں زیرِ نظر مسئلہ کے جواز کے لیے قوی مستدل موجود ہے۔ اس پسِ پردہ حقیقت کے جاننے کے لیے ہمیں اس واقعہ کا مطالعہ مدینہ منوّرہ کے معاشی حالات کو مدِ نظر رکھ کر کرنا ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں جب کسی چیز کی مانگ زیادہ ہو تو اس کا گاہک بھی زیادہ ہوتا ہے اور جب خریدار زیادہ ہوں تو اس چیز کے بدلنے کے مواقع وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں، ایسے وقت میں بائع ادھار کی نسبت سے نقد کو زیادہ ترجیح دیتا ہے الّا یہ کہ ادھار میں اگر کہیں مالی منفعت بہ نسبت نقد کے زیادہ ہو تو پھر وہ صوابدید پر فیصلہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ کے وقت مدینہ منوّرہ کی معاشی حالت کے حوالہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت مدینہ منوّرہ میں غلّہ کی بہت زیادہ ضرورت تھی، عموماً لوگوں کو بیرونی قافلوں کے آنے کا انتظار کرنا پڑتا تھا اور جب کسی قافلہ کے آنے کی خوشخبری سنائی جاتی تو بسا اوقات فاقہ زدہ معاشرہ کی حالت غیر ہو جاتی

اور اپنی جان کی خبر تک نہ رہتی ، چنانچہ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کو تجارتی قافلہ آنے کی خبر اُس وقت ملی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو صحابہ کرامؓ کثیر تعداد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے چھوڑ کر قافلہ کی طرف دوڑ پڑے جس پر سورۃ الجمعہ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں ۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں خرید و فروخت کی مارکیٹ پر یہودی چھائے ہوئے تھے وہ قافلہ والوں سے غلہ خرید کر بعد میں من مانی قیمت پر فروخت کرتے تھے ان کو نقد کا گاہک ایسی ضرورت کی اشیاء میں لازمی طور پر میسّر تھا، یہ لوگ نقد کی نسبت ادھار کو ترجیح کسی شوق کی وجہ سے نہیں دیتے تھے بلکہ مالی منفعت کی خاطر یہ لوگ ادھار کا معاملہ کرتے تھے، ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادھار کے معاملہ سے غالب گمان یہ ہے کہ نقد کی نسبت سے ادھار میں قیمت کا تفاوت لازمی طور پر اختیار کیا گیا ہو گا ورنہ نقد کے گاہک ملنے کے باوجود یہودی کو ادھار کا معاملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ مالی منفعت اور زیادہ قیمت کی وصولی کے سوا یہودی کے اس اقدام کے لیے اور کوئی دوسرا محرک نظر نہیں آتا ۔

اس میں اس کا احتمال بھی نہیں کہ یہودی نے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض احسان کے جذبہ سے حسنِ سلوک کر کے محض نقد کی قیمت پر بطور ادھار دیا ہو کیونکہ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا کے صریح ہونے کے باوجود یہودیوں جیسی متعصب قوم سے مسلمانوں کے ساتھ اور خاص کر حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہی، حسن سلوک اور مواسات کے جذبات کی توقع کرنا بے سود ہے ۔ بلکہ حدیث میں ورھنہ درعہ کے الفاظ سے بھی خیر خواہی کے جذبہ کی تردید ہو رہی ہے، آخر کار جب ہمدردی مقصود تھی آپؐ سے توثیق کے لیے رہن کا مطالبہ کیوں کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی درعہ بطور رہن رکھنے کے لیے کیسے تیار ہوئے جو آپؐ کی مجاہدانہ زندگی کی روزمرہ ضرورت تھی ۔

یہ ایسے امور ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں نسیہ کی صورت میں نقد کی نسبت سے قیمت زیادہ رکھی گئی ہو ۔

خیر القرون میں زیر بحث مسئلہ کا عملی ثبوت

مذکورہ شہادات کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں بھی ہمیں ایسا واضح، غیر مبہم اور

ٹھوس ثبوت ملتا ہے جس سے مسئلہ کی شرعی حیثیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے جواز میں صحابۂ کرامؓ کے دور میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور صحابۂ کرامؓ خود ایسے معاملات کرتے تھے، سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ کے واقعہ میں اس کی صریح دلیل موجود ہے۔ امام احمدؒ کی روایت میں کچھ اضافہ بھی ہے، لیکن صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سیدنا امام ابو حنیفہؒ کے واسطہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

ان امرأة قالت لعائشةؓ ان زيد بن ارقم باعني جاريته بثمانمائة درهم ثم اشتراها مني فقالت ابلغيه عني ان الله قد ابطل جهاده مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لم يتب۔ (فتح القدير ج ۶ ص ۷ باب البيع الفاسد)

(ترجمہ) ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے عرض کی کہ زید بن ارقمؓ نے مجھ پر ایک لونڈی آٹھ سو درہم میں فروخت کر کے دوبارہ چھ سو درہم میں خریدی حضرت عائشہؓ نے فرمایا میری طرف سے زید بن ارقمؓ کو یہ پیغام پہنچاؤ کہ اگر اس نے اپنے اس کئے ہوئے کام سے توبہ نہ کی تو اللہ تعالے اس کا وہ جہاد ضائع کر دے گا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں کیا ہے"۔

اگرچہ اس روایت میں نقد اور نسیہ (ادھار) کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن مسند احمد کی روایت میں اس پر یہ اضافہ آیا ہے:۔

اني بعت من زيد غلاما بثمانمائة درهم نسيئة واشتريته بستمائة نقد۔ (فتح القدير ج ۶ ص ۷ باب البيع الفاسد)

(ترجمہ) کہ میں نے اس سے آٹھ سو درہم ادھار پر غلام خرید کر چھ سو درہم نقد پر دوبارہ اس پر فروخت کیا ہے"۔

اس روایت کو دیکھ کر کسی کے ذہن میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہنا چاہیئے، کیونکہ زید بن ارقمؓ کے اس معاملہ میں نقد کی قیمت اگر چھ سو درہم ہے تو ادھار کی قیمت آٹھ سو درہم مقرر کی جا رہی ہے۔

شاید اس پر کسی کو شبہ ہو، ممکن ہے کہ یہ حضرت زید بن ارقمؓ کا انفرادی عمل ہو اور دوسرے صحابہؓ آپؓ سے اتفاق نہ رکھتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس پر مطلع ہو کر بہت سخت الفاظ میں پیغام بھیجا کہ اگر اس نے اپنے کیے ہوئے کام سے رجوع نہ کیا تو اس کا جہاد جیسا مبارک عمل بھی ضائع ہو جائے گا، گویا آپ نے یہ اقدام گناہ کبیرہ سمجھ کر دوسرے اعمال کے لیے مبطل قرار دیا۔

لیکن یہ شبہ بے بنیاد ہے کیونکہ یہاں پر حضرت زید بن ارقمؓ کے اس معاملہ میں دو چیزیں ہیں پہلی چیز یہ ہے کہ نقد اور اُدھار کی قیمت میں آپ نے تفاوت رکھا، دوسری چیز یہ ہے کہ آپ نے خود اپنے فروخت کئے ہوئے غلام یا لونڈی کو دوبارہ کم قیمت پر قبل نقد الثمن خرید کر بظاہر سُودی معاملہ کا ارتکاب کیا، حضرت عائشہؓ کے انکار کا تعلق اول الذکر مسئلہ سے نہیں بلکہ اتنی شدت سے انکار آپ نے دوسرے معاملہ کو مدنظر رکھ کر کیا، آپ نے اسے ربٰو کی ایک ذیلی شکل قرار دے کر اس پر ربٰو کی آیت تلاوت کی، پھر ربٰو کا تعلق بھی اوّل معاملہ سے نہیں تھا یعنی نسیہ میں اس چیز کی قیمت آٹھ سو روپے مقرر کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی، اگر صرف یہ عقد ہوتا تو اس پر انکار کی گنجائش نہ رہتی لیکن دوسرے معاملہ میں کہ اپنی ہی فروخت کی ہوئی چیز کو قبل نقص الثمن کم قیمت پر خریدنے میں سُودی عناصر نظر آرہے تھے اس لیے آپ نے انکار کیا اور پہلا معاملہ بھی اس اعتبار سے درست نہ رہا کہ دوسرے حرام معاملہ کی پوری عمارت اس پر مبنی ہوتی تھی، اس لیے حضرت عائشہؓ نے دونوں پر انکار کر کے فرمایا کہ بُری ہے وہ چیز جو تو نے خریدی اور فروخت کی۔ علامہ جلال الدین الخوارزمیؒ اس تفرقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

واتما ذمت البیع الاول وان کان جائزا عندھا لانھا صارت ذریعۃ الی البیع الثانی ھو موسوم بالفساد - (الکفایۃ علی الھدایۃ - فتح القدیر ج ۶ باب البیع الفاسد)

(ترجمہ) "آپ نے پہلی بیع کی مذمت بھی کی حالانکہ یہ آپ کے ہاں بھی جائز معاملہ تھا کیونکہ یہ دوسرے ناجائز اور فسادِ عقد کے لیے ذریعہ تھا۔"

یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں "بئس ما اشتریت واشتریت" بُری ہے وہ چیز جو تو نے خریدی اور فروخت کی"۔ عقدِ ثانی باعتبارِ وجود مؤخر ہونے کے باوجود آپ نے ذم کرتے ہوئے پہلے ذکر کیا کیونکہ بنیادی طور پر اس کی مذمت مقصود تھی۔

حضرت زید بن ارقمؓ کے اس تفاوت پر اقدام اور حضرت عائشہؓ کا اس تفاوت پر خاموشی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادھار کے معاملہ میں قیمت کا تفاوت خیر القرون کے معاشرہ میں بھی مروج تھا اس پر کوئی انکار نہیں کر رہے تھے اور نہ کسی نے اس کو "ربٰو النسیئۃ" میں شمار کیا۔

مختلف الجنس اشیاء کے تبادلہ میں تفاضل حقیقی و حکمی دونوں جائز ہیں

ازروئے شرع خرید و فروخت کا معاملہ عاقدین کی باہمی رضامندی پر مشتمل ہے لیکن اموال ربویہ میں ان پر چند پابندیاں عائد کی گئی ہیں "اشیاء ستہ" کا حدیث

سے جہاں دوسرے ائمہ نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق علّت نکال کر ربو کی شکلیں متعین کیں تو احناف نے "جنس وقدر" کی علّت نکالی، اس لیے جہاں کہیں دونوں علّتیں پائی جاتی ہیں وہاں پر احناف نے تفاضل حقیقی اور تفاضل حکمی (نسیہ) دونوں حرام قرار دیں، مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے پر گندم کے عوض گندم فروخت کرتا ہے تو ایک من کے بدلہ میں جیسا کہ دومن خریدنا حرام ہے، ایسا ہی تفاضل حکمی (کہ ایک چیز وصول کرکے دوسرے کی وصولی کے لیے مہلت دی جائے) بھی حرام ہے اور اگر کہیں جنس و قدر میں سے کوئی ایک علّت پائی جائے تو وہاں پر تفاضل حکمی تو حرام ہے لیکن تفاضل حقیقی میں کوئی حرج نہیں اسلئے کہ ایک من گندم کے عوض دومن مکئی لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں نسیہ حرام ہے، اور جہاں کہیں جنس وقدر دونوں نہ ہوں تو مختلف الجنس اشیاء میں "واذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم" کی رو سے تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں حلال ہیں۔

زیرِ نظر معاملہ میں ثمن اور مبیع دونوں مختلف جنس ہیں جن کے درمیان قدر بھی مشترک نہیں اس لیے تفاضل میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیئے، تاہم نسیہ اور نقد کے مابین تفاوت کا اعتبار کرنا عقد کی تکمیل کے بعد ثانوی امور ہیں جن کا عقد کے قوام سے کوئی تعلق نہیں۔

نقد و نسیہ کی قیمت میں تفاوت کا جواز ائمہ کا اختلافی مسئلہ ہے

ائمہ کرام کے درمیان زیرِ نظر مسئلہ میں اتفاق ہونے کی نشاندہی ایک دوسرے مسئلہ سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت زید بن ارقمؓ کی سابقہ روایت پیش کی جاتی ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اگر کوئی چیز نسیہ اور ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کرے اور پھر بغیر کسی ثمن کی ادائیگی کے دوبارہ اپنی فروخت کی ہوئی چیز بغیر کسی ثالث کے حائل ہونے کے نقد پر کم قیمت سے خریدے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ثالث کے حائل نہ ہونے کے بغیر بھی یہ عقد جائز ہے لیکن احناف کے نزدیک ثالث کے حائل ہونے کے بغیر یہ عقد ناجائز ہے تاہم اگر درمیان میں ثالث آجائے اور فروخت کرتے وقت نسیہ کی وجہ سے اس کی قیمت پانچسو روپے رکھی گئی تھی لیکن دوبارہ بائع نے نقد رقم دے کر اپنی فروخت کی ہوئی چیز کم قیمت یعنی چارسو روپے پر خریدی تو پھر شوافع کی طرح احناف کے نزدیک بھی جائز ہے ایسا ہی ثمن کی وصولی کے بعد جواز اتفاقی ہے۔ علامہ کمال ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وقید بقولہ قبل نقد الثمن لان ما بعدہ یجوز بالاجماع

باقل الثمن ۔ (فتح القدیر ج ۶ ص۶۸ باب البیع الفاسد)

(ترجمہ) "ثمن کی ادائیگی سے قبل مسئلہ کی تقیید سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر معاملہ بعد نقد الثمن کا ہو تو پھر بالاتفاق جائز ہے۔"

اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اصل قیمت کی زیادت میں جیسا کہ نقد میں زیادتی کا احتمال ہے تو "حالۃ او نسیئۃ" کے عموم سے نسیہ کا بھی احتمال ہے تو نسیہ میں زیادہ قیمت مقرر کرکے بعد میں کم قیمت نقد پر خرید نے سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مقالہ نگار کے اندازِ بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیرِ نظر مسئلہ فقہ حنفی میں شاید صرف ان دو کتابوں تک محدود ہے لیکن حقیقت میں یوں نہیں ہے بلکہ فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نے یہ مسئلہ علاؤ الدین الحصکفیؒ کی عبارت کی شرح میں "رد المحتار علی الدر المختار" جلد ۴ ص۱۵۸ پر، اور ابن نجیم المصریؒ نے البحر الرائق جلد ۶ ص۱۱۴ پر یہ مسئلہ ذکر کیا ہے، اگرچہ اکثر فقہاء نے جو علت بیان کی ہے وہ ایک نظر آتی ہے لیکن میرے خیال میں فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں سے شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس میں یہ مسئلہ نہ ہو۔ لیکن محض فقہی ذخائر سے عبارات کا نقل کرنا موصوف کے نزدیک کسی خاص فائدہ کا حامل نہیں اس لیے عبارات کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ زیرِ نظر مسئلہ کے عدم جواز کے بارے میں کسی ایک کتاب میں بھی کوئی صریح جزئیہ نہیں ملتا، اس لیے موصوف کو اپنے مؤقف کے اثبات کے لیے دوسرے جزئیات کا سہارا لینا پڑا، اگر یہ کہیں ناجائز ہوتا تو اتنے ضخیم فقہی ذخائر میں کہیں نہ کہیں اس پر تصریح ضرور ہوتی۔

موصوف کے مقالہ کا جائزہ

یہاں تک اصل مسئلہ کے جواز کے بارے میں بات ہو رہی تھی اب ہم ذرا آگے قدم بڑھاتے ہوئے موصوف کے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جن کی وجہ سے موجودہ معاملہ ناجائز اور حرام قرار دیا جا رہا ہے۔ دو قسطوں پر مشتمل مقالہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدم جواز کا نظریہ تین باتوں پر مبنی ہے:۔

(۱) ربٰوا النسیئۃ: آپ کے نزدیک زیرِ نظر مسئلہ "ربٰوا النسیئۃ" کی ایک ذیلی قسم ہے، کبریٰ تو مسلمات دین میں سے ہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے ربٰو کی جملہ قسمیں حرام ہیں، اس لیے یہ معاملہ بھی حرام ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کبریٰ کے تسلیم ہونے کی وجہ سے اس پر بحث کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن صغریٰ

ایک نظری مسئلہ ہونے کی وجہ سے کافی غور و خوض کا محتاج تھا اس لیے موصوف نے اس پر بڑی عرق ریزی سے کام کیا ہے، چنانچہ پہلی قسط کا ۴/۲ سے زائد حصہ اس پر مشتمل ہے، موصوف فرماتے ہیں :۔

"غرضیکہ قرآن کریم نے ربٰو النسیئۃ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا ان میں ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار مندرجہ ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریم ربٰو کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے"۔ (الحق ج ۲۷ ش ۳ ص ۲۳)

آپ نے ربٰو النسیئۃ کی حقیقت زید بن اسلمؓ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، قتادہؓ، اور عطاء بن ابی رباح جیسے بلند پایہ اکابرین کے حوالہ سے نقل کر کے یہ کوشش کی ہے کہ یہی حقیقتِ ربٰو زیر نظر مسئلہ میں بھی کارفرما ہے۔ پھر مزید وضاحت کے لیے آپ نے ابوبکر الجصاصؒ اور امام فخر الدین رازیؒ کے اقوال کا سہارا بھی لیا ہے جن میں ربٰو النسیئۃ کی حقیقت بیان ہوتی ہے، اس خیال کو مزید تقویت دیتے ہوئے موصوف نے ان اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے جو سود کی وجہ سے معاشرہ پر پڑتے ہیں، آپ کے خیال میں یہی زیر نظر معاملہ کے بھی اثرات ہیں۔

(۲) بیع باطل: موصوف نے جس دوسری حقیقت پر زیر نظر مسئلہ کے عدم جواز کی عمارت قائم کرنے کی کوشش کی ہے وہ بیع باطل کی تعریف ہے، آپ حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسن بصریؒ اور علامہ رشید رضا کے حوالہ سے بیع باطل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بعد ازاں مروجہ معاملہ پر یہی حقیقت منطبق کر کے فرماتے ہیں :۔

"آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے"۔

(الحق ج ۲۷ شمارہ ۴ ص ۳۶)

(۳) تیسری چیز جو موصوف اپنے موقف کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں وہ قرض میں کسی منفعت کی حرمت کا حکم ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کی روایت کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربٰو ہے"۔ موصوف اس روایت کے آخر میں فرماتے ہیں :۔

"بہر حال اس حدیث کی رو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز قرار پاتا ہے"۔ (الحق ج ۲۷ شمارہ ۴ ص ۳۶)

اس کے علاوہ موصوف کے مقالہ کے آخر میں ہدایہ اور مبسوط سرخسی کے واضح جزئیات سے جان چھڑانے کے لیے ایسی کمزور اور رکیک توجیہات کی گئی ہیں جو "توجیہ بما لا یرضیٰ قائلہ" کا مصداق ہے۔ ان توجیہات کی حقیقت، قوام وثبات یا ضعف وکمزوری کے لیے قارئین کرام حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم کے مقالہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ہم آئندہ موصوف کے ان تین نکات پر بحث کریں گے جو بزعم مقالہ نگار زیر نظر مسئلہ کی حرمت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

پہلی وجہ کی کمزوری

جہاں تک زیر نظر معاملہ کو "ربوٰ النسیۃ" کی قسم قرار دینے کی بات ہے تو ربوٰ کا دائرہ اتنا وسیع نہیں جو ادھار کے معاملہ کو بھی سمیٹ سکے، چند وجوہات کی وجہ سے ادھار کا معاملہ ربوٰ النسیۃ سے مختلف ہے۔

۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ "ربوا النسیہ" میں اجل کو باقاعدہ مستقل مبیعہ کی حیثیت سے اعتبار دیا جاتا ہے۔ موصوف کے مقالہ کے حوالے سے اکابرین امت سے اس کی جو حقیقت نقل کی گئی ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقررہ مدت کے خاتمہ پر دائن مدیون کے پاس جاکر کہہ دیتا کہ میری فلاں رقم جو تیرے ذمہ ہے وہ ادا کرو۔ اگر ابھی ادا نہیں کرتے ہو تو اتنی مدت کے بعد مجھے اس مدت کے عوض مقررہ رقم کے ساتھ مزید اتنی رقم دو گے۔ عروض کی طرح اجل کی کمی اور زیادتی کو دیکھ کر قیمت لگائی جاتی اجل میں مالیت وتقوم کی حقیقت معدوم ہونے کی وجہ سے دائن کو اصل رقم پر بغیر کسی معاوضہ کے زیادت دی جاتی۔ جس کو قرآن نے حرام قرار دیا۔ شیخ عبدالرحمن الجزیری ربوا کی تقسیم کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

وینقسم الی قسمین الاول ربوٰ النسیئۃ وھو ان تکون الزیادۃ المذکورۃ فی مقابلۃ تاخیر الدفع...... لا خلاف بین ائمۃ المسلمین فی تحریم ربوٰ النسیئۃ وھو کبیرۃ من الکبائر بلا نزاع۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۲ ص ۲۴۵ مباحث الربوٰ)

(ترجمہ) "ربوٰ کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم "ربوٰ النسیۃ" ہے، یہ وہ قسم ہے کہ جس میں مذکورہ زیادتی تاخیر سے دینے کے مقابلہ میں دی جاتی ہے..... اکابرین امت میں اس کی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں یہ بالاتفاق گناہ کبیرہ ہے۔"

یہی وہ حقیقت ہے جو مفسرین، محدثین، فقہاء اور دوسرے ارباب تحقیق کی تحریرات میں نظر آتی ہے شاید تعبیر میں کوئی مبالغہ نہ ہو کہ ہم اس سے یوں کہیں کہ یہ زیادتی اجل کا معاوضہ ہے۔
لیکن اس کے مقابلہ میں زیر نظر معاملہ میں یہ مفروضہ زیادتی معاوضہ کی حیثیت سے نظر نہیں

آتی ، نہ مقررہ میعاد کی کوئی قیمت مقرر کی جاتی اور نہ اس کو عاقدین مبیعہ کا کوئی جزء تسلیم کرتے ہیں تاکہ کسی وقت مقررہ قیمت؛ مبیعہ اور اجل پر تقسیم ہو سکے، یہی وجہ ہے کہ عام فقہاء اس زیادتی کیلئے بعوض الاجل کی جگہ "لاجل الاجل" کی علت ذکر کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔ ابن عابدینؒ اور ابن نجیم المصریؒ فرماتے ہیں: ویزاد فی الثمن لاجله۔ گویا دونوں کا بنیادی فرق یہی ٹھہرا کہ ادھار کے معاملہ میں زیادتی "لاجل الاجل" اور "ربوٰ النسیئۃ" میں زیادتی لعوض الاجل ہے، ایسے واضح فرق ہونے کے باوجود پھر بھی یہ معاملہ ربوٰ کی ذیلی قسم قرار دینا غلط فہمی یا سینہ زوری ہے۔ تاہم یہ فرق باریک ہے، شاید اس فرق کی مزید وضاحت ایک مثال سے ہو سکے مثلاً ایک شخص کراچی سے پشاور تک ریل گاڑی میں سفر کرتا ہے تو اصل کرایہ تین سو روپے ہے جو کسی بھی گاڑی میں اپنے لیے سیٹ مقررہ مسافت تک اس قیمت پر لے سکتا ہے، لیکن اسی گاڑی میں ائیر کنڈیشن سیٹ کا کرایہ پانچسو روپے لگایا جاتا ہے لہٰذا دونوں کرایوں کو مدنظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصل کرایہ تو تین سو روپے ہے لیکن مؤخر الذکر سیٹ کے کرایہ میں یہ اضافہ محض سہولیات اور مراعات کے اضافہ کی وجہ سے ہے یہ اضافہ کسی سہولت کا معاوضہ نہیں۔

ایسا ہی یہاں پر بھی معاملہ ہے کہ ادھار میں یہ زیادتی کسی اجل کا معاوضہ نہیں کہ اس کو حرام اور ممنوعہ معاملات میں شمار کیا جا سکے بلکہ یہ النقد خیر من النسیئۃ کو مدنظر رکھتے ہوئے مؤخر ادائیگی کی وجہ سے مقرر کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ نقد وصولی میں مشتری کو بروقت ادائیگی کی زحمت ہو لیکن بائع کو فائدہ ہوگا جبکہ تاخیر سے ادائیگی میں مشتری کو سہولت دی جاتی ہے اور بائع کے جذبات کو قابو میں رکھنے کے لیے قیمتِ فروخت نسبتاً زیادہ لگائی جاتی ہے تاکہ بائع بطیب خاطر ادائیگی کے لیے تیار رہے اور مشتری بھی اپنی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے خوشی سے وہ قیمت ادا کرے۔

دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ حرام معاملہ میں ایسی دو اشیاء کا تبادلہ ہے جن کی جنس اور قدر آپس میں متحد ہے۔ چونکہ دائن جب مدیون سے معاہدہ کے اختتام پر یہ کہتا ہے کہ اگر ابھی میرے پیسے مثلاً ایک ہزار روپے نہیں دیتے ہو تو چھ مہینوں کے بعد ایک ہزار کی جگہ پندرہ سو روپے دو گے گویا اس میں تبادلہ عرض اور ثمن کا نہیں رہا، چونکہ اختتام معاہدہ پر دائن کا حق مبیعہ نہیں رہتا بلکہ مبیعہ کی قیمت رہی تو تبادلہ رقم کا رقم سے آیا، ایسی حالت میں لازمی بات ہے کہ جنس اور قدر کی موجودگی میں تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں آئے جو کہ قطعی حرام ہے۔

لیکن زیرِ نظر معاملہ میں یہ صورت بالکل نہیں، یہاں پر تبادلہ مبیعہ اور ثمن کا ہے، اوّل ہی سے بائع اور مشتری کے درمیان ایجاب وقبول میں یہی قیمت منظور تنظر رکھی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں جہاں بیع مطلق کی تعریف صادق آتی ہو یعنی مبیعہ اور ثمن کا تبادلہ ہو تو تفاضل میں کوئی حرج نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ کہیں بائع اور مشتری کے درمیان نقد قیمت پر معاہدہ طے پائے اور بعد ازاں مشتری نقد ادائیگی سے قاصر ہو اور پھر کسی معاوضہ کی وجہ سے ثمن کی ادائیگی نہ کرے تو اس وقت یہ لازمی طور پر ربٰو النسیئۃ کے مترادف ہے کیونکہ نقد ادائیگی پر معاہدہ کے وقت بائع کا حق ابھی مقررہ ثمن کی مقدار میں متعین ہوا تو ابھی اجل کی وجہ سے زیادتی نہیں اس مقررہ حق کے مقابلہ میں ہے ہونا جائز ہے۔

دوسری وجہ کی کمزوری | جہاں تک موصوف کی دلیل کے دوسرے حصہ کا تعلق ہے تو یہ بھی شبہ سے خالی نہیں، یہ مشکل ہے کہ بیع باطل کی تعریف زیرِ نظر معاملہ پر صادق ہو۔ اس کے بطلان کے لیے ہم پہلے ایک مقدمہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ عقدِ بیع میں ایجاب وقبول کے بعد جب تک اس عقد کا فسخ ہو کر کسی دوسرے معاملہ کی تجدید نہ ہو تو کمی اور زیادتی کی نسبت اصل عقد کی طرف جائے گی۔ مثلاً بائع اور مشتری ایجاب وقبول کر کے معاہدہ کریں اور بعد ازاں بائع مقررہ مبیعہ کے ساتھ یا مشتری مقررہ قیمت سے کوئی زیادتی ادا کرے تو اس کی نسبت اصل عقد کی طرف کی جائے گی، چنانچہ استحقاق کی صورت میں یہ کمی اور زیادتی لازمی طور پر ظاہر ہوگی۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں :۔

ویجوز للمشتری ان یزید للبائع فی الثمن و یجوز للبائع ان یزید للمشتری فی المبیع و یجوز ان یحط عن الثمن ویتعلق الاستحقاق بجمیع ذٰلک فالزیادۃ والحط یلتحقاق باصل العقد عندنا۔ (الھدایۃ ج ۳ ص ۵۲ کتاب البیوع)

(ترجمہ) "مشتری کے لیے جائز ہے کہ وہ بائع کے لیے قیمت میں زیادتی کرے جبکہ بائع مشتری کو مبیعہ میں اضافہ کر سکتا ہے اور قیمت میں کمی بھی جائز ہے، استحقاق ان تمام سے متعلق ہوگا، پس کمی اور زیادتی ہمارے نزدیک اصل عقد سے ملحق ہوتی ہے"۔

اس قاعدہ پر چلتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زیرِ نظر معاملہ میں قیمت میں یہ زیادتی اصل مبیعہ کے عوض میں آتی ہے اگر قیمت نقد کی صورت میں کم ہو یا ادھار کی صورت میں زیادہ ہو ہر دو صورتوں میں مبیعہ کی قیمت سمجھی جائے گی۔ تو بیع باطل کی تعریف "مایؤخذ من الانسان بغیر عوض" یا "مالم یکن فی مقابلۃ

شئ حقیقی" مروجہ معاملہ پر کبھی صادق نہیں آتی، اس میں یہ کبھی نہیں ہوتا کہ بائع کو زیادتی بغیر عوض ملی بلکہ تمام قیمت مبیعہ کی ہے، اصل اور اضافہ دونوں کے درمیان ایسا شدید اتصال موجود ہے کہ دونوں کی دوسرے سے جدائی متصور نہیں، یہ کبھی نہیں کہا جاتا ہے کہ اس قیمت کا اتنا حصہ مبیعہ کا ہے اور اتنا حصہ درمیان میں اجل کا ہے، آخر کار "اجل" میں اتنی قوت کہاں ہے جس کو مبیعہ شمار کیا جا سکے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

لان الاجل فی نفسہ لیس بمال فلا یقابلہ شئ حقیقۃ اذا لم یشترط زیادۃ الثمن بمقابلۃ قصداً ویزاد فی الثمن لاجلہ اذا ذکر الاجل بمقابلۃ زیادۃ الثمن قصداً۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۱۵۸ باب المرابحۃ والتولیۃ)

(ترجمہ) "کیونکہ اجل بذاتِ خود کوئی مال نہیں، پس حقیقت میں جب ثمن کی زیادت قصداً اس کے عوض میں شمار نہیں کی گئی ہو تو کوئی چیز اس کا معاوضہ نہیں، البتہ قیمت میں زیادتی کی جا سکتی ہے جبکہ اجل زیادتِ ثمن کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہو۔"

بہر حال بیع باطل کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی اس لیے لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کی رو سے یہ ناجائز نہیں بلکہ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ کی رو سے جائز ہے، قسط وار ادائیگی کی صورت میں مشتری کی سہولت کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا بے جا نہیں کہ مشتری بیک وقت ادائیگی کے تحمل کے بوجھ سے چھٹکارا پا کر معمولی اضافہ برداشت کرنے پر لازمی طور پر خوش ہوگا ورنہ ممکن ہے کہ مشتری کو بیک وقت ادائیگی کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے کہیں مبیعہ کی خریداری سے محروم ہونا پڑے۔ اس لیے مشتری کی رضامندی نہ ہونے کا دعوٰی کرنا خلافِ واقع ہے، یہ الگ بات ہے کہ اگر بائع احسان سے کام لے کر کم قیمت پر مبیعہ فروخت کرنے پر تیار ہو تو اس سے مشتری کو خوشی حاصل ہوگی، لیکن اس سے مزید ایک خوشی کی اور صورت بھی ہے کہ بائع محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے مبیعہ بغیر کسی عوض کے مجاناً مشتری کے حوالہ کرے لیکن اس کو معاشرہ کا لازمی حصہ قرار دینا یا ہر ایک کو احسان کا پابند کرنا شریعت کے عادلانہ نظام سے متصادم ہے کیونکہ شریعت کسی پر ایسے اضافی بوجھ ڈالنے کے حق میں نہیں البتہ تقوٰی اور نیکی حاصل کرنے کے دروازے دونوں پر ہر وقت کھلے ہیں۔

تیسری وجہ کی کمزوری

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کہ "ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربٰو ہے" کا حکم بھی بظاہر اس معاملہ پر چسپاں کرنا

مشکل نظر آتا ہے، کیونکہ یہ حکم وہاں ہے جہاں قرض کی موجودگی میں دائن مدیون سے کسی مادی منفعت کا استفادہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم وہاں ہو سکتا ہے جہاں قرض کا معاملہ باعتبار وجود منفعت کے حصول سے مقدم ہو، لیکن یہاں پر معاملہ کی نوعیت اس سے مختلف ہے، یہ کبھی نہیں ہوتا کہ پہلے قرض دیکر پھر منفعت کا معاملہ کیا جائے، بلکہ اس معاملہ کی ہم یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی وجہ سے فائدہ یعنی مشتری کو رقم دینے میں سہولت کا فائدہ اور بائع کو قیمت میں مالی فائدہ آیا، گویا ظاہری انتفاع کا دائرہ ایسا بھی نہیں جو صرف دائن کی ذات تک محدود ہے بلکہ دائن اور مدیون دونوں اس فائدہ سے بہرہ ور ہو رہے ہیں تاہم کسی غیر واقعی اور امکانی احتمال شبہ انتفاع کی وجہ سے ممکن ہے اس عقد پر غیر مستحسن کا حکم لگایا جاتا ہے جو خواص کے دائرہ تک محدود رہتا ہے لیکن اس کو بالکل حرام اور ناجائز قرار دینے کا حکم دوسرے اصول سے بھی متصادم ہے ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ کی ۹۸ فیصد آبادی اس کاروبار میں مبتلا ہے اسے کسی جواز کے احتمال کے ہوتے ہوئے حرام کے کھاتے میں ڈالنا دانشمندی نہیں، جہاں کہیں جواز کا امکان ہو اور یہ احتمال کسی شرعی نص سے بظاہر متصادم نہ ہو تو جواز کے معاملہ کے لیے ایسے احتمال کو بنیاد بنانا اوفق بالروایت والدرایت ہے اگرچہ حرمت کے لیے دوسری جانب میں کوئی احتمال نظر آتا ہے، تاہم تقویٰ کا میدان اس سے الگ ہے جس کے لیے ایسے مشتبہات سے بچنا بھی کمال سمجھا جاتا ہے۔

باب السلم

(بیع سلم کے مسائل واحکام)

بیع سلم کی حقیقت

سوال: ایک کمپنی اپنی مصنوعات سیزن میں فروخت کرے تو ایک قیمت لگاتی ہے لیکن اگر کوئی شخص ان کو پیشگی رقم دے دے تو کمپنی اُسے خصوصی رعایت دیتی ہے اور مقررہ قیمت سے کم وصول کرکے حسب وعدہ اپنی مصنوعات اسے دیتی ہے، کیا کسی کمپنی یا فیکٹری کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی کمپنی کو پیشگی رقم دے کر مقررہ وقت پر رعائتی قیمت سے اس کی مصنوعات خریدنا عقد سلم کے حکم میں ہے، ایسا عقد اُس وقت جائز ہے جب اس میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں: ۱۔ جنس معلوم ہو ۲۔ نوع معلوم ہو ۳۔ صفت معلوم ہو ۴۔ قدر اور اندازہ معلوم ہو ۵۔ مدت معلوم ہو (کم از کم ایک ماہ ہو) ۶۔ راس المال معلوم ہو ۷۔ مطلوبہ چیز دینے کا مکان معلوم ہو ۸۔ جدائی سے قبل راس المال پر قبضہ ہو۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۵ ص۲۱۶)

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: السلم هو ...... شرعاً بیع آجلٍ وهوا لسلم فیه بعاجلٍ وهو راس المال۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۵ ص۲۰۹ باب السلم)[1]

مالدار کے لیے بیع سلم کی اجازت

سوال: کیا شریعتِ مطہرہ میں غنی کیلئے بیع سلم کی اجازت ہے یا یہ بیع صرف غرباء کے لیے خاص ہے؟

الجواب: عقد سلم کے جواز میں اگرچہ غرباء اور فقراء کی ضرورت بنیادی طور پر محرک اور سبب ہے لیکن ضرورت کی موجودگی ایک خفیہ معاملہ ہے جس پر ہر کسی کو مطلع ہونا مشکل ہے، اس لئے شریعت نے ایسی حالت میں بیع سلم میں شرائط کی موجودگی کو اعتبار دے کر غرباء اور امراء دونوں

---

[1] قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: معناه الشرعی بیع آجل بعاجل ..... وسیذکر المصنف شرائطه۔ (فتح القدیر ج۶ ص۲۰۴ باب السلم)

ومثله فی الهندیة ج۳ ص۱۷۸ باب السلم۔

کے لیے جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ سفر کی حالت میں مشقت اور تکلیف سے قطع نظر کرکے محض سفر کو مشقت کا قائم مقام قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة ابن الھمام رحمہ اللہ: ولما کان جوازہ للحاجة وھی باطنة انیط بامر ظاھر کما ھو المستمر فی قواعد الشرع کالسفر للمشقة ونحوہ وھو ذکر الاجل فلم یلتفت بعد ذٰلک الی کون المبیع معدوما عند المسلم الیہ حقیقة او موجودا قادرا ھو علیہ۔ (فتح القدیر ج۶ ص۲۱۸ باب السلم)[1]

کرنسی نوٹوں میں بیع سلم کی اجازت ہے

سوال:۔ ایک شخص نے کسی سے امریکی ڈالر وصول کرکے ان کے عوض میں پاکستانی کرنسی نوٹ دینے کی میعاد کرکے معاملہ طے کیا کہ تین ماہ بعد پاکستانی کرنسی نوٹ ادا کروں گا، کیا مذکورہ طریقہ سے معاملہ طے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کرنسی نوٹ چونکہ خلقی طور پر ثمن نہیں بلکہ عرف اور رواج کی وجہ سے ثمن کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں اس لیے ثمن عرفی بننے کے بعد اس میں کوئی قدر نہ رہی بلکہ عددِ متقارب کے حکم میں آکر عقدِ سلم کے جواز کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ پس اگر سلم کی شرائط کی رعایت کرکے کوئی شخص ایسا معاملہ کرے تو بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر سودخوری کے لیے یہ طریقہ اپنایا جائے تو پھر اس سے اجتناب بہتر رہے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: واما السلم فی الفلوس عدداً فجائز عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ وعند محمدؒ لا یجوز بناءً علی ان الفلوس اثمان عندہ فلا یجوز السلم فیھا کما لا یجوز السلم فی الدراھم والدنانیر وعندھما ثمنیتھا لیست بلازمة بل تحتمل الزوال لانھا ثبتت بالاصطلاح فتزول

---

[1] قال العلامة جلال الدین الخوارزمیؒ: قلنا شرعیتہ لرفع حاجة المفالیس والافلاس امر باطن لا یمکن الوقوف علیٰ حقیقتہ والشرع بنیٰ ھٰذہ الرخصة علی الحاجة ...... والبیع بالخسران دلیل الحاجة ونظیرہ اقامة السفر مقام المشقة اقامة النکاح مقام الماء فی النسب۔ (الکفایة فی ذیل فتح القدیر ج۶ ص۶۱۹ باب السلم، قادراً تحت قولہ: لوکان قادراً علی التسلیم لم یوجد المرخص)
ومثلہ فی العنایة علی ھامش فتح القدیر ج۶ ص۲۱۷ باب السلم۔

بالاصطلاح ۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۲۰۸ باب السلم، فصل: واما الذی یرجع الی المسلم فیه فانواع) ؎۱

بیع سلم میں تمام قیمت کی وصولی ضروری ہے

سوال:۔ بائع اور مشتری کے درمیان دو ہزار روپے پر دس من اناج کا عقد اس شرط پر ہوا کہ سولہ سو روپے حالاً ادا کرے گا جبکہ چار سو روپے دو ماہ بعد اناج وصول کرتے وقت ادا کرے گا، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیع سلم میں راس المال کا تعین اور عقدِ مجلس میں ادائیگی لازم ہے لہٰذا اگر رأس المال کے قبض کرنے سے قبل اگر طرفین جدا ہوئے تو یہ بیع درست نہ ہوگی، تاہم رأس المال کا جتنا حصہ ادا کیا گیا ہو اتنے میں ہی سلم جاری ہوگا، پس مذکورہ معاملہ میں بھی آٹھ من اناج میں بیع سلم درست ہوکر دو من میں باطل ہوگی، البتہ اگر مجلس برخواست کرنے سے قبل تمام رقم ادا کر دی جائے تو عقد جائز ہے۔

وفی الهندیة: السادس ان یکون مقبوضًا فی مجلس السلم سواء کان رأس المال دینا او عینا عند عامة العلماء استحسانا وسواء قبض فی اول المجلس او فی اٰخره لان الساعات المجلس لها حکم ساعة واحدة وکذا لو لم یقبض حتی قاما یمشیان فقبض قبل ان یفترقا بابدانهما جاز۔ اھ

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۷۹ الباب الثامن عشر فی السلم) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن نجیمؒ: ویصح فی العددی المتقارب کالبیض والجوز والفلس لانه عددی یمکن ضبطه فیصح السلم فیه وقیل لا یصح عند محمدؒ لانه ثمن مادام یروج وظاهر الروایة عن الکل الجواز۔

(البحر الرائق ج۶ ص۱۵۶ باب السلم)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۵ ص۲۱۰ باب السلم۔

؎۲ قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وبقی من الشروط قبض رأس المال ولو عینًا قبل الافتراق بابدانهما وان ناما او سارا فرسخا او اکثر۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله قبض رأس المال) فلو انتقض القبض بطل السلم۔ اھ

(رد المحتار ج۵ ص۲۱۶ کتاب البیوع۔ باب السلم)

وَمِثْلُهٗ فی الاختیار لتعلیل المختار ج۲ ص۳۴ باب السلم۔

جانوروں میں بیع سلم کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیوانات میں بیع سلم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حیوانات میں بیع سلم کا مسئلہ فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے، احناف کے نزدیک چونکہ بیع سلم کے لیے مبیعہ کا وزنی، کیلی یا عددیاتِ متقاربہ ہونا ضروری ہے اور حیوانات ان میں سے کسی بھی قسم میں داخل نہیں، اس لیے حنفیہ کے نزدیک حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ وھم یسلفون فی الثمر فقال من اسلف فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم۔ (جامع الترمذی ج۱ ص۲۳۵ باب ما جاء فی السلف فی الطعام والتمر)[1]

مالکانِ رسائل وجرائد کا خریداروں سے پیشگی قیمت لینا

سوال:- جناب مفتی صاحب! آجکل مذہبی اور غیر مذہبی رسائل وجرائد کے مالکان خریداروں سے سالانہ چندہ کی رقم پیشگی وصول کر لیتے ہیں جبکہ پورے سال کا رسالہ انہیں بعد میں وصول ہوتا ہے۔ تو کیا مالکان رسائل وجرائد کا پیشگی رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: رسائل وجرائد کی سالانہ رقم پیشگی لینے کا معاملہ بیع سلم کا معاملہ ہے جو شرعاً جائز ہے اس لیے کہ اس میں اصل معاملہ کاغذ کا ہوتا ہے اور وہ سال بھر بازار میں موجود رہتا ہے۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: السلم شرعاً بیع آجل وھو المسلم

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن السلف فی الحیوان، اخرجہ الحاکم فی المستدرک ج۲ ص۵۲ وقال صحیح الاسناد۔ (اعلاء السنن ج۱۴ ص۲۱۹ باب النہی عن السلف فی الحیوان)

ومثلہ فی ردّ المحتار ج۵ ص۲۱۱ باب السلم۔

فیہ بعاجل وھو راس المال ورکنہ رکن البیع حتی ینعقد بلفظ بیع فی الصحیح......
وشرطہ ای شروط صحتہ التی تذکر فی العقد سبعۃ بیان جنس کبر وتمر و
بیان نوع کمستقی او بعلی وصفتہ وقدر واجل و بیان قدر رأس المال اھ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص۲۱۴،۲ باب السلم) [1]

جوس کے کریٹوں میں بیع سلم کا حکم

سوال:۔ شربت اور جوس بنانے والی کمپنیوں کا اپنی مصنوعات فروخت کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کمپنی اپنے کسی ڈیلر کو عام ریٹ پر مثلاً ۶۲ روپے فی کریٹ دیتی ہے لیکن اگر ڈیلر کمپنی کو یہ رقم سیزن سے کچھ مدت پہلے ادا کردے تو کمپنی اسے ۵۲ روپے فی کریٹ دیدیتی ہے اس طرح سے ڈیلر کو دس روپے فی کریٹ بچت ہو جاتی ہے، یہ طریقہ خرید وفروخت میعاد مقرر اور غیر مقرر دونوں طرح کا ہوتا ہے، تو کیا یہ طریقہ بیع شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ بیع بیع سلم کے طریقے سے ہو تو شرائط سلم کی موجودگی میں بیع درست ہوگی، بیع سلم کی شرائط یہ ہیں: ۱ جنس معلوم ہو ۲ مال کی قسم معلوم ہو ۳ صفت معلوم ہو ۴ مقدار معلوم ہو ۵ مدت کا تعین ہو ۶ مبیع کے ادا کرنے کی جگہ مقرر ہو۔
(اشراق نوری شرح قدوری ص۱۳۴ باب السلم) اور اگر پیشگی کی یہ رقم کمپنی کو بطور قرض دی جاتی ہو تو بموجب حدیث کل قرض جرّ نفعاً فھو ربوٰا یہ سودی معاملہ ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وشرطہ ای شروط صحتہ التی تذکر فی العقد سبعۃ بیان جنس ونوع ..... وصفۃ ...... وقدر .... واجل واقلہ فی السلم شھر....... وبیان مکان الایفاء للمسلم فیہ الخ
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص۲۳۱ باب السلم)

---

[1] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: وھو ان یسلم عوضاً حاضراً فی عوض موصوف فی الذمۃ الی اجل.......... الثامن ان یکون جنس المسلم فیہ ای المبیع موجوداً فی الاسواق بنوعہ وصفتہ من وقت العقد الی حلول اجل التسلیم ولا یتوھم انقطاعہ عن ایدی الناس۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۴ ص۵۹۸،۶۰۸ المطلب الثانی تعریف السلم)

مسلّم فیہ ناپید ہو جائے تو..... | **سوال**:۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ بیع سلم کرے اور وقتِ معینہ سے قبل ہی وہ شے ناپید ہو جائے تو کیا مشتری اس کے بدلے کوئی اور چیز لے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ بیع سلم میں جب مسلم فیہ (جس کے بارے میں بیع ہوئی ہے) اگر مدتِ معینہ میں ناپید ہو جائے اور مسلم الیہ (بائع) ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ہے کہ وہ مسلم فیہ تک انتظار کرے یا اپنے پیسے واپس لے لے، اس کے بدلے میں دوسری چیز لینا شرعاً جائز نہیں، تاہم عقد ختم کرنے یعنی اپنی رقم واپس لینے کے بعد نئے سرے سے عقدِ بیع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولو انقطع بعد الاستحقاق خیر رب السلم بین انتظار وجودہ والفسخ واخذ رأس المال۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۴ ص۲۳۸ باب السلم)[1]

جانبین سے موزونی اشیاء میں بیع سَلَم جائز نہیں | **سوال**:۔ ایک آدمی نے چند بوری چینی ۸۱۰ روپے فی بوری کے حساب سے ایک شخص پر ۲½ ماہ کی میعاد پر فروخت کی اور اس سے وعدہ لیا کہ آپ اس وقت مجھے سرسول دیں گے، جبکہ معاہدہ کرتے وقت سرسول کی قیمت ۱۰۶ روپے فی من تھی، جب میعاد پوری ہوگئی تو سرسول کی قیمت تقریباً گیارہ سو روپے فی من تھی، اس پر اُس شخص نے سرسول دینے سے انکار کر دیا، بالآخر ۹۰۰ روپے فی من پر فیصلہ ہوا، تو اب یہ نفع یعنی ۲۹۰ روپے فی من لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ بظاہر بیع سَلَم کی یہ صورت ناجائز ہے لہٰذا فریقین اس عقد کو ختم کر کے اپنا اپنا مال یا اس کا مثل اگر عین مال موجود نہ ہو واپس لے لیں، اور اگر سَلَم کی تمام شرائط موجود بھی ہوں تب بھی چینی اور سرسوں میں سَلَم جائز نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں اس بیع پر بیع فاسد کا حکم جاری ہوگا کیونکہ یہ عقدِ ربوٰ ہے اور عقدِ ربوٰ بیع فاسد کے حکم میں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: من جملة صور البیع الفاسد

---

[1] وفی الهندیة: ولا یجوز ان یأخذ عوض رأس المال شیئاً من غیر جنسه فان اعطاه من جنس اجود منه او اردأ فی الصفة الخ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۸۶ الفصل الثالث فیما یتعلق بقبض رأس المال والمسلم فیه)

جملة العقود الربوية ۔ (رد المحتار علیٰ حاشیہ الدر المختار ج۴ ص۱۹۷ باب الربٰو)

وقال العلامة خالد الآتاسیؒ، ثم اعلم ان اسلام الموزون فی الموزون والمکیل فی الموزون لا یصح لوجود علی الربٰو او احدھما الخ ۔ (شرح المجلة ج۲ ص۳۸۶ باب السلم) [1]

چلغوزی میں بیع سلم کا حکم

سوال :- ہمارے علاقے (ایجنسی وزیرستان) میں لوگ چلغوزی کے دانوں میں بیع سلم کرتے ہیں، یہ چلغوزی پورے ملک کی مختلف مارکیٹوں میں سال کے بارہ مہینے ہر وقت ملتی ہے جبکہ ہمارے علاقے میں ابھی تک درختوں میں ہے، تو کیا ایسی چلغوزی میں بیع سلم جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ ظاہر ہے کہ بیع سلم اس جدید چلغوزی میں ہے جو ابھی تک درختوں پر ہے اور مارکیٹ میں ابھی نہیں پہنچی ہے اور مارکیٹ میں موجود بھی نہیں ہے اس لیے یہ بیع سلم درست نہیں۔

لما فی الهندية: السادس ان یکون المسلم فیه موجوداً من حین العقد الی حین المحل حتی لو کان منقطعا عند العقد موجوداً عند المحل وعلی العکس او منقطعاً فیما بین ذلك وھو موجودٌ عند العقد والمحل لایجوز کذا فی فتح القدیر وحد الوجود ان لا ینقطع من السوق وحد الانقطاع ان لا یوجد فی السوق وان کان یوجد فی البیوت ھٰکذا فی السراج الوهاج۔

(الفتاوی الهندية ج۳ ص۱۸۰ الباب الثامن عشر فی السَّلَمُ۔ الفصل الاول) [2]

---

[1] وفی الهندية: العاشران لایشمل البدلین احد وصفی علة ربا الفضل وھو القدر او الجنس وھٰذا مطرد الا فی الاثمان فانه یجوز اسلامھا فی الموزونات لحاجة الناس۔

(الفتاوی الهندية ج۳ ص۱۸۰، ۱۸۱ الباب الثامن عشر فی السَّلَم۔ الفصل الاول)

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ولا فی حنطة حدیثه قبل حدوثها لانها منقطعة فی الحال وکونها موجودة وقت العقد الی وقت المحل شرط فتح القدیر۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۴ ص۲۳ باب السلم)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۱۵۵ باب السلم۔

افیون میں بیع سلم جائز ہے

سوال :- ایک شخص مثلاً زید نے بکر سے کہا کہ مجھے ایک ہزار روپے دے دو، اس کے بدلے میں میں آئندہ سال فصل کے موقع پر ایک سیر افیون دیدوں گا، جبکہ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگلے سال افیون کی قیمت تین ہزار روپے فی سیر ہوگی، تو کیا یہ معاملہ سودی تو نہیں ہے یا جائز ہے؟

الجواب :- پہلے تو افیون کی بیع سے بلا ضرورت احتراز کرنا لازم ہے لیکن مال متقوم ہونے کی وجہ سے صورت مسئولہ میں جو عقد کیا گیا ہے یہ بیع سلم کی صورت ہے لہٰذا اگر بیع سلم کی تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو جائز ہے۔ آئندہ سال افیون کی قیمت کی کمی یا زیادتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: (السلم) هو .... بیع آجل .... بعاجل .... و رکنه رکن البیع .... ویصح فیما امکن ضبط صفته ومعرفة قدره کمکیل وموزون الخ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۲۲۶ باب السلم) [1]

کپڑے میں بیع سلم کا حکم

سوال :- اگر کوئی تاجر کسی فیکٹری کے مالک سے اس طرح معاملہ طے کرے کہ آئندہ سال گرمی کے موسم میں مجھے اتنے تھان کپڑا درکار ہوگا اور جملہ شرائط طے کرکے رقم فیکٹری کے مالک کے حوالے کردے تو کیا یہ سودا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئولہ بیع سلم کا مسئلہ ہے لہٰذا سودا طے کرتے وقت اگر اس کے جملہ اوصاف، مقدار، کپڑا کس چیز سے بنا ہوگا، وغیرہ کی وضاحت کردی جائے تو شرعاً یہ سودا جائز ہے۔

لما فی مجلة الاحکام: الکرباس والجوخ وامثالهما من المذروعات یلزم تعیین طولها وعرضها ورقتها ومن ای شئ نسج ومن نسج ای محل هی۔

{شرح المجلة لرستم باز ص۲۱۸ المادة ص۳۸۵
الفصل الثالث فی السلم}

---

[1] وفی الهندیة: ان یکون السلم فیه موجوداً من حین العقد الی حین المحل.... ان یکون السلم فیه مما یتعین بالتعیین۔ وهکذا شروط اُخر۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۳ ص۱۸۰ باب السلم)

کتاب
الربوٰ

يا ايها الذين امنوا لا

تاكلوا الربوا اضعافا

مضاعفة واتقوا الله تفلحون.

کتاب الرّبٰوا
(سُود کے احکام و مسائل)

سُود کی حقیقت

سوال: جناب مفتی صاحب! سود کی تعریف کیا ہے اور یہ کن کن چیزوں میں کن صورتوں میں پایا جاتا ہے؟

الجواب: قرض دار کو کچھ رقم ایک خاص مدت کے لیے اس شرط کے ساتھ دینا کہ واپس کرتے وقت اصل زر سے زائد دے گا، سُود کہلاتا ہے اور اسے اُدھار کا سود کہتے ہیں۔

لما قال الامام الجصاص الرازیؒ: ھو القرض المشروط فیہ الاجل وزیادۃ مال علی المستقرض۔ (الاحکام القرآن ج۱ ص۴۶۹ باب البیع)

ایک ربٰو معاملاتِ بیع و شراء کا ہے، حضور انورؐ نے اس بارے میں چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ آپس میں ان کا تبادلہ برابر ہونا چاہیئے، وہ چھ چیزیں سونا، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور اور انگور ہیں۔ ان اشیاء میں سُود کی علت عند الاحناف قدر (پیمانہ) اور جنس ہے، اگر جنس بدل جائے اور کوئی چیز وزنی اور کیلی نہ ہو تو پھر تبادلے میں کمی بیشی جائز ہے، اگر کسی بھی چیز کے اندر قدر اور جنس ہو تو تبادلہ کے وقت کمی یا زیادتی کی تو یہ سُود ہوگا، ان میں اُدھار کا معاملہ بھی سُود ہوگا۔ اگر سُود کی دونوں علتوں میں سے ایک علّت پائی جائے تو کمی بیشی جائز ہوگی لیکن اُدھار پھر بھی سُود کے زُمرہ میں آئے گا۔

قال الحصکفیؒ: الربا وشرعا فضل ولو حکماً فدخل ربا النسیۃ والبیوع الفاسدۃ فکلھا من الربوا خال عن العوض بمعیار شرعی وھو الکیل والوزن مشروط لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ وعلۃ القدر مع الجنس وان وجدا حرم الفضل والنساء وان وجد احدھما حل الفضل وحرم النساء۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۴ ص۱۷۶ باب الربوا) [1]

---

[1] لما فی الھندیۃ: وھو فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لا یقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال وھو محرم فی کل مکیل وموزون بیع مع جنسہ وعلتہ القدر والجنس وان وجد القدر والجنس حرم الفضل والنساء وان وجد احدھما وعدم الآخر حل الفضل وحرم النساء۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۳ ص۱۱۷ باب الربوا)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۱۲۴ باب الربوا۔

سُود سے بچنے کا حیلہ | سوال:۔ آجکل بینک لوگوں کو ٹریکٹر خرید کر دیتا ہے، پھر بینک نے ٹریکٹر کمپنی کو جتنی رقم ادا کی ہوتی ہے اُس رقم کو گاہک سے بمع سُود کے قسط وار وصول کرتا ہے، کیا اس سُود سے بچنے کا کوئی حیلہ ہے؟

الجواب:۔ (۱) اگر بینک کمپنی سے ٹریکٹر خرید کر خود آگے بیچتا ہے تو قسط وار زیادہ رقم قیمتِ خرید سے وصول کر سکتا ہے اور ثمن کی یہ زیادتی اُدھار کی وجہ سے ہے۔ جو کہ شرعاً مرخص ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: الا یریٰ انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔
(الھدایۃ ج۳ ص۷۴ باب الربوٰ)

(۲) اگر بینک گاہک کا وکیل بن کر ٹریکٹر اپنے مؤکل کو خرید شدہ قیمت سے زیادہ پر دیتا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ وکیل اپنے مؤکل کی شرائط کے مطابق چلے گا۔

لما قال العلامۃ الکاسانی رح: اذا قال لہ اشترلی جاریۃ بالف درھم فاشتری جاریۃ باکثر من الالف تلزم الوکیل دون الموکل لانہ خالف امر الموکل فیصیر مشتریاً لنفسہ۔
(بدائع الصنائع ج۶ ص۲۹ بیان فی حکم التوکیل)

(۳) بینک نے مثلاً گاہک کی طرف سے کمپنی کو ایک لاکھ روپے دے دیئے اور گاہک سے ڈیڑھ لاکھ وصول کرنا چاہتا ہے، ٹریکٹر گاہک نے کمپنی سے خرید لیا لیکن اب بینک کی رقم اس کے ذمہ قرض ہے، اور بینک زیادہ وصول کرنا چاہتا ہے، تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ بینک اپنے ایک لاکھ کے عوض گاہک سے زمین وغیرہ خرید کر اپنے قبضہ میں لے لے پھر اس زمین کو گاہک کے ہاتھ ڈیڑھ لاکھ میں فروخت کرے اور قسط وار ڈیڑھ لاکھ وصول کرتا رہے۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ: رجل لہ علیٰ آخر عشرۃ دراھم فاراد ان یؤجلھا الی السنۃ ویأخذ منہ ثلاثۃ عشر فالحیلۃ ان یشتری منہ بتلک العشرۃ متاعاً ویقبض المتاع منہ وقیمۃ المتاع عشرۃ ثم یبیع المتاع منہ بثلاثۃ عشر الیٰ سنۃ۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۲۶ باب الربوٰ) [1]

---

[1] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل لہ علیٰ آخر عشرۃ دراھم فاراد ان یؤجلھا الی سنۃ ویأخذ منہ ثلاثۃ عشر فالحیلۃ ان یشتری منہ بتلک العشرۃ متاعاً ویقبض المتاع منہ وقیمۃ المتاع عشرۃ ثم یبیع المتاع منہ بثلاثۃ عشر الی سنۃ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۲ ص۱۰۲ باب الربوٰ)

سُودی رقم کا مصرف | سوال:۔ بینک کی طرف سے منافع کی شکل میں ملنے والی سودی رقم کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اول تو بینک میں رقم رکھنے سے گریز ہی کرنا چاہیئے اور اگر مجبوراً حفاظت کی نیت سے رکھ دی جائے تو اس پر جو سود منافع کی صورت میں ملتا ہے وہ وہ بینک والوں کے لیے نہ چھوڑے بلکہ اُن سے لے کر غرباء اور فقراء پر بلا نیتِ ثواب صدقہ کردے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کما لو غصب عبداً وآجرہ فینقص فی ہٰذہ الاجارۃ .... وان استغلہ فنقصہ الاستغلال اواجرالمستعار ونقص ضمن النقصان وتصدق بما بقی من الغلۃ والاجرۃ۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ویؤمران یتصدق بہا لاستفادتہا ببدل خبیث وھوالتصرف فی مال الغیر۔ (الدرالمختار ورد المحتار ج ۶ ص ۱۸۸ کتاب الغصب)[1]

گڑ، گندم قرض پر دے کر واپسی کے وقت زیادتی کی شرط لگانا سُود ہے | سوال: ایک شخص نے کسی آدمی سے گڑ اور گندم ایک خاص پیمانہ کے مطابق خاص مدت کے لیے قرض لیا اور وقت معین پر واپسی کے ساتھ زیادتی کی شرط لگادی کہ قرض ادا کرتے وقت اتنی مقدار میں گڑ اور گندم ساتھ زیادہ بھی دوں گا، کیا اس طرح معاملہ کرنا ازروئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اشیاءِ ربویہ میں باہم قرض و اقراض جائز ہے لیکن واپسی کے وقت مساوات شرط ہے، گندم تو منصوص ہے، حدیث میں مساوات کی شرط ہے اور گڑ میں اس منصوص کی علت قدر اور جنس پائی جاتی ہے، لہٰذا گندم اور گڑ واپس کرتے وقت زیادتی کی شرط سُود ہے۔

---

[1] لما قال العلامۃ ابن البزاز رحمہ اللہ: ولو بلغ المال الخبیث نصاباً لایجب فیہ الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق۔ (البزازیۃ علی ہامش الھندیۃ ج ۴ ص ۸۶ کتاب الزکوٰۃ۔ الفصل الثانی فی المصرف)

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل یداً بید والفضل ربٰو وعد الاشیاء الستة۔

(الهداية ج۳ ص۷۷ باب الربٰوا) لہ

سُود پر قرضہ دینا ناجائز ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا سُود پر قرضہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سود پر قرضہ دینا شرعی طور پر قطعاً ممنوع اور حرام ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں، قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں صراحتاً اس کی ممانعت ہے، اس لیے سُود پر قرضہ دینا جائز نہیں ہے۔

لما قال اللہ تعالیٰ: احل اللہ البیع وحرم الربٰو۔ (سورة البقرة آیت ۲۷۵) ۲ہ

دَینِ مؤجل میں کمی کرکے معجل وصول کرنا حرام ہے

سوال:۔ ایک شخص کا دوسرے آدمی کے ذمہ پانچ ہزار روپے قرض تھا، مقروض نے اس میں کمی کا مطالبہ کیا، قرض خواہ نے کہا کہ دو ہزار روپے اس شرط پر کم کرکے معاف کرتا ہوں کہ بقایا تین ہزار روپے فوراً واپس کردو تو مقرض کا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرض خواہ کا مقروض کو اس شرط پر دو ہزار روپے معاف کرنا کہ بقایا تین ہزار روپے فوراً وصول کرے ناجائز ہے، عقد میں جو مدت مقرر کی گئی تھی یہ اس کا عوض ہے، دَینِ مؤجل کو معجل کر رہا ہے اور یہ حرام ہے۔

قال الامام الجصاص الرازی رحمہ اللہ: الرجل یکون علیہ الف درهم دَینٌ مؤجل

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: کل قرض جر نفعاً حرام اذا کان مشروطاً۔

(رد المحتار ج۵ ص۱۶۶ باب الربٰوا۔ مطلب کل قرض جر نفعاً حرام)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۲۵۴ باب الربٰوا۔

۲ہ وفی الهندیة: قال محمدؒ فی کتاب الصرف ان ابا حنیفةؒ کان یکرہ کل قرض جرّ منفعة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۳ ص۲۶۴ فصل فی الصرف)

ومثلہٗ فی الهداية ج۳ ص۱۳۱ کتاب الحوالة۔

فیصالحہ منہ علی خمس مائۃ حالۃ فلا یجوز۔ (الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۷) ؎۱

قرض دے کر نفع متعین کرنا ناجائز ہے

سوال:۔ ایک آدمی کو کاروبار کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی، کسی دوسرے آدمی نے کہا کہ اس شرط پر سرمایہ دوں گا کہ دس فیصد منافع مجھے ضرور دو گے، کیا اس شرط پر قرضہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روپے بطور قرض دے کر اس پر دس فیصد یا کوئی بھی فیصد منافع مقرر کرنا سود ہے جو کہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: کل قرض جرّ نفعاً حرام ای اذا کان مشروطاً کما علم مما نقلہ عن البحر۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ باب الربو۔ مطلب کل قرض جر نفعا حرام) ؎۱

مساوی حقوق کے وقت قرعہ اندازی سود نہیں

سوال:۔ چند آدمی ہر ماہ کچھ رقم جمع کرتے ہیں اور پھر قرعہ اندازی کے ذریعے جس کا نام نکل آتا ہے تو وہ جمع شدہ رقم لے لیتا ہے پھر ہر ماہ اپنے حصے کی رقم جمع کرتا رہتا ہے لیکن قرعہ اندازی سے اس کا نام نکل جاتا ہے، اس طرح باری باری قرعہ اندازی میں ہر ایک کا نام آتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ قرعہ اندازی سود ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چند افراد کا اس طرح ہر ماہ برابر برابر رقم جمع کر کے قرعہ اندازی کے

؎۱ قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: لو کانت لہٗ الف مؤجلۃ فصالحہ علی خمس مائۃ حالۃ لم یجز لان المعجل خیر من المؤجل وھو غیر مستحق بالعقد فیکون بازاء ما حطہ عنہ وذٰلک اعتیاض عن الاجل وھو حرام۔

(الھدایۃ ج ۳ ص ۲۵۱ باب الصلح فی الدَّین)

وَمِثْلُہٗ فی الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۷ کتاب الصلح۔

؎۲ قال العلامۃ قاضی ثناء اللہؒ: قولہ وحرّم الربٰو والمعنیٰ ان اللہ تعالیٰ حرم الزیادۃ فی القرض علی القدر المرفوع۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۹۹ سورۃ البقرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الاحکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۱۸۹ سورۃ البقرۃ۔

ذریعے کسی ایک کو دینا امدادِ باہمی اور قرض ہے اس میں تملک اور تملیک نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک شریک چاہتا ہے کہ اس بار جمع کی گئی رقم مجھے مل جائے، تو رفع نزاع اور خوش دلی کے لیے قرعہ اندازی کر لیتے ہیں، جہاں سب شرکاء کے حقوق مساوی ہوں وہاں طیبِ خاطر کے لیے قرعہ ڈالنا جائز ہوتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحؒ: ویکتب اسامیھم ویقرع لتطیب القلوب۔

(رد المحتار ج۵ ص۱۶۶ کتاب القسمۃ) ؎

مشتری کے ہاتھ مبیع نفع کی شرط پر بیچنے کا وعدہ سود نہیں

سوال:۔ زید بکر کو سود پر قرضہ دینا چاہتا تھا لیکن بکر نے انکار کر دیا، اس پر دونوں نے سود سے بچنے کے لیے ایک حیلہ سوچا، زید نے بکر سے کہا کہ میں تمہیں دو ہزار روپے دیتا ہوں آپ اس کا کپڑا خرید لیں اور آنے جانے کا خرچہ اور کرایہ بھی تمہیں دوں گا، مال اپنے قبضے میں لے لوں گا پھر ایک آنہ فی روپیہ نفع کے حساب سے ادھار پر آپ کے ہاتھ فروخت کر دوں گا، تو کیا سود سے بچنے کا یہ حیلہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سود سے بچنے کا مذکورہ حیلہ درست ہے، بکر زید کا وکیل بن کر مال خریدے اور زید کے حوالے کر دے پھر زید بکر کے ہاتھ دو ہزار کا کپڑا ایک آنہ فی روپیہ منافع کے حساب سے اُدھار پر فروخت کر دے تو یہ بیع صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں زید نفع پر اپنا مال بکر کے ہاتھ بیچ رہا ہے اگرچہ سودا ادھار ہے، اس میں کسی قسم کا سود نہیں، زید نے صرف ابتداءً بکر کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ مال آپ کے ہاتھ فروخت کر دوں گا، یہ بھی کوئی ناجائز بات نہیں۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: کل حیلۃ یحتال بھا الرجل یتخلص

؎ قال العلامۃ ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: لان القرعۃ یتعلق بھا حکم بل لتطییب النفوس ولورود السنۃ بھا ولان ذلک انفی للتھمۃ فکان سنۃ۔

(بدائع الصنائع ج۷ ص۱۹ کتاب القسمۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۸ ص۱۵۲ کتاب القسمۃ۔

بہا عن حرام او یتوصل بہا الیٰ حلال فہی حسنۃ ۔ (الاشباہ والنظائر ج۴ ص۳۱۹ کتاب الحیل) [۱]

سُودی رقم کے عوض سودی رقم دے کر ذمہ فارغ کرنا

سوال:۔ ایک آدمی کی بینک میں کچھ رقم تھی جس پر اس کا سود جمع ہو گیا، اب اس شخص نے اپنی کسی ضرورت کے لیے بینک سے کچھ رقم قرض لی، اس پر بھی بینک کا سُود آیا، کیا یہ شخص اپنا سود بینک کے سود کے عوض قبل القبض یا بعد القبض دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بینک میں رقم رکھنا دونوں طرف سے سودی معاملہ ہے، بینک میں رقم رکھنا یا بینک کی کسی کے ذمہ رقم دونوں قوی دَین ہیں، دونوں جب ایک دوسرے کو اپنا اپنا سود چھوڑ رہے ہیں تو یہ بیع مقاصہ اور سود سے نفع حاصل کرنا ہے، اس لیے سود کی حرمت کی وجہ سے یہ معاملہ بھی حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵) [۲]

شئ مرہونہ سے نفع کی شرط سُود ہے

سوال:۔ زید سے عمرو نے پانچسو روپے قرض لیے اور اپنی کچھ زمین زید کے پاس اس شرط پر گروی رکھی کہ زمین کی پیداوار میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے، شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر زید نے قرضہ اس شرط پر دیا ہے کہ شئ مرہونہ سے انتفاع لے گا تو یہ حرام ہے کیونکہ کل قرض جرّ نفعاً فھو ربوا کے حکم میں آئے گا۔ اذا کان مشروطاً

---

[۱] قال العلامۃ محمد خالد الاتاسی رحمہ اللہ: وکل حیلۃ یحتال بہا الرجل لیتخلص بہا عن حرام اولیتوصل بہا الیٰ حلال فہی حسنۃ۔

(شرح المجلۃ ج۲ ص۴۵۲ احکام الربوٰ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۶ ص۳۹۰ کتاب الحیل۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: کل قرض جرّ نفعاً حرام۔

(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۵ ص۱۶۶ باب الربوٰ)

وَمِثْلُہٗ فی الاحکام القرآن للجصاصؒ ج۲ ص۱۸۹ سورۃ البقرۃ۔

صار قرضاً فيه منفعة وهو ربوا والا فلا بأس، اگر نفع کی شرط نہ بھی لگائی ہو پھر بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۱۰، ۳۱۱ کتاب الرهن) [1]

اشتراکِ قدر (پیمانہ) کی صورت میں اُدھار تبادلہ ناجائز ہے

سوال:۔ ایک شخص کو مکئی کی ضرورت ہے اور وہ کسی زمیندار سے معاہدہ کے تحت خاص مقدار میں مکئی لیتا ہے، اس زمیندار سے یہ کہتا ہے کہ میں تین ماہ بعد اتنی مقدار میں اس کے بدلے میں گندم دوں گا، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ اس قسم کے اُدھار کا تبادلہ شرعاً جائز نہیں، اگرچہ مکئی اور گندم کی جنس مختلف ہے لیکن مکئی اور گندم دونوں کیلی ہیں یعنی پیمانہ سے یہ دونوں تولے جاتے ہیں، دو چیزوں کے تبادلہ میں جب جنس یا قدر میں اشتراک ہو تو تفاضل جائز ہے اور اُدھار ناجائز، اس کو ربا النسیئہ کہتے ہیں۔

قال العلامة الحصكفیؒ: وان وجد احدهما اى القدر وحده او الجنس وحده حل التفاضل وحرم النساء۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۱۹۹ باب الربوٰ) [2]

---

[1] قال الامام ابو بكر الجصاص الرازیؒ: قال ابو حنيفةؒ وابو يوسفؒ ومحمدؒ والحسن بن زيادؒ و زفرؒ لا يجوز للمرتهن الانتفاع بشئ من الرهن ولا للراهن ايضاً۔
(الاحکام القرآن ج ۱ ص ۵۳۱ باب ضمان الرهن)
ومِثْلُهٗ فی الاشباه والنظائر ج ۳ ص ۲۴۴ کتاب الرهن۔

[2] قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: والنساء فقط باحدهما اى وحرم التأخير لا الفضل بوجود القدر فقط او الجنس فقط۔
(البحر الرائق ج ۶ ص ۱۲۸ باب الربوٰ)
ومِثْلُهٗ فی الهداية ج ۳ ص ۷۹ باب الربوٰ۔

نفع کی شرط پر قرض رقم دینا سُود ہے

سوال:۔ ایک دوکاندار سے کسی گاہک نے کوئی چیز خریدنی چاہی جبکہ وہ چیز اس دوکاندار کے پاس نہ تھی اور اس نے گاہک سے کہا کہ مجھ سے یہ رقم لے کر خود اپنے لیے مطلوبہ چیز خرید لو لیکن میری رقم مجھے واپس کرتے وقت اصل زر کے ساتھ اتنا منافع بھی دینا ہوگا، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مذکورہ دوکاندار کا یہ فعل بعینہ ربوا کا معاملہ ہے کیونکہ گاہک کو قرض رقم دے کر واپسی کے لیے اپنی اصل رقم سے زیادتی کی شرط لگا رہا ہے جو کہ سُود ہے، دکاندار کو صرف اپنی قرض رقم واپس لینے کا حق ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: الذهب بالذهب مثلاً بمثل وزناً بوزنٍ یداً بیدٍ والفضل ربٰو۔ (الهدایة ج۳ ص۱۰۶ کتاب الصرف) [1]

اُدھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا سُود نہیں ہے

سوال:ایک دوکاندار ایک شے کی جو نقد قیمت لگاتا ہے جب اُسی شے کو اُدھار پر بیچتا ہے تو قیمت بڑھا دیتا ہے، کیا اس طرح کرنا سُود تو نہیں؟

الجواب:۔ کوئی چیز اُدھار پر بیچنے کی وجہ سے اس کی قیمت میں زیادتی جائز ہے اس لیے کہ اُدھار کے مقابلے میں نقد رقم کے فوائد اور منافع زیادہ ہیں، مثل مشہور ہے کہ "نو نقد اچھے تیرہ ادھار بُرے" اس لیے نقد اور ادھار سودے کی قیمت میں تفاوت رکھنا جائز ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: الا یری انه یزاد

---

[1] قال العلامة الزیلعی رحمه الله: اذا بیع جنس الاثمان بجنسه کالذهب بالذهب او الفضة بالفضة یشترط فیه التساوی والتقابض قبل الافتراق ولا یجوز التفاضل فیه۔

(تبیین الحقائق ج۴ ص۱۳۵ کتاب الصرف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۱۹۲ کتاب الصرف۔

فی الثمن لأجل الاجل - (الهدایۃ ج ۳ ص۷۶ باب المرابحۃ والتولیۃ) ؎۱

اشیاء ربویہ میں قرض کا معاملہ

سوال:- اشیاء ربویہ میں خرید و فروخت کے وقت برابری اور نقد کا معاملہ ہوتا ہے ادھار کا معاملہ ان میں صحیح نہیں ہوتا، اگر ایک آدمی کسی کو گندم قرض دے کر یہ کہے کہ تین ماہ بعد میری قرض گندم واپس کرنی ہو گی، ان اشیاء میں قرض کا معاملہ از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب:- اشیاء ربویہ میں خرید و فروخت کے معاملہ کے وقت کمی زیادتی اور اُدھار ناجائز ہے لیکن قرض کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ قرض تبرّع اور احسان ہے اس کا کچھ عوض نہیں ہوتا بلکہ مقررہ مدت کے بعد اس شے کا بدل واپس کیا جاتا ہے۔

قال العلامۃ ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: ان القرض تبرع الا یری انہ لا یقابلہ عوض للحال .... کان المستقرض انتفع بالعین مدۃ ثم رد عین ما قبض وان کان یرد بدلہ فی الحقیقۃ۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص۳۹۶ کتاب القرض)

قال الکاسانیؒ: فیختص جوازہ بما لہ مثل۔ (" " ص۳۹۵ ") ؎۲

الحاصل یہ کہ قرض مثلی اشیاء میں جائز ہے۔

نقد رقم کو قسط وار کر کے زیادہ وصول کرنا

سوال:- ایک آدمی نے اپنا ٹرک ایک شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور

؎۱ قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: ویزاد فی الثمن لاجلہ اذا ذکر الاجل بمقابلۃ زیادۃ الثمن قصداً فاعتبر مالاً فی المرابحۃ احترازاً عن شبہۃ الخیانۃ ولم یعتبر مالاً فی حق الرجوع عملاً بالحقیقۃ۔

(رد المحتار ج ۴ ص۱۷۷ باب الربوا)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۶ ص۱۱۵ باب المرابحۃ والتولیۃ۔

؎۲ وفی الھندیۃ: ویجوز القرض فیما ھو من ذوات الامثال کالمکیل والموزون والعددی المتقارب کالبیض۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۳ ص۲۰۱ باب فی القرض والاستقراض)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۴ ص۱۷۱ باب القرض۔

کچھ رقم نقد دے کر مشتری سے کہا کہ وہ بقایا رقم مبلغ تین ہزار روپے قسط وار ہر ماہ مجھے ادا کرتا رہے ، اسی دوران ٹرک کے مالک کو رقم کی ضرورت پڑ گئی تو اس نے کسی تیسرے شخص سے چالیس ہزار روپے نقد لے کر مشتری کو اس کے حوالہ کر دیا اور اسے یہ کہا کہ وہ ستر ہزار روپے قسط وار آپ کو ادا کرتا رہے گا ، یہ معاملہ شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب :- بائع کا مشتری کو اس طرح کسی تیسرے شخص کے حوالہ کرنا صحیح نہیں یہ بعینہٖ ربوٰا ہے کیونکہ اس صورت میں تیسرا شخص چالیس ہزار روپے نقد دے کر ستر ہزار قسط وار وصول کرے گا تیس ہزار روپے اس کو سود کے مل رہے ہیں ، اس لیے یہ معاملہ شرعاً ناجائز و حرام ہے ۔

قال اللہ تعالیٰ : أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵) [1]

مضاربت کا منافع سود نہیں

سوال :- میرے بھائی نے مجھ سے بیس ہزار روپے کاروبار کے لیے اس شرط پر لیے کہ اس پر جو منافع ہوگا اس کا نصف آپ کا اور نصف میرا ہوگا ، اس نے یہ بھی مجھ سے کہا کہ میں ہر ماہ حساب کتاب نہیں کر سکتا اس لیے اندازہ اور تحری سے حساب لگا کر منافع دے دیا کروں گا ، اس طرح وہ مجھے کبھی ۱۰۰ روپے اور کبھی ۳۰ روپے دیتا رہا اور اس میں کمی بیشی ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں ، کچھ عرصہ کے بعد مجھے تردد ہوا کہ یہ تو سود ہے اس لیے میں نے بھائی سے اس سلسلہ کو ختم کرنے کی بات کی ، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کا کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- یہ سودی معاملہ نہیں ہے بلکہ مضاربت کی ایک صورت ہے اور نفع کو تحری سے معلوم کرنا مفضی الی الجہالۃ نہیں ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے ، مضاربت میں ایسی شرط لگانا جو جہالت فی الربح کا باعث ہو نا جائز ہے ۔

کما نقل الشیخ علاؤ الدین بن محمد الحصکفی رحمہ اللہ من الجلالیۃ : کل شرط یوجب جہالۃ

---

[1] قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ : وقد نہی الرسول علیہ السلام عن قرض جرّ نفعاً ۔ (الہدایۃ ج۳ ص۱۳۱ کتاب الحوالۃ)
ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۴ ص۸۵ کتاب الحوالۃ ۔

فی الربح او یقطع الشرکة فیہ یفسدها والا بطل الشرط وصح العقد اعتبارًا بالوکالة اھ

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۴ ص۵۴۰ کتاب المضاربة) ؎۱

بینک ڈرافٹ کی شرعی حیثیت

سوال: آجکل لوگ بینک کے ذریعے ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجتے ہیں جس پر بینک والے بھیجی جانے والی رقم سے کچھ زیادہ وصول کرتے ہیں، کیا یہ سود ہے یا نہیں؟

الجواب: بینک کے ذریعے ڈرافٹ کی شکل میں رقم ارسال کرنا بینک کو قرض دینا ہے امانت نہیں، کیونکہ رقم بدلتی بھی ہے اور ضائع ہونے کی صورت میں بینک ذمہ دار بھی ہوتا ہے اس لیے زیادتی کی شرط سود ہے البتہ اس میں یہ تاویل کرنی ممکن ہے کہ زیادتی رقم کو کتابت اور فارم وغیرہ کی فیس قرار دیا جائے، اس طرح سفتجہ کی شکل بن جائے گی جس کو فقہاء کرام نے مکروہ کہا ہے، ابتلائے عام کی وجہ سے اس میں جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ پوری دنیا میں یہ طریقہ رائج ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "امداد الفتاویٰ" میں منی آرڈر کے بارہ میں یہی تحقیق کی ہے ؎۲

؎۱ وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: الرابع ان یکون الربح بینھما شائعًا کالنصف والثلث لاسھمًا معینا یقطع الشرکة کمائة درھم الخامس ان یکون نصیب کل منھما معلومًا فکل شرط یؤدی الی الجھالة الربح فھی فاسدة وما لا فلا۔ اھ

(البحر الرائق ج۷ ص۲۶۴ کتاب المضاربة)

ومثلہ فی الھندیة ج۴ ص۲۸۷ کتاب المضاربة - الفصل الاول۔

؎۲ قال العلامة اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ: منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے، ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے، اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لیے یہ تاویل کرکے جواز کا فتویٰ مناسب ہے۔

(امداد الفتاویٰ ج۳ ص۱۴۶ کتاب الربوٰا)

ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم پر منافع لینے کا حکم

سوال:۔ ڈاک خانہ میں جو رقم جمع کی جاتی ہے، سال بعد اس پر نفع ملتا ہے، اس نفع کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:۔ جس طرح بینک سے سود لینا منع ہے اسی طرح ڈاک خانہ میں جمع شدہ رقم پر منافع (سود) لینا بھی منع ہے، سود کی حقیقت جہاں بھی پائی جائے وہ حرام ہوگی۔

قال اللہ تعالیٰ: احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵) لہ

بیع محاقلہ ربٰو(سود) میں داخل ہے

سوال:۔ جو گیہوں ابھی بالیوں میں موجود ہو اس کو صاف کئے ہوئے گیہوں کے عوض فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جن چھ چیزوں کے تبادلہ میں برابری، نقد قیمت اور دست بدست ہونا ضروری ہے اُن میں گندم بھی داخل ہے، اس کے تبادلہ کے وقت جب جنس ایک ہو تو کمی بیشی یا ادھار سود شمار ہوگا، کھیت میں کھڑی گندم کی فصل کو صاف کی ہوئی گندم کے عوض فروخت کرنا بیع محاقلہ ہے جبکہ بیع محاقلہ ربٰو (سود) میں داخل ہے، اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: نہی عن المزابنۃ والمحاقلۃ فالمزابنۃ ما ذکرنا والمحاقلۃ بیع الحنطۃ فی سنبلھا بحنطۃ۔

(الھدایۃ ج۳ ص۵۶ باب بیع الفاسد) ۲ہ

لہ قال العلامۃ المرغینانیؒ: وقد نہی الرسول علیہ السلام عن قرضٍ جرّ نفعًا۔ (الھدایۃ ج۳ ص۱۳۱ کتاب الحوالۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۲۴۴ کتاب الحوالۃ۔

۲ہ قال العلامۃ ابن الھمامؒ: نہی رسول اللہ عن المزابنۃ والمحاقلۃ۔

(فتح القدیر ج۶ ص۵۳ باب بیع الفاسد)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۷۶ باب بیع الفاسد۔

پی ایل ایس (غیر سودی کھاتہ)

سوال:۔ آج کل لوگ بینکوں میں پی ایل ایس کے نام سے اکاؤنٹ کھولتے ہیں، کیا اس کھاتہ میں رقم جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بینکوں کے تمام معاملات سود سے منسلک ہیں، حکومت نے سود سے بچنے کے لیے نفع نقصان کے نام سے یہ شاخ کھولی ہے لیکن اس کا صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا مشکوک ہے، اگرچہ حکومت اور بینکوں کی انتظامیہ کا دعوٰی یہ ہے کہ اس میں سودی عنصر نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ پی ایل ایس میں بھی اکاؤنٹ نہ کھولا جائے، احتیاط اسی میں ہے اس لیے کہ سود بہت بڑا گناہ ہے، بشبہ سود اس میں ترک ہی بہتر ہے۔

لما اخرجه الامام ابوداؤدؒ: لما لعن رسول الله آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال وهوسواء۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۴۷۳ باب الربو) [1]

انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ آجکل پرائز بانڈز پر انعامات ملنے کا رواج عام ہے، کیا ایسا انعام لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: پرائز بانڈز (انعامی بانڈز) سود اور قمار (جوا) کی مثل ہیں، حکومت کے بجٹ میں جب بھی خسارہ ہوتا ہے تو اس کو پورا کرنے کے لیے مختلف حیلے بہانے اختیار کرتی ہے، انعامی بانڈز بھی حکومتی بجٹ کا خسارہ پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے، خرید شدہ بانڈز کی قیمت پر سود لگتا ہے اور جو سود بنتا ہے اس کو قرعہ اندازی کے ذریعے جوا بنا دیا جاتا ہے، چند افراد کے نام ہی قرعہ نکلتا ہے اور باقی فی الحال محروم رہ جاتے ہیں، لہٰذا سود اور قمار کی وجہ سے ان بانڈز کی خرید و فروخت اور ان پر نکلا ہوا

---

[1] کما ورد فی الحدیث: عن جابر رضی الله عنه قال لعن رسول الله (صلی الله علیه وسلم) اکل الرّبوٰا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه وقال وهو سواء۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷ باب الربوٰ)

ومِثْلُهٗ فی الترمذی ج ۱ ص ۲۲۹ باب ما جاء فی اکل الربوٰ، ابواب البیوع۔

انعام لینا شرعاً جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: (۱) اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔ (البقرۃ ۲۷۵)

(۲) اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ۔ (المائدۃ ۹۰) لہ

مروجہ کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں مساوات شرط ہے

سوال:۔ ایک ملک کی کرنسی یعنی نوٹوں کے تبادلہ میں کمی زیادتی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آجکل دُنیا میں رائج الوقت کرنسی نوٹوں کی حیثیت ثمنِ عرفی کی ہے جن کو ہم فلوس نافقہ کہہ سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ اس لئے ان کے ہاں ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ بھی کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔

لیکن امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، اس لیے کہ آجکل پوری دنیا میں کاغذی کرنسی کا رواج ہے، سونا چاندی بالکل مبیعہ ہو کر رہ گئی ہے، اگر اس کے تبادلہ میں تفاضل کی اجازت دے دی گئی تو سود کا دروازہ کھل جائے گا لہٰذا امام محمدؒ کے قول کے مطابق کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں تفاضل کو ناجائز قرار دینا چاہیئے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قولہ فلس بفلسین ھٰذا عندھما وقال محمدؒ لایجوز۔

(ردالمحتار ج۴ ص۱۱۸ باب الربٰو) ؎۲

دارالحرب میں کسی غیر مسلم سے سود لینا منع ہے

سوال:۔ کیا مسلمان کے لیے دارالحرب میں کسی غیر مسلم سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

لہ قال العلامۃ الجصاص الرازیؒ: ولا خلاف بین اھل العلم فی تحریم القمار وان المخاطرۃ من القمار۔ (الاحکام القرآن ج۱ ص۳۲۹ البقرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۳ ص۱۳۱ کتاب الحوالۃ۔

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: صح بیع الفلس بفلسین معینین عندھما وقال محمد لایجوز۔ (البحرالرائق ج۶ ص۱۳۱ باب الربٰو)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۳ ص۱۱۸ الباب الربٰو، الفصل السادس فی تفسیر الربٰو واحکامہ۔

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینے کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن سود کی حرمت کے بارے میں قرآن وحدیث میں نصوص مطلق ہیں، جس سے ہر جگہ سود کی حرمت معلوم ہوتی ہے، جمہور علماء اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دارالحرب میں کسی بھی غیر مسلم سے سود لینا حرام ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود نہ لیا جائے۔

قال الامام المرغینانیؒ: ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافاً لابی یوسفؒ والشافعیؒ۔ (الهداية ج۳ ص۸۲ باب الربوٰ) [1]

دارالاسلام میں کسی بھی غیر مسلم سے سود لینا جائز نہیں

سوال:۔ دارالاسلام میں جو غیر مسلم ذمی رہتے ہیں اور دیگر کفار جب مالِ تجارت وغیرہ لے کر کچھ عرصہ کے لیے آئیں تو اُن سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآن وحدیث میں مطلقاً سود کی حرمت مذکور ہے، اور فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ کسی ذمی غیر مسلم سے سود لینا منع ہے، اس لیے دارالاسلام میں کسی غیر مسلم سے سود لینا ناجائز ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: بخلاف المستأمن منهم لان ماله صار محظوراً بعقد الامان۔ (الهداية ج۳ ص۸۲ باب الربوٰ) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: ای لا ربا بینهما فی دار الحرب عندهما خلافاً لابی یوسفؒ۔
(البحر الرائق ج۶ ص۱۳۵ باب الربوٰ)

وقال العلامة الزیلعی رحمه الله: وقال ابو یوسفؒ والشافعیؒ لا یجوز لان المسلم التزم بالامان ان لا یتملك اموالهم الا بالعقد۔
(تبیین الحقائق ج۴ ص۹۷ باب الربوٰ)

[2] قال العلامة ابن الهمامؒ: بخلاف المستأمن منهم عندنا لان ماله صار محظوراً بالامان۔ (فتح القدیر ج۶ ص۱۷۸ باب الربوٰ)
ومثله فی تبیین الحقائق ج۴ ص۹۷ باب الربوٰ۔

تفسیر عبارت لا ربا بین المسلم و الحربی

سوال:۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں صراحتاً مذکور ہے: ولا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب میں غیر مسلموں سے سود لینا جائز ہے، برائے مہربانی اس عبارت کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ اوّل تو اس میں اختلاف ہے، جمہور علماء اور امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ اور پیش کردہ عبارت کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ دار الحرب میں مسلم اور غیر مسلم کے مابین سرے سے سود کا تحقق ہی نہیں ہوتا کیونکہ حربی کا مال مباح اُسے کسی بھی طریقے سے حاصل کیا جائے تو وہ جائز ہوتا ہے، اس لیے فقہاء کرام اس عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں: ولان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالاً مباحاً اذ لم یکن فیہ غدر۔ فقہاء کرام نے اس کے لیے لفظ جواز استعمال نہیں کیا، حدیث میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

قال العلامہ برھان الدین المرغینانیؒ: لا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔ (الھدایۃ ج۳ ص۸۷ باب الربوٰ) [1] یہاں بھی ربوٰ (سود) کی نفی ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ اور سود کا مسئلہ

سوال:۔ ہر سرکاری ملازم کی تنخواہ سے ہر ماہ حکومت تنخواہ کا کچھ حصہ وضع کرتی رہتی ہے ہے اسال کے بعد اس رقم پر سود لگتا ہے، اختتام ملازمت (ریٹائرمنٹ) پر حکومت یہ ساری جمع شدہ رقم ملازم کو مع سود کے ادا کر دیتی ہے، اس رقم کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حکومت کی طرف سے سرکاری ملازم کو جو رقم اختتام ملازمت کے وقت ملتی ہے وہ شرعاً سود نہیں کیونکہ سود دو آدمیوں کے مابین عقد ہوتا ہے جبکہ دونوں طرف سے مال ہو اور مال ان کا مملوک ہو، مسئلہ مذکورہ میں ملازم کی تنخواہ سے جو

---

[1] قال الامام ابن الھمامؒ: ولان مالھم مباح واطلاق النصوص فی مال محظور وانما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا لم یاخذ غدراً فبای طریق یاخذہ حل بعد کونہ برضا۔ (فتح القدیر ج۶ ص۱۷۸ باب الربوٰ)

ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۴ ص۹۷ باب الربوٰ۔

رقم کٹتی ہے وہ ملازم کی ملک نہیں ہوتی۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: قوله بل بالتعجيل او بشرطيه او بالاستفهاء او بالتمكن اى لا يملك الاجرة الا بواحد من هذه الاربعة۔ (البحر الرائق ج۷ ص۳۰۳) اس رقم پر ابھی مالک کا قبضہ نہیں ہوا اور نہ ہی اسکے وکیل نے قبضہ کیا ہے، اس کے تصرفات اس میں نافذ نہیں، ایسی رقم کے ساتھ حکومت کا معاملہ یکطرفہ ہے، اس جمع شدہ رقم کو اگر حکومت سود پر دے یا کوئی اور معاملہ کرے یا اس پر خود سود لگائے یہ سب یکطرفہ کاروائی ہے، اختتام ملازمت پر جب حکومت یہ رقم ملازم کو دے تو حکومت کی طرف سے اجرت ہی کہلائے گی، اس طرح یہ رقم اُجرت کا جُز متوجل ہوگی نہ کہ سود۔ [1]

جی پی فنڈ کی رقم حصول سے قبل کسی کمپنی یا بینک کو سود پر دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی سرکاری ملازم درخواست دے کر جی پی فنڈ کی رقم کٹتی کمپنی یا بینک کے حوالے کرکے اس پر سود حاصل کرے تو اس سودی رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ کوئی بھی سرکاری ملازم اگر درخواست دے کر اپنے جی پی فنڈ کی رقم کسی بینک یا بیمہ کمپنی کے حوالہ کر دے تو وہ کمپنی اس کی وکیل بن جائے گی، وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے لہٰذا کمپنی وکیل کے اعتبار سے جتنا سودی کاروبار کرے گی وہ ایسا ہوگا جیسے یہ خود اس میں ملوث ہے، کیونکہ ملازم نے با اختیار خود یہ رقم کمپنی کے حوالہ کی ہے، یہ سودی رقم دوبارہ حکومت کے خزانہ میں جاکر جمع ہوجاتی ہے، اختتام ملازمت پر جب یہ رقم ملازم کو ملے گی تو سودی رقم ہوگی اس کو وہ شرعاً اپنے مصرف میں نہیں لا سکتا۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: وقد نهى الرسول عليه السلام عن قرض جر نفعاً۔ (الهداية ج۳ ص۱۳۱ كتاب الحوالة) [2]

---

[1] قال الشيخ المفتى محمد شفيع الديوبنديؒ: جبری پراویڈنٹ فنڈ پر جو سود کے نام پر رقم ملتی ہے وہ شرعاً سود نہیں بلکہ اُجرت (تنخواہ) ہی کا ایک حصہ ہے۔ (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص۴)

وَمِثْلُهٗ فى امداد الفتاوى ج۳ ص۱۴۸ كتاب الربٰو۔

[2] قال الشيخ المفتى محمد شفيع الديوبنديؒ: اگر بینک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دے تو یہ شرعاً بھی سود ہوگا جس کا لینا ملازم کے لیے قطعاً حرام ہوگا۔

(پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص۲۶)

ملازم کی اجازت سے اس کی تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ کی کٹوتی کا حکم

سوال:۔ کوئی بھی سرکاری ملازم جب اپنی تنخواہ سے بلاجبر واکراہ اپنی مرضی سے کچھ رقم کٹوائے اور وہ جمع ہوتی جائے تو اختتامِ ملازمت (ریٹائرمنٹ) کے وقت اس جمع شدہ رقم کے ساتھ حکومت کی طرف سے جو مزید رقم دی جاتی ہے از روئے شرع اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اس صورت میں پراویڈنٹ فنڈ کے ساتھ حکومت کی طرف سے دی جانے والی مزید رقم تشبہ بالربوٰ ہے، اگرچہ ملازم اپنی اُجرت وصول کرنے سے قبل یہ رقم کٹواتا ہے لیکن پھر بھی اپنی اجرت میں تصرف ہے اور سود خوری کا ذریعہ بننے کا قوی احتمال ہے لہٰذا ایسی رقم سے اجتناب ہی کیا جائے خواہ محکمہ سے وصول کرے یا نہ کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: کل قرض جرّ نفعاً حرام اذا کان مشروطاً۔
(رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ باب الربوٰ۔ مطلب کل قرض جرّ نفعاً حرام)[1]

گاڑی دلوانے کے عوض اصل رقم سے زائد کا مطالبہ کرنا سود ہے

سوال:۔ آجکل ٹرانسپورٹ کے کاروبار میں یہ رواج ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اپنے پیسوں سے گاڑی خرید کر دیتا ہے اور اس سے یہ اقرار نامہ تحریر کراتا ہے کہ سال یا دو سال کے بعد دو لاکھ کی جگہ تین لاکھ دے گا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کاروبار کی مذکورہ صورت سودی ہے اسلئے کہ گاڑی خریدنے والا مشتری کا وکیل ہے اور گاڑی کی رقم مشتری کے ذمے قرض ہے جبکہ قرض پر منافع لینا شرعاً ربوٰ (سود) ہے البتہ یہ جائز ہے کہ پہلے گاڑی اپنے لیے خریدے اور پھر تین لاکھ روپے میں مشتری پر فروخت کر دے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کل قرضٍ جرّ نفعاً حرامٌ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ فصل فی القرض)[2]

---

[1] قال الشیخ المفتی محمد شفیع الدیوبندیؒ: پراویڈنٹ فنڈ میں رقم اپنے اختیار سے کٹوائی جائے تو اس میں تشبہ بالربوٰ بھی ہے اور ذریعہ سود بنا لینے کا خطرہ بھی ہے اسلئے اس سے اجتناب کیا جائے۔ (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص ۴)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۶ ص ۲۵۴ کتاب الحوالة۔

[2] قال الشیخ وھبة الزحیلی: القرض الذی جرّ منفعة قال الحنفیة فی الراجح عندھم کل قرضٍ جرّ نفعاً حرامٌ اذا کان مشروطاً۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۴ ص ۷۲۴ فصل فی القرض)

اِنعامی اسکیموں کا حکم

سوال :۔ کی انعامی سکیم یا دیگر انعامی ٹکٹوں کا کاروبار کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور اس میں ملنے والے انعام کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ اس قسم کی انعامی سکیموں پر جوئے کی تعریف صادق آتی ہے اسلئے کی انعامی سکیم یا دیگر کسی بھی قسم کی انعامی ٹکٹوں کا کاروبار شرعاً جائز نہیں اور اس سے ملنے والی انعامی رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ : اكتسب حراماً واشترى به..... تصدق بالربح والّا لا وهٰذا قياس وقال ابوبكر كلاهما سواء ولا يطيب له۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۴ ص۲۱۹ مطلب اذا اكتسب حراماً ثم كنار) ؎

غیر ملکی کرنسی کو اضافی قیمت پر خریدنا

سوال :۔ آجکل غیر ملکی کرنسی کی خرید وفروخت کا کاروبار عام ہے، تاجر لوگ غیر ملکی کرنسی کم قیمت پر خرید کر زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں، مثلاً سعودی ریال ۱۳ روپے میں خرید کر ۱۵ روپے میں فروخت کیا جاتا ہے۔ تو کیا اس طرح غیر ملکی کرنسی کی خرید و فروخت سود میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ سود متحقق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں اشیاء ایک ہی جنس سے ہو، اگر جنس مختلف ہو جائے تو ان میں تفاضل (یعنی) جائز ہے۔ موجودہ دور میں مختلف ممالک کی کرنسی مختلف الاجناس اشیاء میں داخل ہے، اس لیے ان کی خرید و فروخت میں کمی بیشی جائز ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ایک سعودی ریال ۱۳ روپے میں خرید کر ۱۵ روپے میں فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابوالحسن القدوریؒ : فاذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم اليه حل التفاضل والنساء واذا وجد حرم التفاضل والنساء واذا وجد احدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء۔ (مختصر القدوری على صدر اللباب ج ۱ ص۱۲۱ باب الربوٰ)

؎ وفي الهندية: كان المال بمقابلة المعصية فكان الأخذ معصية والسبيل في المعاصي ردها وذلك ههنا برد المأخوذ ان تمكن من رده بان عرف صاحبه وبالتصدق به ان لم يعرفه۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص۳۴۹ الباب الخامس عشر في الكسب۔ كتاب الكراهية)

بینک کی تعمیر کے لیے زمین دینا

سوال: بینک بنانے کے لیے اپنی مملوکہ زمین حکومت کو قیمتاً دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حکومت کو بینک بنانے کے لیے زمین دینے سے اجتناب کرنا چاہیئے، کیونکہ زمین دینے والے کو زمین کے عوض سود سے حاصل شدہ رقم ملے گی۔ اور دوسرا یہ کہ بینک کا موجودہ نظام اندرون ملک و بیرونِ ملک بڑے بڑے سودی کاروباروں میں پھنسا ہوا ہے جبکہ زمین دینے کی صورت میں اعانت علی المعصیت لازم ہے، پس جس طرح سود سے اجتناب ضروری ہے اسی طرح سودی نظام کو سہارا دینا بھی مناسب نہیں۔ اس بناء پر حکومت کو بینک کے لیے زمین دینے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما قال الله تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (سورۃ المائدۃ آیت ۲) [1]

پرانے کرنسی نوٹ نئے نوٹوں کے ساتھ کم قیمت پر تبدیل کرنا

سوال: پرانے کرنسی نوٹوں کی تبدیلی کے لئے طریقۂ کار یہ ہے کہ جب کوئی شخص پھٹے پرانے نوٹ نئے نوٹوں سے تبدیل کرنا چاہتا ہے تو بینک اس سے کچھ کٹوتی کرتا ہے۔ مثلاً سو روپے کے پھٹے پرانے نوٹ کے بدلے میں نئے نوٹ پانچ یا دس روپے کم ملتے ہیں۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: مروّجہ کرنسی کی حیثیت فلوس نافقہ کی ہے اس میں صفت ثمنیت عرف کی وجہ سے آئی ہے۔ فلوس نافقہ کی باہمی تفاضل کے ساتھ بیچنے میں احناف کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے ہاں ان کی باہمی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے۔ جبکہ امام محمدؒ کے ہاں جائز نہیں۔ اگرچہ عموی طور پر ربا (سود) سے بچنے کے لئے فی زماننا امام محمدؒ کا قول مفتی بہ ہے مگر پھٹے پرانے نوٹوں کا بینک کے ساتھ تبادلے میں کافی پیچیدگیاں ہیں۔

---

[1] قال العلامۃ سلطان بن علی القاری رحمہ اللہ: عن جابرؓ قال لعن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربٰوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ قال النواوی فیہ تصریح بتحریم کتابۃ المترابیین والشہادۃ علیھما وبتحریم الاعانۃ علی الباطل وقال ھم سواء۔

(المرقاۃ ج۶ ص۵۹ باب الربٰوا۔ الفصل الاول)

ومثلہٗ فی الجامع الصغیر ص۴۲۹ باب الربٰو۔

لہٰذا ان پیچیدگیوں کی وجہ سے شیخین کے فتویٰ کی بنا پر پھٹے پرانے نوٹوں کو نئے نوٹوں کے ساتھ کمی بیشی پر تبدیل کرنا جائز ہے۔

كما قال العلامة مرغيناني: "ويجوز بيع الفلس بالفلسين بأعيانهما عند ابي حنيفة وابي يوسف وقال محمد لا يجوز الخ" (الهداية على البناية ۱۰/۱۷۶ كتاب البيوع - باب الربا)

زمین کا زمین سے تبادلہ جائز ہے

سوال: ایک شخص اپنی زمین کا مخصوص حصہ دوسرے شخص کو زمین کی معینہ مقدار کے عوض دیتا ہے تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب: اموالِ ربویہ میں زیادتی اس وقت حرام ہے جب جنس اور قدر ایک ہو ورنہ کسی ایک کی موجودگی میں تفاضل جائز ہے لہٰذا زمین کا زمین کے عوض فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: سئل فيما اذا كان لزيد قطعة ارض جارية في ملكه فباعه من عمرو بقطعة ارض مثلها بيع مقائضة بيعاً باتاً شرعياً مسلماً لدى بينة شرعية فهل صح البيع المزبور - الجواب نعم۔

(تنقيح الفتاوى الحامدية ج ۱ ص ۲۶۳ كتاب البيوع) [1]

گندم اور مکئی کا تبادلہ

سوال: گندم اور مکئی کا تبادلہ کبھی برابر اور کبھی کبھار کمی بیشی سے کیا جاتا ہے، اسی طرح کبھی دست بدست اور کبھی اُدھار سے معاملہ طے ہوجاتا ہے، کیا اس طریقہ سے گندم اور مکئی کا تبادلہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: گندم اور مکئی کا تبادلہ اگر دست بدست ہو تو جائز ہے خواہ ایک کم اور دوسرا زیادہ کیوں نہ ہو لیکن اُدھار درست طریقہ نہیں کیونکہ دونوں قدر میں متحد اور جنس میں مختلف ہیں اس لیے ادھار پر بیچنے سے اجتناب کیا جائے۔

---

[1] قال محمد خالد الاتاسيؒ: بيع المقايضة بيع العين بالعين اى مبادلة مالٍ بمال غير النقدين ثم ان اتفقا جنساً وقدراً اشترط لصحتها تساوى البدلين وتعينهما۔

(شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۲۲ ج ۲ ص ۱۲)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۶ ص ۱۲۸ تحت قوله والنساء فقط بادراهما۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ : واذا عدم الوصفان الجنس والمعنی المضموم الیہ حل التفاضل والنساء لعدم العلۃ المحرمۃ والاصل فیہ الاباحۃ واذا وجد حرم التفاضل والنساء لوجود العلۃ واذا وجد احدھما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء مثل ان یسلم ھرویا فی ھروی وحنطۃ فی شعیر فحرمۃ ربا الفضل بالوصفین وحرمۃ النسیاء باحدھما۔ (الھدایۃ ج۳ ص۸۱ باب الربوٰ) [۱]

فصل کے بدلے اناج دینا

سوال: ایک شخص کو غلّہ کی ضرورت ہے لیکن فصل ابھی تیار نہیں ہوئی، ایسی حالت میں اگر وہ کسی سے تیار غلّہ خرید کر اس کے عوض کھیت میں کھڑی فصل دے دے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسی صورت میں تیار غلّہ کے بدلے میں وہ غلّہ لیا جاتا ہے جو کہ کھیت میں ہے اور اس کی مقدار معلوم نہیں صرف تخمیناً اس کا اندازہ کرکے فروخت کیا جاتا ہے، چونکہ غلّہ کی غلّہ کے بدلے فروخت میں مقدار معلوم کرنا ضروری ہے ورنہ اس میں ربوٰا (سود) کا شبہ باقی رہتا ہے اس لیے مذکورہ صورت تبادلہ کی جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولایجوز...... بیع المزابنۃ..... والمحاقلۃ فالمزابنۃ ماذکرنا والمحاقلۃ بیع الحنطۃ فی سنبلھا بحنطۃ مثل کیلھا خرصاً ولانہ باع مکیلاً بمکیل من جنسہ فلایجوز بیع بطریق الخرص کما اذا کان موضوعین علی الارض۔ (الھدایۃ ج۳ ص۵۳ باب ما یجوز وما لا یجوز) [۲]

---

[۱] قال السلیم رستم باز اللبنانیؒ: بیع المقایضۃ بیع العین بالعین ای مبادلۃ مال بمال غیر النقدین وشرط صحۃ المقایضۃ التساوی فی التقایض ان اتفقا جنساً وقدراً کبیع حنطۃ بحنطۃ والا فالتقایض لا التساوی کبیع کر حنطۃ بکری شعیر۔
(شرح المجلۃ تحت المادۃ ۱۲۳ ص۱۲ کتاب البیوع)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۶ ص۱۲۸ باب الربوٰ۔

[۲] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: والمزابنۃ ای لم یجز بیع المزابنۃ لنھیہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع المزابنۃ والمحاقلۃ۔ والمحاقلۃ بیع الطعام فی سنبلہ بالبرّ۔
(البحرالرائق ج۶ ص۷۶ تحت قولہ والمزابنۃ۔ کتاب البیوع)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۶ ص۵۴ باب البیع الفاسد۔

سونا چاندی قرض کی صورت میں زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل اکثر زرگر (سنار) حضرات سونا اور چاندی گاہک کو نقد مثلاً ۶۰۰/- روپے فی تولہ دیتے ہیں اور اگر قرض پر دیں تو ۶۵۰/- روپے فی تولہ دیتے ہیں، تو کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب:- موجودہ کرنسی نوٹ نہ سونے چاندی کی طرح ثمن خلقی اور نہ سونے چاندی کی رسید بلکہ قانونی تحفظ اور تقرر کی بناء پر ثمن عرفی یعنی فلوس نافقہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جو جنسیت میں سونے چاندی سے الگ ہے، اسی طرح سونا چاندی مقدوری ہے، بخلاف موجودہ کرنسی کے کہ وہ عددی ہے، اس لیے دونوں کی باہمی تجارت تفاضل اور ادھار دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ احدالعوضین (دونوں میں سے کسی ایک پر قبضہ ہو چکا ہو۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سونے چاندی کو نقد ۶۰۰/- روپے فی تولہ اور ادھار کی صورت میں ۶۵۰/- روپے فی تولہ فروخت کرنا جائز ہے مگر عندالعقد سونے چاندی پر مشتری کا قبضہ کرنا صحتِ بیع کے لیے ضروری ہے بدون اس کے بیع صحیح نہیں ہوگی۔

لما قال العلامۃ مفتی محمد تقی عثمانی: لیکن اس زمانے میں علماء اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت ایسی بھی تھی جو ان کاغذی نوٹوں کو ثمن عرفی کے طور پر مال قرار دیتی تھی۔
(فقہی مقالات جلد ۱ ص۲۳ دنیا کے کرنسی نظام میں ... الخ)

وقال ایضاً: اسی طرح اب سونا کرنسی کے دائرہ سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ (فقہی مقالات جلد ۱ ص۲۱)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: باع فلوساً بمثلها او بدراهم او بدنانير فان نقد احدهما جاز وان تفرقا بلا قبض احدهما فلا يجز۔

(الدر المختار ج ۴ ص۲۰۴ باب الربوٰ، مطلب فی استقراض الدراهم)

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئۃ فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین۔

(ردالمحتار ج ۴ ص۲۰۵ باب الربوٰ، مطلب فی استقراض الدراهم)

اسٹیٹ لائف کمپنی کی دجل و تلبیس

اور

بیمہ کی شرعی حیثیت پر دار العلوم حقانیہ کا اصل فتویٰ

سودی نظام کی محافظ حکومت اور ایک بیمہ کمپنی کی دجل و تلبیس کا تازہ شاہکار ذیل کا وہ جعلی فتویٰ ہے جو انہوں نے جامعہ دار العلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی حضرت مولانا محمد فرید مدظلہ سے سوسائٹی کے ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا ہے، جس پر مفتی صاحب موصوف کے دستخط اور فتویٰ نمبر دونوں جعلی ہیں۔

استفتاء کے جواب میں مفتی صاحب سے منسوب جعلی فتویٰ کی عبارت درج ذیل ہے :۔

جواب:۔ "ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ دینی مسائل گذراوقات بدنیتی سے پیدا ہوتے ہیں برصغیر کی اکثریت جن علماء کی پیروی کرتی ہے اکثر کا فتویٰ بیمہ کو جائز قرار دیتا ہے۔

اس بات میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ شراکت کا مسئلہ بظاہر قابلِ اعتراض نہیں ہے پس اگر بیمہ کمپنی ان رقوم سے تجارت، صنعت، خدمات اور دیگر شعبوں میں ممبران کو منافع کی شکل میں کچھ نہ کچھ دیتی ہے تو قابلِ اعتراض نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ سائل نے اپنی غیر مقدمی تحریر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے یہ سچ ہے کہ تمام حوالہ جات (اشارہ) وہ مشہور اور تسلیم شدہ حقائق ہیں اور اس میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار و افتراق سے بچنے کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک اسلامی ملک میں رہتے ہوئے اس کو بار بار پیچیدہ مسئلہ نہ بنایا جائے۔ الغرض سود سے مراد وہ رقم ہے جو قرض دی جائے یا لی جائے"۔

اہل علم، قارئین اور حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ اور ان کے طرز تحریر سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ جعلی فتویٰ کی یہ عبارت کس قدر بودی اور جہالت پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب کا اصل فتویٰ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے ماہنامہ الحق میں شائع ہو چکا ہے، ذیل میں وہی فتویٰ دوبارہ نذر قارئین ہے تاکہ سودی نظام کی محافظ حکومت کا شرمناک کردار اور بیمہ کمپنی کی جعل سازی اور دجل و فریب بے نقاب ہو جائے۔ (مرتب)

بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت

سوال : یہاں پر تمام ملک (انگلینڈ) میں ایسی کمپنیاں ہیں، جو کہ آدمی کو انشورنس (بیمہ) کر کے اس سے جوان کے قواعد کے مطابق خرچ ہوتا ہے وہ لے کر اس کو اس کے بعد اس معینہ مدت کے اندر یہ ذمہ داری لیتے ہیں کہ اگر اس کو کچھ ہو جائے تو اس کو ایک اچھی خاصی رقم جتنی کہ اس طرح کی پالیسی کرتے وقت عائد ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کے باقیماندہ وارثوں کو دے دیتے ہیں اس کے علاوہ یہاں پر کام بھی جب ہی ملتا ہے کہ یہاں کے گورنمنٹ کے قانون کے مطابق انشورنس پہلے کرنی پڑتی ہے۔ آپ ازراہ کرم اس کے متعلق پوری تفصیل لکھیں کہ اسلامی قوانین اس قسم کی چیزوں کے کرنے پر کسی طرح کی خلاف ورزی کرنی پڑتی ہے۔ امید ہے آپ اس کی پوری تحقیق کر کے ہمیں اچھی طرح آگاہ کریں گے۔ ہماری کمیٹی کی طرف سے آپ تمام بزرگوں کو سلام مسنون قبول ہو۔

الجواب : ہمارے علم کی حد تک بیمۂ زندگی کی جو کچھ حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ یہ بیمہ اشخاص اور کمپنیوں کے درمیان ایک خاص قسم کا معاملہ اور عقد ہے جس میں افراد اور کمپنیوں کے مابین ان کے قوانین کے تحت حسب ذیل چند امور طے پاتے ہیں۔

(۱) بیمہ دار شخص ایک معین مقدار کی رقم (مثلاً ایک ہزار روپیہ) معینہ مدت مثلاً ایک سال یا دو سال تک بالاقساط ادا کرتا ہے۔ اور کمپنیاں اس کو معینہ منافع سالانہ پیش کرتی ہیں۔

(۲) یہ رقم کمپنیاں جس کام میں چاہیں صرف کر لیتی ہیں، خواہ وہ کام جائز ہوں جیسے عمارات وغیرہ) یا ناجائز ہوں جیسے سودی لین دین کے معاملات۔

(۳) بیمہ شدہ شخص اگر معینہ مدت تک بقید حیات رہے۔ اور پوری معین رقم بالاقساط اس نے کمپنی کو ادا کر دی زرہ کمپنی سے یکمشت بالاقساط مجموعہ رقم سے زائد زر بیمہ لینے کا حقدار ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ مقررہ مدت سے پہلے مر جائے۔ تو زر بیمہ کا مستحق اس کے ورثا میں سے وہ شخص ہوگا۔ جو اس نے نامزد کیا ہو۔

(۴) بالفرض اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے قبل اقساط کی ادائیگی کو بند کر کے عقد بیمہ کو فسخ کرنا چاہے، تو جتنی رقم اس نے بالاقساط کمپنی کو ادا کی ہے۔ اس کو وہ رقم واپس نہیں ملے گی۔

اگر درحقیقت " بیمۂ زندگی " کی حقیقت یہی ہو جیسا کہ ہمارا خیال ہے۔ تو اس کو ہم درج ذیل وجوہ کی بنا پر ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔

وجہ اول : پہلی وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں ایک طرف سود پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ کمپنی اس کو سالانہ

معینہ منافع پیش کرتی ہے۔ نیز معینہ مدت تک زندہ رہنے۔ اور تمام اقساط ادا کرنے کی صورت میں بیمہ دار شخص اقساط کی مجموعہ رقم سے زائد زر بیمہ لینے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور کمپنی سے وہ اس کو یک مشت بھی لے سکتا ہے۔ اور بالاقساط بھی۔ اور یہ سود کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

وجہ۲ دوم : دوسری طرف یہ عقد میسر اور قمار پر مشتمل ہے۔ کیوں کہ اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے پہلے مر جائے تو اس صورت میں ایک خطیر رقم کا مالک وہ شخص بن جاتا ہے جو بیمہ دار شخص نے کمپنی کے سامنے نامزد کیا ہے۔ اور اس میں میسر اور قمار کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں محض ایک امر اتفاقی کی وجہ سے کثیر رقم نامزد شدہ شخص کی ملک میں آگئی۔ جیسی میسر اور میں آجاتی ہے اور چونکہ اسلامی شریعت نے سود اور قمار کو قطعی طور حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا بیمہ کا یہ مقصد بھی ان دونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے قبل عقد بیمہ کو فسخ کر کے اقساط کی ادائیگی کو روکنا چاہے۔ تو اس صورت میں کمپنی اس تمام رقم کی مالک قرار پائے گی۔ جو اقساط کی صورت میں اس نے کمپنی کو ادا کی ہے۔ اور یہ بھی میسر اور قمار ہے۔

وجہ۳ سوم : عقد بیمہ کے ناجائز اور حرام ہونے کے لیے تیسری وجہ یہ ہے کہ اس بیمہ دار شخص کی موت کی صورت میں کمپنی کو اس کی ادا کردہ تمام رقم کا مالک صرف وہ شخص ہوتا ہے جو اس نے نامزد کیا ہے اور باقی تمام ورثاء اس رقم سے یکسر محروم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی قانون وراثت کی رو سے اس رقم میں وہ تمام ورثاء بھی حقدار ہیں۔ جو شرعاً اس کے جائز ورثاء ہوں اس بنا پر اس عقد میں بعض تقادیر پر شرعی قانون وراثت کی صریح طور پر خلاف ورزی بھی کی جاتی ہے۔ جو یقیناً ناجائز ہے۔

وجہ۴ چہارم : مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ اس عقد بیمہ کے حرام اور ناجائز ہونے کے لیے چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس کمپنی کے ساتھ تعاون علی الاثم والعدوان بھی پایا جاتا ہے۔ جو قرآن کریم کی رو سے یہ عمل ناجائز ہے۔ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ کیونکہ کمپنی نہ روئے قانون اس بات کی پابند نہیں ہے کہ اس رقم کو وہ لازماً جائز اور مباح کاموں میں صرف کرے گی۔ بلکہ وہ اس کو سودی لین دین کے معاملات میں بھی صرف کر سکتی ہے،، بہر حال شرعی قوانین اور احکام کی روشنی میں بیمہ زندگی کے بارہ میں ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر جائز عقد نہیں بلکہ حرام ہے۔"

ایک اشکال اور اس کا جواب

سوال ہو سکتا ہے کہ ہماری مندرجہ بالا معروضات پہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ بیمہ زندگی کا یہ عقد اور معاملہ عقد مضاربت کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے کیوں کہ جس طرح مضاربت میں ایک طرف سے سرمایہ ہوتا ہے

اور دوسری طرف سے محنت اور منافع رب المال اور مضارب دونوں کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیمہ زندگی میں جس بیمہ شدہ شخص کی طرف سے سرمایہ ہوتا ہے اور کسی کی طرف سے محنت۔ اور منافع سرمایہ کار اور کمپنی دونوں کے درمیان تقسیم کئے جاتے ہیں۔ تو کیوں نہ ہم عقد بیمہ کو مضاربت کی طرح جائز قرار دیں۔

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ "بیمہ زندگی" کا معاملہ تصور جدیدہ میں سے ہے اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی صریح نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور اس قسم کے معاملات کے احکام معلوم کرنے کے لیے اس میں کوئی چارہ نہیں کہ ایسے جدید معاملات کو کسی ایسے عقد اور معاملہ سے ملحق کیا جائے جس میں شریعت نے اپنا کوئی منصوص حکم بیان کیا ہو۔ اور جس کے ساتھ یہ جدید قسم کے عقود اور معاملات زیادہ مشابہت رکھتے ہوں۔ اس طرح منصوص معاملات اور عقود میں سے جو بھی عقد اور معاملہ ایسا مل جائے گا جس سے جدید معاملات اور عقود زیادہ مشابہ اور مطابق ہوں تو دونوں پر ایک قسم کا حکم جاری کیا جائے گا۔ مگر یہاں مصیبت یہ ہے کہ بیمۂ زندگی کا الحاق عقد مضاربت سے حسب ذیل چند وجوہ سے صحیح نہیں ہے اگرچہ بظاہر دونوں کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دونوں ایک نوعیت کے معاملات اور عقود ہیں۔ اور دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیئے۔ جن وجوہ سے ہم اس الحاق کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ بیمہ اور مضاربت میں کئی بنیادی فرق موجود ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے مثلاً مضاربت میں شرط صحت بالاجماع یہ تسلیم کی گئی ہے کہ اس میں منافع کی تقسیم نسبت کی بنیاد پر ہو۔ اور مضارب رب المال میں سے کسی ایک کو معین منافع نہیں ملیں گے بلکہ اس کا اشتراط عقد مضاربت کے لیے مفسد قرار دیا گیا ہے۔ بخلاف بیمہ کے کہ اس میں سرمایہ کار کو معین منافع (مثلاً دس فی صد سالانہ) ملا کرتے ہیں اور نسبت کی بنیاد پر منافع کی تقسیم نہیں ہوتی ہے۔ یعنی اس میں مضاربت کی طرح یہ نہیں ہوتا ہے کہ منافع میں سے نصف حصہ یا ثلث اور یا ربع وغیرہ کسی ایک فریق کو ملے گا۔ اور باقیماندہ منافع دوسرے فریق کو ملیں گے اس فرق کو سامنے رکھ کر اصول اجتہاد اور قوانین قیاس اس بات کے متقاضی ہیں کہ بیمہ کو مضاربت پر قیاس کر کے دونوں کا حکم ایک نہ قرار دیا جائے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیمہ اور مضاربت میں ایک اور فرق بھی ایسا پایا جاتا ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ۔

مضاربت میں اگر نقصان واقع ہو تو سرمایہ کار (رب المال) کو وہ نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

اور بیمہ میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ہے ۔ یہاں سرمایہ کار کو منافع ہی منافع ملتے ہیں ۔ اور نقصان سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے ۔ کمپنی کو اگر کوئی نقصان پیش آجائے تو کمپنی ہی اس کا ذمہ دار ہوگی بیمہ دار شخص پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے ۔

۳۔ پھر اس پر مزید یہ کہ مضاربت میں اگر سرمایہ کار کا انتقال ہوجائے ۔ تو وارثین کو صرف اتنا ہی سرمایہ مل سکتا ہے جتنا کہ دن کے مورث نے مضارب کو سپرد کیا تھا ۔ اور اس سے زائد رقم ہرگز انہیں نہیں مل سکتی ۔ برخلاف اس کے بیمہ میں اگر بیمہ دار شخص کا نقصان ہوجائے تو اس کی موت کے بعد جس شخص کو زر بیمہ ملنے والا ہے وہ ایک بڑی رقم یعنی زر بیمہ کا حقدار قرار دیا جاتا ہے یہ ایک ایسا مخاطرہ ہے جس سے شارع علیہ السلام نے روکا ہے ۔ کیوں کہ سوائے اتفاقات کے اس کا کوئی اصول اور ضابطہ نہیں ہے ۔ کیونکہ سوائے اتفاقات کے اس کا کوئی اصول اور ضابطہ نہیں ہے ۔ کیوں کہ بعض اشخاص تو ایسے نکلیں گے کہ آج انہوں نے بیمہ کرایا ۔ اور کل ان کے کسی وارث نے اس خطیر رقم پر قبضہ کرلیا ۔ اور بعض ایسے اشخاص ہوں گے جو بیمہ کرانے کے ایک طویل مدت بعد اس رقم پر قبضہ کرنے کے حقدار ہوں گے ۔

۴۔ اس کے علاوہ مضاربت میں اگر سرمایہ کار مرجائے تو مضارب کے پاس اس کی جو رقم ہے وہ تمام وارثین کے مابین شرعی قانون وراثت کے مطابق تقسیم ہوگی ۔ اس کے برخلاف بیمہ میں اگر بیمہ دار شخص کا انتقال ہوجائے تو زر بیمہ کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جو بیمہ دار نے نامزد کیا ہو اور باقی وارثین اس میں اصلاً حقدار نہیں ہوتے ہیں یہ ایک طرف ان پر عظیم ظلم ہے اور دوسری طرف اس میں اسلام کے قانون وراثت کی صریح خلاف ورزی پائی جاتی ہے ۔ ... ان جوہری فروق کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربت پر قیاس کرنا قیاس باطل ہے ۔ اور کوئی عالم اس کے جواز کا قائل نہیں ہوسکتا ۔ بالخصوص جب کہ اس میں سود اور قمار بھی پائے جاتے ہیں ۔ جو قطعی طور پر حرام ہیں ۔ اس کے علاوہ اگر ہم یہاں بھی لیں کہ اس میں بعض وجوہ ایسے ہیں جو اس کے جواز حلت کے متقاضی ہیں مگر اس سے بھی تو انکار ممکن نہیں ہے کہ اس عقد میں ایسی بھی وجوہ پائی جاتی ہیں ۔ جو اس کے عدم جواز اور حرمت کے متقاضی ہیں جیسا کہ اوپر بالتفصیل بیان کی گئیں تو حضورؐ کے اس ارشاد کے بموجب دع مایریبک الی ما لا یریبک ، اس عقد سے اجتناب کرنا چاہئیے کیونکہ اس میں احتیاط کا پہلو راجح ہے ۔ حضورؐ نے ایسے ہی معاملات کے بارے میں فرمایا ہے کہ : ما اجتمع الحلال والحرام الا وقد غلب الحرام علی الحلال ۔ اسی سے علماء اصول حدیث اور اصول فقہ نے یہ قانون بنایا ہے کہ بوقت تعارض محرّم کو مبیح پر ترجیح حاصل ہوگی ۔

فقط واللہ اعلم

سود لینے دینے پر گواہ بننا اور حالتِ اضطرار میں سود دینے کا حکم

سوال :- (۱) ایک آدمی سود دیتا ہے، دوسرا دیتا ہے اور چند افراد اس سودی معاملے میں گواہ بن جاتے ہیں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان تینوں کا کیا حکم ہے ؟

(۲) اگر کوئی شخص حالتِ اضطرار میں ہو تو کیا اس کے لیے سود پر قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟ دینے والے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- (۱) سودی لین دین ایسا حرام قطعی عمل ہے کہ جس پر قرآنی آیات، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری اُمت کا اجماع دال ہے، اسکی حرمت میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں، سود خوری کو اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر جُرم قرار دیا گیا ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں سود خور، سود دینے والے، لکھنے والے اور اس معاملے پر گواہ بننے والوں کو بھی برابر کی سزا کا حقدار قرار دیا گیا ہے اور ان سب پر لعنت کی گئی ہے ۔ صحیح مسلم اور دوسری کتبِ احادیث میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ :۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربٰو و مؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء ۔

البنایہ میں ہے : قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ اکل الربٰو و مؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ اذا علموا بہ ملعونون علیٰ لسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اھ۔

اس لیے سودی لین دین کرنے، اس پر گواہ بننے اور اسکی دستاویز لکھنے سے پرہیز کیا جائے ۔

(۲) اگر کوئی انتہاء حالتِ اضطرار میں ہو اور کوئی دوسرا راستہ اس کو اپنی ضرورتِ شدیدہ کو پورا کرنے کے لیے نظر نہ آتا ہو اور ضرورت بھی اس درجے کی ہو جو اس کے لیے موت و حیات سے وابستہ ہو تو اس صورت میں مجبوری کے تحت گنجائش موجود ہے لیکن سود لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

کما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ : قلتُ ، وقد قالت الفقہاء بجواز اعطاء الرشوۃ للمضطر لدفع مضرۃ لا تندفع الا باعطائہ واما اخذ الرشوۃ فلا یجوز بحال والربٰو والرشوۃ من باب واحدٍ فمقتضاہ ان یجوز اعطاء الربٰو للمضطر لدفع مضرۃ لا تندفع الا باعطائہ واما اخذ الربٰو فلا یجوز اصلاً۔ اھ (امداد الاحکام ج ۳ ص ۵۴۲ کتاب الربٰو)

☆ ☆ ☆

كتاب الرهن

وإن كنتم على سفرٍ
ولم تجدوا كاتباً
فرهان مقبوضة

کتاب الرّھن

(رہن کے مسائل واحکام)

مرہونہ زمین کے اخراجات کی ذمّہ داری کا حکم

سوال:۔ اگر زمین مرہونہ ہو اور مُرتہن نے بغیر کسی انتفاع کے سرکاری آبیانے اور ٹیکس کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کچھ رقم ادا کی۔ کیا مرہونہ زمین کی واپسی کے وقت مرتہن کو راہن سے ان اخراجات کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر راہن کی اجازت سے مرتہن مرہونہ زمین پر رقم خرچ کرے تو اجازت کی وجہ سے مُرتہن مطالبہ کا حق محفوظ رکھتا ہے ورنہ بصورتِ دیگر مرتہن کئے ہوئے اخراجات میں متبرع ہے، راہن سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا ہے۔

لما قال الامام ابن البزاز الکردریؒ: اخذ السلطان الخراج او العُشر من المرتھن لایرجع علی الرھن لانہ ان تطوع فھو متبرع ان مکرھا فقد ظلمہ السلطان والمظلوم لایرجع الّا علی الظالم اھ (الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۵۹ نوع نفقۃ الرّھن)[1]

مرہونہ سے اِنتفاع کا حُکم

سوال:۔ اگر مالک مرتہن کو مرہونہ سے فائدہ لینے کی اجازت دے دے تو کیا اس کی اجازت کو مدنظر رکھتے ہوئے مرتہن کے لیے مرہونہ سے اِنتفاع لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ مالک کی باقاعدہ اجازت اس کی مملوکہ چیز سے انتفاع لینے کی گنجائش کی صورت مہیا کرکے جواز کی دلیل بن سکتی ہے لیکن مرتہن کو راہن کی طرف سے جو اجازت

---

[1] لما قال الشیخ سلیم رستم بازرحمہ اللہ: کل من الراھن والمرتھن اذا انفق علی الرھن ما لیس علیہ بدون اذن الآخر یکون متبرعًا ولیس لہ ان یطالب الآخر بما انفق۔ (شرح مجلۃ الاحکام مادۃ ۷۲۵ ص۳۹۹ کتاب الرھن)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۴۵۵ الباب الرابع فی نفقۃ الرھن۔

دی جاتی ہے اس کے پس منظر میں کون سے جذبات کارفرما ہیں،
جس کی وجہ سے مالک اپنی ملکیت سے اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کو استفادہ کا موقعہ دیتا ہے، راہن اور مرتہن کے باہمی معاملات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مرتہن کو یہ موقعہ اس کے قرض کے عوض دیا جاتا ہے جو کہ مالک دے چکا ہے، مالک مرتہن کے احسان سے مجبور ہو کر بلاچون وچرا مرتہن کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اجازت دے دیتا ہے، اس کی یہ اجازت مجبوری کی اجازت ہے جس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرامؒ نے تصریح کی ہے کہ مالک کی اجازت کے باوجود مرتہن کے لیے رہن سے انتفاع لینے کی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قولہ وسیجئ آخرھن) قلت والغالب من احوال الناس انھم یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع واللہ تعالٰی اعلم انتھٰی (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار ج ۴ ص ۲۳۴ کتاب الرھن) [1]

رہن سبب ملک نہیں

سوال:۔ اگر کسی شخص کے پاس مدتوں سے زمین بطور رہن ہو تو کیا اس سے مرتہن کی ملکیت ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں اور راہن کو کب تک ملکیت کے دعوٰی کا حق حاصل ہے؟

الجواب:۔ رہن صرف ایک وثیقہ اور ذریعہ اعتماد ہے جس سے مرتہن مرہونہ چیز کا مالک نہیں بن سکتا اس کا مالک راہن ہی رہے گا، جب چاہے مرتہن کو قرض ادا کر کے مرہونہ شے واپس لے سکتا ہے تاہم مالک قرض کی ادائیگی کے بغیر مرہونہ کی واپسی کا حق نہیں رکھتا۔

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: والغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۴۸۲ کتاب الرھن)

لما قال العلامة ابن البزاز الكردری رحمه الله: الرهن امانة عند المرتهن كالوديعة۔
(الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۸۶ كتاب الرهن، الباب الرابع في اعارته) [1]

مرتہن کا بلا اجازتِ مالک مرہونہ سے انتفاع موجبِ ضمان ہے

سوال:- اگر مرتہن نے مالک کی اجازت کے بغیر مرہونہ سے فائدہ حاصل کیا تو کیا مالک کو اس سے تاوان کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- مفتیٰ بہ قول کی رُو سے جب مالک کی اجازت کے باوجود مرتہن کے لیے انتفاع لینا مرخص نہیں ہے تو اجازت کے بغیر یہ مالک کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے، اس لیے مالک اس سے ضمان کے مطالبہ کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

لما قال العلامة قاضي خان رحمه الله: رجلٌ استقرض دراهم واسكن المقرض في داره قالوا يجب أجر المثل على المقرض لان المستقرض انما اسكنه في داره عوضًا منفعة القرض لا مجانًا فيجب اجر المثل على المقرض۔ [2]
(الفتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج۳ ص۳۰۹ كتاب القرض)

مرہونہ کے اجارہ کا حکم

سوال:- اگر مرتہن مرہونہ سے انتفاع لے کر راہن کو اجارہ دیا کرے تو کیا اس سے مرتہن کیلئے

---

[1] قال المحدث والفقيه على بن سلطان محمد القاريؒ: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يغلق الرهن - أى عقده (الرهن) اى المرهون (من صاحبه) أى المالك (الذى رهنه) أى صاحبه بحيث يزول عنه منفعته بل يكون المرهون كالباقى فى ملك الراهن - (المرقاة شرح مشكوة ج۶ ص۹۳ كتاب الرهن)

وَمِثْلُهُ فى الفتاوى الهندية ج۵ ص۴۶۵ الباب الثامن فى تصرف الراهن والمرتهن۔

[2] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: رجلٌ استقرض دراهم واسكن المقرض فى داره قالوا يجب اجر المثل على المقرض لان المستقرض انما اسكنه فى داره عوضًا عن منفعة القرض لا مجانًا۔ (رد المحتار ج۶ ص۶۳ كتاب القرض)

وَمِثْلُهُ فى الفتاوى تنقيح الحامدية ج۲ ص۱۲۳ كتاب القرض۔

انتفاع کے جواز کی صورت پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اجارہ ایک جائز معاملہ ہے، مالک اپنی زمین ہر اس شخص کو اجارہ کی شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے اجارہ پر دے سکتا ہے جس پر اعتماد ہو، خواہ مرتہن ہو یا اور کوئی شخص، لیکن جہاں کہیں مالک اور آجر کے درمیان اس سے قبل رہن کا معاملہ موجود ہو تو رہن کے بعد اجارہ کی تجدید معاہدہ سے سابقہ عقدِ رہن ختم ہو کر باقی نہیں رہتا اور مرتہن کے انتفاع لینے میں کوئی حرج نہیں تاہم راہن مقررہ مدت کے بعد بغیر کسی قرض کی ادائیگی کے اپنی زمین مرتہن سے واپس لے سکتا ہے اور مرتہن واپس کرنے سے انکار نہیں کر سکتا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : اما الاجارة فالمستأجر ان کان ھو الراھن فھی باطلة..... وان ھو المرتھن وجدد القبض للاجارة..... بطل الرھن والاجرة للراھن۔ (رد المحتار ج ۶ ص۵۱۱ کتاب الرھن) [1]

مرہونہ میں مالک کا تصرف مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے

سوال :- کیا راہن کو بحیثیتِ مالک مرہونہ میں مالکانہ حقوق کے اجراء کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟ یا اگر مالک مرہونہ کو فروخت کر دے تو کیا یہ بیع نافذ ہو گا یا نہیں ؟

الجواب :- رہن سے مالک کی ملکیت اگرچہ زائل نہیں ہوتی لیکن مرتہن کے حقوق کی وابستگی کی وجہ سے مالک کے جملہ مالکانہ تصرفات مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوں گے اس لیے مالک کی مرہونہ کے فروخت کا معاملہ مرتہن کی اجازت کا محتاج ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ : توقف بیع الراھن رھنه علیٰ اجازة مرتھنه او قضاء دینه فان وجد احدھما نفذ وصار ثمنه رھنا۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: وکذا لو توقف علیٰ اجازة الراھن بیع المرتھن فان اجاز جاز والا فلا۔ انتھیٰ۔ (رد المحتار ج ۶ ص۵۰۶ کتاب الرھن) [2]

---

[1] لما فی الھندیة : وکذا لو استاجره المرتھن صحت الاجارة وبطل الرھن اذا جدد القبض للاجارة۔ (الفتاویٰ الھندیة ج ۵ ص۴۶۵ الباب الثامن فی تصرف الراھن والمرتھن..... الخ

ومثله فی العنایة شرح الھدایة علیٰ ھامش فتح القدیر ج ۹ ص۱۱۷ کتاب الرھن۔

[2] لما قال الشیخ سلیم رستم باز : لو باع الراھن الرھن بدون رضی المرتھن لا ینفذ البیع ولا یبطل لاخلال علیٰ حق الحبس الثابت للمرتھن ولکن اذا قضی الراھن الدین نفذ البیع وکذا لو اجاز المرتھن ذلک البیع فانه ینفذ۔ (شرح المجلة الاحکام، مادة ۷۴۷ ص۴۱۲ بیع الوفاء)

ومثله فی الفتاویٰ الھندیة ج ۵ ص۴۶۴ الباب الثامن فی تصرف الراھن والمرتھن۔

مرہونہ زمین چھڑائے بغیر کسی دوسرے پر فروخت کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے اپنی آبائی ملکیتی زمین عمرو کے پاس رہن رکھی، کچھ مدت کے بعد زید نے اپنی مرہونہ زمین عمرو سے فک کرائے بغیر خالد کو اس شرط پر فروخت کردی کہ اگر میری یہ زمین جو کہ عمرو کے پاس رہن ہے ایکٹ میں آگئی تو وہ زر رہن جس پر زمین رہن کی گئی ہے وہ مرتہن (عمرو) کو نہ دو گے بلکہ مجھے دو گے۔ اب زید اس بیع قطعی کرنے سے پشیمان ہے اور خالد سے کہتا ہے کہ مجھے بیع قطعی کا انتقال واپس کردو، حالانکہ اب تک خالد کا اس زمین پر قبضہ ہوا ہی نہیں بلکہ مرتہن (عمرو) کے قبضہ میں ہے اب اس بیع قطعی کا عند الشرع کیا حکم ہے؟ فاسد ہے یا صحیح؟ اگر فاسد ہے تو واجب الرد ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ کا جواب ۲ دو شق پر تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) راہن کا مرہونہ زمین میں تصرف قبل از سقوط از رہن فی المرہون ۲ دو قسم ہے۔ ایک وہ تصرف ہے جو قابل فسخ ہے مثلاً بیع، کتابت، اجارہ، ہبہ، صدقہ، اقرار و ۔ دوسرا وہ تصرف ہے جس میں فسخ کا احتمال نہ ہو، جیسا کہ عتق، تدبیر، استیلاد۔ قسم دوم تصرف خارج از بحث ہے اور قسم اول کے تصرف (جو کہ فسخ کا احتمال رکھتا ہے) کا حکم یہ ہے کہ یہ تصرف بغیر رضائے مرتہن کے نافذ نہیں ہوتا اور مرتہن کا حق حبس مرہونہ میں باطل نہیں ہوتا یعنی اس قسم کا تصرف اگر راہن کرے تو وہ مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اگر وہ اجازت دے تو تب نافذ ہوگا۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنا زر رہن وصول نہ کرلے اس وقت تک مرہونہ کو اپنے پاس بند رکھے۔ اور جب راہن مرتہن کو اپنا دین ادا کردے اور مرہونہ کو بند رکھنے کا حق باطل ہو جاتا ہے، تو راہن کا وہ سابق تصرف جو کہ موقوف تھا اب نافذ ہو جائے گا۔ یہ تفصیل فتاوی عالمگیری جلد ۵ ص۴۸۷ کی مندرجہ ذیل عبارت سے لی گئی ہے:۔

تصرف الراهن قبل سقوط الدين في المرهون اما تصرف يلحقه الفسخ كالبيع والكتابة والاجارة والهبة والصدقة والاقرار ونحوها اوتصرف لا يحتمل الفسخ كالعتق والتدبير والاستيلاد۔ اما الذى يلحقه الفسخ لاينفذ بغير رضاء المرتهن ولا يبطل حقه في الحبس واذا قضى الدين وبطل حقه في الحبس نفذت التصرفات كلها۔

اسی طرح اگر مرتہن نے زر رہن وصول کرنے سے پہلے اجازت دے دی تو نافذ ہو جائے گی اور اب پھر رہن راہن نہیں رہے گا مگر زر رہن بہر حال خود راہن کے ذمہ ہوگا اور اجازت دینے سے مرتہن کا حق باطل نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں اگر یہ تصرف بیع ہو تو اب بجائے مرہونہ کے اس کا ثمن (زر بیع) مرہون ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں اسی صفحہ (جلد ۵ صفحہ ۴۸۷) پر ہے:

و لو اجاز المرتہن تصرّف الراھن نفذ و خرج من ان یکون رھنًا والدّین علیٰ حالہٖ وفی البیع یکون الثمن رھنًا مکان المبیع ...الخ

فقہاء کی اس تحقیق کی روشنی میں صورتِ مسئولہ میں راہن نے جو تصرّف کیا ہے وہ بیع کا تصرف ہے پس وہ اجازتِ مرتہن پر موقوف ہوگا۔ اب اگر عمرو (مرتہن) نے راہن (زید) کو اجازت دی ہو تو اس کا یہ تصرّف نافذ ہوگا اور عمرو (مرتہن) کا زر رہن زید کے ذمہ لازم ہے اور اگر عمرو (مرتہن) نے اجازت نہ دی ہو تو یہ بیع موقوف ہے اور تا وصولی زر رہن عمرو (مرتہن) زمین مرہونہ کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے۔

(۲) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسی شرائط جو ملائم عقد نہ ہوں ان سے عقد بیع فاسد ہوتا ہے جس کی تفصیل فقہاء نے یوں کی ہے، الدر المختار میں ہے: ولا بیع بشرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لاحدھما او فیہ نفع لمبیع الخ۔۔۔ علامہ شامیؒ بصورت تنبیہ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں: قولہٗ وفیہ نفع لاحدھما الماء بالنفع ما شرط من احد المتعاقدین علی الآجر (ج ۴ صفحہ ۱۲۷)

اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ مشتری بیع کا مالک ہو جاتا ہے یعنی بیع فاسد مفید للملک ہے اور ہر ایک پر بائع اور مشتری میں سے اس کا فسخ واجب ہے قبل القبض، اور اسی طرح بعد القبض بھی، جب تک کہ مبیع مشتری کے ہاتھ میں باقی ہو اور اس میں مرافع الی القاضی کی شرط نہیں ہے کیونکہ جو چیز شرعاً واجب ہوتی ہے وہ قضاء قاضی کی محتاج نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کسی نے بائع یا مشتری میں سے کسی نے اس کے باقی رکھنے پر اصرار کیا تو قاضی کو جبراً اسے فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

علامہ فرماتے ہیں: ویجب علیٰ کلّ واحدٍ منھما فسخہٗ قبل القبض ویکون امتناعاً عندہٗ او بعدہٗ ما دام المبیع بحالہٖ فی ید المشتری للفساد لانہٗ معصیۃ فیجب رفعھا ولذا لا یشترط فیہ قضاء قاضٍ لان الواجب شرعاً لا یحتاج

للقضاء واذا امر احدهما على امساكه وعلم به القاضى فله فسخه جبرًا عليهما حقًا للشرع۔ (رد المحتار بهامش الشامی ج۴ ص۱۷۳)

اس تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے صورتِ مسئولہ میں مرتہن (زید) کی اجازت سے راہن نے مشتری (خالد) سے جو عقدِ بیع کیا ہے میرے نزدیک یہ بیع فاسد ہے کیونکہ زید نے عین عقد میں جو شرط لگائی ہے کہ اگر میری زمین ایکٹ میں آگئی تو زرِ رہن مرتہن کو نہ دو گے بلکہ مجھے دو گے اور مشتری (خالد) نے اس کو منظور کیا، تو یہ ایک ایسی شرط ہے جو نہ عقد کی مقتضی ہے اور نہ ملائم عقد ہے اور اس میں احد المتعاقدین (زید بائع) کو نفع ہے لہٰذا اس سے بیع فاسد ہوگئی ہے اور اس کا فسخ کرنا واجب ہے۔ پس زید اس کو فسخ کرسکتا ہے کیونکہ مشتری خالد نے ابھی تک قبضہ بھی نہیں کیا ہے، اگر زید اس بیع کے باقی رکھنے پر اصرار کرے تو بذریعہ عدالت فسخ کرایا جاسکتا ہے۔ هٰذا هو الذی یعلم ما ذکر فی کتب مذهبنا ولم ینشرح به القلب ولم تطمئن به النفس فان للمقال فیه مجالاً۔ (فقط واللہ اعلم)

غیر مسلم کی مرہونہ زمین سے انتفاع

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں مسلمانوں کے علاوہ سکھ اور ہندو بھی رہتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے اچھے مراسم بھی ہیں۔ خرید و فروخت، اجارہ، شادی و غمی اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شرکت وغیرہ، گویا دنیاوی طور پر ایک دوسرے سے لین دین رہتا ہے۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایک ہندو نے مجھ سے پچاس ہزار روپے قرض لیے اور اپنی مملوکہ زمین میرے پاس رہن رکھوائی۔ تو کیا میں اس زمین میں فصل وغیرہ کاشت کرسکتا ہوں اور اس کی آمدنی میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض علماء کرام سے ہم نے سنا ہے کہ مرہونہ زمین سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ برائے مہربانی مسئلہ میں میری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب:۔ یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی مرہونہ چیز سے انتفاع لینا جائز نہیں لیکن بعض علماء کرام کے نزدیک غیر مسلم حربی کا مال مباح ہے، اس لیے ہندو کی مرہونہ زمین سے فائدہ لینا آپ کے لیے جائز ہے البتہ پاکستان میں رہنے والے غیر مسلموں کے رہونہ سے انتفاع درست نہیں۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: الجواب: بعض علماء کے قول پر (یباح مال الحربی رضاءً ولو بعقد فاسد) جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج۳ ص۴۶۶ کتاب الرہن)

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ یارحسین (ضلع صوابی)

مرہونہ زمین کے محاصل راہن کو واپس کرنا لازم ہیں

میں قرض لینے دینے کے سلسلہ میں یہ رواج ہے کہ قرض رقم دینے والا اس کے عوض میں کچھ زمین رہن رکھ لیتا ہے اور اس مرہونہ زمین سے اُسے (مرتہن کو) انتفاع لینے کی راہن کی طرف سے اجازت ہوتی ہے ۔۔ اسی سلسلہ میں کچھ عرصہ قبل بندہ نے ایک استفتاء بھیجا تھا جس کے جواب میں آنجناب نے راہن کی اجازت کے باوجود مرہونہ زمین سے انتفاع لینے کو ناجائز تحریر فرمایا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مرہونہ زمین سے فائدہ حاصل کیا ہو اور اسے استعمال بھی کیا ہو تو وہ اپنے آپ کو اس سے کس طرح فارغ الذمہ کر سکتا ہے اور اس کی عملاً کیا صورت ہو گی ؟

الجواب:۔ مرہونہ زمین انتفاع لینا راہن کی اجازت کے باوجود بھی مفتیٰ بہ قول کے مطابق ناجائز وحرام ہے۔ اب اگر کسی نے ایسا کیا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے فارغ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ مرہونہ زمین سے اس نے جو محاصل لیے ہیں وہ جملہ محاصل یا ان کی قیمت راہن کو واپس کر دے تب اس کا ذمہ فارغ ہو گا ۔

لما قال العلامۃ محمد عبد الحی اللکھنوی ؒ : (الجواب) بکر کو اس محاصل کا واپس کرنا لازم ہے اور بکر کو اس محاصل سے نفع حاصل کرنا جائز نہ تھا اور ایک روپیہ کے عوض میں اس محاصل کو نہیں بیچ سکتا، البتہ کل محاصل کے واپس کر دینے سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ (مجموعۃ الفتاوٰی (اردو) ج ۳ ص۱۲۹ کتاب الرہن)

❋ ❋

كتاب
الاجارة

اعطوا الأجير أجره
قبل أن يجف عرقه

کتاب الاجارۃ

(اجارہ کے احکام ومسائل)

عقدِ اجارہ میں تعیینِ مدت ضروری ہے

سوال: موجر نے مستاجر کو بغیر تعیینِ مُدّت کے دوکان اجارہ پر دے دی، اب چند سال بعد ہر چیز کے نرخ بڑھ جانے کی وجہ سے دوکان کا مالک بھی کرایہ بڑھانا چاہتا ہے لیکن مستاجر نہ تو دوکان خالی کرنے کو تیار ہے اور نہ ہی پہلے کرایہ سے زیادہ دینے کو تیار ہے جبکہ مؤجر حکومتی قانون کی وجہ سے مجبور ہے، کیونکہ حکومت کا قانون یہ ہے کہ جب تک مُستاجر (کرایہ دار) خود دوکان خالی نہ کرے مؤجر (مالکِ دوکان) اس کو بیدخل نہیں کر سکتا اور کرایہ میں کمی بیشی کرنا بھی حکومت کے اختیار میں ہے، کیا اس صورت میں مستاجر گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب: بشرطِ صحتِ سوال یہ اجارہ فاسد ہے، مؤجر کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ مستاجر سے ہر ماہ کے شروع میں دوکان خالی کرنے یا کرایہ بڑھانے کا مطالبہ کرے ورنہ بصورتِ دیگر عقدِ اجارہ فسخ کر سکتا ہے، اس مطالبہ میں مستاجر کا لیت ولعل کرنا حرام ہے اور انکار کی صورت میں مستاجر پر مؤجر کا مطلوبہ کرایہ دینا لازم ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: آجرحانوتاً كل شهر بكذا جاز فى واحد فقط وفسد فى الباقى لجهالتها والاصل انه متى دخل كل فيما لايعرف منتهاه تعين ادناه واذا مضى الشهر فلكل فسخها بشرط حضور الآخر لانتهاء العقد الصحيح۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۵ باب الاجارة الفاسدة) [1]

---

[1] قال العلامة ابن بزاز رحمه الله: آجر داره كل شهر بكذا ينعقد عند رأس كل شهر ولكل خيار الفسخ عند رأس كل شهر فلو ابرأ المستاجر عن اجرة الابد لايصح الا عن شهر واحد۔ (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۵ ص ۱۷ كتاب الاجارات، الفصل الثانى فى صفتها)

وَمِثْلُهٗ فى مجلة الاحكام، مادة ۴۹۳ ص ۲۴۴ الفصل الرابع فى المسائل التى تتعلق بمدة الاجارة۔

طویل مدت کے لیے زمین اجارہ پر دینا جائز ہے

سوال:- ایک شخص نے اپنی ذاتی مملوکہ اراضی کسی دوسرے شخص کو پچاس سال کے لیے اجارہ پر دے دی ہے، کیا اپنی مملوکہ زمین طویل مدت کے لیے اجارہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اپنی مملوکہ زمین طویل مُدّت کے لیے اجارہ پر دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ دیگر شرائط فاسدہ سے اجارہ خالی ہو، خواہ اُجرت کم مقرر ہوئی ہو یا زیادہ۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: والمنافع تارة تصير معلومة بالمدة كاستيجار الدور للسكنى والارضين للزراعة فيصح العقد على مدة معلومة اى مدة كانت لان المدة اذا كانت معلومة كان قدر المنفعة فيها معلومًا اذا كانت المنفعة لاتتفاوت وقوله اى مدة كانت اشارة الى انه يجوز طالت المدة اوقصرت لكونها معلومة۔ (الهداية ج۳ ص۲۹۴ كتاب الاجارات) [1]

معروف اُجرت پر اجارہ کا حکم

سوال:- ہمارے ہاں تین مزدور پچاس روپے یومیہ کے حساب سے مزدوری کرتے ہیں، چونکہ کام کے وقت میں صبح کے کھانے کا وقت ہوتا ہے اس لیے صبح کا کھانا ہمارے گھر سے ملتا ہے، درمیان میں رمضان المبارک کا مہینہ آگیا اب مزدوروں کا مطالبہ ہے کہ چونکہ رمضان المبارک میں صبح کا کھانا نہیں ملتا اس لیے بجائے پچاس کے ساٹھ روپے دیہاڑی ملنی چاہیئے، تو کیا ان مزدوروں کا یہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر ماہِ رمضان المبارک میں یہ اجرت برضا ورغبت جانبین کی طرف سے مقرر ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ مقدار معروف ہو تو تب بھی درست ہے ورنہ بصورتِ دیگر یہ اجارۂ فاسدہ کے حکم میں ہے جو صحیح نہیں۔

---

[1] قال العلامة اكمل الدين البابرتي رحمه الله: ولا فرق بين طويل المدة وقصيرها عندنا اذا كانت بحيث يعيش اليها احد العاقدين لان الحاجة التى جوزت الاجارة لها قد تمس الى ذلك۔
(العناية على هامش فتح القدير ج۸ ص۸/۷ كتاب الاجارات)
وَمِثْلُهٗ فى الجوهرة النيرة ج۱ ص۳۱۷ كتاب الاجارات۔

لما قال الشیخ سلیم رستم باز رحمہ : لو استاجر احد اجیر علیٰ ان یعمل یوماً یعمل من طلوع الشمس الی العصر او الی الغروب علیٰ وفق عرف البلدۃ فی شان العمل۔ (شرح مجلۃ الاحکام لسلیم، مادۃ ۴۹۵ ص۲۷۴ الکتاب الثانی فی الاجارۃ۔ الباب الرابع فی المسائل التی تتعلق بمدۃ الاجارۃ) ۔لہ

مجہول الوقت کا عقدِ اجارہ

سوال:۔ ایک ملازم نے مالک مکان سے پانچسو روپیہ ماہانہ کرایہ پر مکان لے لیا، چند ماہ بعد اس نے مالکِ مکان سے کہا کہ میں تین ماہ کی چھٹی پر اپنے گھر جا رہا ہوں واپس آکر اس مکان کو دوبارہ کرایہ پر لوں گا اور ملازم اپنا سامان اسی مکان میں رکھ کر چلا گیا، اب ان دونوں کے درمیان تنازع پیدا ہو گیا ہے، مالک مکان کا مؤقف یہ ہے کہ چونکہ تمہارا سامان اسی مکان میں پڑا رہا ہے اور جاتے وقت تم نے عقد کو ختم بھی نہیں کیا تھا لہٰذا تمہیں ان تین ماہ کا کرایہ بھی ادا کرنا پڑے گا جبکہ ملازم کا کہنا ہے کہ چونکہ میں نے جاتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ واپس آکر نئے سرے سے کرایہ پر لوں گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اجارہ ختم ہو گیا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کس کا مؤقف درست ہے؟ نیز کیا ملازم (کرایہ دار) ان تین ماہ کا کرایہ ادا کرنے کا شرعاً پابند ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق جب مدت کا تعین نہیں ہوا ہے صرف اتنا ہی کہا گیا ہے کہ ماہانہ کرایہ پانچسو روپے ہوگا تو اس صورت میں کرایہ دار اور مالکِ مکان ہر ایک کو مہینہ کے اختتام پر ایک دوسرے کی موجودگی میں اجارہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے، لہٰذا جب ملازم نے واضح طور پر مالکِ مکان سے یہ کہہ دیا کہ چھٹیوں کے بعد واپس آکر میں اس مکان کو

لہ قال العلامۃ قاضیخان رحمہ : رجل استاجر اجیراً یوماً یعمل لہ کذا قالوا ان کان العرف بینھم انھم یعملون من طلوع الشمس الی العصر فھو علیٰ ذلک وان کان العرف انھم یعملون من طلوع الشمس الی غروب الشمس فھو علیٰ ذلک وان کان العرف مشترکاً فھو علیٰ طلوع الشمس الی غروبھا اعتبارًا لذکر الیوم۔ (الفتاویٰ قاضیخان مع السراجیۃ ج۳ ص۳۳ کتاب الاجارات فصل فی اجارۃ الدواب والضمان فیما یجب وفیما لا یجب)۔

ومثلہ فی الفتاوی الھندیۃ ج۴ ص۴۱۶ کتاب الاجارۃ۔ الباب الثالث فی الاوقات التی یقع علیھا عقد الاجارۃ۔

دوبارہ کرایہ پر لوں گا تو یہ اجارہ ملازم کے گھر جانے کے ساتھ ہی ختم ہوگیا ہے لہٰذا یہ ملازم ان تین ماہ کا کرایہ دینے کا پابند نہیں ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم باز رحمه الله: لو استوجر عقاراً كل شهر بكذا من دون بيان عدد الاشهر يصح العقد فى شهر واحد فقط ويفسد فى بقية الشهور لجهالتها والاصل انه متى دخلت لفظة كل فيما لا يعرف منتهاه تعين ادناه (در منتقى) لكن عند تمام الشهر الاول لكل من الآجر والمستاجر فسخ الاجارة فى اليوم وليلته من الشهر الثانى الذى يليه۔ (شرح مجلة الاحكام لسليم، مادة ۴۹۴ ص۲۷۲ كتاب الذى فى الاجارات، باب الرابع فى المسائل التى تتعلق بمدة الاجارة) ؎۱

گاڑیوں کے ٹائر کرایہ پر دینا

سوال:۔ آجکل بعض دوکاندار لوگ گاڑی والوں کو ٹائر کرایہ پر دیتے ہیں، کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ اجارہ نام ہے کسی چیز کے منافع سے اجرت کے عوض فائدہ حاصل کرنا، بشرطیکہ اس میں جملہ شرائطِ اجارہ موجود ہوں، اسلئے اگر صورتِ مسئولہ میں مدت اور کرایہ معلوم ومتعین ہوتو گاڑیوں کے ٹائر کرایہ پر دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

لما فى مجلة الاحكام: يشترط ان تكون الاجرة معلومة ـــ يشترط فى الاجارة ان تكون المنفعة معلومة بوجه يكون مانعا للمنازعة۔ (شرح المجلة لرستم باز، مادة ۴۵۰، ۴۵۱ ص۲۵۴ الفصل الثالث فى شروط صحة الاجارة) ؎۲

؎۱ قال العلامة برهان الدين المرغينانى رحمه الله: ومن استاجر داراً كل شهر بدراهم فالعقد صحيح فى شهر واحد فاسد فى بقية الشهور الا ان يسمى جملة الشهور معلومة۔

(الهداية ج ۳ ص۳۰۲ كتاب الاجارات۔ باب الاجارة الفاسدة)

وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۸ ص۱۷ كتاب الاجارة۔ باب الاجارة الفاسدة۔

؎۲ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخارى رحمه الله: فى شرح الطحاوى عقد الاجارة لايجوز الا ان يبين البدل من الجانبين جميعاً اما بيان المنفعة فباحدى معان ثلاثة بيان الوقت وهو الاجل وبيان العمل وبيان المكان۔ (خلاصة الفتاوى ج ۳ ص۱۰۳، الفصل السادس فى الاجارة)

وَمِثْلُهٗ فى الخانية على هامش الهندية ج۲ ص۱۰۳ كتاب الاجارة۔

اجارہ پر لی ہوئی زمین میں ہونے والے درختوں کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی سے اس کی مملوکہ زمین دس بارہ سال تک کاشت کرنے کے لیے اجارہ پر لے لی ہے، اب اس زمین میں درخت بھی ہیں تو کیا شرعاً یہ درخت مؤجر (مالکِ زمین) کے ہیں یا مستاجر (کاشتکار) کے؟

الجواب:۔ اگر یہ درخت مالکِ زمین نے لگائے ہوں اور خدمت کاشتکار نے کی ہو تو یہ درخت مالکِ زمین کے ہوں گے اور خدمت کرنے والے کو خدمت کا معاوضہ ملے گا اور اگر درخت اجارہ دار نے مالکِ زمین کی اجازت سے لگائے ہوں تب بھی یہی حکم ہے اور اگر بلا اجازتِ مالک لگائے ہوں تو درخت اجارہ دار کے ہوں گے اور مالکِ زمین کو زمین سے انتفاع کا اجرِ مثل دیا جائے گا۔

قال العلامة محمد کامل الطرابلسی رحمہ اللہ :۔ وقد اطال صاحب التنقیح الکلام فی تحقیق ھٰذہ المسئلة قال فالحاصل ان من زرع ارض غیرہ بلا اذنه علیٰ وجه الغصب فان کانت الارض ملکًا اعدّھا ربھا للزراعة اعتبر العرف فی الحصة ان کان ثمة عرف والا فان اعدّھا للایجار فالخارج کله للزارع وعلیه اجر مثلھا لربھا والا فان انتقصت فعلیه النقصان والا فلاشئ علیه ۔ (فتاوٰی کاملیة ص۲۹ کتاب الاجارة)[۱]

اجارہ کردہ چیز کی مرمت کا خرچہ متاجر کے ذمہ لگانے کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے میں زمیندار زمین کی کاشت کے لیے زرعی مشینری اجارہ پر لیتے ہیں، مالکِ مشین اور زمیندار کے مابین عقد ہوتا ہے کہ آمدنی کا تیسرا حصہ مالکِ مشین کا ہوگا اور اگر مشین خراب ہو جائے تو مرمت کا خرچہ زمیندار

---

[۱] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فالحاصل ان من زرع ارض غیرہ بلا اذنه ولو علیٰ وجه الغصب فان کانت الارض ملکًا واعدّھا ربھا للزراعة اعتبر العرف فی الحصة ان کان ثمّة عرف والا فان اعدّھا للایجار فالخارج کله للزارع وعلیه اجر مثلھا لربّھا والّا فان انتقصت فعلیه النقصان والا فلاشئ علیه ۔
(تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۷۲ کتاب الغصب)
ومثلُهٗ فی ردّ المحتار ج۶ ص۱۹۵ کتاب الاجارة ۔

کے ذمہ ہوگا، تو کیا اس طرح کا عقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس قسم کا اجارہ دو وجوہ کی بناء پر فاسد ہے (۱) اس میں اجرت متعین نہیں ہے (۲) یہ کہ مشین کی مرمت مستاجر (زمیندار) کے ذمے لگائی گئی ہے، اور اس شرط کا لگانا اجارہ کو فاسد کرتا ہے لہٰذا مستاجر پر اجرِ مسمّٰی واجب نہیں بلکہ اجرِ مثل واجب ہے، بشرطیکہ اجرِ مثل مقرر کردہ کرایہ سے زیادہ نہ ہو ورنہ بصورتِ دیگر مقرر کردہ کرایہ لازم ہوگا۔

قال العلامة قاضی خان رحمه الله: وکذا لو استاجر داراً او حانوتاً سنة بمائة درهم علی ان یرمّها المستاجر کان علی المستاجر اجر المثل بالغاً ما بلغ لانه لما شرط المرمة علی المستاجر صارت المرمة من الاجر فیصیر الاجر مجهولاً فاما اذا کان فساد الاجارة بحکم شرط فاسد۔ (الفتاویٰ قاضیخان ج۲ ص۲۱ کتاب الاجارات۔ باب الاجارة الفاسدة)[1]

تین ماہ سے قبل نوکری چھوڑی تو تنخواہ نہیں ملے گی۔ اجارہ فاسد ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اس شرط پر نوکر رکھا کہ اگر تین ماہ سے قبل نوکری چھوڑ دے گا تو تنخواہ نہیں دوں گا، مگر اس شخص (نوکر) نے تین ماہ سے پہلے ہی نوکری چھوڑ دی، تو کیا یہ شخص نوکری کے ایام کی تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اجارہ میں اس قسم کی شرائط لگانا صحیح نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ان دونوں کا اجارہ فاسد ہے، اس لیے نوکر کو اجرِ مثل دیا جائے گا بشرطیکہ اجرِ مسمّٰی سے کم ہو۔

---

[1] قال العلامة محمد کامل الطرابلسی رحمه الله: سئلت عمن استاجر داراً باجر مجهول هل تفسد الاجارة فالجواب نعم قال فی جامع الفصولین کل جهالة تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارة ویفسد بها العقد سواء کانت الجهالة فی الاجرة والمدة او العمل المستاجر علیه ویجب اجر المثل فی فاسدها ولا یجاوز بها المسمّٰی خ لا یجاوز المسمّٰی لو علم الاجر والا یجب بالغاً ما بلغ فلو استاجر بیتاً سنة بمائة علی ان یرمّها المستاجر فعلیه اجر مثله بالغاً ما بلغ اذ المرمّة لما شرطت علی المستاجر صارت من الاجر فجهل الاجر۔ اھ (فتاویٰ کاملیة ص۱۹۹ کتاب الاجارة، مطلب تفسد الاجارة بجهالة الاجر)

ومثلُهٗ فی ردّ المحتار ج۵ ص۳۲ باب الاجارة الفاسدة۔

وفی الهندیة: وان تکاراها الی بغداد علی انها ان بلغته بغداد فله اجر عشرة دراهم والا فلا شئ له فالاجارة فاسدة وعلیه اجر مثلها بقدر ماسار علیها ۔
(الفتاوی الهندیة ج۴ ص۴۴۳ الفصل الثانی فیما یفسد العقد فیه لمکان الشرط) لہ

اجارۂ فاسد کی ایک اور صورت

سوال:۔ ایک شخص اپنا تجارتی مال بذریعہ ٹرک بنوں سے لاہور لے جانا چاہتا ہے، ٹرک کے مالک اور مال والے کے درمیان معاہدہ کچھ اس طرح ہوا کہ ٹرک کے مالک کو راستے میں ٹیکس والوں کو ادائیگی رقم کی ذمہ داری قبول کرنے پر دس ہزار روپے ملیں گے ورنہ بصورتِ دیگر صرف پانچ ہزار روپے کرایہ کے ملیں گے ۔کیا ایسا عقدِ اجارہ شرعاً جائز ہے ؟

الجواب:۔ یہ اجارہ فاسد ہے اور اجارۂ فاسد کا حکم یہ ہے کہ ایسی مزدوری جتنی اُجرت مروّج ہو وہ دی جائے گی اور جو کچھ طے ہوا ہے وہ نہ دیا جائے گا، لیکن اگر مروّج زیادہ ہو اور فریقین کے درمیان طے شدہ اجرت کم ہو تو طے شدہ اجرت ہی دی جائے گی ۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع (مما مر) یفسدها) کجهالة ماجور او اُجرة او مُدة او عمل وکشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمّة الدار او مغارمها وعشر او خراج او مؤنة ۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۶/۴۷ باب الاجارة الفاسدة) ؎۲

حیوان کو نصف پر رکھنا

سوال:۔ اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کو گائے یا بھینس کا بچہ اس شرط پر دے کہ وہ اس کی تربیت کرے اور پالے پوسے اور جب وہ بڑا ہو جائے تو اسے فروخت کر کے قیمت آپس میں برابر برابر تقسیم کریں گے ، کیا ایسا

لہ قال العلامة ابن نجیمؒ: وان بلغت بغداد فله کذا والا فلا شئ له فهی فاسدة وعلیه اجر مثل ماسار علیها ۔ (البحر الرائق ج۷ ص۳۱۲ باب الاجارة الفاسدة)
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۳۱۷ باب الاجارة الفاسدة ۔

؎۲ وفی الهندیة: والاجارة تفسدها الشروط التی لا یقتضیها العقد کما اذا شرط علی الاجیر الخاص ضمان ما تلف بفعله الخ (الفتاوی الهندیة ج ص۴۴۲ الفصل الثانی فیما یفسد العقد فیه)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۷ ص۳۱۲ باب الاجارة الفاسدة ۔

عقد اجارہ کرنا شرعاً جائز ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو پھر جواز کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب:۔ یہ اجارہ قفیز الطحان کے حکم میں ہے، لہٰذا اس پر اجارۂ فاسدہ کا حکم لگایا جائے گا۔ لعدم تعیین الاجرۃ ولعدم تعیین المدۃ۔ جانبین کو چاہیئے کہ مدت اور اجرت کی تعیین کریں اور مدت ختم ہونے کے بعد اجیر کو متعین قیمت کے عوض نصف گائے دی جائے۔

وفی الہندیۃ: دفع بقرۃ الیٰ رجل علیٰ ان یعلفها وما یکون من اللبن والسمن بینهما انصافاً فالاجارۃ فاسدۃ وعلیٰ صاحب البقرۃ للرجل اجر قیامه وقیمة علفه ان علفها من علف۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۴ ص۴۴۵ کتاب الاجارۃ۔ الفصل الثالث فی قفیز الطحان وماهو فی معناه) ۱

مزدوری میں زمین دینا

سوال:۔ کیا مزدور کو مزدوری کے عوض میں زمین دینا جائز ہے جبکہ عقد میں رقم دینا طے کیا گیا ہو؟

الجواب:۔ عقد اجارہ کی اجرت میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو مال متقوم ہو لہٰذا مزدور کو مزدوری میں زمین دینا جائز ہے اگرچہ ابتداء عقد میں رقم دینے کا معاہدہ ہی ہو چکا ہو۔

وفی الہندیۃ: وماصلح ان یکون ثمناً فی البیع کالنقود والمکیل والموزون صلح ان یکون اجرۃ فی الاجارۃ ومالا یصلح ثمناً لا یصلح اجرۃ۔
(الفتاوی الہندیۃ ج۴ ص۴۱۱ کتاب الاجارۃ فی الباب الاول) ۲

---

۱ قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: وفی فتاوی النسفی رجل دفع بقرۃ الی رجل بالعلف مناصفۃ وهی التی بالفارسیۃ گاو نیم سود بان دفع علیٰ ما یحصل من اللبن والسمن بینهما نصفان فهٰذا فاسد والحادث کله لصاحب البقرۃ والاجارۃ فاسدۃ۔
(خلاصۃ الفتاوی ج۳ ص۱۱۴ کتاب الاجارات، ومایتصل بهٰذا)

ومثله فی الفتاوی البزازیۃ علیٰ هامش الهندیۃ ج۵ ص۳۷ کتاب الاجارۃ۔ النوع الثالث فی الدواب۔

۲ قال العلامۃ خالد الاتاسیؒ: ماصلح بدلاً فی البیع یصلح بدلاً فی الاجارۃ۔
(مجلۃ الاحکام مادۃ ۴۶۳ ص۲۶۰ فی بدل الاجارۃ)

ومثله فی البحر الرائق ج۷ ص۲۹۸ کتاب الاجارۃ۔

اجارہ میں زمیندار کو کاشت کی عام اجازت دینا

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی زمین بایں طور عقدِ اجارہ پر دیدے کہ آپ جو چاہیں اس میں کاشت کریں، تو کیا ازروئے شرع ایسا عقد کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ عقدِ اجارہ میں اگرچہ فصل وغیرہ کا تعین کرنا ضروری ہے بدون تعین کے اجارہ فاسد ہوگا، لیکن اگر مؤجر نے مستاجر کو اس بات کی عام اجازت دی ہو کہ وہ جو چاہے اس میں کاشت کر سکتا ہے، تو اس صورت میں شرعاً یہ اجارہ صحیح اور درست متصور ہوگا۔

وفی الهندية: ولابد فی اجارة الاراضی من بیان مایستاجر له من الزراعة والغرس والبناء وغیر ذٰلك فان لم یبین كانت الاجارة فاسدة الا اذا جعل له ان ینتفع بما شاء هٰكذا فی البدائع۔ (الفتاوٰی الهندية ج۴ ص۴۴۰ كتاب الاجارة۔ الباب الخامس عشر فی بیان مایجوز من الاجارة ومالا یجوز)[1]

اجارہ علی الاجارہ جائز ہے بشرطیکہ اپنے مؤجر پر نہ ہو

سوال:۔ بعض علاقوں میں رواج ہے کہ ایک آدمی کسی زمیندار سے نصف آمدن پر زمین اجارہ کرتا ہے اور پھر اس زمین کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ دو تہائی پر اجارہ کرتا ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا اجارہ پر لی ہوئی زمین کسی دوسرے شخص کو اجارہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مستاجر کے لیے اجارہ علی الاجارہ جائز ہے بشرطیکہ اپنے مؤجر کے ساتھ نہ ہو اور اُجرتِ اولیٰ یا اس سے کم پر ہوں اور اگر اجرتِ اولیٰ سے زیادہ پر ہو تو اضافی رقم کو فقراء پر تصدق کردے۔ ہاں دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں: اوّل یہ کہ اجارہ ثانیہ خلافِ جنس

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: ولا یصح العقد حتّٰی یسمّی مایزرع فیها لانها قد تستاجر للزراعة ولغیرها ومایزرع فیها متفاوت فلابد من التعیین كی لایقع المنازعة او یقول ان یزرع فیها ماشاء لانه لما فوّض الخیرة الیه ارتفعت الجهالة المفضیة الی المنازعة۔ (الهداية ج۳ ص۲۹۶ كتاب الاجارات، باب مایجوز من الاجارة ومایكون خلافًا فیها)

ومثلهٗ فی فتاوٰی الكاملية ص۱۹۱ كتاب الاجارة۔

پر ہو، دوم یہ کہ مستاجر اجارہ کی ہوئی چیز کی اصلاح کرے، مثلاً اگر مکان ہو تو اس کی مرمت اور سفیدی وغیرہ کرے یا زمین ہو تو اس کی نالیوں وغیرہ کو ٹھیک کرے۔ ان دو صورتوں میں اجارۂ دوم اجارۂ اوّل سے زیادہ پر بھی جائز ہے۔

وفی الهندية: واذا استاجر دارًا وقبضها ثم اٰجرها فانه يجوز ان اجرها بمثل ما استاجرها واقل وان آجرها باكثر مما استاجرها فهى جائزة ايضًا الا انه ان كانت الاجرة الثانية من جنس الاجرة الاولیٰ فان الزيادة لا تطيب له ويتصدق بها وان كانت من خلاف جنسها طابت له الزيادة ولو زاد فى الدار زيادة كما لو وتد فيها وتدًا او حفر فيها بيرًا او اصلح ابوابها او شيئًا من حوائطها طابت له الزيادة۔ (الفتاوى الهندية ج ۴ ص۴۲۵ كتاب الاجارة۔ الباب السابع فى اجارة المستاجر) [1]

مستاجر یا مؤجر کی موت سے اجارہ کا ختم ہونا

سوال:۔ اگر دو آدمیوں کے درمیان چند سالوں کے لیے کوئی عقدِ اجارہ ہو جائے لیکن اسی مدت کے اندر مؤجر یا مستاجر کی موت واقع ہو جائے تو کیا اس کے بعد بھی عقدِ اجارہ باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر متعاقدین نے عقدِ اجارہ اپنے لیے کیا ہو تو دونوں میں کسی ایک کی موت واقع ہو جانے سے عقدِ اجارہ فسخ ہو جائے گا لہٰذا اُن کے پسماندگان کیلئے عقد کی تجدید ضروری ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: واذا مات احد المتعاقدين وقد عقد الاجارة لنفسه انفسخت الاجارة۔ (الهداية ج ۳ ص۳۱۳ كتاب الاجارة۔ باب فسخ الاجارة) [2]

---

[1] قال ابن عابدينؒ: (قوله المستاجر ان يوجر المؤجر الخ) اى ما استاجره بمثل الاجرة الاولیٰ او بانقص، فلو باكثر تصدق بالفضل الا فى مسئلتين كما مر اوّل باب ما يجوز من الاجارة۔ (رد المحتار ج ۶ ص۹۱ مسائل شتى مطلب فى اجارة المستاجر۔۔۔الخ)
وَمِثْلُهٗ فى خلاصة الفتاوىٰ ج ۳ ص۱۲۵ كتاب الاجارات فى الجنس الثانى۔

[2] قال العلامة ابوالبركات النسفىؒ: وتنفسخ بموت احد المتعاقدين ان عقدها لنفسه وان عقدها لغيره لا۔ (كنز الدقائق ص۱۳۰ كتاب الاجارة)
وَمِثْلُهٗ فى الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص۸۳ كتاب الاجارة۔

جعلی سندات پر بھرتی ہونے والے ملازم کی تنخواہ کا حکم

سوال:۔ حکومت نے سکولوں میں دینیات پڑھانے کے لیے اساتذہ کی بھرتی کا اشتہار شائع کیا اور یہ شرط لگائی کہ امیدوار کسی دینی مدرسے سے فارغ التحصیل ہو، اس پر ایک شخص نے کسی دینی مدرسے کے مہتمم کو پیسے دے کر اپنے نام کی جعلی سند لے لی اور انٹرویو کے دوران پیش کرکے بھرتی ہوگیا، تو کیا اس طرح بھرتی ہونے والے اس استاد کو حکومت کی طرف سے جو تنخواہ دی جاتی ہے وہ اس کے لیے شرعاً حلال ہے یا حرام؟

الجواب:۔ عقد اجارہ سے ملنے والی اُجرت کی حلت کا دارومدار اس کام کا اہل ہونے پر ہے، لہٰذا مذکورہ شخص اگر مفوضہ ڈیوٹی کا اہل ہو تو تنخواہ حلال ہوگی ورنہ حرام، لیکن دھوکہ دہی رشوت دینے اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: واما رکنها فهو الایجاب والقبول والارتباط بینهما واما شرط جوازها فثلاثة اشیاء اجر معلوم وعین معلوم وبدل معلوم ومحاسنها دفع الحاجة بقلیل المنفعة واما حکمها فوقوع الملك فی البدلین ساعة فساعة۔

(البحر الرائق ج ۸ ص۳ کتاب الاجارۃ) [1]

امام مسجد میں اہلیت نہ ہو تو اُسے معزول کیا جاسکتا ہے

سوال:۔ ایک شخص کافی عرصے سے ایک مسجد کا امام چلا آرہا ہے لیکن اب اس کے مقتدیوں میں سے بعض لوگ اسے امامت سے معزول کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ان کو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسجد کی امامت اجارہ کے حکم میں ہے، اگر اجیر میں ذمہ داری ادا کرنے کی صلاحیت نہ رہے تو اجارہ فسخ کرنا جائز ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: وفی الفتاوی الصغری رجل استاجر

---

[1] قال العلامة ابن البزازؒ: لا یجوز عقدها حتی یعلم البدل والمنفعة وبیان المنفعة باحد ثلاث بیان الوقت وهو الاجل وبیان العمل والمکان فالاجر ببیان النقد۔

(البزازیة علی هامش الهندیة ج ۵ ص۱۱ کتاب الاجارات)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۳ ص۱۰۳ کتاب الاجارۃ۔

رَجُلاً لیعلّمه حرفة کذ اهٰذہ السنة فمضی نصف السنة و لم یعلّمه شیئاً فللمستاجر ان یفسخ الاجارة ۔ (خلاصة الفتاوی ج ۳ ص ۱۴۱ کتاب الاجارة ۔ الفصل السابع فی فسخ الاجارة) لہ

امامتِ مسجد اور تعلیمِ قرآن پر اُجرت لینے کا حکم

سوال:۔ کیا مسجد کی امامت اور تعلیمِ قرآن پر اُجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ طاعات پر اجرت لینے کو ناجائز کہتے ہیں ، لیکن یہ اُس دَور کی بات ہے جب اہلِ علم اور خادمینِ دین کی معاشی ضروریات بیت المال سے پوری کی جاتی تھیں لیکن بعد میں جب حکومتوں کی لاپرواہی کی وجہ سے یہ سلسلہ بند ہو گیا تو فقہاء کرام نے تعلیمِ قرآن اور شعائرِ دینیہ کے ضائع ہونے کے اندیشہ سے اُجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیدیا تاکہ دین کے یہ خادم دنیا کے دیگر کاموں سے ہٹ کر دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ دینی کام میں لگے رہیں ۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله :۔ وبعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القراٰن الیوم لانه ظهر التوانی فی الامور الدینیة ففی الامتناع یضیع حفظ القراٰن وعلیه الفتوٰی ۔ (الهدایة ج ۳ ص ۳۰۱ کتاب الاجارات) ؎۲

لہ وفی الهندیة : واذا استاجر استاذاً لیعلّمه هٰذا العمل فی هٰذہ السنة فمضی نصف السنة فلم یعلّمه شیئاً فللمستاجر ان یفسخ ما رأیت روایة فی هٰذا لکن افتی الشیخ الامام علیؒ الاسبیجابی فافتیت انا ایضاً ، کذا فی الصغرٰی ۔

(الفتاوٰی الهندیة ج ۴ ص ۴۶۲ کتاب الاجارة ۔ الباب التاسع عشر)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۵ ص ۳۹ کتاب الاجارة نوع فی تعلیم القرآن والحرف ۔

؎۲ قال العلامة ابن عابدینؒ : اعلم ان عامة کتب المذهب من متون وشروح وفتاوٰی کلها متفقة علی ان الاستیجار علی الطاعات لایصح عندنا واستثنی المتاخرون من مشائخ بلخ تعلیم القرآن فجوزوا الاستیجار علیه وعللوا ذٰلك فی شروح الهدایة وغیرها بما مر و بالضرورة وهی خوف ضیاع القراٰن لانه انقطعت العطایا من بیت المال وعدم الحرص علی الدفع بطریق الحسبة لیشتغلوا له معلمون به بمعاشهم ولایعلمون احداً ولیضیع القراٰن فافتی المتاخرون بالجواز لذٰلك ۔

(تنقیح الحامدیة ج ۲ ص ۱۳۷ ۔ الفتوٰی علی جواز الاجارة علی تعلیم القراٰن)

وَمِثْلُہٗ فی کنز الدقائق ص ۳۶۴ کتاب الاجارة ۔

نکاح خوانی پر اُجرت لینے کا مسئلہ

سوال :- کیا نکاح پڑھانے پر اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : نکاح پڑھنے پر اُجرت لینا فقہاءِ کرام کے ہاں مختلف فیہ ہے، چونکہ اس میں ایک گونہ تعلیم وتلقین بھی ہے اور تعلیم وتلقین پر اجرت لینا مفتیٰ بہ قول کے مطابق جائز ہے اس لیے فقہاءِ کرام نے اس میں اجرت کے جواز کو قولِ راجح قرار دیا ہے لہٰذا بناءً برایں نکاح پڑھنے پر اُجرت لینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے ۔

قال العلامۃ قاضیخان رحؒ : اختلف المشائخ فی الدلالۃ فی النکاح ھل یکون لہا الاجر قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحؒ لا اجر لہا لانہ لا منفعۃ للزوج من کلامہا بغیر عقد وانما منفعۃ التزوج فی العقد والعقد ما قام بہا وقال غیرہ من المشائخ لہا اجر مثلہا لان معظم الامر فی النکاح یقوم بالدلالۃ فان النکاح لا یکون الا بمقدمات تکون من الدلالۃ فکان لہا اجر المثل بمنزلۃ الدلال فی البیع فانہ یستحق الاجر۔ (الفتاویٰ قاضیخان ج۳ ص۲۰ باب الاجارۃ الفاسدۃ) لہ

اجیرِ خاص کو ڈیوٹی کے اوقات میں کوئی دوسرا کام کرنا جائز نہیں

سوال :- زید ایک سکول ٹیچر ہے کیا وہ سکول ڈیوٹی کے دوران کسی قریبی مسجد میں امامت کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- سکول ٹیچر چونکہ اجیرِ خاص ہوتا ہے اور اجیرِ خاص کے لیے ڈیوٹی کے اوقات میں دوسری ملازمت کرنا جائز نہیں، ورنہ اس کی تنخواہ سے بقدرِ غیر حاضری کے کٹوتی کی جائے گی۔ البتہ چھٹی یا تفریح کے وقت میں اگر وہ کوئی دوسرا کام کرنا چاہے تو بلاشک کر سکتا ہے، تاہم مذکورہ بالا صورت میں اگر اس کا عملِ تدریس متاثر نہیں

لہ وفی الہندیۃ : الدلالۃ فی النکاح لا تستوجب الاجر وبہ یفتی الفضلی فی فتاواہ وغیرہ من مشائخ زماننا کانوا یفتون بوجوب اجر المثل وبہ یفتی کذا فی جواھر الاخلاطی ۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۴ ص۴۵۱ الفصل الرابع فی فساد الاجارۃ اذا کان المستاجر مشغولا لغیرہ)
ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۳ ص۱۱۷ کتاب الاجارۃ ۔

ہوتا ہو تو امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل فتاوی نوازل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۷۰ باب ضمان الاجیر)[1]

اجیرِ خاص اپنا کام دوسرے آدمی سے نہیں کرا سکتا

سوال:۔ زید ایک سکول ٹیچر ہے لیکن بجائے زید کے اس کا بھائی عمرو سکول میں ڈیوٹی دیتا ہے، تو کیا زید کا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں زید اجیرِ خاص ہے اور اجیرِ خاص شرعاً کسی دوسرے شخص سے اپنا کام نہیں کرا سکتا ورنہ کسی حادثہ کی صورت میں تمام تر ذمہ داری اس کی ہوگی، لہٰذا زید کے لیے ایسا کرنا ناجائز ہے۔

قال العلامة خالد اتاسیؒ: الاجیر الذی استوجب علی ان یعمل بنفسه لیس له ان یستعمل غیرہ مثلاً لو اعطی احد جبة لخیاط علی ان یخیطها بنفسه بکذا دراهم فلیس للخیاط علی ان یخیطها لغیرہ بل یلزم ان یخیطها بنفسه وان خاطها بغیرہ وتلفت فهو ضامن۔ (مجلة الاحکام، مادة ۵۷۱ ص۳۰۶ الفصل الرابع فی اجارة الآدمی)[2]

اجیرِ خاص کا استحقاق

سوال:۔ اگر کسی علاقے کے سرکاری سکول میں طلباء نہ ہوں اور وہاں اساتذہ کا تقرر ہو چکا ہو جبکہ اساتذہ طلباء کی عدم موجودگی کی وجہ سے سکول حاضر نہیں ہوتے، تو کیا ان اساتذہ کو گورنمنٹ سے

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: وانما سمی اجیر وحد لانه لا یمکنه ان یعمل لغیرہ لان منافعه فی المدة صارت مستحقة له والاجر مقابل بالمنافع ولهذا یبقی الاجر مستحقا وان نقص العمل۔ (الهدایة ج۳ ص۳۱۰ کتاب الاجارات، باب ضمان الاجیر)

ومثله فی شرح مجلة الاحکام لسلیم، مادة ۴۲۷ ص۲۳۷ الکتاب الثانی فی الاجارة۔ الباب الاول

[2] قال العلامة المرغینانیؒ: واذا شرط علی الصانع ان یعمل بنفسه فلیس له ان یستعمل غیرہ لان المعقود علیه اتصال العمل فی محل بعینه فیستحق عینه کالمنفعة فی محل بعینه۔ (الهدایة ج۳ ص۲۹۶ کتاب الاجارات۔ باب الاجر متی یستحق)

ومثله فی العنایة علی هامش فتح القدیر ج۸ ص۲۱

تنخواہ لینا جائز ہے؟

الجواب:۔ سکولوں کے اساتذہ اجیرِ خاص کے حکم میں ہوتے ہیں لہٰذا سکولوں میں باقاعدگی کے ساتھ حاضر ہونے کی وجہ سے ہی تنخواہ کے مستحق ہوں گے، بصورتِ دیگر عدم حاضری کی وجہ سے تنخواہ لینے کے حقدار نہیں ہوں گے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمہ اللہ :۔ والاجير الخاص الذی يستحق الاجرة بتسليم نفسه فی المدة وان لم يعمل كمن استوجر شهراً للخدمة او لرعی الغنم۔

(الهداية ج۳ ص۳۰۸ کتاب الاجارات۔ باب ضمان الاجير)[1]

ملازم کے لیے مفوضہ ڈیوٹی کے علاوہ کوئی اور کام کرنا جائز نہیں

سوال:۔ ایک شخص فوج میں ملازم ہے، عموماً عصر کی نماز کے وقت افسرانِ بالا کی جانب سے گراؤنڈ میں حاضر ہونے کا حکم ہوتا ہے، چنانچہ ایک طرف نماز باجماعت کی فضیلت اور دوسری جانب افسروں کا حکم ہوتا ہے اور کبھی کبھی تو نمازِ عصر سے پہلے گراؤنڈ میں پہنچنے کا حکم ملتا ہے، اس صورت میں اگر چند فوجی جوان مل کر کمرے میں ہی جماعت سے نماز پڑھ لیں تو عند اللہ گنہگار تو نہیں ہونگے؟

الجواب:۔ ایسے شخص کے لیے ڈیوٹی کے معین وقت پر پہنچنا ضروری ہے، تاہم اگر مسجد کی جماعت نہ ملے تو چند افراد مل کر کمرے میں ہی جماعت سے نماز پڑھ لیں تو درست ہے، لیکن فرض نماز چھوڑنا بھی جائز نہیں اور نہ ہی وقت سے پہلے نماز پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ ملازم کو ڈیوٹی کے اوقات میں فرائض کے علاوہ دیگر امور میں مشغول رہنا صحیح نہیں ہے۔

وفی الهندية : وفی الفتاوی الفضلی رحمہ اللہ :۔ اذا استاجر رجلاً يوماً ليعمل كذا فعليه ان يعمل ذلك العمل الی تمام المدة ولا يشتغل بشیءٍ آخر سوی المكتوبة

---

[1] قال العلامة ابو البركات النسفی رحمہ اللہ :۔ والخاص يستحق الاجر بتسليم نفسه فی المدة وان لم يعمل كمن استوجر شهراً للخدمة او لرعی الغنم۔

(كنز الدقائق ص۳۶۷ کتاب الاجارات۔ باب ضمان الاجير)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النيرة ج۱ ص۳۲۳ کتاب الاجارة۔

وفی فتاوی اھل سمرقند قد قال بعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی ان لہ یؤدی السنۃ ایضاً واتفقوا انہٗ لا یؤدی نفلاً وعلیہ الفتوٰی کذا فی الذخیرۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۴ ص۴۱۶ کتاب الاجارۃ۔ الباب الثالث فی الاوقات التی یقع علیھا عقد الاجارۃ) ؎۱

مال چوری ہونے کی صورت میں اجیرِ خاص پر ضمان کا حکم

سوال:۔ زید ایک دکان کا مالک ہے اور دوکان کا کاروبار چلانے کیلئے اس نے ایک منشی رکھا ہوا ہے، منشی سے کسی نے دھوکے سے مال چوری کر لیا تو کیا منشی چوری ہونے والے مال کا ضامن ہوگا یا کہ زید یہ نقصان برداشت کرے گا؟

الجواب:۔ اجیرِ خاص کے ہاتھوں میں مال بحکمِ امانت ہے اور چوری کی صورت میں امین پر ضمان نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چوری ہونے والا مال کا منشی ضامن نہیں ہے بلکہ سارا بوجھ زید پر ہے۔ تاہم اگر اس چوری میں منشی ملوث ہو تو ضمان لیا جائے گا۔

قال العلامۃ خالد اتاسیؒ:۔ والاجیر الخاص امین حتّٰی انہٗ لا یضمن المال الذی تلف فی یدہٖ بغیر صنعہ وکذا لا یضمن المال الذی تلف بعملہٖ بلا تعد ایضاً۔

(مجلۃ الاحکام، مادۃ نمبر ۶۱۰ ص۳۲۹ الفصل الثالث فی ضمان الاجیر) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ (قولہ ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ) بل ولا ان یصلی النافلۃ قال فی التتارخانیۃ وفی فتاوی الفضلی واذا استاجر رجلا یوماً یعمل کذا فعلیہ ان یعمل ذلک العمل الی تمام المدۃ ولا یشتغل بشیٍٔ اٰخر سوی المکتوبۃ وفی فتاوی سمرقند وقد قال بعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی لہٗ ان یؤدی السنۃ ایضاً و اتفقوا انہ لا یودی نفلاً وعلیہ الفتوٰی۔ (ردّ المحتار ج۶ ص۷۰ باب ضمان الاجیر، مطلب لیس للاجیر الخاص ان یصلّی النافلۃ)

وَمِثْلُہٗ فی مجلۃ الاحکام مادۃ نمبر ۴۳۶ ص۱۲۰ کتاب الاجارۃ فی بیان ما یدخل فی البیع بدون ذکر صریح وما لا یدخل۔

؎۲ قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ قال فی جامع الفصولین استوجر رجل لحفظ خان او حوانیت فضاع منھا شیٔ قیل ضمن عند ابی یوسفؒ ومحمدؒ لو ضاع من خارج الحجرۃ لانہٗ اجیر مشترک وقیل لا فی الصحیح وبہٖ یفتی لانہٗ اجیر خاص۔

(ردّ المحتار ج۶ ص۷۱ باب ضمان الاجیر، مطلب فی الحارس والخاناتی)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۳ ص۷۰ کتاب الاجارات، باب ضمان الاجیر۔

ٹیوب ویل کا پانی اجارہ پر دینے کا حکم

سوال:- اگر ٹیوب ویل کے مالک اور مالکِ زمین کے درمیان اس شرط پر عقد ہوجائے کہ مالکِ زمین اپنی زمین کے لیے پانی کے عوض ٹیوب ویل کے مالک کو پچاس روپے فی گھنٹہ دے گا، تو کیا ایسا عقد شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں مُدت اور اُجرت دونوں متعین ہے اور جب اجرت اور مُدت متعین ہو تو ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، لہٰذا ایسا معاملہ کرنا درست ہے۔

قال العلامۃ ابن بزاز الکردری : ولا یجوز عقدھا حتی یعلم البدل والمنفعۃ وبیان المنفعۃ باحد ثلاث بیان الوقت وھو الاجل وبیان العمل والمکان فالاجر بیان النقد وھو علی غالب نقد البلد ۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۵ ص۱۱ کتاب الاجارات الاول فی المقدمۃ) ؎۱

دینی مدارس کے لیے کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں

سوال:- بعض دینی مدارس کے مہتممین حضرات کسی شخص کو چندہ کے لیے بھیجدیتے ہیں جبکہ ان کے درمیان یہ طے ہوتا ہے کہ جمع ہونے والے چندہ میں سے تیسرا حصہ اس سفیر کو ملے گا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- عقدِ اجارہ میں یہ ضروری ہے کہ اُجرت متعین ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ کے عقدِ اجارہ میں اُجرت متعین نہیں اس لیے یہ عقد فاسد ہے،
البتہ سفیر کو مدرسہ میں ملازم رکھ کر اس کی تنخواہ مقرر کی جائے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ : تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ

؎۱ قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ : فی شرح الطحاوی عقد الاجارۃ لایجوز الا ان یبین البدل من الجانبین جمیعًا امّا بیان المنفعۃ فباحدی معان ثلاثۃ بیان الوقت وھو الاجل وبیان العمل وبیان المکان امّا الاجر ان کان دراھم او دنانیر فالشرط بیان القدر۔
(خلاصۃ الفتاوی ج۳ ص۱۰۳ کتاب الاجارات، اما الاول فی المقدمۃ... الخ)
وَمِثْلُہٗ فی مجلۃ الاحکام، مادۃ ۴۵۰ ص۲۵۴ الفصل الثالث فی شروط صحۃ الاجارۃ۔

لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع) مما مر (يفسدها كجهالة ماجور اواجرة-

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص۴۶ باب الاجارة الفاسدة) له

مدرسین دینی وعصری مدارس کیلئے چھٹیوں کی تنخواہ لینا جائز ہے

سوال: مدارس میں ایک معروف طریقہ ہے کہ مدرسین حضرات شعبان کے شروع سے لے کر شوال کے آخر تک چھٹیوں پر ہوتے ہیں، اس کے علاوہ سال کے درمیان میں بھی کبھی تو باجازتِ مہتمم اور کبھی بغیر اجازت کے چھٹی کر لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود مہتممین حضرات ان کو باقاعدہ تنخواہ دیتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: ایام تعطیلات ایام عمل کے تابع ہوتے ہیں اس لیے چھٹیوں کی تنخواہ لینا ناجائز نہیں ہے، جب مدرسہ کے مہتمم اور معلمین کے درمیان شرائط طے شدہ ہوں تو دونوں ان شرائط کے پابند ہوں گے لیکن اس میں معطین چندہ کی اجازت قولاً یا حالاً ضروری ہے اس لیے کہ مہتممین حضرات ان معطین کے وکیل ہوتے ہیں اور اگر معطین کی اجازت ورضا نہ ہو تو مہتمم اپنے گھر سے تنخواہ دے گا۔ البتہ بیماری، عیدین اور دوسری ضروریات کی چھٹیوں کے بارے میں اگر مدرسہ کا کوئی مدون قانون ہو تو اس پر عمل درآمد ہوگا ورنہ جو عمل اور رویہ اہل مدارس کے نزدیک معروف ہو اس پر عمل ہوگا اور معروف یہ ہے اساتذہ سے چھٹیوں کی تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، تاہم جانبین پر لازم ہے کہ تنخواہ دیتے اور لیتے وقت اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔

قال العلامة ابن نجیم المصری ؒ: ومنها البطالة فی المدارس کایام الاعیاد ویوم عاشوراء

له قال العلامة ابن نجیم المصری ؒ: وقد ضبطه الشیخ ابوالحسن الکرخی ؒ فی مختصره فقال اذا کان ماوقع علیه عقد الاجارة مجهولاً فی نفسه اوفی اجرة اوفی مدة الاجارة او فی العمل المستاجر علیه فالاجارة فاسدة وکل جهالة تدخل فی البیع فتفسده من جهة الجهالة فکذلک هی فی الاجارة ۔ اھ

(البحر الرائق ج ۷ ص۳۱۲ باب الاجارة الفاسدة)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی کاملیة ص۱۹۲ کتاب الاجارة ۔

وشهر رمضان فی درس الفقه لما رهاصریحة فی کلامهم والمسئلة فیها علی وجهین فان کانت مشروطة لم یسقط من المعلوم شیء والا فینبغی ان یلحق ببطالة القاضی و قداختلفوا فی اخذ القاضی مارتب من بیت المال فی یوم بطالته۔

(الاشباہ والنظائر ص۹۵) لہ

مسلمان کا کفّار کے ساتھ نوکری کرنے کا حکم

سوال:۔ آجکل اکثر مسلمان امریکہ، برطانیہ اور جاپان وغیرہ ممالک میں نوکری کی غرض سے جاتے ہیں اور وہاں کافروں کے ساتھ نوکری کرتے ہیں، کیا کسی مسلمان کو کفار کے ساتھ نوکری کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے ایک مسلمان کی عزّت وعظمت کا بہت خیال رکھا ہے اس لیے مسلمانوں کو بھی اپنی عزّتِ نفس کا خیال رکھنا چاہیئے، اس بناء پر جس نوکری میں ایک مسلمان کی تذلیل وتنقیص ہوتی ہو تو وہ اس کو نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن اگر ایک مسلمان کو کسی کافر کے ہاں کوئی ایسی نوکری ملتی ہو جس میں اس کی اہانت اور ذلّت نہ ہوتی ہو تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اگرچہ خلافِ اولیٰ ضرور ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ:۔ ولو استأجر ذمی مسلما لیخدمه ذکر فی الاصل انه یجوز واکره للمسلم خدمة الذمی اما الکراهة فلان الاستخدام استذلال فکان اجارة المسلم نفسه منه اذلالا لنفسه ولیس للمسلم ان یذل نفسه خصوصاً بخدمة الکافر۔ (بدائع الصنائع ج۴ ص۱۸۹ فصل واما شرائط الرکن) ؎۲

لہ قال العلامة ابن عابدینؒ: حیث کانت البطالة فی یوم الثلاثاء والجمعة وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ وکذا لو بطل فی یوم غیر معتاد لتحریر درس الا اذا نص الواقف علی تقیید الدفع بالیوم الذی یدرس فیه۔ قال فی الفقیه ابوللیث من یأخذ الاجر من طلبة العلم فی یوم لا درس فیه ارجو ان یکون جائزا۔ (ردّالمحتار ج۳ ص۴۱۶ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهٗ فی شرح المجلة لرستم بازؒ۔ المادة ۴۹۵ ص۲۷۱ الفصل الرابع فی اجارة الآدمی)

؎۲ قال العلامة قاضیخانؒ: مسلم آجر نفسه من نصرانی ان استاجره لعمل غیر الخدمة جاز وان آجر نفسه للخدمة قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل لا یجوز وذکر القدوری انه یجوز یکره له خدمة الکافر۔ (الفتاویٰ قاضی خان ج۳ ص۱۸ کتاب الاجارات)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاویٰ ج۳ ص۱۴۹ کتاب الاجارات، الفصل العاشر فی الحظر والاباحة۔

ریڈیو کی مرمت پر اُجرت لینے کا حکم

سوال:۔ ریڈیو جو کہ عموماً گانے بجانے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن بسا اوقات اس میں قرآن مجید کی تلاوت، دینی تقاریر اور خبریں بھی نشر کی جاتی ہیں، اگر وہ خراب ہو جائے تو کیا اس کی درستگی پر مکینک کو اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ریڈیو اپنے اصل کے لحاظ سے ناجائز نہیں ہے اس کو اصلاحی، سائنسی، معلوماتی اور تربیتی مقاصد کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے اور جو چیز فی نفسہ برائی کے لیے نہ ہو مگر لوگ اس کو برائی کے لیے استعمال کرتے ہوں تو فقہاء نے اس کی خرید و فروخت اور اس پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، ہاں اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس کو (ریڈیو کو) گانے بجانے اور خرافات کیلئے استعمال کرتا ہے تو اس کی مرمت بھی ناجائز ہے اور اس پر اجرت لینا بھی ناجائز ہے۔

قال العلامة ابن بزاز الکردری ؒ: ولا تجوز الاجارة علی الغناء والنوح ولو عمل لا اجر له۔ (البزازیة علی هامش الهندیة ج ۵ ص۳۲ نوع فی المتفرقات وفیه الاجارة علی المعاصی) [۱]

بیل کی گائے سے جفتی کرانے پر اُجرت لینا

سوال:۔ ہمارے علاقے میں بعض لوگ گائے کی جفتی کرنے کے لیے بیل پالتے ہیں اور اس پر متعین اُجرت لیتے ہیں، کیا یہ اُجرت لینا جائز ہے؟

الجواب:۔ اُجرت کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو وہ اس شخص کی ملکیت ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں گائے کا حمل ٹھہرانا کسی کے بس کی بات نہیں اس لیے اس پر اُجرت لینا ناجائز ہے، اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے۔

قال العلامة ابن نجیم ؒ:۔ یعنی لا یجوز اخذ اُجرة عساب التیس لقوله علیه الصلوٰة والسلام

---

[۱] قال العلامة الحصکفی ؒ: ولا تصح الاجارة لعسب التیس) وهو نزوة علی الاناث (و) لا (لاجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاهی) ولو اخذ بلا شرط یباح۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص۳۸ مطلب فی الاستیجار علی المعاصی)
ومثله فی بدائع الصنائع ج ۴ ص۱۸۹ کتاب الاجارة۔

ان من السحت عسب التيس ومهر البغي ولانهٗ عمل لا يقدر عليه وھوالاحبال فلا يجوز اخذ الاُجرۃ علیہ ولا اخذ المال بمقابلۃ الماء وھونجسٌ لا قیمۃ لہ فلا یجوز والمراد ھنا استیجار التیس لینذ وعلی الغنم ویحبلھا یا جر۔

(البحرالرائق ج ۸ ص۱۹ باب الاجارۃ الفاسدۃ) لہ

فوٹوگرافی پر اجرت لینا

سوال:۔ فوٹوگرافی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کو ذریعۂ معاش بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی بھی جاندار کی تصویر بنانا یا بنوانا سخت گناہ کا کام ہے، البتہ اشد ضرورت (یعنی عمرہ یا حج کے لیے پاسپورٹ وغیرہ بنوانے کے لیے) کے موقع پر مرخص ہے مگر پھر بھی اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ:۔ ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح وکذا سائر الملاھی لانہٗ استیجار علی المعصیۃ والمعصیۃ لا تستحق بالعقد۔

(الھدایۃ ج ۳ ص۳۰۳ کتاب الاجارات) ؎۲

قلنگ وصول کرنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں مال مویشی والے لوگ کسی کے پہاڑ یا زمین پر جاکر قیام کرتے ہیں اور اپنے مویشیوں کو چراتے ہیں جبکہ گاؤں والے یا مالکانِ اراضی "قلنگ" کے نام سے کچھ رقم ان سے وصول کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر قلنگ تو درو گھاس کا معاوضہ ہے تو پھر جائز نہیں کیونکہ اس میں مالک کی محنت کو کوئی دخل نہیں، اور اگر مملوکہ زمین یا پہاڑ پر رہائش اور قیام کرنے کا معاوضہ ہو تو باقاعدہ عقدِ اجارہ کی صورت میں یہ مال جائز رہے گا۔

لہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (قولہ لا تصح الاجارۃ لعسب التیس) لانہ عمل لا یقدر علیہ وھو الاحبال۔ (ردالمحتار ج ۶ ص۵۵ مطلب فی الاستیجار علی المعاصی)

ومِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۳ ص۳۰۳ کتاب الاجارات۔

؎۲ قال العلامۃ ابوالبرکات النسفیؒ: ولا یجوز علی الغناء والنوح والملاھی۔

(کنزالدقائق ص۳۶۴ کتاب الاجارات)

ومِثْلُہٗ فی ردالمحتار ج ۶ ص۵۵ مطلب فی الاستیجار علی المعاصی۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وتصح اجارة ارض لبناء وغرس وسائر الانتفاعات کطبخ آجر وخزف ومقیل ومراح والمقیل مکان القیلولة والمراح بالضم مأوی الماشیة حتی تلزم الأجرة بالتسلیم امکن زراعتها ام لا۔ (ردالمحتار ج۶ ص۳۰ باب ما یجوز من الاجارة وما یکون خلافًا فیها) [۱]

بینک کی چوکیداری کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا بینک کی چوکیداری کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بینکوں کا موجودہ نظام اگرچہ سودی نظام ہے جو شرعًا ممنوع ہے، مگر چوکیداری کا تعلق چونکہ براہ راست بینک کے سودی معاملات سے نہیں ہے، اس لیے بینک کی چوکیداری میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر ہو سکے تو اجتناب ہی کیا جائے۔

وفی الهندیة: مسلم آجر من مجوسی لیوقد النار لا بأس به کذا فی الخلاصة۔ (الفتاوی الهندیة ج۴ ص۴۵۰ الفصل الرابع فی فساد الاجارة اذا کان المستاجر ... الخ) [۲]

بینک کی ملازمت کرنا

سوال:۔ کیا بینک کی ملازمت کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ آجکل اکثر بینکوں میں سودی کاروبار کا طریقہ رائج ہے جبکہ قرآن وسنت میں سود کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں اور سودی معاملات کے لکھنے، لکھوانے اور شہادت دینے والوں کو بھی سود خوروں کے برابر قرار دیا ہے، اس بناء پر بینک کا ملازم یا تو کاتبین میں سے ہوگا یا شاہدوں میں سے ہوگا جو کہ لعنت کے زمرے میں

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: فاذا عرفت ذلك ظهر لك صحة الاجارات الواقعة فی زماننا من ان یستأجر الارض مقیلًا ومراحًا قاصدًا بذلك الزام الاجر لتمکن منها مطلقًا سواء شملها الماء وامکن زراعتها ام لا۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۱ باب ما یجوز من الاجارة وما یکون خلافًا فیها)

وَمِثْلُهُ فی شرح مجلة الاحکام، تحت المادة ۴۸۴ ص۱۷۱ الباب الرابع فی المسائل ... بمدة الاجارة۔

[۲] قال العلامة سراج الدینؒ: آجر نفسه من مجوسی لیوقد له النار لا بأس۔ (فتاوی سراجیة علی هامش قاضیخان ص۱۲۳ کتاب الاجارة۔ باب ما یکره من الاجارة وما لا یکره)

وَمِثْلُهُ فی خلاصة الفتاوی ج۳ ص۱۴۹ کتاب الاجارة، الفصل العاشر فی الحضر والاباحة۔

داخل ہے، اس لیے بینک کی ملازمت سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

لما ورد فی الحدیث : لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکل الربٰوا وموکلہ قال قلت وکاتبہ وشاھدیہ قال انما نحدث بما سمعنا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص۲۷ باب الربٰوا) [۱]

خلافِ شرع کام کرنے کی اُجرت لینا

سوال:۔ کیا حجامت کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس میں داڑھی کو مونڈنے اور انگریزی طرز کے بال بنانے پڑتے ہیں اور اس پر اجرت بھی لی جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ حجامت کا پیشہ اختیار کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ سر کے بال خلافِ شرع بنانا اور داڑھی منڈھانا گناہ ہے اور گناہ کے کام پر کمائی حرام ہے، لہٰذا اس قسم کے ناجائز کاموں سے پرہیز ہی کیا جائے۔

قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولا یجوز الاستیجار علی شیٔ من الغناء والنوح والمزامیر۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۳ ص۱۱۶ کتاب الاجارات جنس اٰخر فی المتفرقات) [۲]

تعویذ پر اُجرت لینا جائز ہے

سوال:۔ اگر برکت، بیماری سے شفا یا کسی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے قرآنِ مجید کی کوئی آیت لکھ کر تعویذ بنا دیا جائے تو کیا اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احادیثِ نبوی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور فقہاءِ کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ تعویذات پر اُجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ تعویذ خلافِ شرع امور کے لیے نہ ہو۔

---

[۱] لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اٰکل الربٰوا وموکلہ قال قلت وکاتبہ وشاھدیہ قال انما نحدث بما سمعنا وقال ھم سواء۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۴۳ باب الربٰوا)

وَمِثْلُہٗ فی الصحیح البخاری ج۲ ص۸۸۱ کتاب اللباس، باب من لعن المصور۔

[۲] قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح وکذا سائر الملاھی لانہٗ استیجار علی المعصیۃ والمعصیۃ لا تستحق بالعقد۔ (الھدایۃ ج۳ ص۳۰۱ باب الاجارۃ الفاسدۃ)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۶ ص۵۵ باب الاجارۃ الفاسدۃ۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لان المتقدمین المانعین الاستیجار مطلقاً جوز والرقیۃ بالاجرۃ ولو بالقرآن کما ذکرہ الطحاوی لانها لیست عبادۃ محضۃ بل من التداوی۔
(رد المحتار ج۶ ص۵۷ باب الاجارۃ الفاسدۃ۔ مطلب تحریر مہم فی عدم جواز الاستیجار... الخ)[۱]

دلالی کی اجرت لینا جائز ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل کاروباری حلقوں میں دلالی کا رواج بہت زیادہ ہے اور اس پر اُجرت بھی لی جاتی ہے، تو کیا دلالی کی اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دلالی پر اُجرت لینا اگرچہ فقہاء کے نزدیک مختلف فیہ ہے مگر مجبوری کو مدِنظر رکھتے ہوئے قولِ جواز پر فتویٰ دیا گیا ہے بشرطیکہ اُجرت معیّن ہو اور دیگر مفاسد سے خالی ہو۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفی الدلال والسمسار یجب اجرالمثل وما تواضعوا علیہ ان فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذاك حرام علیهم۔ وفی الحاوی سئل محمد بن سلمۃ عن اُجرۃ السمسار فقال ارجوا انہ لا بأس بہ وان کان فی الاصل فاسداً لکثرۃ التعامل وکثیر من ھذا غیر جائز، فجوزوہ لحاجۃ الناس الیہ کدخول الحمام۔ (ردالمحتار ج۶ ص۶۳ باب الاجارۃ الفاسدۃ۔ مطلب فی اُجرۃ الدلال)۔[۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ واما حدیث الرھط الذین رقوا لدیغا بالفاتحۃ واخذ واجعلا فسألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ فمعناہ اذا رقیتم بہ کما نقلہ العینی فی شرح البخاری عن بعض اصحابنا وقال ان الرقیۃ بالقرآن لیست بقربۃ ای لان المقصود بها الاستشفاء دون الثواب۔
(تنقیح الحامدیۃ ج۲ ص۱۳۹ کتاب الاجارۃ)
وَمِثْلُہٗ فی صحیح البخاری ج۲ ص۸۵۴ باب الرقی بالقرآن والمعوذات)

[۲] قال العلامۃ طاھر بن عبدالرشید البخاریؒ: وفی الاصل اجرۃ السمسار والمغاری والحمامی والصکاك ومالا تقدیر فیہ للوقت ولا مقدار لما یستحق بالعقد لکن للناس فیہ حاجۃ جاز وان کان فی الاصل فاسداً۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۳ ص۱۱۶ کتاب الاجارات۔ جنس اخر فی المتفرقات)
وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج۳ ص۱۳ کتاب الاجارات۔

ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے

سوال :۔ سکولوں کے اساتذہ نے حکومت کو اپنے کچھ مطالبات پیش کئے لیکن حکومت نے ان کے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا، بار بار کی یاددہانی کے باوجود بھی حکومت نے نہ مانا تو اساتذہ نے مجبور ہو کر ہڑتال کر دی اور طالب علموں کو پڑھانا چھوڑ دیا لیکن خود سکولوں میں باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے، تو کیا ان ہڑتالی اساتذہ کے لیے ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :۔ چونکہ جمہوری حکومتوں میں ملازمین کو ہڑتال کرنے کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ان ہڑتالی اساتذہ کے لیے ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے، نیز اساتذہ چونکہ اجیرِ خاص کے حکم میں ہوتے ہیں اور اجیر صرف حاضری دینے سے بھی تنخواہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

قال العلامة خالد اتاسیؒ : لو استوجر استاذ لتعلیم علم او صنعة وسمیت الاجرة فان ذکرت مدة انعقدت الاجارة صحیحة علی المدة حتی ان الاستاذ یستحق الاجرة بوجوده حاضراً مهیئاً للتعلیم تعلم التلمیذ اولم یتعلم۔ (مجلة الاحکام، مادة ۵۶۲ ص ۳۰۵ کتاب الاجارة۔ الفصل الرابع فی اجارة الآدمی) [۱]

مریض کی تشخیص کرنے پر ڈاکٹروں کی فیس کا حکم

سوال :۔ آجکل پرائیویٹ ہسپتالوں کی بہتات ہے جہاں ڈاکٹر حضرات مریض کی صرف تشخیص کی بھاری فیس لیتے ہیں، کیا مریض کی تشخیص پر ڈاکٹروں کا بھاری فیس لینا جائز ہے؟

الجواب :۔ مریض کی تشخیص پر ڈاکٹروں کا فیس لینے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة خیر الدین الرملیؒ : سئل فی رجل داء فی انفه اتفق مع طبیب علی

---

[۱] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : وهو الموافق لتصریح المتون بانه یستحق الاجر بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۷۰ باب ضمان الاجیر۔ مطلب لیس للاجیر الخاص ان یصلی النافلة)

ومثله فی الفتاوی الکاملیة ص ۱۹۵ کتاب الاجارة۔ مطلب فی الاجیر الخاص۔

مداواته وجعل لهٗ اجرة ولم يضرب لذلك مدة ودا واه فما الحکم (الجواب) للطبیب اجرة مثله وما انفق فی ثمن الادویة لفساد الاجارة علی الوجه المذکور۔

(فتاوٰی خیریة علی هامش تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۸۲ کتاب الاجارة) [1]

اجارہ پر لی ہوئی زمین میں افیون کاشت کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کو اپنی زمین اجارہ پر دیدی، مستاجر نے اس میں افیون کاشت کردی، تو کیا اس پر اُجرت لینا جائز ہے؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ کے مطابق اس طرح زمین پر اجرت لینا حرام نہیں ہے، جیسا کہ فقہاء کی عبارات سے واضح ہے، کیونکہ مالکِ زمین نے ارتکابِ معصیت کے لیے زمین تو نہیں دی ہے جبکہ افیون کی ایک خاص مقدار کا ادویات میں استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

قال العلامة قاضی خانؒ: ولا بأس لمسلم ان یواجر دارہ من ذمی لیسکنها وان شرب فیه الخمر او عبد فیه الصلیب او ادخل فیه الخنازیر فذلك لا یلحق المسلم۔ (فتاوٰی قاضی خان مع سراجیة ج۳ ص۱۸ کتاب الاجارات، باب الاجارة الفاسدة) [2]

عذر کی صورت میں اجارہ فسخ کرنا

سوال:۔ مستاجر یا موجر میں سے اگر کوئی اجارہ فسخ کرنا چاہے تو شرعاً اس کی کیا تفصیل ہے؟

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: سئل فی رجل به دارفی ظهره اتفق مع طبیب علی مداواته وجعل اجرة ولم یضرب له مدة وداواه ویرید الطبیب اجرة مثله وما انفقه فی ثمن الادویة فهل لهٗ ذلك (الجواب) نعم والمسئلة فی الخیریة من الاجارة۔

(تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۵۱، ۱۵۲ کتاب الاجارة)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۶ ص۸۱ باب فسخ الاجارة۔ مطلب فسق المستاجر لیس عذراً فی الفسخ۔

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: واذا استاجر الذمی من المسلم داراً لیسکنها فلا بأس به وان شرب الخمر او عبد فیه الصلیب لم یلحق المسلم شئ کما لو اجر دارہ من فاسق یعصی الله فیها۔ (خلاصة الفتاوٰی ج۳ ص۱۵۰ کتاب الاجارات۔ الفصل العاشر فی الحظر والاباحة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۴ ص۴۵۰ الفصل الرابع فی فساد الاجارة اذا کان المستاجر۔ الخ

الجواب: مؤجر یا مستاجر میں سے کسی ایک کو بھی اگر واقعتاً عذر پیش آئے تو وہ یکطرفہ طور پر اجارہ فسخ کرنے کا اختیار رکھتا ہے، مثلاً کسی شخص نے بار برداری کے لیے جانور کرایہ پر لیا تھا پھر اس کی آنکھیں ضائع ہوگئیں جس کی وجہ سے وہ جانور بیکار ہوگیا تو اس صورت میں مستاجر اجارہ فسخ کرسکتا ہے۔

وفی الہندیۃ: واذا تحقق العذر ومست الحاجۃ الی النقض ھل یتفرد صاحب العذر بالنقض او یحتاج الی القضاء والرضاء اختلف الروایات فیہ والصحیح ان العذر اذا کان ظاھر یتفرد وان کان مشتبھاً لا یتفرد کذا فی فتاوی قاضی خان۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج۴ ص۴۵۸ کتاب الاجارۃ۔ الباب التاسع عشر فی فسخ الاجارۃ بالعذر) [1]

نااہلی اجارہ فسخ کرنے کیلئے عذر ہے

سوال: کسی مدرسہ کا مہتمم اپنے ایک مدرس کو تعلیمی سال کے درمیان میں اس وجہ سے فارغ کرنا چاہتا ہے کہ تمہاری پڑھائی سے طلباء مطمئن نہیں ہیں، جبکہ مدرس کا کہنا ہے کہ مہتمم خود یا دوسرے مدرسین میرے درس میں آکر دیکھیں، اگر واقعتاً وہ میری تدریس میں نقص محسوس کریں تو بے شک مہتمم صاحب مجھے تدریس سے فارغ کردیں، ورنہ بصورتِ دیگر میری بے عزتی سے باز رہیں، اس قضیہ میں شرعی فیصلہ سے مستفید فرمائیں، مہربانی ہوگی؟

الجواب: اگر مدرس واقعی تدریس کرنے کا اہل نہ ہو تو مہتمم مدرسہ کو اجارہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے تاہم اس میں صرف مہتمم کے بیان کا اعتبار نہیں ہے کہ مدرس تدریس کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس میں مدرس کی بات معقول نظر آتی ہے کہ خود مہتمم صاحب میری اہلیت کا جائزہ لیں یا کسی دوسرے مدرس سے فیصلہ کروائیں، عام مدارس کے قواعد وضوابط کی روشنی میں کسی مدرس کو دورانِ سال فارغ کرنا مروت کے خلاف ہے۔

وفی الہندیۃ: اذا استاجر استاذ لیعلمہ ھذا العمل فی ھذہ السنۃ فمضی نصف السنۃ فلم

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: الاجارۃ عقد لازم لا تنفسخ بغیر عذر الا اذا وقعت علی استھلاک عین کالاستکتاب فلصاحب الورق فسخھا بلا عذر۔ (الاشباہ والنظائر ج۳ ص۱۱ کتاب الاجارۃ)
ومثلہٗ فی قاضیخان علی ھامش الہندیۃ ج۲ ص۳۵۲ کتاب الاجارۃ۔ فصل فیما تنتقض بہ الاجارۃ وما لا تنتقض بہ

يعلمه شيئاً فللمستاجر ان يفسخ۔ (الفتاوی الہندیہ ج۴ ص۴۶۱ کتاب الاجارۃ۔ فی الباب التاسع عشر فی فسخ الاجارۃ بالعذر) ۱؎

اجارہ پر دی ہوئی چیز کی بیع موقوف ہے

سوال:۔ زید نے ایک دوکان جو کہ دو بھائیوں کی ملکیت ہے، دس سال کیلئے اجارہ پر لی ہے اور سارا کرایہ پیشگی ادا کر دیا ہے اور فریقین کے مابین یہ شرط طے پائی ہے کہ ان دس سالوں کے درمیان مالکِ دوکان نہ تو دوکان فروخت کریں گے اور نہ ہی رہن پر دیں گے، لیکن پانچ سال کے بعد ایک بھائی نے اپنا نصف حصّہ زید کے ہاتھ فروخت کر دیا، اب زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ چونکہ طے شدہ دس سال کا معاہدہ ختم ہو چکا ہے اس لیے اب نئے سرے سے دوبارہ معاہدہ ہوگا اور مجھے آٹھ ہزار ماہانہ کرایہ دو گے، تو کیا اس طرح زید کو معاہدہ اول فسخ کرنے اور کرایہ بڑھانے کا شرعاً حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق مالکِ دوکان کی بیع نافذ ہے لیکن دس سال ختم ہونے سے پہلے نہ تو مشتری اس پر قبضہ کر سکتا ہے اور نہ ہی مالکِ دوکان کرایہ دار کو نکال سکتا ہے اسی طرح از سرِ نو کرایہ بڑھانے کا معاہدہ کرنا بھی بے جا ہے۔ البتہ دس سال پورا ہونے کے بعد بیع بھی نافذ العمل ہوگی اور کرایہ بھی بڑھایا جا سکے گا۔

قال العلامة خالد الاتاسیؒ: لو باع الآجر المأجور بدون اذن المستاجر كان البيع نافذاً بين البائع والمشتري وان لم يكن نافذ بحق المستاجر حتى انه بعد انقضاء مدة الاجارة يلزم البيع في حق المشتري وليس له الامتناع عن اخذ المبيع الا ان يطلب تسليمه له من البائع قبل انقضاء مدة الاجارة الخ۔ (مجلۃ الاحکام، مادہ ۵۹۰ ص۳۱۵ الفصل الثانی فی تصرف العاقدین فی المأجور بعد العقد) ۲؎

۱؎ قال العلامة ابن بزازؒ: استاجر معلماً لتعليم ولده القرآن والحرفة في سنة فمضت ستة اشهر ولم يعلم شيئاً له فسخ الاجارة۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۵ ص۳۹ کتاب الاجارۃ۔ نوع فی تعلیم القرآن والحرف)

وَمِثْلُهُ فی الاشباہ والنظائر ج۳ ص۱۳۹ کتاب الاجارۃ۔

۲؎ قال العلامة محمد كامل الطرابلسيؒ: سئلت عمن استاجر داراً ثم باعها الاخر حتى تبطل الاجارة بهذا البيع فالجواب انه رفع للخير الرملي مثل هذا السوال فاجاب عنه بما نصه لا يبطل الاجارة بهذا البيع بالاجماع وحكم البيع انه موقوف يصح ولا ينفذ وليس لغير المشتري فسخه والمشتري بالخيار علم اولم يعلم في الاصح۔ وفي الخانية يتوقف على الاجارة المستاجر في اصح الروايات۔

(فتاوی کاملیہ ص۱۹۴ کتاب الاجارہ، مطلب استاجر داراً ثم باعها کان البیع موقوفاً)

وَمِثْلُهُ فی خلاصۃ الفتاوی ج۳ ص۱۴۳ کتاب الاجارات۔

میوزک سنٹر کے لیے دوکان کرایہ پر دینے کا حکم

سوال :۔ آجکل اکثر مارکیٹوں میں میوزک سنٹروں کے لیے مخصوص دوکانیں بنائی جاتی ہیں اور پھر کرایہ پر دی جاتی ہیں، کیا یہ کرایہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ معاصی کے امور کے لیے مکان یا دوکان کرایہ پر دینے میں چونکہ گناہ میں اجیر بذاتِ شریک نہیں اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکان یا دوکان کے اجارہ لینے میں کوئی قباحت نہیں جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ اجارہ قبیح ہے تاہم چونکہ اس میں تعاون علی الاثم کا ایک گونہ ہونا موجود ہے اِس لیے اس قسم کے افعالِ قبیحہ کے لیے مکان یا دوکان کو اجارہ (کرایہ) پر دینا کراہت سے خالی نہیں۔

وفی الهندیة : واذا استاجر الذمّی من المسلم داراً یسکنها فلا بأس بذٰلك وان شرب فیها الخمر اوعبد فیها الصلیب اوادخل فیها الخنازیر ولم یلحق المسلم فی ذٰلك بأس لان المسلم لا یؤاجرها لذٰلك انما آجرها للسکنی كذا فی المحیط۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۴ ص۴۵۰ الفصل الرابع فی فساد الاجارة اذا کان المستاجر مشغولاً بغیره)[1]

پگڑی دے کر دوکان یا مکان کرایہ پر لینے کا حکم

سوال :۔ آجکل کاروباری لوگوں میں یہ رواج عام ہوگیا ہے کہ ایک بھاری رقم (جس کو عُرف میں پگڑی کہا جاتا ہے) دے کر دوکان کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ کیا پگڑی دے کر دوکان کرایہ پر لینا جائز ہے ؟

الجواب :۔ دوکانات یا دیگر کاروباری مکانات پر پگڑی دینے کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) پگڑی اگر دوکاندار کو بصورتِ رشوت یا رہن دی جاتی ہو تو مالکِ دوکان اور کرایہ دار دونوں

---

[1] قال العلامة سراج الدین رحمہ اللہ : آجر بیتاً لیتخذ فیه بیت نار او بیعة اوکنیسة اویباع فیه الخمر لا بأس به عند ابی حنیفة رحمہ اللہ خلافاً لهما۔ (فتاوٰی سراجیة علٰی هامش قاضیخان ج۴ ص۱۴۲ کتاب الاجارة۔ باب ما یکره من الاجارة ومالا یکره)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوٰی ج۳ ص۱۴۹ کتاب الاجارات۔ الفصل العاشر فی الحضر والاباحة۔

کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲) اور اگر اجرتِ معجلہ کی صورت میں ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة محمد خالد الاتاسی رحمہ اللہ: تلزم الاجرۃ بالتعجیل یعنی لو سلم المستاجر الاجرۃ نقداً ملکھا الآجر ولیس للمستاجر استردادھا سواء کانت الاجارۃ منجزۃ او مضافۃ۔ [الہندیۃ]۔ (مجلۃ الاحکام، مادۃ ۴۶۷ ص ۲۶۱ الفصل الثانی فی بیان المسائل المتعلقۃ بسبب لزوم الاجرۃ وکیفیۃ استحقاق الاجرۃ) [۱]

آفات کی وجہ سے اجرت ساقط ہوتی ہے

سوال:۔ ایک شخص نے دس کنال زمین اجارہ پر لے کر اس میں گندم کاشت کی، اس کے بعد حکومت نے قریبی قصبے کو سیلاب سے بچانے کے لیے اس زمین سے بہت ساری مٹی اٹھالی جس سے زمین کو بہت نقصان پہنچا اور فصل بالکل تباہ ہو گئی، تو اس صورت میں اجارہ کی رقم مؤجر کو دینا پڑے گی یا کہ نہیں؟

الجواب:۔ حکومت کے مٹی اٹھانے کی وجہ سے اگر یہ زمین ناقابلِ کاشت ہو گئی ہو تو ناقابلِ کاشت ہونے کے بعد والی مدت کی اجرت ساقط ہو جائے گی اور ناقابلِ کاشت ہونے سے قبل کی اُجر ساقط نہ ہو گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فاذا استاجرھا للزراعۃ فاصطلم الزرع آفۃ وجب منھما قبل الاصطلام وسقط ما بعدہ۔ (ردّ المحتار ج ۶ ص ۷۱ باب ضمان الاجیر۔ مبحث اختلاف المؤجر والمستاجر) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: فی شرح الطحاوی الاجرۃ لا تخلو اما ان تکون معجلۃ او مؤجلۃ او منجمۃ او مسکوتا عنھا فان کانت معجلۃ فان لہ ان یتملکھا ولہ ان یطالب بھا وان کانت مؤجلۃ فلیس لہ ان یطالب الا بعد الاجل وان کانت منجمۃ فلہ ان یطالب عند کل نجم۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۵ کتاب الاجارات)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج ۳ ص ۱۰۳ کتاب الاجارۃ۔

[۲] قال العلامۃ ابن البزاز الکردریؒ: استاجر ارضاً للزراعۃ فزرعھا واصاب الزرع آفۃ او غرق الارض فعلیہ الاجر علی الکمال ولو غرق قبل الزرع فلا اجر علیہ قال فی المحیط والفتوٰی علی انہ اذا بقی بعد ھلاک الزرع مدۃ لا یتمکن من اعادۃ الزراعۃ لا یجب الزراعۃ الاجر علی المستاجر والا یجب اذا تمکن من زراعۃ مثل الاول۔

(البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۵ ص ۵۹ الباب الثالث فی الضیاع والعقار)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۴ ص ۴۶۱ الباب التاسع عشر فی فسخ الاجارۃ بالعذر۔

جن شروط سے بیع فاسد ہوتی ہے انہی شروط سے عقدِ اجارہ بھی فاسد ہوتا ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی سے بیس ہزار روپے سالانہ اجارہ پر زمین لے کر پانچ ہزار روپے پیشگی دیئے اور یہ شرط لگائی کہ اگر مستاجر میعاد پوری ہونے سے قبل زمین چھوڑنا چاہے تو بھی مالکِ زمین کو پانچ ہزار روپے پورے دینے پڑیں گے، تو کیا ایسا اجارہ شرعاً درست ہے؟

الجواب :۔ یہ اجارہ شروطِ فاسدہ کی وجہ سے درست نہیں ہے کیونکہ اس میں تعیینِ مُدت نہیں ہے، ہاں اگر اقالہ کا وعدہ صلبِ عقد میں ہوا ہے تو ناجائز نہیں ہے لیکن بقدرِ مُدت کے رقم ملے گی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله :تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع) مما مر (یفسدها) کجهالة ماجور او اجرة او مدة او عمل وکشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار او مغارمها وعشرا وخراج او مؤنة ۔ (ردّ المحتار ج۶ ص۴۶ باب الاجارة الفاسدة) [1]

گودام سے چوری ہونے والے مال میں چوکیدار پر ضمان نہیں

سوال: گودام جہاں مختلف لوگوں کا غلہ اور دیگر سامان رکھا ہوتا ہے وہاں سے اگر کسی کا سامان گم ہو جائے تو ضمان کس پر ہے جبکہ گودام کی حفاظت کے لیے چوکیدار بھی موجود ہے؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں گودام کے چوکیدار پر ضمان نہیں ہے اور نہ ہی مستاجر ضامن ہے۔

قال العلامة سلیم رستم باز رحمه الله : قال فی جامع الفصولین استوجر

---

[1] قال العلامة محمد کامل الطرابلسیؒ، ففی التنویر وشرحه للعلائی تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع یفسدها کجهالة ماجور او اجرة او مدة او عمل الخ (فتاوی کاملیة ص۱۹۲ کتاب الاجارة ۔ مطلب تفسد الاجارة باشتراط الترمیم ونحوه)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۷ ص۳۱۲ کتاب الاجارة ۔ باب الاجارة الفاسدة ۔

رجل لحفظ خان او حوانیت فضاع شئ قیل یضمن عند ابی یوسفؒ ومحمدؒ لو ضاع من خارج الحجرة لانه اجیر مشترک وقیل لا فی الصحیح وبه یفتی لانه اجیر خاص الا یری انه لو اراد ان یشغل نفسه فی صنع آخر لم یکن له ذالک ولو ضاع من داخلها بان نقب اللص فلا یضمن۔

(شرح مجلة الاحکام مادة ۶۱۰ ص ۳۲۹ الفصل الثالث فی ضمان) [1]

کسی سفارتخانے سے ویزہ کے نکلوانے پر رقم لینا جائز نہیں

سوال:۔ ایک شخص کسی غیر ملکی سفارت خانہ سے ویزہ لینا چاہتا ہے جس پر کل دس ہزار روپے خرچ آتا ہے، لیکن چند وجوہات کی بناء پر وہ ویزہ لینے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اب ایک دوسرا آدمی اُسے یہ کہتا ہے کہ اگر تم مجھے تیس ہزار روپے دے دو تو میں تمہارے لیے ویزے کا انتظام کر سکتا ہوں، اور دونوں کے درمیان تیس ہزار روپے پر معاہدہ ہوگیا، تو کیا اس صورت میں یہ رقم لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ویزہ اس شخص کا حق بنتا ہو مگر بغیر رشوت کے حاصل نہیں کرسکتا ہو تو پھر دینے والے کے لیے رشوت حرام نہیں ہے البتہ لینے والے کے لیے حرام ہے ہاں اگر اس آدمی کو باقاعدہ طور پر ایک یا دو دنوں کے لیے اجیر بنا دیا جائے تو پھر لینے اور دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمه الله:۔ اهل بلدة ثقلت علیهم المؤنات فاستاجروا رجالاً باجر معلوم لیذهب الی السلطان ویرفع القصة لیخفف عنهم السلطان نوع تخفیف واخذ الاجر من عامة اهل البلدة من الاغنیاء والفقراء قالوا ان کان بحال لو ذهب الی بلدة السلطان یتهیأ له اصلاح الامر فی یوم او یومین

---

[1] قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: نقب حانوت رجل واخذ متاعه لا یضمن حارس الحوانیت علی ما علیه الفتوی لان الامتعة محروسة بابوابها وحیطانها والحارس یحرس الابواب۔

(البزازیة علی هامش الهندیة ج۵ ص۹۲ نوع المتفرقات)

ومثله فی تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۱۶ کتاب الاجارة۔

جازت الاجارة وان كان بحال لا يحصل المقصود في يوم او يومين وانما يحصل في مدة فان وقتوا الاجارة وقتاً جازت الاجارة وله كل المسمّى وان لم يوقتوا افسدت الاجارة وكان له اجر المثل على اهل البلدة على قدر مؤنتهم ومنافعهم۔ [1]

(فتاوى قاضى خان ج۳ ص۱۸ باب الاجارة الفاسدة)

مسئلہ قفیز الطحان کا حکم

جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں آٹا پیسنے والی مشینیں عام ہیں، لوگ آٹا پسوانے کے لیے گندم وغیرہ لاتے ہیں اور مالکِ مشین نقد کی بجائے بیسواں یا تیسواں حصہ آٹا پیسنے کے عوض اجرت کے طور پر لیتے ہیں، کیا ایسا اجارہ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ صورت قبیلہ قفیز الطحان سے ہے یعنی کسی ایسی چیز کو اُجرت میں متعین کرنا ہے جو اجیر کے عمل سے وجود میں آتی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے اجارہ سے منع فرمایا ہے، اس کے صحیح یا ناجائز ہونے پر بہت سی صورتیں موقوف ہیں، ہاں اگر بغیر تعین کے اسی جنس سے پہلے یا بعد میں اُجرت دی جائے تو بالاتفاق جائز ہے۔ مشائخ بلخ نے اپنے علاقہ میں ابتلاء عوام وخواص کی بناء پر روٹی کے بارے میں جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں اس کا ذکر ہے۔ لیکن آجکل چونکہ اکثر بلاد میں یہ طریقہ مروج ہے، مگر قفیز الطحان کا مسئلہ جوں کا توں رہے گا، عرف کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

---

[1] وفي الهندية: في الكبرىٰ اهل بلدة ثقلت عليهم مؤنات العمل فاستاجروا رجلاً باجرة معلومة ليذهب ويرفع امرهم الى السلطان الاعظم ليخفف عنهم بعض الحيف واخذ الاجرة من عامتهم غنيهم وفقيرهم ذكر ههنا انه ان كان بحال لو ذهب الى بلد السلطان تهيا له اصلاح الامر يوماً او يومين جازت الاجارة وان كان بحال لا يحصل ذلك الا بمدة فان وقتوا للاجارة وقتاً معلوماً فالاجارة جائزة والاجر كله له وانه لم يوقتوا فهي فاسدة وله اجر مثله۔

(الفتاوى الهندية ج۴ ص۵۲۶ الباب الثاني والثلاثون في المتفرقات۔

ومثله في شرح مجلة الاحكام لسليم رستم مادة نـ ۵۲۵ ص۳۰۶ الفصل الرابع في اجارة الآدمي۔

قال العلامة برهان الدين المرغينانی رحمه الله: ومن دفع الی حائك غزلاً لينسجه بالنصف فله اجر مثله وكذا اذا استاجر حماراً يحمل عليه طعاماً بقفيز منه فالاجارة فاسدة لانه جعل الاجر بعض ما يخرج من عمله فيصير قفيز الطحان وقد نهى النبی صلی الله عليه وسلم عنه۔

(الهداية ج ٣ ص ٣٠٥ باب الاجارة الفاسدة کتاب الاجارات) لہ

شامی کی ایک عبارت کی وضاحت

سوال:- جناب مفتی صاحب! شامی کی مندرجہ ذیل عبارت کی وضاحت مطلوب ہے:- عن المحيط ما اخذته الزانية ان كان بعقد الاجارة فحلال عند ابی حنيفة رح لان اجر المثل فی الاجارة الفاسدة طيبٌ۔ کیا واقعی امام صاحب رح زنا پر اجرت کو حلال سمجھتے تھے؟

الجواب:- اوّلاً تو امام صاحب رح کی طرف اس کی نسبت ہی صحیح نہیں، اس لیے کہ امام صاحب رح جیسی متقی اور پاکباز شخصیت یہ بات کیسے کہہ سکتی ہے کہ زنا جیسے قبیح عمل پر اجرت لینا حلال ہے۔

قال العلامة الرافعی رح لم ار فيه وبعيد عن الامام المعروف بالورع۔ (التقريرات ج ٢ ص ٢٦٣ باب الاجارة الفاسدة) البتہ بصورتِ صحت توجیہ یہ ممکن ہے کہ اجارہ میں اصل معقود علیہ زنا نہیں بلکہ ایک امرِ مباح مثلاً گھر کا کام کاج ہے مگر اس کے ساتھ زنا بطورِ شرط ٹھہرائی جائے جیسے اجارۂ فاسدہ ہو جاتا ہے لیکن اصل عقد کی وجہ سے اُجرت حلال ہے اگرچہ اس کے ضمن میں زنا بھی ہوتا رہے۔

لہ قال العلامة الحصكفی رحمة الله: ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه ای بنصف الغزل او استاجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه او ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه فسدت فی الكل لانه استاجره بجزء من عمله والاصل فی ذلك نهيه صلی الله عليه وسلم عن قفيز الطحان وقدمناه فی بيع الوفاء والحيلة ان يفرز الاجر اولاً او يسمى قفيزاً بلا تعيين ثم يعطيه قفيزاً منه فيجوز۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ٦ ص ٥٦ باب الاجارة الفاسدة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ٤ ص ٤٤٤ الفصل الثالث فی قفيز الطحان۔

اجارہ پر جانور پالنے کا طریقہ

سوال:- جناب مفتی صاحب! آجکل یہ رواج عام ہے کہ مالدار آدمی کسی تنگدست کے لیے جانور خریدتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم اسے پالو اس کا جو بچہ ہوگا وہ دونوں کا مشترکہ ہوگا۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے جواز کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں چونکہ اُجرت مجہول ہے اس لیے یہ معاملہ درست نہیں، البتہ اس کے جواز کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مالدار آدمی جانور لے کر اس کی قیمت لگا دے اور پھر نصف نصف کرلے اور چرانے والا اس کو قبول کر کے نصف قیمت ادا کرنے لگے تو اُسے نصف قیمت کی ادائیگی سے بری کر دے اور پھر اس سے کہے کہ تم اس کی پرورش کرو اور اس سے ہونے والا بچہ ہم دونوں کا مشترکہ ہوگا، اگر وہ منظور کرلے تب تو دونوں اس جانور کے بچے میں برابر کے شریک ہوسکتے ہیں ورنہ نہیں۔

مشروط میعاد سے قبل دوکان خالی کرنے پر کل میعاد کے کرایہ کا حکم

سوال:- کسی شخص نے ایک دوکان تین سال کے لیے کرایہ پر لی، مالکِ دوکان نے کرایہ دار سے یہ طے کیا کہ چاہے تم اس میں پورے تین سال تک کاروبار کرو یا کم، کرایہ تین سال کا ہی ادا کرو گے، کرایہ دار نے یہ شرط قبول کر کے کاروبار شروع کر دیا، ایک سال کے اندر اندر دو مرتبہ دوکان سے چوری ہوگئی، کرایہ دار مالکِ دوکان اور اس کے بیٹوں پر شک کرتا ہے جبکہ اس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں کہ دعویٰ کو ثابت کرسکے۔ اور اب وہ اس عذر کی بناء پر دوکان خالی کرنا چاہتا ہے مگر مالکِ دوکان پورے تین سال کا کرایہ لینے پر مصر ہے، یاد رہے کہ مقررہ میعاد پوری ہونے پر دو سال باقی ہیں۔ تو کیا مالکِ دکان بقیہ میعاد کے کرایہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:- حسبِ معاہدہ اگرچہ دوکان کا مالک جملہ میعاد کے کرایہ کا حقدار ہے مگر عذرِ شرعی کی بناء پر دوکان خالی کرنے کے بعد والی میعاد کا کرایہ وصول نہیں کرسکتا اور نہ اس کو یہ حق حاصل ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: یہ خالی کرنا اگر کسی عذر سے ہے تو کل کرایہ وصول نہ کیا جاوے گا ورنہ وصول کیا جاوے گا۔

(امداد الفتاویٰ ج۳ ص۳۸۷ کتاب الاجارہ)

رشوت کے ذریعے حاصل کیے ہوئے ٹھیکہ کی کمائی کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے رشوت دے کر کسی کام کا ٹھیکہ حاصل کیا، پھر شرعی حدود کی خلاف کیے بغیر وہ کام پورا کر کے کچھ کمایا، تو کیا یہ کمائی اس شخص کے لیے حلال اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رشوت یا دیگر غیر شرعی طریقوں سے حاصل کیا ہوا ٹھیکہ یا کوئی بھی کام فی نفسہٖ جائز نہیں، اور پھر شرعی حدود کی خلاف ورزی کیے بغیر وہ عمل کر کے کچھ کمانا اس عامل کیلئے قابلِ اعتراض نہیں، اگرچہ رشوت دینا اور لینا حرام ہے۔

وفی الهندیة: سئل محمد بن مقاتل رحمه الله تعالیٰ عن رجلٍ سرق ما لاً واساله الیٰ ارضه وکرمه فأجاب انه یطیب لهٗ ما خرج بمنزلة رجل غصب شعیرًا او تبنًا وسمن به دابة فانه یجب علیه مثل ما غصب وما زاد فی الدابة طیب لهٗ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۵ ص ۳۷۴، ۳۷۵ کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون فی المتفرقات)

کمیشن لینے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! عصرِ حاضر میں کمیشن کا بہت رواج ہے، مثلاً ایک کاریگر کسی شخص کے لیے دوکان سے سامان لیتے جاتا ہے، وہ شخص کاریگر پر اعتماد کرتا ہے کہ میرے لیے عمدہ سامان کم قیمت پر خریدے گا۔ جبکہ بائع (دکاندار) کاریگر کو کمیشن دے کر کم قیمت کا سامان اس پر مہنگے داموں فروخت کرتا ہے، شرعاً اس کمیشن کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ دوکاندار (بائع) طرف سے اس خریدار (کاریگر) کو کوئی رقم وغیرہ دینا ناجائز نہیں ہے، تجّار کی طرف سے یہ اکرام تجارت کو فروغ دینے کیلئے کیا جاتا ہے اور یہ اصولِ تجارت میں شمار ہے البتہ اس کاریگر کے لیے یہ رقم لینا اُس وقت جائز ہے جبکہ وہ باقاعدہ تگ و دو سے وہ چیز خریدے اور پہلے سے کمیشن لینے کی شرط نہ لگائے اور طمع سے دل کو خالی کرے، یعنی دل میں یہ فیصلہ کرے کہ اگر یہ دوکاندار مجھے کمیشن نہ بھی دے تو میں سوائے طبعی بوجھ کے دیگر اثر سے متاثر نہ ہوں گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ولو قضی حاجته بلا شرط ولا طمع فاهدیٰ الیه بعد ذٰلك فهو حلال لا بأس به۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۳۶۲ فی اقسام الرشوة)

ولما قال العلامة الكاسانی رحمه الله: والقیاس فی استئجار الظئر بطعامها وكسوتها انه لا یجوز وهو قول ابی یوسف ومحمد لجهالة الاجرة وهی الطعام والكسوة الا ان ابا حنیفة رحمه الله استحسن الجواز بالنص وهو قوله عز وجل وعلی المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف من غیر فصل بین ما اذا كانت الوالدة منكوحة او مطلقة وقوله عز وجل وعلی الوارث مثل ذلك ای الرزق والكسوة وذلك یكون بعد موت المولود ..... وقولهما الاجرة مجهولة مسلم لكن الجهالة لا تمنع صحة العقد لعینها بل لافضائها الی المنازعة وجهالة الاجرة فی هذا الباب لا تفضی الی المنازعة لان العادة جرت بالمسامحة مع الاظآر والتوسیع علیهن شفقة علی الاولاد فاشبهت جهالة القفیز من الصبرة ۔

(بدائع الصنائع ج۴ ص۱۹۳ كتاب الاجارة. مطلب فیما یرجع الی المعقود علیه)

کام میں رکاوٹ پیدا ہونے کے خوف سے ٹھیکیدار کا افسرانِ بالا کو رشوت دینا

سوال: جناب مفتی صاحب! درج ذیل مسئلہ کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں ۔

(۱) ایک آدمی سرکاری ٹھیکہ لیتا ہے تو سرکاری آفیسر اس سے بارہ یا پندرہ فیصد ضرور کمیشن لیتے ہیں اور اگر کوئی ٹھیکیدار کمیشن نہ دے تو اس کے کام میں رکاوٹ پیدا کر دیتے ہیں نیز سرکاری آفیسر اس کمیشن کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کام کی نگرانی کرتے ہیں، اپنا وقت ضائع کرتے ہیں ۔ ٹھیکیدار بامرِ مجبوری مذکورہ کمیشن دیتا ہے کیونکہ اس کا ذریعۂ معاش یہی ہے ۔ تو کیا ٹھیکیدار کے لیے اس طرح ٹھیکہ لینا جائز ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں ؟

(۲) روزہ کی خاطر اگر کوئی عورت ایسی گولی استعمال کرے کہ اس کا حیض رک جائے تو کیا روزہ کی خاطر حیض روکنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: (۱) ٹھیکہ دینے کے بدلے جو افسران ٹھیکیدار سے کمیشن کے نام پر پیسے لیتے ہیں وہ رشوت میں داخل ہے، کام کی نگرانی کرنا ان کا فریضۂ منصبی ہے، اس کے بدلے وہ حکومت سے تنخواہ لیتے ہیں ۔ لہٰذا اگر ٹھیکیدار ٹھیکہ لینے کا حقدار ہو اور بغیر رشوت کے اسے ٹھیکہ نہ دیا جاتا ہو تو بحالتِ مجبوری اس کو تو رشوت دینا مرخص ہے مگر افسرانِ بالا کیلئے لینا ہرگز حلال نہیں ۔ ٹھیکیداری کرنا ایک مباح کام ہے اصول اور دیانتداری سے کرنا چاہیئے ۔

(۲) حیض بند کرنے کے لیے گولیاں استعمال کرنا کوئی ممنوع عمل نہیں اور نہ اس سے روزے پر کوئی فرق پڑتا ہے تاہم اگر طبی لحاظ سے ایسا کرنا مضر ہو تو اس سے اجتناب کرنا بھی مناسب ہے ۔

امام مسجد کا حقِ امامت سے زیادہ چھٹیاں کرنا

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب مہینے میں دس دن غائب رہتے ہیں اور بیس دن حاضر، جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ اتنی غیر حاضری کیوں کرتے ہیں؟ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ میں تمہارا امام ہوں یہ میرا حق ہے، تمہیں مجھ سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ تو کیا اتنی زیادہ غیر حاضریاں کرنا واقعی شرعاً امام کا حق ہے، اگر ہے تو کتنے دن تک امام غیر حاضری کر سکتا ہے؟ تفصیلی جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب:۔ تنخواہ دار شخص کی تعطیلات کا دارومدار عرف پر مبنی ہے عرف میں جتنے ایام اس کی تعطیل کے ہوں گے اتنے دن چھٹی کرنا اس کا حق ہے، باقی عرف سے زیادہ چھٹیاں کرنا قابلِ گرفت ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ کے نزدیک سال بھر میں پندرہ دن تک کی چھٹی قابلِ معافی ہے۔ لہٰذا مذکورہ امام مسجد اگر سال یا مہینہ میں عرف (طے شدہ معاہدہ) کے مطابق غیر حاضر رہتا ہو تو اس کا مواخذہ کرنا درست نہیں اور اگر عرف سے زیادہ غیر حاضر رہتا ہو تو قابلِ گرفت ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اما يترك الامامة لزيادة...... في الرساتيق اسبوعاً او نحوه او لمصيبة او لاستراحة فلا بأس به ومثلُهُ عفو في العادة والشرع۔ (رد المحتار بحوالہ عزیز الفتاوی ج۱ ص۶۶۵ کتاب الاجارات)

نمازِ جنازہ پڑھانے کی اُجرت لینا

سوال:۔ بعض علاقوں میں رواج ہے کہ جب کوئی امام مسجد کسی میت کا جنازہ پڑھائے تو میت کے ورثاء اس کو ایک جوڑا کپڑے اور کچھ نقدی بھی دیتے ہیں، اُمراء کے علاوہ فقراء اور نادار لوگ بھی اس رسم کو پورا کرنے پر مجبور ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کسی مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنا یا پڑھانا فرضِ کفایہ ہے اور اس کا حکم

لہ قال العلامة مفتی عزیز الرحمنؒ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام کو اپنی ضروریات یا راحت کیلئے ایک ہفتہ یا اس کے قریب یعنی پندرہ دن سے کم تک غیر حاضری عرفاً و شرعاً جائز ہے۔ پھر آگے تصریح کی ہے کہ ظاہراً مراد یہ ہے کہ اگر سال بھر میں ہفتہ دو ہفتے غیر حاضری ہو تو معاف ہے۔

(عزیز الفتاوی (فتاوی دار العلوم دیوبند) جلد۱ ص۶۶۵ کتاب الاجارات)

تلاوتِ قرآن پر اُجرت لینے کی طرح ہے، جس طرح عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں ہے اسی طرح نمازِ جنازہ بھی چونکہ عبادات میں شمار ہے اس لیے اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ تاہم اگر میت کے ورثاء اپنی خوشی سے جنازہ پڑھانے والے کو بلا تعین اور بلا معروف اور مروّج ہونے کے کچھ دینا چاہتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ دینے اور لینے والے دونوں کی نیت بھی درست ہو۔ اور ورثاء میں کوئی نابالغ نہ ہو۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: قال تاج الشریعة فی شرح الھدایة ان القرآن بالاجرة لایستحق الثواب للمیت ولا للقاری..... لولا اجرة ما قرأ احد لاحد فی ھٰذا الزمان۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۵ کتاب الاجارة مطلب فی الاستیجار علی الطاعات)[1]

گولڈن ہینڈ شیک سکیم کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل بعض سرکاری اور نیم سرکاری اداروں نے اپنے ملازمین میں ایک سکیم متعارف کرائی ہے کہ جو افراد مقررہ مدت سے پہلے نوکری چھوڑ دیں تو ادارہ ان کو بقیہ مدت کا معاوضہ اور دیگر مراعات دے گا۔ تو کیا نوکری چھوڑنے کے عوض یہ معاوضہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقِ وظیفہ کا شمار حقوقِ مجردہ میں ہوتا ہے جس کے عوض مالی معاوضہ یا کسی قسم کی مراعات لینا حرام و ناجائز ہے، مگر موجودہ ملکی قوانین کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا

---

[1] لما قال العلامة المفتی عزیز الرحمٰنؒ: (الجواب) نماز جنازہ پڑھانے کی وجہ سے روپیہ پیسہ لینا درست نہیں ہے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ و عبادت ہے اور عبادت پر روپیہ پیسہ لینا جائز نہیں جیسا کہ تلاوتِ قرآن مجید پر روپیہ پیسہ لینا درست نہیں ہے، اور دینے والا اور لینے والا اگرچہ معاوضہ اور اُجرت کا نام نہ لیویں لیکن بحکم المعروف کالمشروط جب کہ یہ لینا دینا بعد نماز جنازہ و تلاوتِ کلام اللہ معروف ہو گیا ہے اور نماز جنازہ پڑھنے پڑھانے والے اور قرآن شریف پڑھنے والے اسی خیال اور نیت سے پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ ہم کو روپیہ پیسہ ملے گا لہٰذا یہ لینا دینا ناجائز ہے۔ (عزیز الفتاوٰی (فتاوٰی دارالعلوم دیوبند) جلد ۱ ص ۶۶۵ کتاب الاجارات)

ہے کہ اس قسم کی مراعات ملازمین کے ایسے حقوق ہیں کہ بغیر کسی ملازم کی اجازت و رضامندگی کے کوئی اور ان مراعات کو حاصل نہیں کر سکتا، نیز قانونی تحفظ کی وجہ سے یہ حقوق ایک قیمتی سرمایہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، اس لیے متاخرین فقہاء کرام نے اس قسم کے (حق النزول) حقوق سے دستبردار ہو کر مالی معاوضہ لینے کو جائز قرار دیا ہے، حکومت کی گولڈن ہینڈ شیک سکیم کی حیثیت بھی انہی حقوق کی طرح ہے، اس لیے ملازمین کا اپنی مدتِ ملازمت ختم ہونے سے قبل استعفاء دینے کے عوض سرکاری یا نیم سرکاری اداروں سے پیسے لینا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله ویفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال (قال العلامة العینیؒ: فی فتاوه لیس للنزول شیٔ یعتمد علیه ولکن العلماء والحکام مشوا ذلك للضرورة واشترطوا امضاء الناظر مثلاً یقع فیه نزاع..... فی باب القسم بین الزوجات انه سمع من بعض شیوخه الکبار انه یمکن ان یحکم بصحة النزول عن الوظائف الدینیة قیاساً علیٰ ترك المرأة قسمها لصاحبتها لان کلا منهما مجرد اسقاط..... واستدل بعضهم للجواز بنزول سیدنا الحسن بن علی رضی الله عنه عن الخلافة لمعاویة رضی الله تعالیٰ عنه علی عوض وهو ظاهر ایضاً وهذا اولیٰ مما قدمنا فی الوقف عن الخیریة من عدم الجواز ومن ان للمفروغ له الرجوع بالبدل بناءً علیٰ ان المذهب عدم اعتبار العرف الخاص وانه لایجوز الاعتیاض عن مجرد الحق لما علمت من ان الجواز لیس مبنیا علیٰ اعتبار العرف الخاص بل علیٰ ماذکرنا من نظائره الدالة علیه وان عدم جواز الاعتیاض عن الحق لیس علیٰ اطلاقه ورأیت بخط بعض العلماء عن المفتی ابی السعود انه افتیٰ بجواز اخذ العوض فی حق القرار والتصرف وعدم صحة الرجوع وبالجملة فالمسئلة ظنیة والنظائر متشابهة للبحث فیها مجال۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۵۰۹، کتاب البیوع مطلب فی النزول عن الوظائف بالمال)

---

[1] لما قال العلامة خالد اتاسیؒ، اقول وعلیٰ ماذکروه من جواز الاعتیاض عن الحقوق المجردة بمال ینبغی ان یجوز الاعتیاض عن حق التعلی وعن حق الشرب وعن حق المسیل بمال لان هذه الحقوق لم تثبت لاصحابها لاجل دفع الضرر عنهم بل تثبت لهم ابتداء بحق شرعی..... فاذا نزل عنه لغیره بمال معلوم ینبغی ان یجوز ذلك علیٰ وجه الفراغ والصلح لاعلیٰ وجه البیع کما جاز النزول عن الوظائف۔

(شرح المجلة لخالد اتاسی ج ۲ ص ۱۲ کتاب البیوع قبل الفصل الثالث)

نائی (حجام) کو دوکان کرایہ پر دینے کا حکم

سوال: کیا کسی نائی (حجام) کو دوکان وغیرہ کرایہ پر دینا جائز ہے؟ جبکہ یہ لوگوں کے داڑھی مونڈتے اور بال یہودیوں کی طرح بناتے ہیں، حالانکہ ارشاد قرآنی ہے: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الخ (یعنی گناہ کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرو) اس لحاظ سے کسی نائی (حجام) کو دوکان وغیرہ کرایہ پر دینے والا تعاون علی المعصیت کا مرتکب تو نہیں ہوگا؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: حجامت کا پیشہ ایک ضروری عمل ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، لیکن اس میں شرعی حدود و قیود کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے، اگر اس میں خلاف شرع عمل کیا جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کام (حجامت وغیرہ) کے لیے دوکان یا مکان کرایہ پر دینا بھی تعاون علی المعصیت ہے جو بنص قرآنی حرام ہے، لہٰذا خلافِ شرع حجامت بنانے والے نائی (حجام) کو مکان یا دوکان کرایہ پر دینا صحیح نہیں اور نہ اس کی آمدنی درست ہے۔

اجارہ فاسدہ کے جواز کی صورت

سوال: ایک شخص نے اپنی ٹیکسی کسی ڈرائیور کو اس شرط پر دی کہ تم اس کو چلاؤ جو منافع ہوگا اس میں سے ۶۰ فیصد میرا ہوگا اور ۴۰ فیصد آپ کا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعاً یہ اجارہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اجارہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ مقدارِ اجرت اور مدت وغیرہ متعین ہو اگر کہیں اجرت یا مدت میں جہالت آجائے تو اجارہ فاسد ہو جائے گا اسلئے کہ جہالت مفضی الی النزاع ہوتی ہے اور عموماً جھگڑا اور فساد پیدا کرتی ہے۔ صورتِ مسئولہ میں اُجرت اگرچہ مجہول ہے جسکی وجہ سے اجارہ فاسد ہونا چاہیئے، مگر آجکل چونکہ اس طرح کے معاملات بکثرت ہوتے ہیں اور لوگ ایسے معاملہ کو مفضی الی النزاع نہیں بناتے، اسلئے مذکورہ معاملہ بھی درست ہے کیونکہ فساد نہ ہونے کی صورت میں معاملہ فی ذاتہ درست اور صحیح ہوتا ہے البتہ کسی فاسد وصف کی وجہ سے اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور جب اس فساد کی علت ختم ہو جائے تو وہ معاملہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے۔ فقہی ذخائر میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں اور ویسے بھی عموم بلوی کی وجہ سے احکام تبدیل ہوتے ہی رہتے ہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: الفاسد من العقود ما کان مشروعاً باصله دون وصفه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۴۵ باب الاجارة الفاسدة)

بداخلاقی کی بناء پر مدرسے سے خارج کیے گئے مدرس کیلئے پورے سال کی تنخواہ کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:۔

(۱) کسی بھی دینی مدرسہ میں ایک مدرس سال بھر کا اجیر ہوتا ہے، کیا اس کا وظیفہ سالانہ اُجرت کی بنیاد پر ہوتا ہے یا ماہانہ اُجرت کی بنیاد پر، اس کی وضاحت فرمائیں؟

(۲) یہ کہ ایک مدرسہ کے مدرس کو مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ نے اخلاقی جرائم میں ملوث ہونے اور دیگر غیر اخلاقی حرکات کی وجہ سے مدرسہ سے نکال دیا ہے، تو کیا ایسا مدرس سال کے باقی دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دینی مدارس کے مدرس کی حیثیت اجیرِ خاص کی ہے اور وہ اُجرت کا تب مستحق ہوتا ہے جب وہ مدرسہ کے عمل کے لیے اپنے آپ کو مدرسہ کے حوالے کر دے اور ساتھ ہی اس میں مدرسہ کی طرف سے تفویض کردہ کام کرنے کی صلاحیت بھی ہو، اگر کسی وجہ سے اس میں یہ صلاحیت مفقود ہو جائے اور وہ نااہل ثابت ہو جائے اور مدرسہ کی انتظامیہ اس کو نااہلیت کی بناء پر ذمہ داری (ملازمت) سے سبکدوش کر دے تو وہ سال کے بقیہ دنوں کی تنخواہ کا حقدار نہ ہوگا اور اگر مدرسہ کی انتظامیہ بلاضرورت اور بغیر کسی معقول عذر کے اس کو قبل از وقتِ مقررہ سبکدوش کر دے تو وہ سال کے باقی دنوں یا مہینوں کی تنخواہ کا حقدار ہے۔

(۲) لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر مدرس کو اخلاقی جرائم اور دیگر ناپسندیدہ حرکات کی وجہ سے مدرسہ سے نکالا گیا ہو تو اس کو سال کے باقی دنوں یا مہینوں کی تنخواہ کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگرچہ دینی مدارس میں عرف کی بناء پر ایک مدرس اپنی پوری صلاحیت اور اہلیت کے ساتھ سال بھر کا اجیر ہوتا ہے اور اگر مدرسہ کی انتظامیہ اس کو بلاضرورت و بلا عذر کے نکالنا چاہے تو اس مدرس کو بقیہ ایام کی تنخواہ دی جائے گی۔

لما فی مجلۃ الاحکام: الاجیر یستحق الاجرۃ اذا کان فی مدۃ الاجارۃ حاضراً للعمل ولا یشترط عملہ بالفعل ولکن لیس لہٗ ان یمتنع عن العمل واذا امتنع لا یستحق الاجرۃ۔ (درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام ج۱ ص۴۵۸)

لما فی احسن الفتاویٰ: اگر مدرس کو واقعۃً نااہلیت کی بناء پر معزول کیا گیا ہے تو وہ شعبان تک کی تنخواہ کا مستحق نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ج۷ ص۲۸۶)

وفی احسن الفتاوٰی : طلباء کم ہونے کا عذر قابل قبول نہیں، اگر مہتمم نے بلاضرورت مدرس رکھا ہے تو پورے سال کی تنخواہ اپنے پاس سے دے کیونکہ عقد تدریس مسانہہ ہے۔
(احسن الفتاوٰی ج ۷ ص ۲۹۵)

وھکذا فی احسن الفتاوٰی : مدرسین سے عقد مسانہہ ہے لہٰذا بہرصورت ابتداء شوال سے انتہاء رمضان تک پوری تنخواہ دی جائے گی۔ (احسن الفتاوٰی ج ۷ ص ۲۸۲)

یہاں یہ یاد رہے کہ احسن الفتاوٰی سے مؤخر الذکر حوالجات کا مقصد یہ ہے کہ مدرس میں صلاحیت اور اہلیت ہونے کے باوجود اہل اہتمام اس کو بلا وجہ شرعی معزول کریں تو مابعد کے مہینوں کی تنخواہ کا مدرس حقدار ہے، ورنہ نااہلیت کی وجہ سے برطرفی کی صورت میں مابعد کے مہینوں کی تنخواہ نہیں۔

ایامِ تعطیل کی تنخواہ کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دینی مدرسہ کے ایک مدرس نے مدرسہ کی سالانہ تعطیلات کے بعد مدرسہ کی انتظامیہ کو اپنا استعفا پیش کر دیا۔ تو کیا عند الشرع اور قوانین مدارس دینیہ کی رُو سے یہ مدرس ایامِ تعطیل کی تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرس ایامِ تعطیل کی تنخواہ کا مستحق ہے، مگر اس کے لیے فقہاء کی عبارتوں سے چند شرائط بھی معلوم ہوتی ہیں :

(۱) ایک یہ کہ مدرس کے ساتھ پہلے سے یہ طے نہیں کیا گیا ہو کہ آپ کو ایامِ تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی، جو کچھ تنخواہ تمہارے لیے مقرر ہے وہ صرف ایامِ تدریس ہی میں تمہیں دی جایا کرے گی۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مدرس ایامِ تعطیل کے بعد بھی کام کرنے (تدریس) کا ارادہ رکھتا ہو اور اپنی طرف سے کام کو چھوڑے بھی نہیں۔

تو جب یہ دو شرطیں موجود ہوں تو پھر مدرس ایامِ تعطیل کی تنخواہ کا مستحق ہے، کیونکہ یہ تعطیلات بھی ایک طرح سے تدریس ہی کے حکم میں ہیں کہ ان میں آئندہ تدریس کے لیے مدرس کو آرام اور استراحت ملتی ہے جو آئندہ کام کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر تقرری کے وقت ہی مدرس سے یہ طے کر لیا جائے کہ آپ کو صرف تدریس کے دنوں کی تنخواہ

ملے گی ایام تعطیل کی نہیں، تو اس صورت میں مدرس ایام تعطیل کی تنخواہ کا حقدار نہیں ہوگا۔ شرعی قانون یہ ہے کہ الشرط املك ــــ اسی طرح اگر عرف وہاں منتظمین مدارس کا یہ ہو کہ عام مدرسین اور ملازمین کو تعطیلات کے دنوں کی تنخواہ نہ ملا کرتی ہو تو اس صورت میں بھی ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی کہ المعروف کالمشروط اور العادۃ محکمۃ۔

نیز اگر کوئی مدرس مزید کام کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوئے خود استعفا پیش کر کے کام کرنا چھوڑ دے تو پھر بھی وہ تنخواہ کا مستحق اس بناء پر نہیں ہے کہ نہ تو تدریس کا کام اس نے کیا ہے نہ تعطیلات آئندہ کے لیے کام کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

درمختار (جلد ۳ ص۵۲۵) میں ہے: وهل یأخذ المدرس ایام البطالة کعید و رمضان؟ لم أرَ وینبغی الحاقه ببطالة القاضی واختلفوا فیها والاصح انه یأخذ لانها للاستراحة (اشباه عن قاعدة العادة محکمة اھ)

علامہ شامیؒ اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں: قال فی الاشباه وقد اختلفوا فی اخذ القاضی ما فی بیت المال فی یوم البطالة فقال فی المحیط انه یأخذ لانه یستریح للیوم الثانی وقیل لا اھ وفی المنیة القاضی یستحق الکفایة من بیت المال فی یوم البطالة فی الاصح وفی الوهبانیة انه الاظهر فینبغی ان یکون کذلك فی المدرس لان یوم البطالة للاستراحة وفی الحقیقة تکون للمطالعة والتحریر عند ذوی الهمة۔ اھ (الدر المختار جلد ۳ ص۵۲۵)

ان عبارتوں میں استحقاق کے لیے علت استراحت بیان کی گئی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استحقاق اس وقت ہوتا ہے جب آئندہ کام کرنے کا ارادہ ہو اور کام کو خود نہ چھوڑے تو تعطیل کا حکم چونکہ تدریس کا ہوگا اور حکماً یہ سمجھا جائے گا کہ مدرس تعطیل کے ایام میں برسرکار رہے اور گویا وہ تدریس ہی میں مشغول ہے اس لیے وہ تنخواہ کا بھی مستحق ہوگا۔

صورت مسئولہ میں چونکہ مدرس نے خود استعفا دے کر آئندہ کام نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس لیے تعطیل کے ایام اس کے حق میں آئندہ تدریس کے لیے ممد و معاون ثابت نہیں ہو سکتے ہیں اور حقیقتاً تدریس میں مشغول بھی نہیں ہے اس لیے ایام تعطیل کی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں رہے گا۔

داخلہ و ماہانہ فیس کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ آجکل بعض دینی مدارس میں بھی سالانہ یا ماہانہ فیس لی جاتی ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے جبکہ فیس کی رقم سے

طلبا کی بود و باش اور مدرسہ کے مدرسین اور دیگر ملازمین کی تنخواہوں کا انتظام کیا جاتا ہے

الجواب :۔ یہ کوئی جبری معاملہ نہیں بلکہ داخلہ لینے والے کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس شرط کو منظور کر کے داخلہ لے یا شرط نا منظور کر کے داخلہ نہ لے۔ اور نہ یہ اجرت ہے بلکہ اس کی حیثیت چندہ کی ہے اور چندہ میں شرط لگانا جائز ہے۔ کما فی امداد الاحکام ۳/ ۶۰۲ - الجواب :۔ جائز ہے کیونکہ یہ اُجرت نہیں اور چندہ ہے اور چندہ میں شرط جائز ہے کیونکہ اس سے جبر لازم نہیں آتا۔ جس کو منظور نہ ہوگی اس کو عدم داخلہ کا اختیار ہوگا۔

اُجرت الدلال پر اشکال کا جواب

سوال۔ جناب مفتی صاحب! فتاویٰ حقانیہ ۶/ ۲۶۰ میں دلالی پر اجرت لینے کو جائز لکھا گیا ہے۔ اس پر مجھے اشکال پیدا ہوا ہے کہ دلالی پر اُجرت قفیز الطحان کی طرح ہے اس لئے کہ ایک تو دلال جزاً من العمل لے رہا ہے۔ اور دوم دلال قادر بقدرۃ الغیر ہے کیونکہ جب تک اس چیز کو دوسرا شخص خریدے گا نہیں دلال فروخت کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ براہ کرم میری اس اشکال کو حل فرمائیں۔

الجواب :۔ دراصل دلالی کی اُجرت کے جواز کا فتویٰ خلاف القیاس ہے۔ اور یہ فتویٰ عوام کی سہولت اور حاجت کی وجہ سے دیا گیا ہے لما قال ابن عابدین (قولہ ومدۃ) الا فیما استثنیٰ قال فی البزازیہ اجارۃ السمسار والمنادی والحمامی والصکاکی ما لا یقدر فیہ الوقت ولا قدر العمل تجوز لما کان للناس بہ حاجۃ ویطیب الاجر الماخوذ لو قدر اجر المثل اھ (رد المحتار ۵/ ۳۲ کتاب الاجارۃ)

سفارش پر اجرت لینے کا حکم

سوال :۔ اگر ایک شخص اپنے کسی جائز کام کے لیے کسی سے افسران بالا کے ہاں سفارش کرائے تاکہ وہ اس کا کام کر دیں، تو کیا سفارش کرنے والا شخص اپنے اس عمل (سفارش) پر اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: کسی کے جائز کام کی سفارش کرنا کارِ ثواب ہے، اس کے علاوہ مال غیر متقوم بھی ہے، اس لیے ان دونوں وجوہ کی بناء پر اجرت کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: (الجواب) وجہ منع صرف اجرت علی الطاعۃ میں منحصر نہیں، یہ بھی احد الوجوہ ہے، دوسری وجہ منع کی اس عمل کا غیر متقوم عند الشرع ہونا ہے جیسا کہ فقہاء نے اجارہ اشجار التجفیف الثیاب کو منع کہا ہے، پس شفاعت بھی غیر متقوم ہے ... الخ (امداد الفتاوی ج ۳ ص ۳۴۲ کتاب الاجارہ)

زمین اجارہ پر دینے کی ایک قسم

سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لوگ اپنی زمین کاشتکاروں کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ مثلاً دس کنال زمین پر ہر چھ ماہ بعد فی کنال پانچ من گندم اور پانچ من مکئی کاشتکار مالکِ زمین کو دے گا اور فصل کی کاشت پر اٹھنے والے اخراجات کاشتکار کے ذمہ ہوں گے اور اسے مکمل اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جو فصل چاہے کاشت کرے، مگر مالکِ زمین کو وہ فصلانہ کے طور پر گندم اور مکئی ہی دے گا۔ تو کیا ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ میں بیان کردہ صورت مزارعت کی نہیں بلکہ اجارہ کی ہے اور اجارہ میں ہر وہ چیز اجرت بن سکتی ہے جس کا تجارت میں ثمن بننا صحیح ہو، چونکہ گندم اور مکئی دونوں مالِ متقوم ہیں اسلئے ان کو اجرت قرار دینا صحیح ہے۔

لما قال العلامة المرغيناني: وما يصلح ثمناً يصلح اجرة۔ (الهداية ج کتاب الاجارة)

اور اسی طرح زمین کو اجارہ پر دینا بھی شرعاً درست ہے اس لیے کہ اجارہ کا مقصد کسی چیز سے فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔

لما قال العلامة المرغيناني: ايضاً: ويجوز استيجار الارض للزراعة لانها منفعة مقصودة وللمستاجر الشرب والطريق - (الهداية ج ص کتاب الاجارة)

مگر اس معاملہ میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ :-

(۱) مدت اجارہ کا تعین ہو۔

(۲) جو چیز کاشت کرنی ہو وہ بیان کر دی جائے یا کاشتکار کو مکمل اختیار دیا جائے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں درج ہے۔

(۳) اجرت میں گندم یا مکئی کے ساتھ اسی زمین کی پیداوار کی قید نہ لگائی جائے اور نہ اس زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار کی شرط لگائے البتہ جو گندم یا مکئی اجرت کے طور پر لینی ہو اس کی صفت اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط کا پہلے سے تعین کر لیا جائے تاکہ عقدِ اجارہ میں کوئی نامناسب حالات پیدا نہ ہو جائیں۔ (فقط واللہ اعلم)

كتاب الشفعة

جار الدار احق بالدار من غيره

کتاب الشّفعة

(شفعہ کے احکام ومسائل)

شُفعہ کے حقدار

سوال:۔ از روئے شرع شُفعہ کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدّسہ نے سب سے پہلے شریک فی نفس المبیعہ کو شُفعہ کا حقدار قرار دیا ہے، اس کے بعد شریک فی حقوق المبیع کو جبکہ آخر میں جار (ہمسایہ) کو شُفعہ کا حقدار ٹھہرایا ہے۔

لما قال الشیخ ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی القدوریؒ: الشُّفعة واجبةٌ للخلیط فی نفس المبیع ثمّ للخلیط فی حق المبیع کالشرب والطریق ثمّ للجار۔

(مُختصر القدوری ص۱۲۰ کتاب الشُّفعة) لہ

تبادلہ میں حقِ شفعہ کا اثبات

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین کے کسی قطعہ کا دوسرے شخص کی زمین سے تبادلہ کرے تو کیا اس تبادلہ سے حقِ شفعہ ثابت ہوگا یا نہیں؟ اگر شفیع زمین کو لینا چاہے تو اس کے ذمہ زمین کی ادائیگی لازم ہوگی یا قیمت دینا ہوگی؟

الجواب:۔ جہاں تک شفعہ کے اثبات کا مسئلہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ عقار کے تبادلہ میں ہر ایک کو شفعہ کا حق حاصل رہتا ہے، اس لیے کہ حقِ شفعہ کے تمامتر وجوہات یہاں بھی موجود ہوسکتے ہیں، تاہم زمین ذوات القیم ہونے کی وجہ سے زمین کی جگہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ومن اشتریٰ دارًا بعوض

لہ قال العلامة ابوالبرکات محمود النسفیؒ: وتجب للخلیط فی نفس المبیع ثم فی حق المبیع کالشرب والطریق ان کان خاصًا ثمّ للجار الملاحق۔

(کنز الدقائق ص۴۰۲ کتاب الشّفعة)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۶ ص۲۱۹، ۲۲۰ کتاب الشفعة۔

اخذها الشفیع بقیمته لانہ من ذوات القیم...... وان باع عقاراً بعقار اخذ الشفیع کل واحد منهما بقیمة الآخر لانه بدله وهو من ذوات القیم فیأخذه بقیمته ۔ (الهدایة ج۴ ص۳۹۶ کتاب الشفعة) لـه

حقِ شفعہ کو فروخت کرنا

سوال:۔ اگر شفیع مشتری سے حقِ شفعہ کے عوض مال طلب کرکے اپنا حقِ شفعہ چھوڑنے پر آمادگی ظاہر کرے تو شفیع کے لیے مشتری سے ایسی رقم لینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ حقِ شفعہ کے ساقط کرنے کے عوض رقم لینا حرام اور واجب الرد ہے کیونکہ یہ حق مجرد ہے جس کے ذریعے خود سے صرف ضرر دور کرنا مقصود ہے حصولِ منفعت نہیں، تاہم اگر شفیع ایسی حرمت پر اقدام کرے تو اس سے حقِ شفعہ ساقط ہو کر مشتری کی ملکیت خریدی ہوئی جائیداد میں مؤکد ہو جاتی ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: وان صالح من شفعته علی عوض بطلت شفعته ورد العوض۔ (الهدایة ج۴ ص۴۰۴ کتاب الشُّفعة) ۲ـه

قبل البیع مصالحت سے حقِ شُفعہ ساقط نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر باقاعدہ خرید و فروخت سے قبل ہی شفیع نے مشتری سے معاہدہ کرکے مصالحت کی ہو تو کیا بیع کے بعد دوبارہ شفیع کو دعویٰ شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: حقِ شفعہ کا ثبوت بیع پر مرتب ہوتا ہے، قبل البیع چونکہ اس کی

لـه قال الشیخ ابوبکر بن علی الحدادالیمنیؒ: ومن اشتریٰ داراً بعوض اخذ الشفیع بقیمته لانه من ذوات القیم وان اشتری ها بمکیل اوموزون اخذها بمثله لانهٗ من ذوات الامثال ۔ (الجوهرة النیرة ج۱ ص۳۴۱ کتاب الشُّفعة)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۶ ص۲۳۱ کتاب الشُّفعة۔

۲ـه قال العلامة ابوالبرکات محمود النسفیؒ: وتبطل بالصلح عن شفعته علیٰ عوض وعلیه ردّه ۔ (کنز الدقائق ص۴۰۵ کتاب الشفعة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۵ ص۱۸۴ الباب التاسع فیما یبطل به حق الشُّفعة ۔

کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے اس لیے خرید فروخت سے قبل ایسی مصالحت اسقاطِ شفعہ پر مؤثر نہیں بلکہ بیع کے بعد شفیع کو بدستور حقِ شفعہ حاصل رہے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین ابو بکر الکاسانیؒ: ولا یصح تسلیم الشفعة قبل البیع لانه اسقاط الحق واسقاط الحق قبل وجوبه ووجود سبب وجوبه محال۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص۱۹ کتاب الشفعة) [1]

متعدد شفعاء میں سے بعض کے اسقاط سے دوسرے متاثر نہیں ہوتے

سوال: اگر متعدد افراد شفعہ کا حق رکھتے ہوں اور ان میں سے بعض اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں تو کیا اس سے دوسرے شرکاء پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ حقِ شفعہ میں ہر حقدار کا استحقاق مستقل ہوتا ہے، ان میں سے کسی ایک کے اپنے حق سے دستبردار ہونے سے دوسرے حقدار کا حق زائل نہیں ہوتا بلکہ قبل القضاء کسی ایک شریک کا اسقاط کرنے سے دیگر تمام شرکاء کو فائدہ ہوگا جس کی رو سے دوسرے شرکاء اس کے جملہ حقِ شفعہ کے حقدار ہوں گے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعیؒ: ولو اسقط بعضهم حقه قبل القضاء لهم کان لمن بقی ان یأخذ الکل لان السبب لاستحقاق الکل قد وجد.... بخلاف ما اذا اسقط حقه بعد القضاء حیث لا یکون له ان یأخذ نصیب التارک لانه بالقضاء قطع حق کل واحد منهم فی نصیب الآخر۔

(تبیین الحقائق ج۵ ص۲۴۱ کتاب الشفعة) [2]

---

[1] وذکر فی الهندیة: تسلیم الشفعة قبل البیع لا یصح وبعده صحیح۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۵ ص۱۸۲ الباب التاسع فیما یبطل به الشفعة)

وَمِثْلُهٗ فی شرح المجلة لشیخ سلیم رستم باز مادة ۱۰۲۳۔

[2] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: (اسقط بعضهم حقه) من الشفعة (بعد القضاء) فلو قبله فلمن بقی اخذ الکل لزوال المزاحمة (لیس لمن بقی اخذ نصیب التارک) لانه بالقضاء قطع حق کل واحد منهم فی نصیب الآخر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۲۰/۲۲۱ کتاب الشفعة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۸ ص۱۲۸ کتاب الشفعة۔

دھوکہ دہی سے حقِ شفعہ متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ بسا اوقات بائع اور مشتری باہم کسی ایک رقم پر اتفاق کر کے شفیع پر اتنی بڑی رقم ظاہر کرتے ہیں جس کی وجہ سے مبیعہ کا لینا شفیع کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ اس صورت میں اگر شفیع ناقابلِ تحمل قیمت کی وجہ سے شفعہ چھوڑ دے اور بعد میں کسی معتبر ذریعہ سے ان کا دھوکہ ظاہر ہو کر اصل قیمت معلوم ہو جائے تو کیا سابقہ اسقاط کے بعد بھی شفیع اپنا حقِ شفعہ استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسے دھوکے سے حقِ شفعہ کے اسقاط پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جب بھی شفیع پر بائع اور مشتری کے دھوکہ کی حقیقت ظاہر ہو تو سابقہ اسقاط کا اعتبار نہیں رہتا اب بھی شفیع اپنا حق استعمال کر کے مشتری سے مبیعہ لے سکتا ہے۔

لما قال الامام ابوالحسین احمد بن محمد البغدادی القدوریؒ: واذا بلغ الشفیع انها بیعت بالف فسلم الشفعة ثم علم انها بیعت باقل من ذٰلك او بحنطة او شعیر قیمتها الف او اکثر فتسلیمه باطل وله الشفعة۔ (مختصر القدوری ص۱۶۴ کتاب الشفعۃ) [1]

مشترکہ زمین کا کچھ حصہ خریدنے سے حقِ شفعہ ساقط نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک زمین جو کہ چند اشخاص کے مابین مشترکہ ہے، ان میں سے ایک نے دوسرے ساتھی کا حصہ خرید لیا تو باقی شرکاء نے اس پر حقِ شفعہ کا دعویٰ کر دیا، تو کیا از روئے شرع یہ مشتری اپنے دیگر شرکاء کے ساتھ حقِ شفعہ میں شریک ہوگا یا بسبب شراء اس کا حق ساقط متصور ہوگا؟

الجواب:۔ مشترکہ زمین میں کسی شراکت دار کا حصہ خریدنا کوئی ایسا فعل نہیں جس سے مشتری کی بیزاری سمجھی جائے، بلکہ بسا اوقات کسی زمین یا گھر کی خریداری سے حقِ شفعہ کا اثبات مقصود ہوتا ہے اس لیے خریدار دوسرے شفعاء کے ساتھ شفعہ

---

[1] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: واذا بلغ الشفیع انها بیعت بالف درهم فسلم ثم علم انها بیعت باقل او بحنطة او شعیر قیمتها الف او اکثر فتسلیمه باطل وله الشفعة۔ (الهدایة ج۴ ص۴۰۵ کتاب الشفعة)

وَمِثْلُهٗ فی کنز الدقائق ص۴۰۵ کتاب الشفعة۔

بیں شریک رہے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بينهم على عدد رؤسهم ولا يعتبر اختلاف الاملاك۔

(الهداية ج۴ ص۳۸۹ كتاب الشفعة) ۱

وقف شدہ زمین پر کسی کو شفعہ کا حق نہیں | **سوال:۔** اگر کوئی شخص اپنی جائداد جزوی یا کلی طور پر کسی مسجد یا مدرسہ کے لیے باقاعدہ وقف کر دے تو کیا اس سے اس کے شرکاء یا ہمسایہ کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقِ شفعہ کے ثبوت کے لیے مالی معاوضہ کا ہونا بنیادی شرائط میں سے ہے، وقف میں یہ حقیقت مفقود ہوتی ہے، اس میں واقف کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لیے مسجد، مدرسہ یا کسی دوسرے رفاہی ادارہ کے لیے وقف کی ہوئی چیز پر کسی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة شمس الدين محمد بن عبد الله التمرتاشيؒ: الشفعة تمليك البقعة جبر على المشتري بما قام عليه......... ولا شفعة في الوقف۔

(تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج۶ ص۲۱۶، ص۲۲۳ كتاب الشفعة) ۲

برساتی نالے سے حقِ شفعہ ثابت نہیں ہوتا | **سوال:۔** کیا وہ خشک نالہ جس میں صرف بارش کا پانی بہتا ہو، سے حقِ شفعہ ثابت

---

۱ قال الشيخ ابو الحسن احمد بن محمد البغدادي القدوريؒ، واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بينهم على عدد رؤسهم ولا يعتبر باختلاف الاملاك۔ (مختصر القدوري ص۱۶۴ كتاب الشفعة)

وَمِثْلُهُ في شرح مجلة الاحكام للشيخ سليم رستم بازؒ ص۵۶۶ مادة ۱۰۱۳۔

۲ لما قال الشيخ سليم رستم بازؒ: الشفعة هي تمليك الملك المشتري لما قام على المشتري من الثمن۔ (شرح مجلة الاحكام مادة ۹۵۰ ص۵۳۷)

وقال ايضاً: ولا تجري الشفعة في السفينة وسائر المنقولات وعقار الوقف والاراضي الاميرية۔ (شرح مجلة الاحكام مادة ۱۰۱۷ ص۵۶۸)

وَمِثْلُهُ في كنز الدقائق ص۴۰۳ وتنقيح الحامدية ج۲ ص۱۸۲ كتاب الشفعة۔

ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت نے جہاں کسی کو شریک فی حقوق المبیع میں شفعہ کا حق دیا ہے وہاں اس میں یہ شرط بھی رکھی ہے کہ حقوق خاص انہی کا منتفاع ہو۔ چونکہ خشک نالے میں یہ شرط مفقود ہے اس لیے اس سے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة ابوالبرکات احمد بن محمود النسفیؒ: تجب للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع کالشرب والطریق ان کان خاصًا۔ (کنز الدقائق ص۳۲۲ کتاب الشفعة) لہ

تاخیر سے حقِ شفعہ کا بطلان

سوال:۔ طلب مواثبت واشہاد کی جملہ ذمہ داریوں کے نباہنے کے بعد طلب خصومت میں کتنی مدت تک تاخیر سے ایسے حق پر اثر نہیں پڑتا؟

الجواب:۔ مفتی بہ قول کی رُو سے بغیر کسی معقول عذر کے ایک مہینہ تک تاخیر کرنا قابل تحمل ہے، اتنی مدت میں اپنے حق کے حصول سے غفلت اختیار کرنا حق چھوڑنے کے مترادف ہے، نیز بلاوجہ اتنی تاخیر کرنا بسا اوقات مشتری کی ایذا رسانی کا باعث بنتی ہے۔

لما قال العلامة فخرالدین عثمان بن علی الزیلعیؒ: قال شیخ الاسلام الفتوی الیوم علی أنه اذا أخر شهرًا اسقطت الشفعة لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار بالغیر۔ (تبیین الحقائق ج۵ ص۲۴۳ کتاب الشفعة) ؎۲

لہ لما قال العلامة سلیم رستم بازؒ: والثانی ان یکون خلیطاً فی حق المبیع کاشتراك فی حق الشرب الخاص والطریق الخاص۔

(شرح مجلة الاحکام مادة ۱۰۰۸ ص۵۶۳)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۲ کتاب الشفعة۔

؎۲ وذکر فی الهندیة: عن محمدؒ وزفرؒ رحمهما الله وهو روایة عن ابی یوسفؒ ان أسهل وترك المخاصمة شهرًا من غیر عذر تبطل شفعته والفتوی علی قولهما۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۱۲۳ الباب التاسع فیما یبطل به الشفعة)

وَمِثْلُهٗ فی تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۸۴ کتاب الشفعة۔

غیر مسلم کو حقِ شفعہ حاصل ہے

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک عیسائی صاحب جائیداد ہے اس کے قریب ایک مسلمان نے اپنی زمین کسی دوسرے مسلمان پر فروخت کی، اب اس غیر مسلم عیسائی نے اُس زمین پر شفعہ کا دعویٰ کر دیا ہے، تو کیا کسی غیر مسلم کو مسلمان کی زمین پر شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام نے جس طرح ایک مسلمان کو شفعہ کا حق دیا ہے تو اسی طرح کافر (غیر مسلم) کو بھی شراکت یا جوار کی وجہ سے مبیعہ پر شفعہ کا حقدار قرار دیا ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اُس عیسائی کا دعویٰ شفعہ درست ہے۔

قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: أما اسلام الشفیع فلیس بشرط لوجوب الشفعة فتجب لاھل الذمة فیما بینھم وللذمی علی المسلم لان ھذا حق التملک علی المشتری بمنزلة الشراء منه والکافر والمسلم فی ذلک سواء لانه من الامور الدنیویة۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۶ فصل شرائط الشفعة)[1]

حمل کو بھی حقِ شفعہ حاصل ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آج سے تقریباً ۱۴، ۱۵ سال پہلے میں نے ایک قطعہ زمین خرید تھا، اب اس پر ایک نوجوان (جس کی عمر بھی ۱۴، ۱۵ سال کے لگ بھگ ہے) شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ جس وقت میں نے زمین خریدی تھی یہ لڑکا اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا، کیا اس لڑکے کو حقِ شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آپ کی خریداری کے وقت اگر یہ لڑکا پیدا ہو چکا تھا تو اس کو بالغ ہونے تک شفعہ کا حق حاصل ہے، اور اگر پیدا نہیں ہوا تھا لیکن ماں کے پیٹ میں تھا پھر بھی شریعتِ اسلامی اس کو شفعہ کا حق دار قرار دیتی ہے بشرطیکہ آپ کے زمین خریدنے

---

[1] قال الشیخ وھبة الزحیلی: وتثبت الشفعة عند المالکیة والشافعیة والظاھریة للذمی الکافر علی المسلم کما قال الحنفیة ...... واتفق الفقہاء علی ان الشفعة تثبت للذمی علی الذمی۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۵ ص۸۰۳ المبحث الثالث الشفیع)
ومثلہ فی اللباب شرح الکتاب (المیرانی) ج۲ ص۴۴ کتاب الشفعة۔

اور بچے کی ولادت میں کم ازکم چھ ماہ کی مدت ہو اور اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر حقِ شفعہ باطل ہے۔

وفی الھندیۃ : والحمل فی استحقاق الشفعۃ والکبیر سواء فان وضعت لاقل من ستۃ اشھر منذ وقع الشراء فلہ الشفعۃ وان جاءت بہ لستۃ اشھر فصاعدا منذ وقع الشراء فانہ لاشفعۃ لہ لانہ لم یثبت وجودہ وقت البیع ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۵ ص۱۹۱ الباب الثانی عشر فی شفعۃ الصبی)[1]

حقِ شفعہ سنِ بلوغ تک موقوف ہوگا

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! میری صغر سنی میں میری زمین کے قریب کچھ زمین فروخت ہوئی تھی، اُس زمانے میں میرا کوئی ولی نہیں تھا اور اب میں بالغ ہو چکا ہوں تو کیا اس زمین پر مجھے شرعاً حقِ شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟ جبکہ ایک صاحب نے مجھے کہا ہے کہ مدتِ طویلہ گذر جانے کی وجہ سے آپ کا حقِ شفعہ باطل ہو چکا ہے مہربانی فرما کر شریعت کے مطابق میری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب :۔ شریعتِ اسلامی میں یہ ہے کہ جب شفیع نابالغ ہو تو اُس کے باپ دادا کو شفیع کے لیے حقِ شفعہ کا مطالبہ کرنا چاہیئے لیکن جس کا کوئی بھی ولی نہ ہو تو تو یہ حق اُس کے سنِ بلوغ تک باقی رہے گا۔ اسی طرح اگر حقیقتاً اُس وقت آپ کا کوئی ولی نہیں تھا اور آپ اب بالغ ہوئے ہیں تو آپ کو شفعہ کا حق حاصل ہے، ایسی صورت میں مدتِ طویلہ کا گذرنا آپ کے حقِ شفعہ کو باطل نہیں کرتا۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : الجواب نعم وفی الاصل الوصی یطلب الشفعۃ للصغیر ویقوم مقامہ فی لوازمھا کالاب والجد...... فان لم یکن لہ احد من ھؤلاء فھو علی شفعتہ اذا ادرک فاذا ادرک وقد

---

[1] قال العلامۃ محمد الشھیر الطوروی رحمہ اللہ : صح تسلیمھم الشفعۃ من الاب والوصی والوکیل یعنی ان الحمل والصغیر فی استحقاق الشفعۃ کالکبیر لاستوائھما فی سببہ فیقوم بالطلب والاخذ والتسلیم من یقوم مقامھما الخ (البحر الرائق ج۸ ص۱۴۶ فی اخر کتاب الشفعۃ)

ثبت له خيار البلوغ والشفعة -اھ (تنقيح الحامدية ج۲ ص۱۸۴ كتاب الشفعة) [1]

بیع فاسد پر شفعہ کرنا

سوال :- کیا بیع فاسد میں شفیع کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب :- شفعہ کے لیے ضروری ہے کہ مبیعہ بائع کی ملکیت سے کلی طور پر نکل چکا ہو، بیع فاسد میں مبیعہ چونکہ بائع کی ملکیت میں حقِ فسخ کے اسقاط تک باقی رہتا ہے اس لیے حقِ فسخ یا مبیعہ کو واپسی کے اسقاط تک شفیع کو شفعہ کرنے کا شرعاً اختیار نہیں۔

لما فی مجلة الاحکام تحت المادة ۱۰۲۶ : يشترط ان يزول ملك البائع عن المبيع بناء عليه لا تجرى الشفعة فى البيع الفاسد مالم يسقط استرداد البائع۔

(درر الحكام شرح مجلة الاحكام ج۲ ص۸۴۷ الفصل الثانى فى بيان شرائط الشفعة) [2]

شفعہ کا ہبہ صحیح نہیں

سوال :- کیا کوئی شخص اپنا حقِ شفعہ کسی پر فروخت یا بلا عوض ہبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- شفعہ ایک ایسا حق ہے جو نہ تو فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی بطور ہبہ کسی کو دیا جا سکتا ہے، اگر کسی نے ایسی کر دیا تو اس کا حقِ شفعہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفى رحمه الله : ويبطلها صحه منها على عوضٍ... ويبطلها

---

[1] قال العلامة على بن محمد الجماعیؒ : ذكر فى الخانية ان الخصم هو الصغار فى طلب الشفعة لهم وعليهم الا باء والاجداد...... على الترتيب السالف فى فصل البيع وفى الاصل الوصى يطلب الشفعة لليتيم ويقوم بلوازمها كالاب والجد وان لم يكن واحد منهم فهو على شفعته اذا ادرك .... وقال محمدؒ لا تبطل الشفعة ويقدر على الاخذ بعد البلوغ فاذا بلغ وقد ثبت له خيار البلوغ ۔ (آداب الاوصياء على هامش جامع الفصولين ج۲ ص۲۴۱ فصل فى الشفعة)

[2] قال الشيخ وهبة الزحيلى : الشرط الثالث ان يكون العقد صحيحاً اتفق الفقهاء على هذا الشرط لان المطلوب هو زوال حق البائع فى المبيع فلا تثبت الشفعة فى المشترى شراء فاسداً ۔

(الفقه الاسلامى وادلته ج۵ ص۸۲۱ المبحث الخامس شروط الشفعة)

ومثله فى الهندية ج۵ ص۱۶۱ كتاب الشفعة ۔ الباب الاول ۔

بیع شفعتہ لمال۔ قال ابن عابدینؒ لانہا لیست بحق متقرر فی المحل بل مجرد حق التملک فلا یصح الاعتیاض عنہ۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۲۴۲ کتاب الشفعة۔ باب ما یبطلہا) [1]

بیع وفاء پر شفعہ کا حکم

سوال:۔ کیا بیع الوفاء میں شفیع مبیعہ پر شُفعہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شُفعہ کے لیے ضروری ہے کہ مبیعہ بائع کی ملکیت سے مکمل طور پر نکل جائے، چونکہ بیع الوفاء میں مبیعہ ابھی تک بائع کی ملکیت میں ہے اس لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بیع الوفاء میں شفیع کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے۔

قال الشیخ وھبة الزحیلیؒ: الشروط الاول: خروج العقار عن ملک صاحبہ خروجاً باتاً یجب ان یزول ملک البائع عن العقار المبیع من طریق البات النہائی۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۵ ص۸۱۸ المبحث الخامس شروط الشفعة) [2]

اموالِ منقولہ پر شفعہ صحیح نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا اموالِ منقولہ میں حقِ شفعہ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شفعہ وہ حق ہے جو ایک شخص کو اموالِ غیر منقولہ میں خریداری یا تبادلہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا اموالِ منقولہ میں حقِ شفعہ ثابت نہیں اس لیے کہ حقِ شفعہ کی مشروعیت جس فلسفۂ ضرر کی وجہ سے ہوتی ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

وفی مجلة الاحکام تحت المادة ۱۰۱۷: یشترط ان یکون المشفوع ملکاً عقاریاً

---

[1] قال العلامة المیدانی رحمہ اللہ: وان صالح من حق شفعتہ علی عوض اخذہ او باعہ ایاہ بطلت الشفعة لوجود الاعراض ویرد العوض لبطلان الصلح والبیع لانہا مجرد حق التملک فلا یصح الاعتیاض عنہ لانہ رشوة۔
(اللباب شرح الکتاب (الشہیر بمیدانی) ج ۲ ص ۴۷ کتاب الشفعة)

[2] وفی الہندیة: ومنہا زوال ملک البائع عن المبیع فاذا لم یزل فلا تجب الشفعة کما فی البیع بشرط الخیار۔ (الفتاوی الہندیة ج ۵ ص ۱۶۰ کتاب الشفعة۔ الباب الاول)

بناءً علیہ لا تجزی الشفعة فی السفینة وسائر المنقولات وعقار الوقف والاراضی الامیریة۔ (درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج۲ ص۶۷۷، الفصل الثانی فی بیان شرائط الشفعة) لـه

قتلِ عمد کے عوض لی گئی زمین پر شفعہ کرنا

سوال:- ایک شخص نے کسی آدمی کو قتل کر دیا، علاقائی جرگہ نے راضی نامہ کرتے ہوئے قاتل کی طرف سے کچھ زمین اور ایک لاکھ روپے نقد مع سوڑہ مقتول کی اولاد کو دینے کا فیصلہ کیا۔ اب اس زمین کے قریب ایک مال دار آدمی کی زمین ہے اور اس نے عدالت میں شفعہ کا دعویٰ کر دیا ہے اور کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے اس زمین کی قیمت ۶۰ ہزار روپے ظاہر کی جبکہ حقیقت میں وہ زمین تین چار لاکھ روپے کی ہے۔ تو کیا اس طرح قتلِ عمد پر صلح کے عوض لی گئی زمین پر کسی کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- ثبوتِ شفعہ کے لیے چونکہ مشفوع زمین کے عوض معاوضہ کا ہونا ضروری ہے جو صورتِ مسئولہ میں مفقود ہے، اس بناء پر فقہاء کرام نے قتلِ عمد کی صلح میں دی ہوئی زمین پر حقِ شفعہ کو معدوم قرار دیا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی اس زمین پر کسی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة علی حیدر رحمه الله : والصلح عن دم العمد فلا تثبت الشفعة لانه لو تثبت الشفعة فیه للزم ان یأخذه الشفیع اما بقیمته او مجاناً ولا یمکن الاخذ بالقیمة لأن المالك لذلك العقار لم یملکه بقیمته

لـه قال الشیخ وهبة الزحیلی : اتفق المسلمون علی ان الشفعة حق فی العقار من دور وارضین وبساتین وبئر وما یتبعها من بناء وشجر واختلفوا فیما عداها فقررت المذاهب الاربعة انه لا شفعة فی منقول کالحیوان والثیاب والعروض التجاریة اھ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۵ ص۷۹۵ المبحث الثانی، محل الشفعة)

ومثله فی اللباب شرح الکتاب ج۲ ص۴۴ کتاب الشفعة۔

حتی یستطیع الشفیع اخذہ بالقیمة۔ (درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج۲ ص۷۲۲
المادة ۱۰۲۱، الفصل الثانی فی بیان شرائط الشفعة) [۱]

حق مہر میں دی گئی زمین پر شفعہ کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص بوقتِ نکاح اپنی بیوی کو حق مہر میں کچھ زمین دیدے تو کیا اس زمین پر کسی کو حقِ شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- حقِ شفعہ کے ثبوت کے لیے معاوضۂ مالی ہونا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اس لیے احناف کے ہاں حقِ مہر میں دی گئی زمین پر کسی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے۔

قال العلامة ابوالحسن القدوری رحمہ اللہ: ولا شفعة فی الدار التی یتزوج الرجل علیها او یخالع المرأة بها۔ (الکتاب الشهیر بمختصر القدوری علی صدر اللباب ج۲ ص۴۵ کتاب الشفعة) [۲]

صلح میں دی گئی جائیداد پر شفعہ کا حکم

سوال:- ایک شخص نے کسی آدمی پر ایک لاکھ روپے کا دعوٰی کیا جبکہ مدعا علیہ اس سے منکر ہے، لیکن مدعی کچھ زور آور ہے، اس پر علاقائی جرگہ نے دونوں کے

---

[۱] قال الشیخ وهبة الزحیلی: لکن اختلفوا فی التملك بعوض غیر مالی فالمهر وبدل الخلع او اجر طبیب او حمام مثلاً او اجرة دار او عوض فی الصلح عن دم عمد فقال الحنفیة والحنابلة یشترط ان یکون عقد المعاوضة مال بمال فلا شفعة اذا کان العوض غیر مال کما فی هٰذه الاحوال لان الشئ فی المعاوضة غیر المالیة یشبه الموهوب والموروث۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۵ ص۸۲۰ المبحث الخامس شروط الشفعة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۵ ص۱۶۰ کتاب الشفعة۔ الباب الاوّل۔

[۲] وفی الهندیة: ولا تجب الشفعة فی دار جعلت مهر امرأة او اجرة او عوض عتق اھ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۵ ص۱۶۱ کتاب الشفعة۔ الباب الاوّل۔

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۳۶ کتاب الشفعة۔ باب ما تثبت هی فیه او لا تثبت۔

درمیان اس طرح فیصلہ کیا کہ مدعا علیہ مُدعی کو پانچ کنال زمین دے گا، جو کہ مدعا علیہ نے مدعی کو دیدی ہے۔ اب ایک تیسرا آدمی اس زمین پر شفعہ کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ حقِ شفعہ کے ثبوت کے لیے اموال غیر منقولہ کا باہمی معاملہ مال کے عوض ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں معاملہ مالی ہے اگرچہ ایسا مصالحتاً ہی ہوا ہے لیکن اس کے باوجود تیسرے شخص کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها عقد المعاوضة وهو البیع او ما هو فی معناه فلا تجب الشفعة فیما لیس ببیع ولا بمعنی البیع حتی لا تجب بالهبة والصدقة والمیراث والوصیة۔۔۔۔۔ وتجب الشفعة فی الدار التی هی بدل الصلح سواء کان الصلح علی الدار عن اقرار او انکار او سکوت لوجود معنی المعاوضة ۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص۱۱ کتاب الشفعة وجوب الشفعة)[1]

طلب اشہاد کے وقت حدود اربعہ بیان کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص طلب اشہاد گواہوں کے سامنے کر رہا ہو تو کیا اس کو مبیعہ پر حقِ شفعہ کے اثبات کی وجہ اور مبیعہ کا حدود اربعہ بیان کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ جب شفیع طلبِ مواثبت کے بعد گواہوں کے سامنے طلبِ اشہاد کر رہا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مبیعہ کا حدود اربعہ اور اپنا تعلق بیان کرے تاکہ بات میں کوئی پوشیدگی باقی نہ رہے۔

قال العلامة عبد الرحمٰن شیخ زادہؒ : او یشهد علی المشتری ولو غیر ذی ید بان یقول له اطلب منك الشفعة فی دار اشتریتها من فلان حدودها کذا او انا شفیعها بالشرکة فی الدار او الطریق لی بالجوار بدار حدودها کذا فسلّمها

---

[1] وفی الهندیة : منها عقد المعاوضة وهو البیع او ما هو بمعناه فلا تجب الشفعة بما لیس ببیع ولا بمعنی البیع ۔۔۔۔۔ وکذا تجب فی الدار المصالح عنها عن اقرار۔
(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۱۶۰ کتاب الشفعة ۔ الباب الاوّل)

لی فلا بد ان یبین حدود الدارین مع کل واحدة من مراتب الثبوت ۔

(مجمع الانهر ج ۲ ص ۴۷۲ کتاب الشفعة) ۱

طلبِ اشہاد میں تعدادِ شہداء کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا طلبِ اشہاد کے لیے گواہوں کا ہونا ضروری ہے یا نہیں، اور کیا اس میں بھی دیگر معاملات کی طرح تعداد شہداء و دیگر شرائط کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلبِ مواثبت کے بعد شفیع کے لیے ضروری ہے کہ وہ گواہوں کے سامنے مبیعہ کے پاس یا بائع و مشتری میں سے کسی کے سامنے اپنے شفعہ کو طلب کرے مگر گواہوں کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ دو شرطوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے: (۱) یا تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہے۔ (۲) یا پھر عدالت کی شرط لازمی ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک کوئی شرط ضروری نہیں، متاخرین نے امام صاحبؒ کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: ویشترط فی هذا الطلب ان یکون علی فور الطلب الاول والاشهاد علیه بان یشهد الشفیع علی رغبته بالشفعة رجلین اورجل وامرأتین۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج ۵ ص ۸۲۹ مراحل طلب الشفعة) ۲

---

۱ قال العلامة علی حیدرؒ: اویقول خطاباً للمشتری سواء کان المشتری قابضاً المشفوع ام کان غیر قابض فی حضور نصاب الشهادة من الشهود انک اشتریت العقار المحدود بالحدود الفلانیة وبما اننی خلیط فی حق المبیع مثلاً فانا شفیعها وقد طلبت المواثبة وانی اطلبها الآن ایضاً وانتم ایها الشاهد ان اشهدا۔ (درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۷۹۴ تحت المادة ۱۰۳۰ الفصل الثالث)

۲ قال العلامة الکاسانی رحمه الله: هل تشترط فیه العدد والعدالة اختلف اصحابناؒ فقال ابو حنیفةؒ یشترط احد هذین اما العدد فی المخبر رجلان او رجل وامرأتان واما العدالة. وقال ابو یوسفؒ ومحمدؒ لایشترط فیه العدد ولا العدالة۔
(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۷ فصل بیان ما یتاکد به حق الشفعة)
وَمِثْلُهٗ فی مجموعة قوانین اسلام ج ۷ ص ۲۲۲۴ کتاب الشفعة.

حقِ شفعہ میں شریک فی الشرب مقدم ہے

سوال:- ایک جگہ زمین کا ایک ٹکڑا فروخت ہوا، اس پر دو آدمیوں نے حقِ شفعہ دائر کر دیا ہے مگر دونوں کے اسباب مختلف ہیں، ان میں سے ایک آدمی بائع کے ساتھ راستے میں شریک ہے اور دوسرا پانی میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو ان دونوں میں سے کس کو شفعہ کا صحیح حقدار سمجھا جائے گا؟

الجواب:- شفعہ کے ثبوت کے لیے اگرچہ دونوں اسباب مساوی ہیں لیکن باعتبار ضرر راستے کا شریک زیادہ مقدم ہے۔ اس لیے علماء نے شریک فی حق الشرب کو راستے کے حق میں شریک پر مقدم کیا ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں پانی کا شریک حقِ شفعہ میں دوسرے پر مقدم ہے۔

فی مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۱۰۱۶: حق الشرب مقدم علیٰ حق الطریق۔

قال العلامۃ علی حیدرؒ: تحتہا یعنی حق الشرب وحق الطریق وان کانا متساویین من حیث کونہما من اسباب الشفعۃ لکن فی حال اجتماعہا یقدم حق الشرب علیٰ حق الطریق۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۲ ص۷۶۶ قبل الفصل الثانی فی بیان شرائط الشفعۃ) [1]

مہرِ مسمّٰی کے عوض میں ملنے والی زمین شفعہ کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! نے شادی کے وقت بیوی کو حق مہر میں پچاس ہزار روپیہ لکھوادیا، اب عورت نے حقِ مہر کا مطالبہ کیا ہے تو شوہر نے نقدی نہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو کچھ زمین دے دی، اِس پر اُس کے شوہر کے بھائی نے جو اُس کے ساتھ اِس زمین میں شریک ہے حقِ شفعہ کا دعویٰ کر دیا ہے، تو کیا اس کو شرعاً شفعہ کا حق حاصل ہے؟

---

[1] قال العلامۃ ابراھیم الحلبی رحمہ اللّٰہ: لو شارکہ احد فی الشرب وآخر فی الطریق فصاحب الشرب اولیٰ من صاحب الطریق۔

(الدر المنتقی علیٰ ھامش مجمع الانہر ج ۲ ص۴۷۲ کتاب الشفعۃ)

ومثلہٗ فی شرح المجلۃ لخالد الاتاسی ص۸۵۲ المادۃ ۱۰۱۶ قبل الفصل الثانی۔

الجواب:۔ حق مہر میں بیوی کو جو زمین دے دی جائے اگرچہ شرعاً اس پر شفعہ ثابت نہیں ہوتا، مگر صورتِ مسئولہ میں معاملہ الگ ہے، یہ زمین عورت کو اُس پچاس ہزار روپے نقد حق مہر کے عوض دی گئی ہے جو کہ ایک مالی معاملہ ہے، اس لیے شوہر کے بھائی کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

وفی الهندیة: ولو تزوجها علی مهر مسمّٰی ثمّ باعها بذلك المهر دارًا تجب للشفیع فیها الشفعة وکذلك اذا تزوجها علی غیر مهر وفرض لها القاضی مهرا ثمّ باعها بذلك المفروض تجب للشفیع فیها الشفعة۔

(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۱۶۲ کتاب الشفعة۔ الباب الاوّل) [1]

تحفہ کے عوض میں ملنے والی زمین پر شفعہ کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص اپنے دوست کیلئے تحفہ میں امریکہ کا ویزہ لایا تو دوست نے شکریہ کے طور پر اپنی جائیداد میں سے کچھ اس کے نام ہبہ کر دی، واہب کے بھائی کو جب اس کا علم ہوا تو اُس نے اِس پر شفعہ کر دیا، تو کیا واہب کے بھائی کو شُفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہبہ کی ہوئی زمین پر اگرچہ شفعہ صحیح نہیں مگر صورتِ مسئولہ میں چونکہ معاملہ مالی ہے اس لیے فقہاء کرام نے شفعاء کو حقِ شُفعہ کے ثبوت کی تصریح کی ہے بشرطیکہ جانبین نے اپنے اپنے موہوبہ پر قبضہ کر لیا ہو۔

قال العلامة الکاسانیؒ: لا تجب بالهبة والصدقة والمیراث والوصیة ...... وان کانت الهبة بشرط العوض فان تقابضا وجبت الشفعة لوجود معنی المعاوضة عند التقابض۔

(بدائع الصنائع ج۵ ص۱۱ فصل شرائط وجوب الشفعة) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: اذ لو جعلت بدل مهر المثل او المسمّٰی عند العقد او بعده تثبت فیه الشفعة لأنه مبادلة مال بمال لانه بدل عما فی ذمته من المهر۔ (ردّ المحتار ج۶ ص۲۳۷ کتاب الشفعة۔ باب ما تثبت هی فیه او لا تثبت)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲ کتاب الشفعة، فصل فی شرائط وجوب الشفعة۔

[2] وفی مجلة الاحکام تحت المادة ۱۰۲۲: الهبة بشرط العوض فی حکم البیع بناء علیه لو ذهب وسلم احد داره المملوکة لآخر بشرط العوض یکون جاره الملاصق شفیعا۔

(درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج۲ ص۷۷۴ الفصل الثانی فی شرائط الشفعة)

وَمِثْلُهٗ فی درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج۲ ص۷۷۴ الفصل الثانی فی شرائط الشفعة۔

زمین کا تبادلہ کرتے پر حقِ شفعہ ثابت ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! دو آدمیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ زمینوں کا تبادلہ کیا اور دونوں کے شفعاء بھی موجود ہیں، اب ان دونوں میں سے کس زمین پر شفعہ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب:۔ چونکہ دونوں بدلین اموالِ غیر منقولہ ہیں اور معاملہ بھی مالی ہے اس لیے دونوں کی زمین قابلِ شفعہ ہے لہٰذا دونوں کے شفعاء کو حقِ شفعہ حاصل ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: منها معاوضة المال بالمال فلا تجب فی معاوضة المال بغیر المال ...... ومنها معاوضة عین المال بالمال فلا تجب فی معاوضة عین المال بما لیس بعین المال۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲ فصل شرائط وجوب الشفعة) [۱]

بحیثیتِ کرایہ دار کسی کا حقِ شفعہ ثابت نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنا مکان کسی ایسے شخص پر فروخت کرے جو بداخلاق اور بدکردار ہو تو کیا اس کا پڑوسی جو کہ اس کے ساتھ کرایہ کے مکان میں رہتا ہو اس پر شفعہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہ حنفی میں شفعہ کے استحقاق کے لیے شفیع کا اپنے ذریعہ شفعہ کا مالک کامالک ہونا ضروری ہے۔ صورتِ مسئولہ میں شفیع چونکہ مکان کا اصلی مالک نہیں بلکہ کرایہ دار ہے اس لیے اس کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ملک الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یاخذها بالشفعة لان سبب الاستحقاق جوار الملک والسبب انما ینعقد سببًا عند وجود الشرط۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۴ فصل شرائط وجوب الشفعة) [۲]

---

[۱] قال الشیخ وهبة الزحیلی: وان بیع عقار بعقار (مقایضة) وکان شفیعهما واحداً اخذ الشفیع کل واحد من العقارین بقیمة الآخر لانه بدل وهو من ذوات القیم فیاخذه بقیمته وان اختلف شفیعهما یاخذ شفیع کل منهما ماله فیه الشفعة بقیمة الآخر۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۵ ص۸۱۱ المبحث الرابع فی احکام الشفعة)

[۲] قال الشیخ وهبة الزحیلی: اتفق الفقهاء علی شرط کون الشفیع مالکاً ما یشفع به قبل البیع واختلفوا فی استمرار الملک حتی القضاء بالشفعة علی رائین فقال الحنفیة یشترط استمرار ملک الشفیع حتی یقضی له بالشفعة اھ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۵ ص۸۲۲ المبحث الخامس شروط الشفعة الشرط الرابع)

رجسٹری یا انتقال نہ ہونے کی صورت میں شفعہ کا حکم

سوال :- ایک شخص نے کسی دوسرے پر اپنی دس کنال زمین فروخت کی لیکن ابھی تک قانونی طور پر باضابطہ رجسٹری نہیں ہوسکی، تو کیا شفعہ کا حق دار اس زمین پر شفعہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلامی نقطہ نظر سے بیع ایجاب وقبول سے تام ہوجاتی ہے، مروجہ قانون کے مطابق رجسٹری یا انتقال کی ضرورت نہیں، شفعہ کے لیے نفس ایجاب وقبول ہی کافی ہے۔

وفی مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۱۰۲۱ : الشفعۃ لا تثبت الا بعقد البیع البات الصحیح۔
(درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۲ ص۷۲۲ الفصل الثانی فی شرائط الشفعۃ)[1]

مشتری کے مرنے سے شفیع کا حق شفعہ باطل نہیں ہوتا

سوال :- ایک آدمی مثلاً زید نے عمرو کے متصل کچھ زمین خریدی مگر عمرو کو اس کی خبر نہ ہوئی اور اس دوران میں زید کا انتقال ہوگیا، ایک ہفتہ بعد عمرو کو زمین خریدنے کی خبر ہوئی ، اب عمرو شفعہ کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ میت پر شفعہ کرے یا اس کے وارثوں پر؟

الجواب :- واضح رہے کہ مشتری (خریدنے والے) کے مرنے سے شفیع کا حق شفعہ باطل نہیں ہوتا بلکہ شفعہ کا دعویٰ کرنا بدستور باقی ہے، البتہ مشتری کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء سے حق شفعہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

قال الامام القدوریؒ : واذا مات المشتری لم تسقط الشفعۃ۔
(مختصر القدوری ص۹۲ کتاب الشفعہ)[2]

---

[1] قال الشیخ وہبۃ الزحیلی : الشرط الاوّل خروج العقار عن ملک صاحبہ خروجاً باتاً یجب ان یزول ملک البائع عن العقار المبیع من طریق البیع البات النہائی اللازم الذی لاخیار فیہ ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۵ ص۸۱۸ المبحث الخامس شروط الشفعۃ)

[2] وفی الہندیۃ : ولا تبطل بموت المشتری وللشفیع ان یأخذ من ورثتہ ۔ الخ
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص۱۸۲ الباب التاسع فیما یبطل بہ حق الشفعۃ بعد ثبوتہ وما لا یبطل)
وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ ج۴ ص۴۰۲ کتاب الشفعۃ ، باب ما تبطل بہ الشفعۃ ۔

شفیع برابر ہوں تو دونوں شفعہ کا حق رکھتے ہیں

سوال:۔ ایک گھر دو گھروں کے درمیان واقع ہے، تینوں گھروں کی پشت اور دروازے بھی ایک طرف ہیں اور راستہ بھی سب کا ایک ہے، اب درمیان والا گھر ایک پڑوسی نے خرید لیا ہے تو کیا دوسرا پڑوسی شفعہ کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں دوسرے پڑوسی کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے اور شفعہ کرنے کے بعد یہ خریدا ہوا گھر دونوں پڑوسیوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔

وفی الهندية: ولو انّ رجلًا اشترى دارًا وهو شفيعها ثمّ جاءَ شفيع مثلهٗ قضى القاضى بنصفها وان جاء لهٗ شفيع اٰخر اولٰى منه فان القاضى يقضى لهٗ بجميع الدار وان جاءَ شفيع دونه فلا شفعة لهٗ۔

(الفتاوٰى الهندية ج٥ ص١٧٨ الباب السادس فى الدار اذا بيعت ولها شفعاء)

کسی کے حقِ شفعہ کو ختم کرنے کے لیے اصل رقم سے زائد لکھوانا

سوال:۔ آجکل مکان یا زمین کی خرید و فروخت میں یہ بات عام ہے کہ مشتری مبیعہ پر کسی کے شفعہ کرنے کے خوف سے بائع سے اصل رقم سے کئی گنا زائد رقم مثلاً دو لاکھ کی بجائے چار لاکھ روپے لکھوا لیتا ہے اور بائع بھی اس پر راضی ہوتا ہے۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں مشتری کا ایسا کرنا شفیع کے حقِ شفعہ کو دھوکہ اور فریب سے ساقط کرنے کے مترادف ہے اس لیے اس کا یہ عمل موجبِ گناہ ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: اس طرح کرنا جائز نہیں ہے۔ (امداد الاحکام ج٣ ص١٦٣)

---

[1] قال العلامة الحصكفیؒ: وكذا لو كان الشريك غائبًا فطلب الحاضر يقضى لهٗ بالشفعة (كلها ثمّ اذا حضر وطلب قضى لهٗ بها) فلو مثل الاوّل قضى لهٗ بنصفه ولو فوقه فبكله ولو دونه منعه الخ ـ قال العلامة ابن عابدينؒ: تحت قوله (فلو مثل الاوّل) اى لو كان الذى حضر مثل الاوّل كشريكين او جارين الخ ـ (الدر المختار على صدر ردّ المحتار جلد٦ ص٢٢٢ كتاب الشفعة)

وَمِثْلُهٗ فى خلاصة الفتاوٰى ج٤ ص٢٥٥ كتاب الشفعة، الفصل الثانى فى المقدمة۔

مسوّدۂ قانونِ شُفعہ پر مجلسِ شوریٰ میں کی گئی تقریر

> قانونِ شفعہ کا مسودہ ایوان میں پیش ہونے پر ۱۰ ؍ اپریل ۱۹۸۲ء کو دن بھر اس مسئلہ پر گرما گرم بحث ہوئی کہ اس مسودہ کو عوام کی رائے سے حاصل کرنے کے لیے مشتہر کیا جائے اور آئندہ کسی موقعہ پر اسے زیرِ غور لایا جائے۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے اس ضمن میں ایوان میں مختصر مگر پُرمغز اور مدلل تقریر کی جسے قانونِ شفعہ کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جارہا ہے۔
>
> ــــ مُرتّب ــــ

جناب چیئرمین | مولانا سمیع الحق

مولانا سمیع الحق | یہ ایک اسلامی قانون کا مسوّدہ ہے اور یہ پہلا اسلامی قانون ہے جو اس ایوان میں آیا ہے، اصولی طور پر مجلسِ شوریٰ کا اہم مقصد اس ملک میں اسلامی قانون نافذ کرنا ہے، اور اس سمت میں یہ ایک اہم آئٹم ہے۔ مجلسِ شوریٰ کے لیے جو راہنما اصول مقرر کیے گئے ہیں ان میں یہ ہے کہ ہم نے اسلامی نظام کے نفاذ کو تیز کرنے میں مدد دینا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کے علاوہ بھی دو اور اسلامی قانون قاضیوں کے کورٹ اور دیت و قصاص کے متعلق تھے وہ بھی سٹینڈنگ کمیٹی کی نظرِ کرم سے مؤخر کر دیئے گئے ہیں۔ اور اگر اب اس مسودہ کی تاخیر اور التواء کے لیے بھی آج تحاریک پیش کی جارہی ہیں، تو اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو یہ افسوسناک معاملہ ہوگا اور اس کا بڑا خراب اثر پڑے گا۔ ہماری حالت تو اسلامی نظام کے نفاذ کے بارہ میں یہ ہوگئی ہے کہ ؎

عُمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

یہاں کچھ حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس مسودہ کو عوام کی استصوابِ رائے کے لیے مشتہر کیا جائے، اگرچہ یہ مقصد پہلے بھی حاصل ہو چکا ہے، لیکن اس سلسلے میں میں عرض کرتا ہوں کہ کیا اسلام ہمیں یہ حق دیتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کو نافذ کرنے کے لیے عوام سے

اجازت لی جائے اور اس کے بارے میں عوام سے استصواب کریں؟ خدا اور رسولؐ کے طے شدہ قوانین اور احکام کے بارے میں اسلام ہمیں ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس کے بارے میں عوام سے پوچھیں۔ ہمارے عوام بہت اچھے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ عوام نے استصواب کے نتیجے میں کسی اسلامی قانون کو مسترد کر دیا، تو کیا یہاں حاکمیت عوام کی ہے یا حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے، یہ عوام والی بات کے دَور سے تو ہم گذر چکے ہیں اور اس کا خمیازہ بھی ہم نے بہت بھگت لیا ہے۔ یہ اہم ترین مسئلہ ہے۔ تو اس لحاظ سے میری گذارش یہ ہے کہ اسے اہم ترین مسئلہ سمجھا جائے۔ یہاں ایک بزرگ نے کہا تھا کہ یہ اسلام کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ اس میں جان و مال اور جائیداد کے حقوق کے تحفظ اور اوروں کے ظلم وتعدی اور زیادتی سے بچنے کا سوال ہے۔ اسلام کی نگاہ میں مال اور جائیداد کا تحفظ اور کسی کے ظلم و زیادتی سے بچانا اور بچنا یہ ایک اہم ترین سوال ہے۔ تو اس لحاظ سے میں تمام معزز ممبران سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ دینی جذبہ اور پوری گرمجوشی کے ساتھ اس مسودے کا خیر مقدم کریں اور اس پر بحث کریں۔ یہ پہلا مسودہ ہے جو عرصۂ دراز کے بعد اسلامی قوانین پر مبنی یہاں آیا ہے۔ آپ سب خوش قسمت ہیں کہ آپ کے سامنے ایسا مسودہ آیا ہے، اس میں اگر کچھ خامیاں، خرابیاں اور اختلافات ہیں بھی تو وہ ترامیم کی شکل میں پیش کی گئی ہیں یا پیش کی جائیں گی اور ان کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان معروضات کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(رپورٹنگ وفاقی کونسل سیکرٹریٹ)

> ۱۲، اپریل ۱۹۸۲ء کی شام کی نشست میں مولانا سمیع الحق نے شفعہ کے مسودہ پر تقریر کی، وفاقی کونسل کے سیکرٹریٹ کی قلمبند شدہ تقریر حسب ذیل ہے۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

جناب چیئرمین! میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا، کافی حضرات اس موضوع پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ شفعہ کے اس قانون کے بارے میں کچھ بنیادی نکتے اٹھائے گئے ہیں میں ان کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ مجھ سے پہلے فاضل مقرر کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ قرآن مجید میں

شفعہ کے بارے میں احکام نہیں ہیں، تو یہ ایک بنیادی غلط فہمی ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا ماخذ صرف قرآن کریم ہے، حالانکہ شریعت کا بنیادی ماخذ جس طرح قرآن کریم ہے اسی طرح سنتِ نبوی بھی ہے۔ اگر ہم ہر چیز کو قرآن میں تلاش کریں گے تو ہمیں پانچ وقت کی نمازوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ قرآن کی کسی آیت میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ مغرب کے تین رکعت فرض ہیں اور کسی آیت میں یہ نہیں کہ فجر کے دو فرض ہیں اور عصر کے چار ہیں نہ ان مخصوص اوقات کا تفصیلات کے ساتھ ذکر ہے ـــ اسی طرح زکوٰۃ کی تفصیلات بھی قرآن کریم میں نہیں ہیں لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی ہے اور مقادیر بیان کئے ہیں۔

تو جناب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ چھوٹی سی چھوٹی بات جو حضورؐ نے فرمائی اور ہمیں مستند طریقہ سے پہنچ گئی اسے ہم قرآنِ کریم اور دین ہی کا حکم سمجھیں گے۔ ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے، ایک صحابی سے کسی خاتون نے دریافت کیا کہ جسم کو کھرچ کھرچ کر اس میں رنگ بھرنے کا مسئلہ کیسا ہے؟ صحابی نے کہا کہ یہ سختی سے منع ہے، قرآن میں اس کا حکم موجود ہے، خاتون نے کہا میں الٓمٓ سے لیکر والناس تک قرآنِ کریم پڑھتی ہوں اُس میں تو اس چھوٹے سے مسئلہ کا کہیں ذکر نہیں ہے، صحابی نے کہا کہ لو قرأتیہ لوجدتیہ اگر تم نے قرآن کو غور سے پڑھا ہوتا تو اس حکم کو وہاں پایا ہوتا۔ صحابی نے فرمایا قرآنِ کریم میں ہے: مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا کہ جو حکم تمہیں رسول نے دیا اس پر سختی سے عمل کرو اور جن باتوں سے آپؐ نے منع کیا ان سے منع ہو جاؤ۔ یہ ایک اصول ہمیں قرآن نے دیا ہے۔ اب اس مسئلہ میں حضورؐ نے جو راہنمائی دی ہے وہ بھی گویا قرآن ہی کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الحمدللہ قرآن کے ساتھ سُنّت کو بھی ہمارے آئین میں بنیادی ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد چونکہ کچھ ارکان نے شفعہ کے سلسلہ میں واضح احادیث کا مطالبہ کیا ہے تو ایوان کے سامنے بھی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے الفاظ لانا چاہتا ہوں جن میں ان افراد کی تفصیل موجود ہے جنہیں شفعہ کا حق دیا گیا ہے۔

مولانا سمیع الحق: جناب والا! جائیداد میں شریک خلیط کا سب سے پہلا درجہ ہے، اس کے بعد جو حقوق میں شریک ہے اُس کا درجہ ہے، تیسرے نمبر پر جار ہے یعنی پڑوسی۔ تو یہاں سب سے پہلے میں شریک کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف سے نقل کرتا ہوں، یہ امام مسلم کی کتاب ہے اور صحیح بخاری کی طرح اس کا درجہ ہے۔

عن جابرؓ قال قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعۃ فی کل شرکۃ لم تقسم ربعۃ او حائطاً لا یصلح ان یبیع حتی یؤذن شریکہ فان شاء اخذ وان شاء ترک فاذا باع ولم

یؤذنہ فھو احق بہ۔ (الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ۔ حدیث ص۸۸۸ کتاب الشفعۃ)

(ترجمہ) "حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے فیصلہ دیا شفعہ میں مشترک حصہ میں جب تک وہ تقسیم نہ ہؤا ہو خواہ وہ مکان ہو یا باغ تو اس میں شفعہ کا حق ہوگا شریک کو جو ملکیت میں شریک ہو"۔ پھر اس میں قضٰی رسول اللہ کا لفظ ہے کہ صرف فرمایا نہیں بلکہ فیصلہ دیا حضورؐ نے، قضیٰ کا مطلب فیصلہ دینا ہے جس کا ایک فاضل رکن نے مطالبہ کیا تھا۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے۔

لقولہ علیہ السلام: بالشفعۃ فی کل مالم یقسم فاذا وقعت الحدود و صرفت الطرق فلاشفعۃ۔ (الھدایۃ ج۴ ص۳۸۷ کتاب الشفعۃ)

(ترجمہ) "حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا ہر اس چیز میں فیصلہ کیا جو ہنوز تقسیم نہ کی گئی ہو اور شرکت باقی ہو لیکن جب اس کی حدود متعین اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اب (بربنائے شرکت) شفعہ نہیں رہا"۔

شفعہ ان تمام جائیدادوں میں ہے جب تک وہ تقسیم نہ ہوئی ہوں۔ آگے حضورؐ نے ایک جملہ فرمایا، فاذا وقعۃ الحدود وصرفت الطرق فلاشفعہ۔ مثلاً اگر چار بھائیوں کی مشترکہ زمین ہے اور انہوں نے اسے تقسیم کر لیا اور اس کی حد بندی کر دی یا حقوق میں اشتراک ہے اور راستے الگ کر دیئے گئے تو پھر اس پر شفعہ کا کوئی حق نہیں۔۔۔ اس سے ایک دوسری بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دو بھائیوں میں زمین مشترک تھی، اب اس ملکیت میں شراکت کی وجہ سے ان کو شفعہ کا حق تھا لیکن جب زمین تقسیم ہو گئی تو ان کا حق شفعہ نہیں رہا اب اگر رشتہ داری کی وجہ سے بھی ان کو شفعہ کا حق مل سکتا ہوتا تو حضورؐ یہ نہ فرماتے کہ اب حق شفعہ نہیں رہا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دو سگے بھائیوں میں یا باپ اور بیٹے میں بھی اگر زمین تقسیم ہو گئی تو پھر (بربنائے شراکت) شفعہ کا حق نہیں ہوگا کیونکہ ملکیت میں اب شراکت نہیں ہے، پھر جوار (پڑوسی) کی وجہ سے اگر وہ چاہے گا تو حق جوار کی وجہ سے اس کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا جس میں اجنبی اور رشتہ دار سب برابر ہیں۔ یہ تو شریک کے بارے میں حدیث ہے، اسی طرح جار (پڑوسی) کے حق شفعہ کو دیکھئے۔ امام ابو داؤدؒ کی کتاب (سنن ابی داؤد) صحیح اور مستند ہے تمام مسلمانوں کے نزدیک، اس میں حضورؐ سے روایت ہے کہ جار الدار احق بدار الجار والارض جو مکان کا پڑوسی ہے یا جو زمین کا پڑوسی ہے وہ اس پڑوسی ہونے کی وجہ سے حقدار ہے اگرچہ شریک فی الملک نہ ہو اور شریک فی الحقوق بھی نہ ہو مگر اس کا حق ہوگا۔ اب ترتیب کیا ہے تینوں کی؟ وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعین فرما دی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا الشریک احق من الخلیط

والخلیط احق من الشفیع۔ راوکما قال)۔ (الھدایۃ ج۴ ص۳۸۸ کتاب الشفعۃ)

یہاں اجتہاد کی باتیں ہو رہی ہیں مگر یہ اجتہاد کی باتیں نہیں، اجتہاد تو وہاں ہو گا جہاں حضور اکرمؐ سے پوری راہنمائی نہ حاصل ہوتی ہو۔ تو حضورؐ نے تو سب کچھ فرما دیا، حقدار اور ان کی ترتیب بھی متعین کر دی کہ ملکیت میں شراکت دار جو ہوگا اس کا پہلا نمبر ہے خلیط سے، خلیط وہ ہے جس کے صرف حقوق ہوں۔ پھر فرمایا کہ الخلیط احق من الشفیع، جب خلیط اور پڑوسی کا مقابلہ آئے گا تو جو حقوق میں شریک ہے، جو ملکیت میں شریک ہے ان کا حق پہلے ہوگا، اس کے بعد جو ہمسایہ ہے اس کا حق ہے۔

اسی طرح سنن اربعہ ابوداؤد و ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مذکور ہے:۔

عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجار احق بشفعۃ جارہ ینتظر بہا وان کان غائبًا اذا کان طریقہما واحدًا۔ (ابوداؤد، مسند احمد، ابن ماجہ، ترمذی، دارمی)۔ (الدرایۃ فی تخریج احادیث، رقم حدیث ۸۸۹ کتاب الشفعۃ)

(ترجمہ) "حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے، اگر وہ غائب (غیر موجود) ہو تو شفعہ کے لیے اس کا انتظار کیا جائے مگر یہ شفعہ اُس وقت ہوگا جبکہ دونوں ہمسایوں کا راستہ ایک ہو۔"

جو پڑوسی ہے اور اس کا تیسرے نمبر پر حق بنتا ہے تو اب وہ حقدار ہوگا اجنبی لوگوں سے، رشتہ داروں سے اور مختلف طبقہ کے لوگوں سے اس کا انتظار کیا جائے اگر وہ موجود نہ ہو۔ ینتظر بہا وان کان غائبًا۔ آگے یہ بھی فرمایا کہ جب راستہ ایک ہے تو اُسے ترجیح دی جائے گی۔

دوسری روایت حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی ہے جو کہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں:۔

عن ابی رافع مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الجار احق بسقبہ قیل یا رسول اللہ ماسقبہ قال شفعتہ۔ (الھدایۃ ج۴ ص۳۸۷ کتاب الشفعۃ)

(ترجمہ) "یعنی پڑوسی اس زمین کا قرب اور نزدیک ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے، صحابہؓ نے سقب کے بارہ میں دریافت کیا تو فرمایا کہ اس سے مراد شفعہ میں اس کا استحقاق ہے، وہ قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے۔

اسی طرح ترمذی میں روایت ہے الجار احق بشفعته ـــــــ یہ میں نے مختصراً حضورؐ کی چند روایات پیش کی ہیں کہ حضورؐ نے ان تین شفعاء ہی میں حق شفعہ کو مخصوص، محدود اور محصور کیا ہے۔ اب یہاں ایک سوال اٹھایا گیا کہ جس وقت یہ مسودہ عوام میں مشتہر کیا گیا تھا کہ ان تینوں میں ہم کیوں محدود کریں جبکہ اوروں کی صریح مخالفت تو نہیں۔

جناب والا! یہاں مختلف حضرات تقریریں کرتے ہیں، ان کی تمہید عجیب جوش و خروش کی ہوتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری تائید کی طرف آرہے ہیں، دلائل ہمارے حق میں دیتے ہیں اور آخر میں یکدم پلٹ جاتے ہیں، ان کی تقریروں میں تضادات ہوتے ہیں، آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ شفعہ کے اس مسئلے میں کوئی ابہام یا کوئی پریشانی ہے ہی نہیں، کبھی وہ کہتے ہیں کہ یہ ان تین سے بھی زیادہ کو دیا جائے، کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ان تین میں سے بھی کم کر کے ان کو محدود کیا جائے، تو سمجھ نہیں آتی کہ یہ ابہام اور پریشانیاں کس چیز سے پیدا ہو گئی ہیں؟ اب کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ چونکہ حضورؐ نے اوروں کی نفی تو نہیں کی اور انّما کا کلمہ نہیں آیا۔ حالانکہ یہ ایک علمی اصطلاح ہے اور قواعد لغت کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ کلمۂ حصر نہیں ہے یعنی حضور اقدسؐ نے یہ تو نہیں فرمایا انما الشفعة للشریك الخ کہ شفعہ ان تین تک محدود ہے کیونکہ انّما حصر کا ہے اور وہ کلمہ نہیں اوروں کو بھی ملنا چاہیئے۔ اور دلیل ان لوگوں نے یہ پیش کی ہے کہ آیتِ زکوٰۃ میں ہے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ۔ مصارفِ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا کے کلمہ سے مخصوص کر دیئے ہیں، اب جو آٹھ مصارف ہیں ان میں ہم نویں اور دسویں مصرف کا اضافہ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے، ایک چیز کو محصور کرنے کے لیے انّما کا حرف اور حصر کے کلمات ضروری نہیں ہوتے، الف لام اختصاص وہ بھی تخصیص کے لیے آتا ہے، جیسے الحمد للہ ہے، اب اس کا معنیٰ یہ ہے کہ حمد اور تعریف و ستائش ساری اللہ کے لیے ہے کسی اور کو ہم حمد میں شریک نہیں کر سکتے ورنہ وہ کفر ہو جائے گا حالانکہ یہاں انّما تو نہیں۔ اب الحمد میں "ل" اختصاص کے لیے ہے۔ اسی طرح بعض اوقات ایک جملہ کا مقام مؤخر ہو جاتا ہے اور اس کو مقدم کر لیا جاتا ہے وہ بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے اور تخصیص ثابت کرتا ہے، مثلاً نعبد ایاك ہونا چاہیئے تھا نماز میں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، مگر وہاں یہ کہا کہ ایاك نعبد ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں کسی اور کی نہیں کر سکتے۔ یہ حصر کس چیز سے ثابت ہوا؟ اسی جملہ کی دوسری جگہ تھا لیکن وہاں سے پہلے آیا اور اس کو پہلے کر دیا۔ یہ تقدیم ما حقه التاخیر کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر میں یہ کہوں کہ نہیں آیا اس ایوان میں مگر زید، تو یہ استثناء بھی حصر کے لیے مفید ہو گیا۔ ما جاءنی من القوم الا زیدٌ۔ اور پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضور اقدسؐ کے

زمانہ میں جب سارے حالات آپؐ کے سامنے تھے، حضورؐ اور صحابہؓ کے رشتہ دار بھی تھے اور مختلف طبقے موجود تھے، آپؐ کو پتہ تھا کہ تکلیف لاحق ہو سکتی ہے، مگر شفعہ کا حق ان لوگوں کو نہ دیا۔ آج کہا جاتا ہے کہ شفعہ کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کو نقصان سے بچایا جائے یعنی دفعِ ضرر مقصود ہے مگر یہ بھی ایک علمی اصطلاح ہے اسے حکمت کہتے ہیں علت نہیں کہتے، دفعِ ضرر حکمت ہے اور علت اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمت کے طور پر ایک چیز پیش کر دے مگر وہ علت نہیں ہوتی حکمت و مصلحت ہوتی ہے، علت ہوتی تو ہم دفعِ ضرر کو عام کر دیتے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں کہا گیا کہ ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کی گواہی کے برابر ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وجہ بھی بیان کر دی کہ شاید ایک خاتون بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرا سکتی ہے۔ فتذکر احداھما الاخریٰ مقصد بھول سے بچنا ہے، وہ مقصد حاصل ہو گیا۔ اب اگر ایک خاتون بہت بڑی عالمہ ہے، اس کا حافظہ مسلّم ہے ہمیں پتہ ہے کہ وہ نہیں بھولتی تو اس قانون کو بدل تو نہیں سکتے کہ اس ایک کی شہادت مرد کے برابر ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کو حکمت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نماز پڑھو تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ میں نماز نہیں پڑھتا اس لیے کہ میں متقی نہیں بن سکتا لہٰذا نماز ہی چھوڑ دوں۔ نماز کی علت اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہ خطرات اوروں نے ظاہر کئے ہوں گے لیکن حضور اکرمؐ نے کسی کو یہ حق نہیں دیا، حضورؐ کی نظر بڑی وسیع تھی اور شفقت بھی سب سے بڑھ کر تھی۔

اب اگر ہم اس موضوع کو لیں کہ ضرر سے بچانا مقصود ہے تو پھر میرے خیال میں شفعہ کے جو قوانین انگریزی دور کے جاری ہیں اُن کے تحت ایک دوکاندار اور کرایہ دار کو بھی حق ملنا چاہیئے کیونکہ اس کو بھی ضرر ہے، اگر وہ دُکان خالی کرتا ہے تو اس کو ضرر پہنچے گا۔ تو کیوں نہ اس کو شفعہ کا حق دیا جائے، یا اگر کوئی کرایہ دار ہے اور وہ مکان خالی کرتا ہے تو اس کو بھی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ آپ ایک ملازم رکھتے ہیں اور پھر کسی وجہ سے اپنا کاروبار چھوڑ دیتے ہیں تو نظریۂ دفعِ ضرر کے تحت اس ملازم کو بھی شفعہ کا حق ہوگا؟ اسی طرح میں نے زمین بیچی تھی آج اس کا دوسرا شخص مالک ہے اس نے تیسرے کو بیچ دی، تو پہلا مالک یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا بھی حق ہونا چاہیئے کیونکہ میں بھی کسی وقت اس زمین کا مالک تھا۔ اس طرح یہ سلسلہ بڑا طویل ہو جائے گا، اسلئے ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر مزارعین کو حق دینے کا مسئلہ ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ کس طرح فرض کر لیا گیا کہ اگر میں نے زمین بیچ دی تو اس سے مزارع کو نقصان پہنچے گا اور مشتری لازماً مزارع کو بے دخل کر دے گا، اگر مزارع محنت کرتا ہے، دیانتدار اور با اصول ہے تو جس طرح میں نے اُسے رکھا تھا اسی طرح دوسرا خریدار بھی اسکی ایمانداری کی وجہ سے اُسے رکھے

لے گا۔ محنتی اور ایماندار ملازم کی تلاش تو ہر وقت رہتی ہے، لیکن اگر وہ محنت نہیں کرتا تو پھر تو مالک کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے نکال سکتا ہے۔ اسلام کی نظر میں مالک کو بھی ضرر سے بچانا ضروری ہے اور ملازم کو بھی بچانا ضروری ہے، ضرر سے سب کو بچانا مقصود ہے کسی ایک طبقہ کو نہیں، قانون میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی خاص فرد کا کیا ہو گا، کسی ایک طبقے کا کیا بنے گا، مفادِ عامہ کو دیکھا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ ایک مجرم کو ۱۴ سال قید کی سزا دیتے ہیں اور اسے جیل میں ڈال دیتے ہیں تو پھر آپ کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس کے اہل و عیال پر کیا گذرے گی، وہ بھوکے پیاسے رہیں گے، ان کا کوئی کفیل نہیں ہو گا، پھر آپ کو یہ حق کہاں ہے کہ آپ اس کو جیل میں ڈالیں۔

ایک شخص قتل کرتا ہے اور عدالت کی طرف سے اُسے قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو آپ یہ نہیں دیکھیں گے کہ اس کے خاندان کا کیا بنے گا؟ اور انہیں کتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا؟ مفادِ عامہ کو دیکھا جاتا ہے، پھر تو آپ چور کے ہاتھ بھی نہیں کاٹ سکتے، اس لیے کہ اس کے اہل و عیال بھوکے رہیں گے اور اس کی ساری زندگی تکلیف میں گذرے گی، تو قانون مفادِ عامہ کے لیے بنایا جاتا ہے۔

یہاں اس ایوان میں مزارع اور غیر مزارع، رشتہ دار اور فلاں اور فلاں یہ ایک معمہ بن کر رہ گیا ہے کہ گویا شریعت نے اس معاملہ میں کوئی راہنمائی کی نہیں! حالانکہ فقہ میں تمام تفصیلات موجود ہیں، خلافتِ راشدہ اور خلافتِ عباسیہ میں کئی کئی منزلہ مکانات اور عمارتیں موجود تھیں، یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ آج اٹھایا جائے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ یہ تین طبقے تو ہر دور میں شفعہ کے حقدار رہے ہیں، حضور اکرمؐ سے لے کر انگریزی دور کے آخر تک کسی قانون میں، کسی دورِ حکومت میں، خلافتِ عباسیہ، خلافتِ عثمانیہ اور ہندوستان میں خلافتِ مغلیہ میں کسی اور کو یہ حق نہیں دیا گیا۔ جو حق حضورؐ نے دیا اس پر تمام صحابۂ کرامؓ اور ائمہ کرامؒ نے اتفاق کیا، اسے کہتے ہیں تعاملِ اُمت۔ اب اگر ایک امام نے چار کے حق کی مخالفت کر بھی لی لیکن دوسرے تو متفق ہیں۔ اس کو اصطلاح میں اجماعِ مرکب کہتے ہیں کہ ان تین سے زیادہ پر کسی کا اختلاف نہیں۔ پھر صحابۂ کرامؓ کا دور آیا، ائمہ کرامؒ کا دور آیا، اہلِ بیت کا دور آیا لیکن کسی اور کو یہ حق نہیں دیا گیا۔

بہرحال میں اپنی باتیں سمیٹ کر عرض کروں گا کہ یہاں حاجی سیف اللہ صاحب نے ایک بات کہی اور مجھے افسوس ہے کہ انہیں ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ اگر ہر مسئلہ میں شریعت اور قانون میں فرقہ وارانہ اختلافات

کو ابھارا جائے گا تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، توجیہات اور تشریحات میں اختلافات ہوسکتے ہیں۔ یہ تو آپ کے قانون دان اور وکلاء حضرات بھی ایک مقدمہ میں متفق نہیں ہوسکتے، جج صاحبان کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں تو ہر ایک کا فیصلہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ پھر تو آپ اس سارے نظام عدل کو دریا میں ڈال دیں، پھر تو آپ عدالتی نظام چلا ہی نہیں سکتے، تو اصول میں کبھی اختلاف نہیں رہا۔

ہمارے پاس اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ آئی ہے، اس کونسل میں شیعہ علماء، بریلوی اور دیوبندی علماء، جج، وکلاء اور جدید عالم موجود تھے، ان سب نے متفقہ طور پر یہ رپورٹ پیش کی، شیعہ اور سنی حضرات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مجھ سے خود شیعہ عالم علامہ رضی نے کہا کہ ہم نے ایسا کوئی اختلافی جملہ نہیں کہا۔ ہم سنی تو ان باتوں میں بڑے وسیع النظر ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے اسلامی فقہ کی عظیم کتاب **ھدایہ** ہے جس کا انگریزی ترجمہ یورپ میں پڑھایا جاتا ہے، اس میں تمام تفصیلات موجود ہیں کہ حق شفعہ کس کو ہے کس کو نہیں ہے، منقولہ جائیداد میں ہے یا غیر منقولہ میں ہے، پانی کی صورت کیا ہوگی، ٹلفظوں کا نظام کیا ہوگا، اور ساری وضاحتیں اس میں موجود ہیں۔ مثلاً تین منزلہ عمارت کی صورت میں ایک شخص نچلی منزل پر رہتا ہے، اوپر والی منزل کا راستہ تیسری منزل پر ہے، اس کی سیڑھیاں تیسری منزل والے پر آتی ہیں اور دوسری منزل والے کی سیڑھیاں الگ راستہ پر ہوں تو شفعہ کا حق وہ کہتے ہیں کہ پہلے والے کو ہوگا، اگر نیچے والے نے بیچ دیا تو پہلے والے کو ہوگا، اور اگر اوپر والے نے بیچ دیا تو نیچے والے کو ہوگا، درمیان والا متصل ہے، لیکن وہ چونکہ جار ہے، پڑوسی ہے تو حقوق میں شریک نہیں ہے اس کا نمبر تیسرا ہے ـــ تو یہاں ایک جملہ اختلافات کا کہا گیا۔ اسلام کے قوانین کی نظروں میں فروعی اختلافات اور فرقے نہیں ہوتے، یہاں تک کہ مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی نہیں کی جاتی۔ میرے سامنے **ھدایہ** کی کتاب ہے میں اس کتاب سے ایک جملہ پڑھ کر سناتا ہوں:۔

والمسلم والذمی فی الشفعۃ سواء" یعنی مسلمان اور غیر مسلم شفعہ کے تمام حقوق میں برابر ہیں"ـــ اگر ایک عیسائی ہمارے پڑوس میں ہے اور جار کی ساری سہولتیں اسے حاصل ہیں اور دوسرا جو کہ مسلمان ہے اور ایک ڈگری درجہ اس کو بعد میں رہا ہے تو اس کو شفعہ کا حق نہیں ہوگا عیسائی کا درجہ پہلے ہوگا، کیونکہ احکام عام ہیں، سبب جو شفعہ کا ہے اس میں مسلمان اور غیر مسلم برابر ہیں ـــ صاحب ہدایہ کا قول ہے: للعمومات ولانهما يستويان فی السبب والحكمة فيستويان فی الاستحقاق، اس لیے استحقاق میں دونوں برابر ہیں ـــ اس سے قبل ایک دوست نے

اسلام میں غلامی کی بات چھیڑ دی تھی، یہ عجیب بات ہے، کیا یہ غلامی اسلام کے لیے ایک دھبہ ہے؟ بات شفعہ کی ہوتی ہے تو مسئلہ غلامی کا چھیڑ دیا جاتا ہے، کل کوئی یہ کہے گا کہ اس زمانے میں حرمتِ خمر کی بات؟ کوئی یہ کہے گا کہ اس زمانے میں مخلوط ڈانس کی بات؟ (زور دار تالیاں) بھائی! اسلام نے تو غلاموں کو آسمان تک پہنچا دیا ہے، اسلام نے غلامی کو ختم کیا۔ اس شفعہ کے مسئلہ ہی کو لیجیے، اسی ھدایہ کا ایک اور جملہ شفعہ کے سلسلہ میں آتا ہے کہ: ولھذا یستوی فیہ الذَّکَرُ وَ الاُنثیٰ والصغیر والکبیر والباغی والعادل والحرّ والعبد اذا کان ماذونًا او مکاتبًا۔ اور چھوٹا اور بڑا اس کے حق میں برابر ہیں، اور سننے کی بات آگے ہے کہ آزاد انسان اور غلام انسان بھی اس میں بالکل برابر ہیں۔ یعنی اسلام نے تو غلام کو بھی ان تمام قوانین میں آزاد کے برابر حق دیا ہے۔

تو جناب! میں ان گذارشات کے ساتھ، چونکہ کافی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

مسوّدہ شفعہ آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء

اور

دارالعلوم حقانیہ کی سفارشات وترامیم

حکومتِ پاکستان نے نمبر ۳ (۲۱) (۲۲) / ۸۰ آر، سی، آئی آئی مجریہ ۱۳؍ دسمبر ۱۹۸۰ء کے تحت شفعہ آرڈیننس ۱۹۸۰ء کا مسوّدہ قانون رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا، اسلامی نظریاتی کونسل نے اس مسودہ کو دارالعلوم حقانیہ کی تجاویز اور اصلاحی ترمیمات کے لئے بھیجا، چنانچہ دارالعلوم حقانیہ کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد فرید صاحب، نائب مفتی حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی راہنمائی، مشورہ اور موجودگی میں اس مسودہ پر ازروئے فقہ وشریعت نظر ثانی کی اور جہاں جہاں قابلِ اصلاح چیز نظر آئی اس کی اصلاح کرکے اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین کی خدمت میں ارسال کیا، اور قانونِ شفعہ آرڈیننس میں کل ۱۳ سفارشات پیش کی گئیں۔ (مرتب)

بخدمت اقدس جناب چیئرمین صاحب اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کے مُرسلہ مسوّدہ شفعہ آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء کی بعض دفعات کے متعلق چند اہم تجاویز اسلامی نقطہ نظر سے ارسالِ خدمت ہیں، لیکن واضح ہو کہ یہ تجاویز صرف اُن دفعات کے متعلق ہیں جو مفصل اور غیر مخدوش ہیں، ورنہ جو دفعات ہمارے لیے ناقابلِ فہم تھیں ان کے متعلق ہم جواب دینے اور رائے ظاہر کرنے سے قاصر ہیں۔

مثال کے طور پر صٓ پر دفعہ ۲ کی شق (۳) اور ایسے ہی ص۹ دفعہ ۲ میں شق ۲ محذوش اور مبہم ہیں جو ہمارے لیے قابلِ فہم نہیں ہیں اس لیے ان کے متعلق ہم رائے نہیں دے سکتے، نیز اُن دفعات کے متعلق بھی ہم رائے نہیں دے سکتے جن کا تذکرہ مسودہ میں اجمالاً ہے اور تفصیلی حوالہ تعزیرات پاکستان پر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ص۱۲ پر دفعہ ۳ کا مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء کا ایکٹ ۳۴ ۔ اور اسی صفحہ کی دفعہ ۳۱ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء ایکٹ ۵ ۔ صفحہ ۱۳ پر دفعہ ۳۳ میں قانون میعاد سماعت ۱۹۰۸ء کے ایکٹ ۹ میں شامل امور۔ اور ص۱۴ کی دفعہ ۳۶ کی شق الف اور شق ۳ ۔ ان دفعات سے تعلق رکھتی ہیں جن کے مجمل ہونے کی وجہ سے ہم ان کے متعلق اسلامی نقطۂ نگاہ سے رائے دینے سے قاصر ہیں، اس لیے کہ تعزیرات پاکستان اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر غیر مبہم اور تفصیلی دفعات کے متعلق تجاویز پیشِ خدمت ہیں:۔

(۱) اس مسودہ کے ص۲ پر دفعہ ۲ کی شق ۴ میں ہے کہ کسی جائیداد غیر منقولہ کے بہتر انتظام کی غرض سے یا جائز طریقے سے ذاتی استعمال میں لانے کے لیے تبادلہ کرنے کی صورت میں اگر تملیک و تملک کی حیثیت اور غرض سے ہو تو پھر اس صورت کو حق شفعہ سے مستثنیٰ کرنا از روئے شرع درست نہیں بلکہ یہ بھی ان صورتوں میں سے ہونا چاہیئے جن میں حق شفعہ شفیع کے لیے ثابت ہے۔

(۲) ص۲ پر دفعہ ۲ کی شق (د) کے آخر میں[1] یہ اضافہ بھی ضروری ہے کہ شُفعہ اُس جائیداد میں بھی واجب ہوگا جو کسی صلح کی صورت میں اقرار، انکار یا سکوت میں دی جائے اور یا کسی جائیداد غیر منقولہ سے اقرار کی صورت میں صلح ہو جائے، اس کے لیے حوالہ ملاحظہ ہو:۔

وتجب الشفعة فی الدار التی هی بدل الصلح سواء کان الصلح عن الدار عن اقرار او انکار او سکوت وکذا تجب فی الدار المصالح۔

(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۱۶۰ کتاب الشفعة۔ الباب الاول)

(ترجمہ) "اور شفعہ اس جائیداد غیر منقولہ میں بھی واجب ہوگا جو کسی صلح کے بدل میں دی جائے خواہ یہ صلح اقرار، انکار یا سکوت کی صورت میں ہو، اور نیز شفعہ اس جائیداد میں بھی واجب ہوگا جس سے اقرار کی صورت میں صلح ہو جائے۔"

---

[1] آرڈیننس کے مسودہ کی عبارت میں صلح کی وہ صورتیں جن میں شرعاً شُفعہ ثابت ہے مذکور نہیں ہیں۔

(۳) صک دفعہ ۱۳ پر طلب مواثبت کی تعریف "مجلس" کے ساتھ یہ اضافہ بھی ضروری ہے:۔
"اگرچہ اس مجلس میں یہ شفیع اکیلا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ طلب مواثبت شفیع کیلئے اس کے مطلع ہونے کے فوراً بعد ضروری ہے، اس طلب میں اس کے لیے کسی دوسرے لوگوں کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں۔"

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفی القہستانی یجب الطلب وان لم یکن عندہ احد لئلا تسقط الشفعۃ دیانۃً ولیتمکن من الحلف عند الحاجۃ کما فی النہایۃ۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۳ کتاب الشفعۃ)

(ترجمہ) "(اور یہ طلب مواثبت اس کے لیے) ضروری ہے اگرچہ اس کے ہاں کوئی بھی موجود نہ ہوتاکہ اس کا حق شفعہ دیانۃً ساقط نہ ہوجائے اور بوقت ضرورت قسم کھانے میں بھی سچا ہوکر قسم کھا سکے۔"

(۴) ایسا ہی مذکورہ صک کی دفعہ ۱۳ کی شق ۳ میں یہ تصریح کرنی بھی ضروری ہے کہ "طلب اشہاد شفیع کی ذات سے خاص نہیں ہے بلکہ یہ طلب اشہاد شفیع بذات خود یا بوقت ضرورت رسالۃً یا وکالۃً بھی کرسکتا ہے۔"

لما قال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: اذا باع رجل وعلم بالشراء وھو فی طریق مکۃ فطلب طلب المواثبۃ وعجز عن طلب الاشہاد بنفسہ یوکل اٰخر حتی یطلب الشفعہ فلو لم یفعل ومضی المدۃ بطلت شفعتہ۔

(خلاصۃ الفتاوٰی ج ۴ ص ۲۵۶ کتاب الشفعۃ)

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وھذا الطلب لا بد منہ حتی لو تمکن ولو بکتاب او رسول ولم یشہد بطلت شفعتہٗ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المختار ج ۵ ص ۱۴۳ کتاب الشفعۃ)

(ترجمہ) "یہ طلب اشہاد شفیع کے لیے ضروری ہے یہاں تک کہ یہ طلب اشہاد کسی خط یا کسی آدمی کو بھیج کر بھی ممکن ہو اور شفیع طلب نہ کرے تو اس کا حق شفعہ باطل ہوگا۔"

اور نیز اس دفعہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ طلب اشہاد، بائع یا مشتری یا مبیعہ، ہر تینوں میں سے کسی ایک کے ہاں جو بھی اس کو میسّر ہو کرسکتا ہے البتہ بائع کے ہاں اس وقت طلب اشہاد کرے گا جب تک مبیعہ اس کے ہاں موجود ہو، جبکہ مذکورہ دفعہ ۱۳ میں صرف مبیعہ (جائیداد غیر منقولہ) کے ہاں طلب اشہاد کی کفایت پر تصریح نہیں کی گئی ہے۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ : ثم یشهد علی البائع لو عنده العقار فی یده او علی المشتری وان لم یکن ذا ید لانه مالک او عند العقار۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج۵ ص کتاب الشفعۃ)

(ترجمہ) "اور پھر شفیع یہ طلب اشہاد بائع کے ہاں کرے گا اگر مبیعہ اس کی ملکیت میں ہو۔ اور یا مشتری کے ہاں کرے گا اگرچہ یہ مبیعہ اس کے ہاں موجود نہ ہو کیونکہ وہ مالک ہے۔ اور یا جائیداد غیر منقولہ کے ہاں کرے گا۔"

(۵) ایسا ہی اسی صفحہ ۷ کی دفعہ ۱۳ کے عنوان تشریح کی شق ۴ میں بھی یہ اضافہ ضروری ہے کہ "شفیع ہر دونوں کو طلب کرنے کے بعد جائیداد غیر منقولہ کے لینے کے لیے عدالت سے رجوع بغیر کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ کے اندر اندر ضرور کرے گا اور اگر بلا کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ میں دعویٰ دائر نہ کرے تو اس کا حق شفعہ اس ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی وجہ سے باطل ہوگا۔"

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : وفی الجامع الخانی الفتویٰ الیوم علی قول محمدؒ لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار۔ (رد المحتار ج ۵ ص۱۴۴ کتاب الشفعۃ)

(ترجمہ) "لوگوں کے اپنے حقوق کے مطالبہ میں اضرار کو مدنظر رکھتے ہوئے آجکل فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ بغیر کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی وجہ سے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔"

تاہم بصورت کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی صورت میں بھی حق شفعہ باطل نہیں ہوگا جیسا کہ رد المحتار جلد ۵ ص۱۴۴ کی مذکورہ بالا عبارت سے چند سطر پہلے علامہ ابن عابدینؒ رقمطراز ہیں :-

فلو عذر او سفر او عدم قاض یری الشفعۃ بالجوار فی بلدہ لا تسقط اتفاقاً۔

(رد المحتار ج ۵ ص۱۴۴ کتاب الشفعۃ)

(ترجمہ) "اور بصورت واقعی عذر ہونے کے مثلاً بیماری یا سفر یا اس علاقہ میں قاضی کے نہ ہونے کی وجہ سے جو شفعہ بالجوار کر سکے، تو ان صورتوں میں مہینہ سے زائد مدت بقدر عذر تاخیر کرنے سے بالاتفاق حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔"

بناء بریں صورت ص۱۳ کی دفعہ ۳۳ پر میعاد سماعت جو کہ ساٹھ دن مقرر کی گئی ہے، اگر اس میعاد سماعت سے مراد طلب خصومت یعنی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کا وقت مراد ہو تو پھر ساٹھ دن تک تاخیر کرنے کے باوجود حق شفعہ کا باطل نہ ہونا مفتی بہ قول سے مخالف

ہے کیونکہ مفتی بہ قول صرف ایک ماہ تک ہے، اور اگر میعادِ سماعت سے مراد حاکم کے لیے فیصلہ کرنے کی مدت مراد ہو تو پھر شریعت میں تحدید نہیں ہے بلکہ جتنا ممکن ہو سکے قاضی یا حاکم فیصلہ کر سکے گا۔[1]

(۶) صفحہ ۸ کی دفعہ ۱۶ کے آخر میں یہ اضافہ بھی ضروری ہے "گویا اسے بہ رضا مندی بائع اور مشتری کے مابین معاہدۂ بیع کی صورت میں ملی ہے لہٰذا اس پر احکامِ بیع، خیارِ رؤیت، خیارِ عیب اور عند الاستحقاق شفیع کے لیے رجوع بالثمن کا حق بھی ثابت ہوگا البتہ ضمانِ غرور کا مطالبہ بصورتِ استحقاق شفیع نہیں کر سکتا"۔ اس لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ:-

واذا اقضى القاضي او اسلم المشتري تثبت بينهما احكام البيع من خيار رويته وخيار عيب والرجوع بالثمن عند الاستحقاق الا ان الشفيع لا يرجع بضمان الغرور۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۷۶ كتاب الشفعة الباب الخامس في الحكم بالشفعة)

(ترجمہ) "اور جب قاضی یا حاکم شفیع کے حق میں فیصلہ کرے یا مشتری برضا خود مبیعہ شفیع کو چھوڑ دے تو اب شفیع اور بائع کے درمیان یہ ایک معاہدۂ بیع تسلیم ہوگا اور اس پر احکامِ بیع جاری ہوں گے"۔

جس کی رُو سے شفیع کے لیے خیارِ رویت، خیارِ عیب اور بصورتِ استحقاق رجوع بالثمن کا حق حاصل ہے، البتہ شفیع بائع پر بصورتِ استحقاق ضمانِ غرور کا حق رجوع نہیں رکھتا ہے یعنی شفیع بائع سے ضمانِ غرور کے مطالبہ کا مجاز نہیں ہے۔

(۷) صفحہ ۸ کی دفعہ ۷ میں شفیع کی موت کی صورت میں حقِ شفعہ شفیع کے قانونی ورثاء کو منتقل کرنا خلافِ فقہ حنفی ہے[3] بلکہ قاضی یا حاکم کا اس شفیع کے حق میں فیصلہ کرنے سے قبل اگر شفیع مر جائے تو اس کا حقِ شفعہ باطل ہو کر شفیع کے ورثاء کو منتقل نہیں ہوگا، البتہ مشتری کی موت سے حقِ شفعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ:-

واما الضروري فنحو ان يموت الشفيع بعد الطلبين قبل الاخذ بالشفعة فتبطل شفعته

---

[1] سرکاری مسودہ میں ساٹھ ۶۰ دن کی میعادِ سماعت مقرر کی گئی ہے جبکہ یہ میعاد نہ تو قرآن کی کسی آیت میں ہے نہ حدیث میں، اور نہ ہی یہ کسی فقیہ کا قول ہے، شرعاً اس کی یہ تفصیل ہے جو تبصرہ میں ذکر کی گئی ہے۔

[2] مسودہ میں معاہدۂ بیع کو مطلق رکھا گیا ہے جبکہ شرعاً ضمانِ غرور اس سے مستثنیٰ ہے۔

[3] جس ملک کی ۹۰ فیصد سے زائد آبادی حنفی المسلک ہو وہاں اس کے خلاف قانون سازی کرنا یقیناً مذہبی مداخلت کے مترادف ہے۔

وهٰذا عندنا ولا تبطل بموت المشتری وللشفیع ان یاخذ من وارثہٖ ۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۵ ص۱۸۲ کتاب الشفعۃ۔الباب التاسع فیما یبطل بہٖ الخ) [1]

(ترجمہ)"اگر شفیع دونوں طلب (طلب مواثبت وطلب اشہاد) کر کے فیصلہ ہونے سے قبل فوت ہو جائے تو اس کی موت سے اس کا حق شفعہ باطل ہو گا اور اس کے قانونی ورثاء کو منتقل نہیں ہو گا، اور یہ ہمارا مذہب ہے، البتہ مشتری کی موت سے حقِ شفعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ شفیع مشتری کے ورثاء سے یہ جائیداد شفعہ کر کے لے سکتا ہے۔"

نیز مذکورہ آرڈر کے ص۹ کی دفعہ ۲ سے بھی یہ دفعہ متصادم ہے کیونکہ اس دفعہ میں وہاں پر تصریح ہے کہ حقِ شفعہ ناقابلِ انتقال اور ناقابلِ تقسیم ہے ۔

(۸) صفحہ۹ کی دفعہ ۲۳ کی شق ۲ میں کسی قانون کے ساتھ شرعی قانون کا اضافہ ضروری ہے لہٰذا پھر اصل عبارت یوں ہوگی: "اور یا مقامِ متقدمہ نے کسی شرعی قانون کے تحت حاصل کر لی ہو اُس پر شفعہ کا دعوٰی نہیں ہوگا۔"

(۹) صفحہ۱۰ دفعہ ۲۴ میں مدعی سے زرِ شفعہ جمع کرانے کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور زرِ شفعہ جمع نہ کرانے کی صورت میں شفعہ کا دعوٰی خارج کرنا شریعت کے موافق نہیں ہے کیونکہ زرِ شفعہ شفیع سے جمع کرانا شریعت میں تو مطلوب نہیں اور برائے اعتماد عدالت استصواب رائے میں ممنوع نہیں ہے لیکن اعتماد کی صورت صرف زرِ شفعہ کے جمع کرنے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر شفیع کسی اور طریقے سے عدالت کو مطمئن کر کے اسے صرف کفیل (ضامن) دیدے تو پھر بھی دعوٰی شفعہ صحیح ہوگا، قاضی یا حاکم اسکی باقاعدہ سماعت کر کے فیصلہ کر سکتا ہے اور زرِ شفعہ جمع نہ ہونے کی صورت میں دعوٰی خارج نہیں ہوگا تاہم شفیع کو عقار کا قبضہ بغیر زرِ شفعہ کی وصولی کے نہیں دیا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو فتاوٰی الہندیہ)

ولا یلزم الشفیع احضار الثمن وقت الدعوٰی بل یجوز لہ المنازعۃ وان لم یحضر الثمن الی مجلس القاضی فاذا قضی لہٗ بالشفعۃ لہٗ احضار الثمن۔ ولو دفع الثمن بعد ما قال ادفع الثمن الیہ لا تبطل بالاجماع ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۵ ص۱۷۶ کتاب الشفعۃ۔ الباب الخامس الخ)

---

[1] قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ: اما الضروری فنحو ان یموت الشفیع بعد الطلبین قبل الاخذ بالشفعۃ فتبطل شفعتہ ۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۲۲ کتاب الشفعۃ۔ فصل بیان ما یبطل بہ حق الشفعۃ)

(ترجمہ) "شفیع پر دعوٰی شفعہ کے وقت زرِ شفعہ قاضی یا حاکم کے ہاں جمع کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ بغیر زرِ شفعہ کے حاضر کرنے کے دعوٰی کی سماعت کر سکتا ہے، البتہ فیصلہ کے بعد شفیع پر زرِ شفعہ جمع کرنا ضروری ہے۔ (اور چند سطر کے بعد فرماتے ہیں) اور اگر شفیع وعدہ کر کے وقتی طور پر زرِ شفعہ جمع نہ کرائے تو پھر بالاتفاق اس کا حقِ شفعہ باطل نہیں ہو گا۔"

(۱۰) صفحہ ۱۲ کی دفعہ ۲۹ پر مذکورہ اداروں کو حقِ شفعہ کے اسقاط کا جو حق دیا گیا ہے اس میں چونکہ حق تلفی کا بہت قوی امکان ہے، لہٰذا یہ اختیار مذکورہ اداروں کو نہیں دینا چاہیئے بلکہ صفحہ ۹ پر دفعہ ۲۲ کے تحت جو استثناء کیا گیا ہے اس پر ہی اکتفاء کرنا چاہیئے۔

(۱۱) صفحہ ۱۳ دفعہ ۳۴ کے مطابق اطلاع نامہ کی صورت میں صرف اطلاعِ عامہ کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ اطلاعِ عامہ کے علاوہ رجسٹری منظور کرنے والا رجسٹرار یا انتقال کی تصدیق کرنے والا افسرِ مال اکنالجمنٹ (واپسی رسید) رجسٹری یا انتقال کی اطلاع شریک خلیط اور جار کو خصوصی طور پر رجسٹری یا ہرکارے کی وساطت سے دینا ضروری قرار دیا جائے، کیونکہ صرف اطلاع عامہ کی صورت میں حق تلفی کا قوی امکان موجود ہے۔ نیز مذکورہ اطلاع کو ایک ہفتہ تک محدود رکھنا صرف عدالت کی رائے ہے ورنہ شریعت میں یہ تحدید نہیں ہے۔

(۱۲) صفحہ ۱۵ کی دفعہ ۳۶ کی شق ۶ میں اس آرڈیننس کے اجراء سے قبل کئے ہوئے معاہدۂ بیع کے قابلِ سماعت ہوتے کے لیے صرف ۶۰ دن مقرر کرنا بھی عدالت کی ذاتی رائے معلوم ہوتی ہے، اس طرح غیر شرعی قانون کو شرعی قانون کا نام دینا بہت ہی خطرناک ہے۔

(۱۳) مذکورہ صفحہ ۱۵ کی دفعہ ۳۶ کی شق ۴ (۵) کے تحت اس قانون سے جن مقدمات کو مستثنیٰ کیا گیا ہے یہ بھی محض عدالت کی اپنی رائے ہو سکتی ہے ورنہ بہتر تو یہی ہے کہ تمام مقدمات کا فیصلہ شرعی لحاظ سے ہو جائے

كتاب
الشركة

فان كانوا اكثر
من ذالك فهم
شركاء فى الثلث

کتاب الشّرکۃ

(شراکت کے احکام و مسائل)

موروثی جائیداد کے منافع کی تقسیم کا حکم

سوال:۔ چند بھائی موروثی جائیداد بطور مشترکہ طور پر اس طرح محنت کر رہے ہیں کہ ان کی کمائی میں تمیز کرنا مشکل ہے، اب ان میں سے ایک بھائی دوسرے بھائیوں کی کمائی سے انکار کر رہا ہے اور ان کو رأس المال کے نفع سے محروم کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر تمام بھائی آپس میں ایسا کاروبار کر رہے ہوں کہ ان کی محنت میں تمیز نہ ہوتی ہو بلکہ مکمل طور پر مشترکہ ہو تو اس محنت کے ذریعے حاصل ہونے والے منافع میں تمام بھائی برابر کے حصہ دار ہوں گے کوئی بھی شریک پورے مال کا دعویدار نہیں ہو سکتا، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں کسی ایک بھائی کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے دیگر بھائیوں کو ان کی محنت سے محروم کرے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: لو اجتمع اخوة يعملون في تركة ابيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأي۔

(رد المحتار ج۴ ص۳۲۵ كتاب الشركة۔ فصل في الشركة الفاسدة)

مشترکہ مال بذریعہ بولی خریدنے کا حکم

سوال:۔ چند آدمی مشترکہ طور پر کسی چیز کو خریدتے ہیں پھر آپس میں اس پر بولی کرتے ہیں کہ جو شریک زیادہ بولی دے گا تو وہ اس چیز کا مالک ہوگا، اس کے بعد زیادہ بولی دینے والا شریک دیگر شرکاء کو

---

[1] وقال العلامة سليم رستم باز: فاذا كان سعيهم واحداً ولم يتميز ما حصله كل واحد منهم بعمله يكون ما جمعوه مشتركاً بينهم بالسوية ان اختلفوا في العمل والرأي۔

(شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۳۶۱ ص۷۲۵ الكتاب العاشر)

ومثله في تنقيح الحامدية ج۱ ص۹۵ كتاب الشركة۔

اپنے اپنے حصہ کی رقم مع منافع کے واپس کرتا ہے، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ میں چونکہ تمام شرکاء مشترکہ طور پر کوئی چیز خرید کر پھر آپس میں نیلام کرتے ہیں اور جو زیادہ بولی دیتا ہے مال اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے، لہٰذا اگر اس نیلام سے حاصل ہونے والی رقم کامیاب بولی دہندہ کے اپنے حصہ کے علاوہ دیگر شرکاء کے حصص کا عوض ہو تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہوگا اور اگر اپنا حصہ بھی بولی میں قیمتاً لینا پڑے تو پھر جائز نہ ہوگا۔

لما قال العلامة سليم رستم بازؒ: الشريك مخير ان شاء باع حصته من شريكه و ان شاء باعها عن اجنبي بدون اذن شريكه راجع الى المادة ۲۱۵ لكن فى صوخلط الاموال واختلاطها التى بيناها فى الفصل الاول لايسوغ لاحد الشريكين الخ

(شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۸۸ ص۶۰۸ الكتاب العاشر) [1]

شریک کی موت سے شرکت کا ختم ہونا

سوال: دو آدمی آپس میں مشترکہ کاروبار کرتے تھے کہ ان میں ایک کا انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا شریک کی موت سے شرکت ختم ہو جاتی ہے یا برقرار رہتی ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: شراکت کے دوران جب کسی ایک شریک کا انتقال ہو جائے تو شرکت خود بخود ختم ہو جاتی ہے اور دوسرا شریک فوت شدہ کے مال میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة فخرالدين عثمان بن على الزيلعيؒ: وتبطل الشركة بموت احدهما ولو حكماً...... ولا فرق بين ان يعلم موت صاحبه اولا يعلم لانه عزل حكمي۔

(تبيين الحقائق ج۳ ص۳۲۳ كتاب الشركة) [2]

---

[1] قال العلامة الحصكفيؒ: وكل من شركاء الملك اجنبي فى مال صاحبه فصح له بيع حصته ولو من غير شريكه بلا اذن الا فى صورة الخلط لماليهما كحنطة بشعير وبناء وثمر وزرع۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۴ ص۳۰۰ كتاب الشركة)

وَمِثْلُه فى شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۸۸ ص۶۰۸ الكتاب العاشر۔

[2] وقال فى الهندية: وتبطل الشركة بموت احدهما علم به الشريك اولا۔

(الفتاوى الهندية ج۲ ص۳۳۵ الباب الخامس فى الشركة الفاسدة)

وَمِثْلُه فى الشلبى على تبيين الحقائق ج۳ ص۳۲۳ كتاب الشركة۔

مشترکہ کاروبار کے منافع کی تقسیم کا حکم

سوال:۔ دُو آدمیوں نے آپس میں مشترکہ کاروبار شروع کیا، دونوں نے اپنا اپنا رأس المال جمع کیا، کاروبار شروع کرتے وقت ایک دُوسرے کے ساتھ یہ شرط نہیں لگائی گئی کہ آپس میں منافع کس نسبت سے تقسیم ہوگا، جبکہ دورانِ کاروبار ایک شریک نے دُوسرے کی نسبت کم مشقت برداشت کی، تو اس صورت میں مشترکہ کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع کی تقسیم شرعاً کس طرح ہوگی؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ شرکتِ عنان کی صورت ہے اور یہ شرکت درست اور صحیح ہے اور چونکہ بوقتِ عقد کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہے لہٰذا فقہاء کی تصریحات کے مطابق جب ایک شریک نے کام بھی نہیں کیا ہو اور ربح کے متعلق کسی کمی اور زیادتی کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہو تو ربح (منافع) رأس المال کے مطابق تقسیم ہوگا اور اگر رأس المال دونوں کا برابر ہو تو منافع برابر ہوگا ورنہ رأس المال کی کمی بیشی کی صورت میں منافع بھی کم وبیش ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: والربح بينهما على قدر رأس مالهما۔ (تنقيح الحامدية ج۱ ص۹۴ كتاب الشركة) [1]

مشترکہ زمین میں سے اپنا حصّہ فروخت کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر دو آدمیوں کے مابین زمین مشترکہ ہو اور غیر منقسم ہو تو اگر ان میں سے ایک آدمی اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو کیا شرعاً اس کو اپنا حصّہ فروخت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسی زمین جو دُو آدمیوں کے مابین مشترکہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو اپنے حصّہ میں تصرّف کرنے کا حق حاصل ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ہر ایک حصّہ دار اپنا حصّہ

---

[1] وقال في الهندية: واما شرط جوازها تكون راس المال عيناً حاضراً اوغائباً عن مجلس العقد لكن مشار اليه والمساواة في رأس المال ليست بشرط ويجوز التفاضل في الربح مع تساويهما في رأس المال كذا في محيط السرخسي۔
(الفتاوى الهندية ج۲ ص۳۱۹ الباب الثالث في شركة العنان)
ومثله في ردالمحتار ج۴ ص۳۱۲ كتاب الشركة۔

قبل از تقسیم فروخت کرسکتا ہے ۔

لما قال العلامة سلیم رستم باز ؒ :- یصح بیع حصة شائعة معلومة کالنصف والعشر من عقار مملوك قبل الاقرار۔ (شرح مجلة الاحکام تحت المادة ۲۱۴ ص۱۰۳-الکتاب العاشر) ۱؎

شرکاء کی غیر حاضری میں مشترکہ زمین پر کاشت کا حکم

سوال:- ایک زمین چند آدمیوں کے مابین مشترکہ ہے اور ہر سال بعض لوگ اس میں مختلف فصلیں کاشت کرتے ہیں جبکہ ان شرکاء میں سے چند غائب ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض شرکاء کے غائب ہونے کی صورت میں اس مشترکہ زمین میں کاشت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر یہ زمین شرعی ملک سے مشترکہ ہو تو غائبین کے حصص میں کاشت کرنا اُن کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہر ایک اپنے اپنے حصۂ ملکیت میں کاشت کرے گا، تاہم اگر دلالتاً غائب کی اجازت موجود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین ؒ: وفی القنیة عن واقعات الناطفی ارض بینهما فغاب احدهما فلشریکه ان یزرع نصفها ولو اراد ذٰلك فی ذٰلك فی العام الثانی یزرع ماکان زرع۔ (تنقیح الحامدیة ج۱ ص۹۱ کتاب الشرکة) ۲؎

۱؎ قال العلامة محمود بن اسماعیل الشهیر بابن قاضی سماوة ؒ: اما بیعه فقسمان قبل القسمة او کلٌّ وکل قسم علی وجهین اما ان باع من اجنبی او من شریکه فالوجه الاول وهو البیع من اجنبی علی صنفین واما ان کان الکل له فباع نصفه او کان بین اثنین فباع احدهما نصیبه فالبیع جائز فی المواضع کلها۔ (جامع الفصولین ج۲ ص۸۲ الفصل الحادی والثلاثون فی مسائل البیع واحکامه)

ومثله فی تنقیح الحامدیة ج۱ ص۲۷۶ کتاب البیوع باب الخیار۔

۲؎ وقال فی الهندیة: وفی الارض له ان یزرعها کلها علی المفتی به ان کان الزرع ینفعها فاذا جاء شریکه زرعها مثل تلك المدة وان کان الزرع ینقصها او الترك ینفعها فلیس له ان یزرعها۔

(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۳۴۱ کتاب الشرکة- الباب السادس فی المتفرقات)

ومثله فی البحر الرائق ج۵ ص۱۶۷ کتاب الشرکة۔

مشترکہ مال کسی کو عاریۃً دینے کا حکم

سوال:- یہاں ہمارے علاقہ میں ایک عالم دین کا انتقال ہو گیا ہے اور ترکہ میں کچھ اموال رہ گئے ہیں، ورثاء میں اس کے چند بیٹے ہی ہیں، کیا ان میں سے کوئی ایک اپنے باپ کے متروکہ مال سے کسی کو عاریۃً کچھ دے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کے دوسرے بھائی اِس وجہ سے اُس پر ناراض ہیں؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں باپ کے متروکہ اموال چونکہ اس کے تمام بیٹوں کے مابین مشترکہ ہیں اس لیے کوئی بھی شریک مشترکہ اموال میں سے دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر کوئی چیز کسی کو عاریۃً نہیں دے سکتا، کیونکہ شرکاء کے حصّے ایک دوسرے کے ساتھ ودیعت (امانت) ہوتے ہیں۔

قال العلامة سليم رستم بازؒ: حصة احد الشريكين فى حكم الوديعة فى يد الآخر فاذا اودع احدهما المال المشترك عند اخر بدون اذن فتلف كان ضامنًا حصة شريكه۔ (شرح مجلة الاحكام، تحت المادة ١٠٨٧ صـ٦٠٨ الكتاب العاشر)[له]

مُشترکہ جائیداد میں بلا اجازتِ شریک تصرّفات کرنے کا حکم

سوال:- دو حقیقی بھائیوں کی کچھ مشترکہ زمین تھی، ان میں سے ایک بھائی نے دوسرے بھائی کی غیر موجودگی میں ساری زمین فروخت کر دی، جب دوسرے بھائی کو پتہ چلا تو اس نے زمین فروخت کرنے سے انکار کر دیا، تو کیا اس دوسرے بھائی کا انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- مذکورہ جائیداد ان کی زرخرید ہو یا اِرث کے ذریعہ انہیں ملی ہو تو اس میں کسی ایک بھائی کا تصرّف دوسرے کی اجازت کے بغیر درست نہیں، اس لیے یہ بیع ناراض بھائی کے حصہ کی اراضی میں نافذ العمل نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرغينانيؒ: فشركة الاملاك العين يرثها رجلان او يشتريانها

له قال العلامة ابن عابدينؒ: نعم والسر فى ذلك ان الشريك حكمه فى حصة شريكه حكم المودع۔ (تنقيح الحامدية ج۱ صـ۸۷ كتاب الشركة)

وَمِثْلُهٗ فى فتاوى الكاملية صـ۵ كتاب الشركة۔

فلا یجوز لاحدهما ان یتصرف فی نصیب الأخر الا باذنه وکل واحد منهما فی نصیب صاحبه کالاجنبی ۔ (الهدایة ج ۳ ص۶۲۴ کتاب الشرکة) [1]

مشترکہ دیوار کی تعمیر کے اخراجات کا حکم

سوال:۔ دو آدمیوں کے مابین ایک مشترکہ دیوار تھی جس کی مخدوش حالت کے پیشِ نظر اس کو گرادیا گیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کی دوبارہ تعمیر کا خرچہ مشترکہ ہوگا یا گرانے والے پر ہوگا؟

الجواب:۔ قواعدِ فقہیہ کی رُو سے مشترکہ دیوار کی تعمیر کے جملہ اخراجات اورتاوان دونوں کے ذمہ ہوگا کوئی ایک فریق اس کے اخراجات کا ذمہ دار نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : وفی جامع الفصولین حائط بینهما وخیف سقوطه فاراد احدهما نقضه وابی الأخر یجبر علی نقضه .... ونصف قیمة البناء لو انفق بلا امر القاضی ونقل هذا الحکم فی شرح الوهبانیة عن الذخیرة فی مسئلة انهدام السفل وقال انه الصحیح المختار للفتوی۔

(رد المحتار ج۴ ص۳۳۳ کتاب الشرکة مطلب فیما اذا ...... من العمارة) [2]

اقرار سے شرکت کا ثبوت

سوال:۔ ایک آدمی کا کسی کے ساتھ زمین کا تنازعہ عدالت میں چل رہا تھا اُس نے اپنے ایک خاص آدمی سے کہا کہ تم بھی اس دعویٰ میں میرے ساتھ شریک ہوجاؤ اور جب میں مقدمہ جیت لوں گا

---

[1] وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : ای وکل واحد من الشریکین ممنوع من التصرف فی نصیب صاحبه لغیر الشریک الا باذنه لعدم تضمنها الوکالة ۔ (البحر الرائق ج ۵ ص۱۶۷ کتاب الشرکة)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۵ ص۳۸۷ کتاب الشرکة ۔

[2] وقال العلامة سلیم رستم باز اللبنانی رحمه الله : فلطالب البناء ان یبنی باذن الحاکم ویرجع علی شریکه بحصة من نفقة البناء ۔

(شرح مجلة الاحکام ۔ المادة ۱۳۱۸ ص۷۰۳ الکتاب العاشر)

وَمِثْلُهٗ فی جامع الفصولین ج ۲ ص۲۱۴ الفصل الرابع والثلاثون فی الاحکام ۔

تو اس میں تمہیں بھی حصہ دوں گا، اب جبکہ مقر نے مقدمہ جیت لیا ہے تو کیا مقرلہٗ اس کے ساتھ زمین میں شریک متصوّر ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں اس شخص نے خود ہی اپنے مقابل کے لیے ان الفاظ سے اقرار کیا ہے کہ "تم بھی اس میں میرے ساتھ شریک ہو" لہٰذا اس اقرار کی وجہ سے اس کا شریک کردہ شخص مذکورہ قطعہ اراضی میں شریک متصوّر ہو گا۔

لما قال العلامة المرغيناني رحمه الله: واذا اقر الحر العاقل البالغ بحق لزمه اقراره مجهولاً كان ما اقر به اومعلوماً۔ (الهداية ج۳ ص۲۳۱ كتاب الاقرار)[1]

مشترکہ زمین میں کسی ایک شریک کا پھلدار درخت لگانا

سوال:۔ ایک شخص کے چند بیٹے تھے، ان میں سے ایک نے باپ کی وفات کے بعد مشترکہ زمین میں ایک باغ لگایا، اب یہ باغ لگانے والا اس میں دوسرے بھائیوں کا حصّہ نہیں مانتا، تو کیا ازروئے شریعت اس باغ میں دوسرے بھائیوں کا حصّہ بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں باپ کی وفات کے بعد مشترکہ زمین میں جس بیٹے نے باغ اور درخت لگائے ہوں تو یہ باغ اور درخت وغیرہ اسی کی ملکیت سمجھے جائیں گے خواہ دوسرے بھائیوں کی اجازت سے لگایا ہو یا بغیر اجازت کے، کیونکہ اجازت کی صورت میں زمین کی تقسیم کے دوران اگر یہ پھلدار درخت کسی دوسرے بھائی کے حصہ میں آئیں تو اسے ان درختوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی ورنہ اکھاڑنا ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (بنى احدهما) اى احد الشريكين (بغير إذن الآخر) فى عقار مشترك بينهما (فطلب شريكه رفع بنائه قسم) العقار (فان وقع البناء) فى نصيب الباقى فبها ونعمت (والا هدم) البناء

---

[1] وقال العلامة سليم رستم باز اللبناني رحمه الله: المرأ مؤاخذ باقراره۔ (شرح مجلة الاحكام۔ المادة ۷۹ ص۵۳ المقالة الاولى)

ومِثْلُهٗ فى جامع الفصولين ج۲ ص۴۴ الفصل الثالث والعشرون۔

وحکم الغرس کذلك ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۶ ص۲۶۸ کتاب القسمۃ) [1]

مشترکہ کتب شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی کو عاریۃً دینا جائز نہیں

سوال:۔ ایک عالم دین کا انتقال ہوگیا اور اس نے ترکہ میں کافی کتابیں چھوڑیں، ورثاء میں بالغ اور نابالغ دونوں موجود ہیں، ان میں ایک بڑا بیٹا گھر کے اخراجات کا ذمہ دار ہے، اب اگر کوئی شخص اس سے کوئی کتاب مطالعہ کے لیے مانگے تو اس کے لیے مشترکہ ترکہ میں سے کوئی کتاب دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ ورثاء میں نابالغ اولاد بھی موجود ہے اور تمام ورثاء اس ترکۂ کتب میں شریک ہیں جبکہ نابالغ اولاد کا مال باپ بھی کسی کو عاریۃً نہیں دے سکتا تو بڑا بھائی تو بطریقِ اولیٰ نہیں دے سکتا۔

لما قال العلامۃ سلیم رستم باز اللبنانیؒ: لیس للأب اعارۃ مال طفلہ لعدم البدل وکذ القاضی والوصی۔ (شرح مجلۃ الاحکام، المادۃ ۸۳۲ ص۴۶۱ الکتاب السادس) [2]

مشترکہ ٹیوب ویل کے پانی سے کسی شریک کو روکنا جائز نہیں

سوال:۔ چند آدمیوں نے مشترکہ ٹیوب ویل نصب کرنے کے لیے کچھ پیسے اکٹھے کئے لیکن بدقسمتی سے جو جگہ انہوں نے ٹیوب ویل کے لیے منتخب کی تھی وہاں پانی نہ نکلا، ان میں سے ایک آدمی نے دوسری جگہ ٹیوب ویل کے لیے منتخب کی تو وہاں سے پانی نکل آیا، اب یہ آدمی باقی شرکاء کو پانی سے منع کرتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ یہ جگہ وہ نہیں جس کا انتخاب باہمی مشورہ سے

---

[1] وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: واذا بنی فی الارض المشترکۃ بغیر اذن الشریک لہٗ أن ینقض بناءہٗ۔ (تنقیح الحامدیۃ ج۱ ص۱۰۰ کتاب الشرکۃ)
وَمِثْلُہٗ فی فتاوی الکاملیۃ ج ص۵۳ کتاب الشرکۃ۔

[2] وقال العلامۃ محمد بن محمودؒ: ذکر فی النوازل لیس لوالد الصغیر ان یعیر متاع ولدہ الصغیر۔ (احکام الصغار علیٰ ہامش جامع الفصولین ج۱ ص۱۷۰ فی مسائل العاریۃ)
ومِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۴ ص۳۷۲ الکتاب التاسع المتفرقات کتاب العاریۃ۔

ہُوا تھا تاہم اس کے جملہ اخراجات مشترکہ رقم سے ادا کیے گئے ہیں، تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بشرطِ صحتِ سوال جب مشترکہ مال سے ٹیوب ویل لگایا گیا ہے تو جملہ شرکاء اس سے استفادہ کے حقدار رہیں گے جگہ کی تبدیلی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما قال العلامة سليم رستم باز اللبنانی رحمہ اللہ:۔ لاحد اصحاب الحصص التصرف مستقلاً فی الملك المشترك باذن الآخر لكن لا يجوز له ان يتصرف تصرفاً مضراً بالشريك۔ (شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۷۱ ص۵۷۰ الكتاب العاشر)[1]

مچھلی کا شکار کرنے میں شرکت کا حکم

سوال:۔ چند آدمی باہمی طور پر مچھلی کا شکار کرنے کے لیے معاہدہ کرتے ہیں، معاہدہ کے مطابق ضروری نہیں کہ جملہ شرکاء محنت کریں تاہم آلاتِ شکار کی خریداری مشترکہ مال سے ہوتی ہے اور ملازم کا ماہانہ خرچہ بھی مشترکہ طور پر برداشت کرتے ہیں، تو کیا شرکت کا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ مچھلی پکڑنے کی شراکت اور استیجار شرعاً ناجائز معاملہ ہے، لہٰذا مذکورہ صورت کا معاملہ بھی جائز نہیں اور اس میں مچھلی اُس کا حق ہے جس نے پکڑی ہو۔ تاہم اگر وقتی طور پر چند افراد اکٹھے ہو کر مچھلی کا شکار کریں اور آخر میں باہمی طور پر تقسیم کریں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لما قال العلامة الشيخ البزاز رحمه الله: اشتركا فی الاصطياد و نصبا شبكة او ارسلا كلباً لهما فالصيد بينهما انصافاً۔

(فتاوی البزازية علی هامش الهندية ج۶ ص۲۲۷ كتاب الشركة)

لما قال العلامة التمرتاشی رحمه الله: لا تصح شركة فی احتطاب و

---

[1] وقال فی الهندية: ولا يجوز لاحدهما ان يتصرف فی نصيب الآخر الا بامره وكل واحد منهما كالاجنبی فی نصيب صاحبه۔

(الفتاوی الهندية ج۲ ص۳۰۱ كتاب الشركة۔ الباب الاول۔)

وَمِثْلُهٗ فی تنقيح الحامدية ج۱ ص۸۷ كتاب الشركة۔

احتشاش و اصطیاد و استقاء وسائر مباحات ۔

(تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۴ ص۳۲۵ کتاب الشرکۃ ۔فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ) [۱]

مشترکہ ایئر کنڈیشنر فروخت کرنے کا حکم

سوال:۔ چند ساتھیوں نے مشترکہ طور پر ایک ایئر کنڈیشنر خرید اور تمام ساتھی ایک ہی گھر میں اکٹھے رہتے تھے، اب ان میں سے کچھ ساتھی اس گھر کو چھوڑتے ہیں اور ایئر کنڈیشنر کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، تو کیا اس کی اول قیمت معتبر ہوگی یا مستعمل کی؟ کیونکہ ایئر کنڈیشنر غیر قابلِ قسمت چیز ہے؟

الجواب:۔ چونکہ ایئر کنڈیشنر غیر قابلِ قسمت چیز ہے اور مشترکہ طور پر خریدا گیا ہے اس لیے یہ تمام ساتھیوں کے مابین مشترکہ ہوگا، کچھ مدت گذرنے کے بعد اب اگر چند ساتھی اس گھر کو چھوڑنا چاہتے ہوں تو انہیں مستعمل ایئر کنڈیشنر کی قیمت کے لحاظ سے حصہ دیا جائے گا۔

لما قال العلامۃ فخر الدین حسن بن منصور الشہیر بقاضیخانؒ : والعبد الواحد والدابۃ الواحدۃ یباع ویقسم ثمنہا لانہا لاتحتمل القسمۃ ۔

(فتاوٰی خانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۳ ص۱۵ کتاب القسمۃ) [۲]

مشترکہ مال سے حج کرنے کا حکم

سوال:۔ زید اور عمرو دو بھائی ہیں اور مشترکہ گھر میں رہائش پذیر ہیں جب ان پر حج فرض ہوا تو

---

[۱] لما قال العلامۃ المرغینانیؒ : ولا یجوز الشرکۃ فی الاحتطاب والاصطیاد واما اصطادہ کل واحد منہما او احتطبہ فہو لہ دون صاحبہ ۔ (الہدایۃ ج۲ ص۵۹۷ کتاب الشرکۃ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۵ ص۴۰۹ کتاب الشرکۃ ۔

[۲] لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : وفی الجوہرۃ لاتقسم الکتب بین الورثۃ ولکن ینتفع کل بالمہایاۃ ولا تقسم بالاوراق ولو برضاھم وکذا لوکان کتابًا ذا مجلدات کثیرۃ ولو تراضیا ان تقوم الکتب ویأخذ کل بعضہا بالقیمۃ لوکان بالتراضی جاز والا لا ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۶۱ کتاب القسمۃ)

وَمِثْلُہٗ فی شرح مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۱۱۴۲ ص۶۶۳ الکتاب الاشریۃ ۔

زید چونکہ بڑا بھائی تھا اس لیے اس نے مشترکہ مال سے فریضۂ حج ادا کیا، بعد میں دونوں جُدا ہو گئے ہیں تو اب عمرو زید سے حج پر صرف شدہ رقم سے اپنے حصّے کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا عمرو کا یہ مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ مذکورہ صورت چونکہ شرکتِ ملک کی ایک صورت ہے لہٰذا اس کا حکم یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کے حصہ میں تصرّف کرنے میں اجنبی ہے اس لیے زید عمرو کا ضامن ہوگا اور اس کے ذمہ عمرو کا نصف دَین شرعاً لازم ہے، لہٰذا عمرو زید سے اپنے حصے کا شرعاً مطالبہ کر سکتا ہے، تاہم اگر اس کی اجازت سے حج کیا ہو تو تبرع ہونے کی صورت میں دوبارہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : ان کل واحدٍ من الشریکین شرکة ملك ممنوع من التصرف فی نصیب صاحبه کغیر الشریك من الاجانب الا باذنه لعدم تضمنها الوکالة۔
(تنقیح الحامدیة ج ۱ ص۸۸ کتاب الشرکة) [۱]

مشترکہ زمین میں چشمہ کے پانی سے شریک کو منع کرنا جائز نہیں

سوال :۔ زید اور عمرو کے مابین ایک زمین مشترکہ تھی جس میں سے کچھ زمین بنجر اور کچھ قابلِ کاشت تھی، کچھ وقت تک دونوں اس سے فائدہ حاصل کرتے رہے، نیز اس زمین میں پانی کا ایک چشمہ بھی تھا، حال ہی میں زید نے عمرو کو اس چشمہ کے پانی سے منع کر دیا ہے، تو کیا زید کا عمرو کو چشمہ کے پانی سے منع کرنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر مذکورہ زمین کا مشترکہ ہونا مبرہن اور مسلّم ہو تو زید کا عمرو کو چشمہ وغیرہ سے منع کرنا ازروئے شریعت جائز نہیں ہے کیونکہ اس چشمہ میں جس طرح زید کا حق بنتا ہے اسی طرح عمرو کا بھی حق بنتا ہے، لہٰذا زید کا عمرو کے ساتھ یہ رویّہ

---

[۱] لما قال العلامة سلیم رستم بازؒ : لاحد اصحاب الحصص التصرف مستقلاً فی الملك المشترك باذن الآخر لکن لا یجوز له ان یتصرف تصرفاً مضراً بالشریك۔ (شرح مجلة الاحکام، تحت المادة ۱۰۷۲ ص۶۰ الکتاب العاشر)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۵۹۹ کتاب الشرکة۔

شرعاً درست نہیں۔

لما ورد فی الحدیث : المسلمون شرکاء فی ثلٰثٍ فی الماءِ والکلاء والنّار۔
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳٦ کتاب البیوع۔ باب فی منع الماء) [۱]

اموالِ مشترکہ میں سے زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال :۔ دو آدمیوں کے مابین مشترکہ کاروبار ہے، ان مشترکہ اموال میں سے زکوٰۃ دینے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز اگر ایک شریک ان اموال میں سے جن میں زکوٰۃ واجب ہو زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو اس کا دوسرا ساتھی اس کے زکوٰۃ نہ دینے سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ جب دو آدمیوں کی آپس میں کاروباری شراکت ہو تو ہر ایک اپنے حصہ سے زکوٰۃ دینے کا ذمہ دار ہے کسی ایک کی ذمہ داری دوسرے پر عائد نہیں ہوتی اور نہ ہی ایک شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ دینے کا مجاز ہے اور بلا اجازت شریک زکوٰۃ نکالنے کی صورت میں دوسرا شریک ضامن قرار دیا جائے گا، لہٰذا اگر دوسرا شریک زکوٰۃ ادا نہ بھی کرتا ہو تو کاروبار میں شریک رکھنے سے کوئی حرج لازم نہیں آتا، تاہم اگر زکوٰۃ نہ دینے والے کی محفل و مجلس اور باہمی اشتراک سے اس کے اعمال و اخلاق متأثر ہوتے ہوں تو پھر ایسی حالت میں اس شخص کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنے سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ : (ولم یزك مال الآخر الّا باذنه) ای احدهما لانه لیس من جنس التجارة فلا یکون وکیلاً عنه فی ادائها الّا ان یأذن له۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۷ کتاب الشرکة) [۲]

---

[۱] قال العلامة سلیم رستم بازؒ : الماء والکلاء والنار مباحة والناس فی هٰذه الاشیاء الثلاثة شرکاء۔ (شرح مجلة الاحکام۔ المادة ۱۲۳۴ ص ٦٧٩ الکتاب العاشر)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۴ ص ۴۸۵ کتاب الشرکة۔

[۲] قال العلامة فخرالدین الزیلعیؒ : (ولم یزك مال الآخر) لایزکی کل واحد منهما نصیب صاحبه لانه لم یأذن له فیها لان الاذن بینهما وقع فی التجارة والزکوٰة لیست منها۔ (تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۲۳ کتاب الشرکة۔ فصل فی الشرکة الفاسدة
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۲ ص ۳۳٦ کتاب الشرکة۔ الباب السادس فی المتفرقات۔

اموالِ مشترکہ میں سے مہمان نوازی کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی فوت ہوگیا، اس کے ۲ دو بیٹے رہ گئے، ایک بالغ جبکہ دوسرا نابالغ ہے، تو کیا یہ بالغ اور بڑا بھائی اموالِ مشترکہ میں سے مہمان نوازی کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اموالِ مشترکہ میں سے مہمان نوازی کرنا شرعاً درست نہیں، البتہ اگر دیگر بھائی بالغ ہوں تو اُن کی اجازت سے مشترکہ اموال سے مہمان نوازی اور دیگر تبرعات کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ان کل واحد من الشریکین شرکۃ ملک ممنوع من التصرف فی نصیب صاحبہ کغیر الشریک من الاجانب الّا باذنہ لعدم تضمنها الوکالۃ۔ (تنقیح الحامدیۃ ج۱ ص۸۸ کتاب الشرکۃ)

شریک کو شرکت ختم کرنے کا اختیار ہے

سوال:۔ چند آدمیوں نے مل کر مشترکہ کاروبار شروع کیا اور سامانِ تجارت کی خرید و فروخت کرتے رہے، ان میں سے اچانک ایک شریک نے شرکت سے انکار کر دیا کہ میں آپ کے ساتھ شرکت کا معاملہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ تو کیا دیگر شرکاء کے مشورہ کے بغیر کسی شریک کے لیے شرکت کو فسخ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرکاء میں سے ہر کسی شریک کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دوسرے شرکاء کی اجازت اور مشورہ کے بغیر جب چاہے اپنی شرکت کو ختم کر دے، اس صورت میں اشیاءِ مشترکہ کی قیمت لگا کر اصل زر بقدر حصّہ اور منافع بقدر شرح تقسیم کرلیں۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: اشترکا واشتریا امتعۃ ثم قال احدهما لا اعمل

لہ قال العلامۃ سلیم رستم بازؒ: لاحد اصحاب الحصص التصرف مستقلاً فی الملک المشترک باذن الآخر لکن لا یجوز لہٗ ان یتصرف تصرفاً مضراً بالشریک۔

(شرح مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۱۰۷۱ ص۶۰۰ الکتاب العاشر)

وَمِثۡلُہٗ فی الهدایۃ ج۲ ص۵۹۹ کتاب الشرکۃ۔

معك بالشركة وغاب فباع الحاضر الامتعة فالحاصل للبائع وعليه قيمة المتاع لان قوله لا اعمل معك فسخ للشركة معه واحدهما يملك فسخها وان كان المال عروضاً بخلاف المضاربة وهو المختار۔ (رد المحتار ج۴ ص۳۲۷ كتاب الشركة) [1]

باپ اور بیٹے کی مشترکہ کمائی کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر کاروبار شروع کیا اور اس میں کافی پیسے کمائے، اب سوال یہ ہے کہ یہ پیسے باپ اور بیٹے کے مابین مساوی تقسیم ہوں گے یا صرف باپ کی ملکیت شمار ہوں گے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں باپ اور بیٹے نے مشترکہ کاروبار سے جو پیسے کمائے ہیں وہ باپ کی ملکیت شمار ہوں گے کیونکہ بیٹا باپ کا معین اور مددگار ہوتا ہے لہٰذا باپ اپنی زندگی میں اس میں جو بھی تصرف چاہے کرسکتا ہے، تاہم اگر راس المال دونوں کا مشترکہ ہو اور معاہدہ بھی یہی ہوا ہو تو منافع بھی دونوں میں مساوی تقسیم ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: الاب والابن يكتسبان فى صنعة واحدة ولم يكن لهما شئ فالكسب كله للاب ان كان الابن فى عياله لكونه معينا له الا ترى انه لو غرس شجرة تكون للاب۔

(رد المحتار ج۴ ص۲۲۵ كتاب الشركة۔ فصل فى الشركة الفاسدة) [2]

---

[1] لما قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله: وصورته اشتركا واشتريا امتعة ثم قال احدهما لا اعمل معك بالشركة.......لان قوله لا اعمل معك فسخ للشركة معهُ احدهما يملك فسخها۔

(البحر الرائق ج۵ ص۱۸۵ كتاب الشركة)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۲ ص۳۳۵ كتاب الشركة۔

[2] وقال فى الهندية: اَبٌ وابن يكتسبان فى صنعة واحدة ولم يكن لهما مال فالكسب كله للاب اذا كان الابن فِى عيال الاب لكونه معيناً لهٗ۔

(الفتاوى الهندية ج۲ ص۳۲۹ الباب التاسع فى شركة الوجوه)

وَمِثْلُهٗ فى فتاوى الكاملية ج۱ ص۵۱ كتاب الشركة۔

مشترکہ زمین میں بلا اجازتِ شریک کے باغ لگانا | **سوال**:۔ ایک زمین دو آدمیوں کے مابین مشترکہ ہے جس میں ایک شریک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر مالٹا کے پودے لگادیئے، چند سال کے بعد جب پودے پھل دینے لگے تو شریکِ ثانی نے کہا کہ یہ پودے چونکہ مشترکہ زمین میں لگائے گئے ہیں اس لیے ان میں میرا بھی مکمل حصہ ہے لیکن شریکِ اوّل انکار کر رہا ہے، تو آیا اس کا یہ انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ زمین دونوں شرکاء کے مابین تقسیم کی جائے گی، پودے لگانے والے کے حصہ میں اس کے پودے برقرار رہیں گے اور دوسرے شریک کے حصہ میں پودے لگانے والا اپنے پودے اکھاڑے اور اگر زمین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو پودے نہیں اکھاڑے جائیں گے اور دوسرا شریک پہلے والے کو ان پودوں کی قیمت ادا کرے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: بنی احدھما ای احد الشریکین بغیر اذن الآخر فی عقار مشترک بینھما فطلب شریکہ رفع بنائہ قسم العقار فان وقع البناء فی نصیب البانی فبھا ونعمت والا ھدم البناء وحکم الغرس۔

{الدر المختار علی صدر رد المختار
ج ۶ ص ۲۶۸ کتاب القسمۃ}

کسی کی گائے بطور شرکت پالنا | **سوال**:۔ ایک شخص نے گائے خرید کر کسی دوسرے شخص کو اس شرط پر پالنے کے لیے دے دی کہ دودھ سب تمہارا ہوگا اور اس سے جو بچے پیدا ہوں وہ میرے ہونگے، تو کیا اس قسم کی شرط لگانا اور ایسا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

ؔلہ وقال الشیخ محمد الکامل الطرابلسیؒ: ان الارض تقسم بینھما فما وقع فی نصیب غیر البانی یرفع ...... وافتی شیخ آفندی فی غرس الاشجار من احد الشریکین فی الارض المشترکۃ بمثل ذلک۔

(فتاوٰی کاملیۃ ج۱ ص۵۳ کتاب الشرکۃ)

وَمِثْلُہٗ فی سنن ابی داؤد ج۲ ص۱۲۷ باب فی زرع ارض قوم بغیر اذن صاحبھا۔

الجواب:۔ مذکورہ صورت میں گائے کا دودھ اور اس کے بچے سب مالک کے ہیں اور پالنے والے کو اُجرت مثل دی جائے گی کیونکہ یہ اجارہ فاسدہ ہے اور اجارۂ فاسد میں کام کرنے والے کو اجرِ مثل ملتا ہے۔

لما قال الشیخ محمد کامل الطرابلسی رحمہ اللہ: لا یصح ذٰلك وما حدث فهو لصاحب البقرة وللاٰخر مثل علفه واجر مثله كما فی الرد۔

(فتاوٰی کاملیۃ ص۵۵ کتاب الشرکۃ) [1]

مشترکہ زمین میں شرکاء کی اجازت کے بغیر مکان بنانا

سوال:۔ ایک غیر آباد قطعہ اراضی چند افراد میں مشترکہ ہے، ان میں سے ایک شریک نے بلا اجازت شرکاء کے اور تقسیم سے پہلے ہی اس میں ایک مکان تعمیر کیا، تو کیا اس شخص کا بغیر شرکاء کی اجازت کے مکان تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مشترکہ زمین میں کسی ایک شریک کا تصرف کرنا دیگر شرکاء کی اجازت پر موقوف ہے، اور صورتِ مذکورہ میں اس شخص نے چونکہ شرکاء کی اجازت کے بغیر اور قبل از تقسیم مکان بنایا ہے اس لیے اس کا یہ اقدام شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامۃ سلیم رستم باز: اذا بنی احد الشرکاء لنفسه فی الملك المشترك القابل للقسمة بدون اذن الاٰخرین ثم طلب الاٰخرون القسمة تقسم فان خرج ذٰلك البناء فی نصیب بانیه فبها وان خرج فی نصیب الاٰخر فله ان یکلف بانیه هدمه ورفعه۔ (شرح مجلۃ الاحکام المادۃ ۱۰۷۳ ص۶۲۴) [2]

---

[1] وقال فی الهندیة: وعلٰی هٰذا اذا دفع البقرة الی انسان بالعلف لیکون الحادث بینهما نصفین فما حدث فهو لصاحب البقرة ولذٰلك الرجل مثل العلف الذی علفها واجر مثله فیما قام علیها۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۲ ص۳۳۵ الباب الخامس فی الشرکة الفاسدة)
وَمِثْلُهٗ حاشیة منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج۵ ص۱۸۳ کتاب الشرکة۔

[2] وقال الشیخ محمد کامل الطرابلسیؒ: واذا بنی فی الارض المشترکة بغیر اذن الشریك له ان ینقض بناءه۔ (فتاوٰی کاملیة ج ص۵۱ کتاب الشرکة)
وَمِثْلُهٗ فی تنقیح الحامدیة ج۱ ص۸۸ کتاب الشرکة۔

خود رو گھاس مشترک ہوتا ہے

سوال:- ایک مشترکہ زمین جو کسی کی خاص ملکیت نہیں، گاؤں والوں میں سے ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اس مشترکہ زمین میں اُگے ہوئے خود رو گھاس کو رہن پر دے دے یا فروخت کرے تو کیا اس شخص کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- خود رو گھاس خواہ مملوکہ زمین میں ہو یا غیر مملوکہ زمین میں، ہر حال میں وہ کسی کی ملک نہیں ہوتا، لہٰذا مذکورہ بالا شخص کا یہ اقدام شرعاً درست نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: المسلمون شرکاء فی ثلٰث فی الماء والکلاء والنار۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص۱۳۶ کتاب البیوع۔ باب فی منع الماء)

آمدن و اخراجات میں شریک بھائیوں کی کمائی کا حکم

سوال:- دو بھائی آپس میں آمدنی اور گھر کے تمام اخراجات میں شریک تھے، ان میں سے ایک بھائی انگلینڈ چلا گیا وہاں اس نے کافی مال جمع کیا اور واپس آکر ایک مکان خریدا، اس بھائی کی عدم موجودگی میں دوسرا بھائی گاؤں میں ہی محنت مزدوری کر کے خود بھی کھاتا رہا اور اس کے اہل و عیال کو بھی کھلاتا رہا، لیکن جس بھائی نے مکان خریدا ہے اب وہ اس میں دوسرے بھائی کے حصہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہا ہے، تو کیا شرعاً یہ دونوں بھائی اس مکان میں برابر کے شریک ہوں گے یا جس بھائی نے خریدا ہے اس کا ہی ہوگا؟

الجواب:- مذکورہ صورت میں جو شرکت ہے وہ شرکتِ فاسدہ ہے، لہٰذا اگر دونوں بھائیوں کے اموال آپس میں غیر متمیز ہوں تو ان میں مساوی انداز میں تقسیم ہوں گے اور اگر دونوں کے اموال متمیز ہوں تو ہر ایک بھائی اپنے اپنے حصّے کا حقدار ہوگا، اور اس بھائی کے مکان میں دوسرے بھائی کو حصہ دینا کوئی شرعی امر نہیں بلکہ محض

---

[1] وقال العلامة سلیم رستم باز اللبنانی رحمہ اللہ: الماء والکلاء والنار مباحة والناس فی ھذہ الاشیاء الثلاثة شرکاء۔

(شرح مجلة الاحکام، المادة ۱۲۳۴ ص۶۷۹ الکتاب العاشر)

ومثلہ فی الھدایة ج۴ ص۴۸۵ کتاب احیاء الموات۔

رواجی امر ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: یؤخذ من ھٰذا ما افتیٰ بہ فی الخیریة فی زوج امرأة وابنھا اجتمعا فی دار واحدة واخذ کل منھما یکتسب علی حدة ویجمعان معاً کسبھما ولا یعلم التفاوت ولا التساوی ولا التمیز فاجاب بانہٗ بینھما سویة۔
(رد المحتار ج۴ ص۳۲۵ کتاب الشرکة۔ فصل فی الشرکة الفاسدة)[۱]

مشترکہ ندی سے انتفاع کا حکم

سوال:۔ ایک ندی دو آدمیوں کے مابین مشترکہ ہے، ان میں سے ایک شریک دوسرے کو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ اس ندی سے نفع نہیں اٹھا سکتے اور میں آپ کا اس میں حق نہیں مانتا، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ شریک اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر اس ندی سے نفع حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مذکورہ ندی کا مشترک ہونا مبرہن اور مسلّم ہو تو ان شرکاء میں سے ہر ایک اپنے اپنے حصہ میں مستقل تصرف کرنے کا مالک ہے اور ملکِ مشترک میں دوسرے ساتھی کی اجازت سے تصرف کرنے کا مجاز ہے۔

قال العلامة سلیم رستم بازؒ: لاحد اصحاب الحصص التصرف مستقلاً فی الملک المشترک باذن الآخر لکن لا یجوز لہٗ ان یتصرف تصرفاً مضراً بالشریک۔
(شرح مجلة الاحکام۔ المادة ۱۰۷۱ ص۶۰۶ الکتاب العاشر)[۲]

---

[۱] وقال الشیخ محمد کامل الطرابلسیؒ: فاذا کان سعیھم واحداً ولم یتمیز ما حصلہ کل واحد منھم بعملہ یکون ما جمعوہ مشترکاً بینھم بالسویة وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرة وصواباً کما افتیٰ بہ فی الخیریة وما اشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہٗ ویضمن حصة شرکائہ من ثمنہ اذ دفعہ من المال المشترک۔ (فتاویٰ کاملیة ج۱ ص۵ کتاب الشرکة)
وَمِثْلُہٗ فی تنقیح الحامدیة ج۱ ص۹۶ کتاب الشرکة۔

[۲] وقال العلامة ابن عابدینؒ: ان کل واحد من الشریکین شرکة ملک ممنوع من التصرف فی نصیب صاحبہ کغیرہ الشریک من الاجانب الا باذنہ لعدم تضمنھا الوکالة۔
(تنقیح الحامدیة ج۱ ص۸۸ کتاب الشرکة)
وَمِثْلُہٗ فی الھدایة ج۲ ص۵۹۹ کتاب الشرکة۔

مزدور جو کچھ کمائے وہ اسی کی ملکیتِ خاص ہوتا ہے

سوال:۔ ایک آدمی کے پانچ بیٹے ہیں جن میں سے ایک بیرونِ ملک چلا گیا اور وہاں چند سال مزدوری کرنے کے بعد پھر اپنے وطن واپس آ گیا اور کچھ مدت گزرنے کے بعد اپنے بھائیوں اور والدین سے جدا ہو گیا، اس موقع پر اس نے یہ کہا کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے وہ خاص میری ملکیت ہے جبکہ اس کے بھائیوں نے یہ کہا کہ نہیں تمہاری کمائی میں ہمارا بھی حصہ بنتا ہے تو کیا اس کے دوسرے بھائیوں کا یہ کہنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت کی رو سے کسی مزدور کی کمائی ہوئی رقم اُسی کی ملکِ خاص ہوتی ہے اور اُس کی اِس کمائی میں کوئی بھی شریک نہیں، کیونکہ کمائی اور مزدوری کمانے والے کی ملکِ خاص ہوتی ہے، البتہ اُس پر مشترکہ مال سے جو کچھ خرچ کیا گیا ہو تو وہ واپس لیا جا سکتا ہے۔

لما قال الشیخ محمد کامل الطرابلسیؒ: وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرة وصواباً کما افتی بہ فی الخیریة وما اشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہٗ ویضمن حصة شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترك۔ (فتاویٰ کاملیة ج۱ ص۵۵ کتاب الشرکة)[1]

اولاد اور باپ کی مشترکہ تجارت میں اولاد کا حصہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میری کپڑے کی دوکان ہے جس کا کل سرمایہ میرا اپنا ہے دوکان میں نے پچاس ہزار روپے کے سرمائے سے شروع کی اور اب دوکان کا سرمایہ دس لاکھ روپے تک بڑھ گیا ہے، اس کاروبار کو ترقی دینے میں میرے دو بیٹوں نے بھی میرا ساتھ دیا ہے، دونوں بیٹے اس وقت سے لے کر آج تک اکٹھے رہے ہیں، اب ان میں سے ایک بیٹا جدا ہونا چاہتا ہے اور مجھ سے اس دوکان میں حصہ داری کا مطالبہ کرتا ہے۔ آنجناب سے شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل مطلوب ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق آپ کے بیٹے کاروبار میں آپ کے معاون تھے نہ کہ شریک، اس لیے ان میں سے کسی ایک بیٹے کو بھی دوکان میں حصہ داری کے دعویٰ کا

---

[1] لما قال العلامة سلیم رستم بازؒ: وما اشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہٗ ولیضمن شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترك وکل ما استدانہ احدھم یطالب بہ وحدہٗ۔

(شرح مجلة الاحکام۔ المادة ۱۳۶۱ ص۷۲۵ الکتاب العاشر)

ومثلہٗ فی تنقیح الحامدیة ج۱ ص۹۶ کتاب الشرکة۔

شرعاً کوئی حق نہیں، اور اگر آپ اس بیٹے کو کچھ بھی نہ دیں تو شرعاً آپ پر کوئی گناہ نہیں تاہم بہتر یہ ہے کہ اس بیٹے کو بھی احساناً کچھ نہ کچھ دے دیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : ابٌ وابنٌ یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لھما شیٔ ثم اجتمع لھما مال یکون کله للاب اذا کان الابن فی عیاله واجاب خیر الرملی عن سوال اٰخر بقوله حیث کان من جملة عیاله والمعینین له فی اموره واحواله فجمیع ما حصله بکده وتعبه فھو ملك خاص لابیه لاشئ له فیه حیث لم یکن له مالٌ لو اجتمع له بالکسب جملة اموال لانه فی ذلك لابیه معین۔ (فتاوٰی حامدیة ج۲ ص۱۸ کتاب الشرکة)[1]

اس صورت میں وہ سب باپ ہی کا خرچ ہوا اس سے زیادتی کے رجوع کا حق کسی کو بھی نہیں۔ نیز اولاد کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے لیے زید کو اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ اس سرمایہ کو ان میں تقسیم کرے بلکہ اولاد بالغین کو بدون کچھ سرمایہ دیئے بھی الگ کر سکتا ہے اور اگر ان کو کچھ سرمایہ دے کر الگ کرے تو یہ اچھا ہے اور اس صورت میں سب کو برابر سرمایہ دے اور نابالغوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھے بلوغ سے پہلے ان کو الگ نہیں کر سکتا۔ (امداد الاحکام ج۳ ص۳۱۶ کتاب الشرکة)

⁂ ⁂

---

[1] قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ : (الجواب) زید نے جو اپنے لڑکوں کو کاروبار میں اپنے ساتھ شریک کیا ہے تو اس کی صورت کیا تھی؟ آیا زید نے ہر بیٹے کو کچھ رقم یا سرمایہ ہبۃً دیدیا تھا، پھر وہ رقم یا سرمایہ کاروبار میں لگا کر لڑکا شریکِ تجارت ہوا یا باپ نے کسی بیٹے کو کچھ رقم ہبۃً نہیں دی نہ سرمایہ دیا اور نہ بیٹوں کے پاس اپنی ذاتی رقم یا سرمایہ تھا جس کو ملا کر وہ کاروبار میں شریک ہوئے ہوں بلکہ بیٹے ویسے ہی بدون رقم دیئے کام کرنے لگے اور اس شرکت سے کام کو ترقی ہوئی۔ پس صورتِ اولیٰ میں تو یہ البتہ شرکت ہے اور ہر شخص اپنی رقم و سرمایہ کی نسبت سے اس وقت اصل و نفع میں مستحق ہوگا۔ اور صورتِ ثانی میں شرکت ہی نہیں بلکہ کل سرمایہ زید کی ملک ہے اور سب لڑکے اس کے معین شمار ہوں گے اور جس لڑکے پر زیادہ خرچ ہوا

كتاب
المضاربة

کتاب المضاربة

(مضاربت کے احکام ومسائل)

مضاربت کی حقیقت

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! مضاربت کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب :۔ مضاربت رب المال اور مضارب کے باہمی اشتراک کا وہ فائدہ مند معاملہ ہے جس میں رب المال کو اس کے مال کی وجہ سے اور مضارب کو محنت کی وجہ سے حصہ دیا جاتا ہے، ایسی حالت میں دونوں کے لیے اس معاہدہ کی پابندی ضروری ہوتی ہے جو شرعی قواعد وضوابط کی روشنی میں ان کے درمیان طے پایا ہو۔

قال العلامة ابوالبرکات النسفیؒ: هی شرکة بمال من جانب والمضارب امین وبالتصرف وکیل وبالربح شریک وبالفساد اجیر وبالخلاف غاصب وباشتراط کل الربح له مستقرض وباشتراطه لرب المال مستبضع وانما تصح بما تصح به الشرکة۔

(کنز الدقائق ص۳۳۹ کتاب المضاربة) ؎

مضاربت میں منافع کی تعیین کرنا

سوال :۔ عمرو نے بکر کو دس ہزار روپے تجارت کے لیے دیئے اور بکر پر شرط عائد کردی کہ آپ مجھے سالانہ ایک ہزار روپے دیں گے بقایا منافع جتنا بھی ہوگا وہ آپ کا ہوگا، تو کیا ایسا عقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ مضارب یا رب المال کا کسی خاص مقدار میں منافع کا اپنے لیے متعین کرنا خواہ ماہانہ ہو یا سالانہ، مفسدِ عقد ہے، اس لیے ایسی صورت میں مضاربت فاسد رہے گی۔

قال العلامه ابوبکر الکاسانیؒ:۔ ومنها ان یکون المشروط لکلِّ واحدٍ منهما

؎ قال العلامة القدوری رحمه الله :۔ المضاربة عقد یقع علی الشرکة فی الربح بمال من احد الشریکین وعمل من الآخر ولا تصح المضاربة الا بالمال الذی بیّنّا ان الشرکة تصح به۔ (مختصر القدوری، کتاب المضاربة)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۳ ص۲۵۶ کتاب المضاربة۔

من المضارب ورب المال من الربح جزءًا شائعًا نصفًا او ثلثًا اوربعًا فان شرطا عددًا مقدرًا بان شرطا ان يكون لاحدهما مائة درهم من الربح او اقل او اكثر والباقی للآخر لا یجوز والمضاربة فاسدة۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص۸۵ فصل واما شرائط الرکن فبعضها یرجع الخ) لـه

عقدِ مضاربت میں رأس المال کا نقدی ہونا ضروری ہے

سوال:- زید نے عمرو کے ہاتھ بیس ہزار روپے کا مال فروخت کیا اور قیمت وصول نہیں کی بلکہ قرض رہنے دیا، بعد میں دونوں میں اس طرح کا عقد ہوگیا کہ زید نے عمرو سے کہا کہ اُن بیس ہزار روپوں کے ساتھ آپ تجارت کریں جو میرے آپ کے ذمے قرض ہے اور منافع کی صورت میں اولاً عمرو زید کو دو ہزار روپے ادا کرے گا اور بقایا رأس المال سے جو بھی نفع آئے گا وہ دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا، کیا مضاربت کی یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ مضاربت شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ عقدِ مضاربت میں مال کا نقد دینا ضروری ہے نہ کہ قرض کا مال، البتہ اس طرح کا عقد کرنا کہ رب المال کا کسی آدمی کے ذمے قرض ہو اور مضارب کو اجازت دے دے کہ آپ اُس قرض کو وصول کرکے اُس سے تجارت کریں تو یہ صورت درست ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ:- واما المضاربة بدَينٍ فان على المضارب لم یجز وان على ثالث جاز وكره۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۵ ص۶۴۷ كتاب المضاربة) لـه

لـه وفی الهندية: ومنها ان یکون نصیب المضارب من الربح معلومًا علیٰ وجه لا تنقطع به الشركة فی الربح كذا فی المحیط۔ فان قال علیٰ ان لك من الربح مائة درهم او شرط مع النصف او الثلث عشرة دراهم لا تصح المضاربة كذا فی محیط السرخسی۔ (الفتاوی الهندية ج۴ ص۲۸۶ كتاب المضاربة۔ الباب الاول فی تفسیرها وركنها وشرائطها)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۷ ص۲۶۴ كتاب المضاربة۔

لـه وفی الهندية: (ومنها) ان یکون رأس المال عینًا لا دینًا فالمضاربة بالدیون لا تجوز حتیٰ ان من كان له علی آخر الف درهم فامره صاحب الدین ان یعمل بها مضاربة لا تجوز المضاربة كذا فی النهاية۔ (الفتاوی الهندية ج۴ ص۲۸۶ كتاب المضاربة۔ الباب الاول فی تفسیرها وركنها وشرائطها) وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج ۳ ص۲۵۸ كتاب الصلوة۔

مضارب کے نفقہ کا حکم

سوال:۔ دورانِ تجارت مضارب کی خوراک و پوشاک کا خرچہ کس کی ذمہ داری ہے؟

الجواب:۔ مضارب مال کی تجارت اپنے شہر میں کرے تو اُس کی خوراک وغیرہ کا خرچہ مالِ مضاربت سے نکالنا جائز نہیں، ہاں اگر اپنے شہر سے باہر تجارت کرے تو خوراک و پوشاک کا خرچہ اور دیگر ضروریاتِ زندگی مالِ مضاربت سے پورا کرنے کی اجازت ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ:۔ واما تفسیر النفقة التی فی مال المضاربة فالکسوة والطعام والادام والشراب واجر الاجیر وفراش ینام علیه وعلف دابته التی یرکبها فی سفره ویتصرف فی حوائجه وغسل ثیابه ودهن السراج والحطب ونحو ذٰلک ولاخلاف بین اصحابنا فی هٰذه الجملة لان المضارب لابد له منها فکان الاذن ثابتًا من ربّ المال دلالة۔

(بدائع الصنائع ج۶ ص۱۰۶ فصل واما بیان حکم المضاربة) [1]

مضاربت میں خسارہ کی ذمہ داری کا مسئلہ

سوال:۔ مضارب کی محنت کے باوجود اگر معاملہ فائدہ مند نہ رہے اور مضارب کو آئے دن ناکامی کا سامنا کرتے ہوئے کاروبار میں نقصان ہو رہا ہو جس کے نتیجے میں اصل رقم سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں تو ایسے حالات میں تاوان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

الجواب: مضاربت رب المال اور مضارب کے باہمی اشتراکِ عمل کا نتیجہ ہوتا ہے جس میں ربّ المال کے ساتھ مضارب کی محنت شامل ہوتی ہے، نقصان کی صورت میں دونوں کا متاثر ہونا ظاہر ہے، اگر ربّ المال کو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے تو مضارب کی بھی دن رات کی محنت ضائع ہوتی ہے، مالی نقصان کا بوجھ مضارب پر ڈالنا بے انصافی کے مترادف ہے اسی لیے مضارب پر مالی نقصان کی ذمہ داری کی شرط کرنا مفسد ہے، جو نقصان ہو وہ پہلے منافع

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبدالرشید البخاری رحمه الله: وفی الاصل المضارب ما دام یعمل فی المصر فنفقته فی ماله وان کان المصر کبیرًا او هو قائم فی جانب آخر للتجارة۔

(خلاصة الفتاوٰی ج۴ ص۱۸۹ الفصل الثالث فی نفقة المضارب ومؤنته)

وَمِثْلُهٗ فی شرح مجلة الاحکام لرستم باز، مادة ۱۴۱۹ الفصل الثالث فی احکام المضاربة۔

سے منہا کیا جائے گا، اگر اس سے بھی متجاوز ہو تو پھر رأس المال سے منہا کیا جائے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفی الجلالیة کل شرط یوجب جهالة فی الربح او یقطع الشرکة فیه یفسدها والا بطل الشرط کشرط الخسران علی المضارب۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص۶۴۸ کتاب المضاربة) ۱؎

مضاربت میں فریقین منافع کے حقدار کب بنتے ہیں

سوال: رب المال اور مضارب کے درمیان معاہدہ ہوا کہ مضارب دوسرے شہروں سے مال فروخت کرے گا اور منافع نصف نصف ہوگا، اب رب المال نے مضارب سے مال فروخت ہونے سے پہلے کہا کہ یہاں کے بھاؤ کے حساب سے درآمد کردہ مال میں بیس ہزار روپے منافع ہوتا ہے لہٰذا آپ مجھے دس ہزار روپے دے دیں، تو کیا رب المال کا ایسا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب: جب تک منافع کا ظہور نہ ہو جائے رب المال کو ایسا مطالبہ کرنا جائز نہیں اور منافع مال بیچنے کے بعد ہوتا ہے، اور اگر فریقین کے مابین اس طرح کا معاہدہ ہو چکا ہو تو یہ مضاربت فاسدہ ہے اس کو فوراً توڑ دینا چاہیئے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: واشار المصنف الیٰ ان للمضارب ان ینفق علیٰ نفسه من مال المضاربة فی السفر قبل الربح والیٰ انه لو لم یظهر الربح لا شئ علی المضارب۔

(البحر الرائق ج ۷ ص۲۷ کتاب المضاربة) ۲؎

۱؎ قال العلامة سلیم رستم باز رحمه الله: الضرر والخسار یعود فی کل حال علیٰ رب المال واذا شرط کونه مشترکا بینه وبین المضارب فلا یعتبر ذلك الشرط۔ (شرح مجلة الاحکام مادة ۱۴۲۸ ص۷۵۷ الفصل الثالث فی بیان احکام المضاربة)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۳ ص۲۵۸ کتاب المضاربة۔

۲؎ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: فاذا ظهر الربح فهو شریکه بحصته من الربح۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص۱۸۸ کتاب المضاربة۔ الفصل الاوّل فی المقدمة)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ۵ ص۶۵۸ کتاب المضاربة۔

حکومتی جرمانہ رب المال پر آئے گا یا مضارب پر

سوال:۔ زید نے عمرو کو دس ہزار روپے افیون کی تجارت کے لیے دیئے، عمرو افیون خرید کر بڑی احتیاط کے ساتھ آرہا تھا کہ راستے میں پولیس نے اُسے گرفتار کر کے مال بھی ضبط کر لیا اور تین ہزار روپے جرمانہ بھی لے لیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ تین ہزار روپے رب المال (زید) کے ذمے ہے یا مضارب (عمرو) کے ذمے، جبکہ افیون کی تجارت حکومت کی طرف سے سخت جرم ہے؟

الجواب:۔ نقصانِ جرم کی اگر مالک نے ذمہ داری قبول کرلی ہے تو مالک پر ضمان لازم ہے ورنہ مضارب پر آئے گا۔ البحرالرائق جلد ۲ ص۲۷ میں ہے: ولا رُجُوع له فيما انفقه فى الخصومة لتقاضى الدَّيْن ۔ جب دَین (قرض) کے مقدمے کا خرچ مالک پر نہیں آتا ہے تو جرم کا ضمان کس طرح مالک پر آئے گا۔

وفى الهندية: الاصل ان مايفعله المضارب ثلاثة انواع نوع يملكه بمطلق المضاربة وهوما يكون من باب المضاربة وتوابعها ومن جملته التوكيل بالبيع والشرا للحاجة والرهن والارتهان والاجارة والاستئجار والايداع والابضاع والمسافرة و نوع لايملكه بمطلق العقد ويملكه اذا قيل له اعمل برأيك وهو مايحتمل ان يلحق به فيلحق به عند وجود الدلالة وذلك مثل دفع المال مضاربة اوشركة الى غيره وخلط مال المضاربة بماله اوبمال غيره ونوع لايملكه لا بمطلق العقد ولا بقوله اعمل برأيك الا ان ينص عليه رب المال وهو كالاستدانة ۔ (الفتاوى الهندية ج ۴ ص۲۹۱ الباب الرابع فيما يملك المضارب من التصرفات ولا يملك)[1]

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: والاصل ان ما يفعله المضارب ثلاثة انواع نوع يملكه بمطلق المضاربة وهوما يكون من باب المضاربة وتوابعها الخ (الى ان قال) ونوع لايملكه لا بمطلق العقد ولا بقوله اعمل برأيك (الا ان) ينص عليه رب المال ۔

(الهداية ج ۳ ص۲۶۵ فصل فيما يفعله المضارب)

وَمِثْلُهٗ فى خلاصة الفتاوى ج ۴ ص۱۸۹ الفصل الثانى فيما يملك المضارب ۔

دوکان کے اخراجات مضارب پر عائد کرنا

سوال:۔ رب المال اور مضارب کے درمیان ایسا معاہدہ کرنا کہ نفع نقصان میں باہم شریک ہوں یعنی ایک تہائی رب المال کا اور دو تہائی مضارب کا ہوگا، اس کے علاوہ دوکان کے اخراجات بھی مضارب کے ذمے ہوں گے، کیا ایسا معاہدہ کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ دوکان کے اخراجات رأس المال سے ادا کرنا جائز ہیں البتہ مضارب کو تاوان میں شریک کرنا ناجائز ہے اور مضارب پر تاوان کی ادائیگی مشروط کرنا بھی باطل ہے، تاوان کی صورت میں اگر مضارب قصور وار نہ ہو تو منافع سے منہا کیا جائے گا اور اگر منافع سے پوری ادائیگی ممکن نہ ہو تو رأس المال سے ادا کیا جائے گا۔

قال العلامة سلیم رستم باز: واذا تلف بعض مال المضاربة یحسب فی اول الامر من الربح ولا یسری الی رأس المال واذا تجاوز مقدار الربح وسری الی رأس المال فلا یضمنه المضارب سواء کانت المضاربة صحیحة او فاسدة۔

شرح مجلة الاحکام۔المادة ۱۴۲۲ ص ۷۵۶/۷۵۷)[1]

مضاربت کے قواعد وضوابط پر عرف کا اثر

سوال:۔ مروجہ کرنسی نوٹ مضاربت کے لیے کافی ہیں یا سونا چاندی خرید کر دینا ضروری ہے؟

الجواب:۔ مروجہ کرنسی نوٹ چونکہ ثمن عرفی کے حکم میں ہیں اور معاشرہ میں ان سے خرید وفروخت کی جاتی ہے اس لیے مضاربت کے لیے ان کا دینا ہی کافی ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمه الله: المضاربة لا تجوز بغیر الدراهم والدنانیر مکیلاً کان او موزوناً او عروضاً فی قول ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالیٰ وقال محمد رحمه الله تجوز بالفلوس الرائجة عدداً ولا

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال لان الربح تابع (الی ان قال) فان زاد الهالك علی الربح فلا ضمان علی المضارب لانه امین۔ (الهدایة ج۳ ص۲۶۴ فصل فی العزل والقسمة، کتاب المضاربة)
ومثلهٗ فی رد المحتار ج۵ ص۶۵۸ فصل فی المتفرقات، کتاب المضاربة۔

تجوز بالذهب والفضة اذا لم تکن مضروبة فی روایة الاصل)
(فتاویٰ خانیة علیٰ هامش الهندیة ج ۳ ص۱۶۱ کتاب المضاربة) ^۱

حیوان کو مضاربت میں دینے کا حکم | **سوال:۔** مضارب کا رب المال سے جانور لینا بایں شرط کہ میں اس کو پالوں گا اور اس کی نسل پیدا ہونے کی صورت میں موافق شرط تقسیم کریں گے، کیا مضاربت کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حیوان کو مضاربت پر دینا عقد فاسد ہے، ہاں اگر حیوان کو دیتے وقت یہ کہدے کہ اس جانور کو بیچ دو اور اس رقم پر عمل مضاربت کرو تو یہ جائز ہے۔

قال العلامة سلیم رستم باز رحمہ اللہ: بشرط ان یکون رأس المال مالا تصح به الشرکة فلا یجوز ان یکون العقار والعروض والدین فی ذمة رأس مال فی المضاربة لکن رب المال اذا اعطی شیئا من العروض الی المضارب وقال بع هذا واعمل بثمنه مضاربة وقبل المضارب وقبض ذلك المال وباعه واتخذ نقود ثمنه رأس المال للتجارة کانت المضاربة صحیحة۔ (مجلة الاحکام، مادة ۱۴۰۹ ص۲۴۵ الفصل الثانی فی شروط المضاربة) ^۲

مالِ مضاربت سے خریدی ہوئی بکری کے دودھ کا حکم | **سوال:۔** مضارب نے باجازت رب المال بکری

---

^۱ قال العلامة ابوبکر الحداد الیمنی رحمہ اللہ: (قوله ولا یصح المضاربة الا بالمال الذی بیّنّا ان الشرکة تصح به) یعنی انها لا تصح الا بالدراهم والدنانیر فاما الفلوس فعلی الخلاف الذی بیّناه فی الشرکة وهو عند محمد تجوز المضاربة بها وعندهما لا تجوز۔
(الجوهرة النیرة ج ۱ ص۳۵ کتاب المضاربة)

وَمِثْلُهٗ فی عینی شرح کنز ص۵۰۲ کتاب المضاربة۔

^۲ وفی الهندیة: لو دفع الیه عرض او عبد فقال بعه واقبض ثمنه واعمل به مضاربة فباعه بدراهم او دنانیر وتصرف فیها جازت المضاربة کذا فی محیط السرخسی۔
(الفتاویٰ الهندیة ج ۴ ص۲۶۸ کتاب المضاربة. الباب الاول فی تفسیرها ورکنها وشرائطها وحکمها۔

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاویٰ ج ۴ ص۱۸۸ کتاب المضاربة۔

خریدی، اب اس کا دودھ مضارب کی ملکیت ہوگی یا کہ رب المال کی؟

الجواب:۔ دودھ، اون وغیرہ تمام کے تمام مالِ مضاربت یا ربح میں داخل ہے، ان کا استعمال بغیر اجازت کے ممنوع ہے۔ ان چیزوں کی قیمت حسب ضابطۂ فقہاء کبھی تو رأس المال میں داخل ہوتی ہے اور کبھی ربح (منافع) ہیں۔

قال العلامة سلیم رستم بازؒ: المضارب امین فرأس المال فی یدہ فی حکم الودیعة اما من حیث تصرفه فی رأس المال فهو وکیل رب المال واذا ربح کان شریکًا فیه۔ (مجلة الاحکام۔ مادة ۱۴۱۳ ص۷۴۸ الفصل الثانی فی احکام المضاربة)[1]

مضارب کا معاہدہ کے خلاف کام کرنا

سوال:۔ زید نے بکر کو بیس ہزار روپے عقدِ مضاربت پر کپڑوں کی تجارت کے لیے دیئے، بکر نے خلافِ معاہدہ تیل کی تجارت شروع کردی اور اس میں خسارہ اٹھانا پڑا، از روئے شرع شریف نقصان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

الجواب:۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر نقصان کی تمام ذمہ داری بکر (مضارب) پر عائد ہوتی ہے لہٰذا بکر زید کو تمام رأس المال یعنی بیس ہزار روپے ادا کرے گا۔

وفی الهندیة: ان خص له رب المال التصرف فی بلد بعینه او فی سلعته بعینها تتقید به ولم یجز له ان یتجاوز ذلك (الیٰ ان قال) فان اخرج الیٰ غیر ذلك البلد فاشتریٰ ضمن وکان ذلك له وله ربحه۔ (الفتاوی الهندیة ج۴ ص۲۹۷ الباب السادس فیما یشترط علی المضارب من الشروط)[2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: فاذا ظهر الربح فهو شریکه بحصته من الربح۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۱۸۸ کتاب المضاربة)
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص۳۵۰ کتاب المضاربة۔

[2] قال العلامة سلیم رستم بازؒ: اذا خالف المضارب رب المال بعد مانهاه بقوله لاتذهب بمال المضاربة الی المحل الفلانی اولاتبع بالنسیئة فذهب بمال المضاربة الی ذلك المحل فتلف المال او باع بالنسیئة فهلك الثمن کان المضارب ضامنًا۔
(مجلة الاحکام مادة ۱۴۲۲ ص۷۵۵ الفصل الثالث فی احکام المضاربة)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۵ ص۶۵۰/۶۵۱ کتاب المضاربة۔

مدرسے کا فنڈ چندہ دہندگان کی اجازت سے مضاربت پر دینا

سوال:- کیا مدرسے کا فنڈ بمشورہ متولیان و اراکین مدرسہ مضاربت پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مدرسے کا فنڈ ضروریات مدرسہ سے زائد ہو تو چندہ دہندگان کی اجازت اور متولیانِ مدرسہ کے مشورہ سے اس سے تجارت کرنا مرخّص ہے۔

وفی الهندیة: القیم اذا اشترٰی من غلة المسجد حانوتًا اودارًا ان یستغل ویباع عند الحاجة جاز ان کان ولایة الشراء۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۲ ص۴۶۲ الباب الثانی فی الوقف علی المسجد وتصرف القیم وغیره فی مال الوقف علیه) [1]

مال کی موجودگی میں مضاربت کو ختم کرنے کا حکم

سوال:- زید نے خالد کو مضاربت کے لیے ایک لاکھ روپے دیئے اب کچھ وقت گذرنے کے بعد زید اپنے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہا ہے جبکہ خالد کے پاس ابھی کچھ مال باقی ہے، تو کیا مال کی موجودگی میں زید اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر عاقدین مضاربت کو ختم کرنا چاہتے ہوں تو جب تک مالِ مضاربت ختم نہیں ہوتا اس وقت تک رب المال اپنے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور نہ مضارب کو معزول کرنے سے اس کے تصرفات ختم ہوں گے۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمه الله: واعلم المضارب بعزله والمال عروض فله ان یبیعها ولا یمنعه العزل من ذٰلك لأن حقه قد ثبت فی الربح انما یظهر بالقسمة وهی تبتنی علیٰ رأس المال وانما ینض بالبیع۔
(الهدایة ج۳ ص۲۶۴ کتاب المضاربة)

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: الفاضل عن وقف المسجد یشتری مستغلًا للمسجد حانوتًا اودارًا۔ (خلاصة الفتاوٰی ج۴ ص۴۲۳ الفصل الرابع فی المسجد واوقافه ومسائله)
ومثلهٗ فی الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج۳ ص۳۱۳ فصل فی وقف المنقول۔

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک دو **مضاربت ختم کرنے سے روکنے اور عقدِ مضاربت کیلئے تعین مدت کا حکم**

مسئلوں کی وضاحت مطلوب ہے، مہربانی فرماکر قرآن وسنت کی رو سے جواب عنایت فرمائیں؟

(۱) دو آدمیوں نے مل کر مضاربت کے عنوان سے کاروبار شروع کیا، ان دونوں کا معاملہ چار سال تک جاری رہا، اب ایک ساتھی دوسرے سے جدا ہوتا چاہتا ہے جبکہ دوسرے ساتھی کا یہ کہنا ہے کہ جب تک میں اجازت نہ دوں تم مجھ سے جدا نہیں ہوسکتے، کیا واقعی دوسرے ساتھی کو منع کرنے کا اختیار ہے؟

(۲) ان دونوں نے عقد مضاربت کرتے وقت چار سال کی مدت بھی مقرر کی تھی۔ تو کیا مضاربت میں مدت مقرر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) عقدِ مضاربت فریقین میں سے جو بھی چاہے اور جس وقت چاہے ختم کرسکتا ہے مگر عقد فسخ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے ساتھی کو اس سے مطلع کردیا جائے۔ لیکن اس فسخ کا اطلاق اس وقت صحیح ہوگا جب مال نقدی کی شکل میں موجود ہو، اگر مال اثاثہ (عروض) کی صورت میں ہو تو پھر مضارب کو اثاثہ فروخت کرنے کا موقع دیا جائے گا تاکہ اصل نفع متعین ہوجائے جس کیلئے عقد ہوا تھا۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: واما صفة ھذا العقد فھو انه عقد غیر لازم ولکل واحد منھما اعنی رب المال والمضارب الفسخ لکن عند وجود شرطه وھو علم صاحبه وبیشرط ایضاً ان یکون راس المال عیناً وقت الفسخ دراھم او دنانیر حتی لو نھی رب المال المضارب عن التصرف وراس المال عروض وقت النھی لم یصح نھیه وله ان یبیعھا لانه یحتاج الی بیعھا بالدراھم والدنانیر لیظھر الربح فکان النھی والفسخ ابطالاً لحقه فی التصرف فلا یملك ذلك وان کان راس المال دراھم او دنانیر وقت الفسخ والنھی صح الفسخ والنھی۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۰۹ کتاب المضاربة)

(۲) اسی طرح عقد مضاربت کیلئے احناف کے ہاں وقت متعین کرنا بھی صحیح ہے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: ولنا ان المضاربة توکیل والتوکیل یحتمل التخصیص بوقت دون وقت۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۹۶ کتاب المضاربة)

لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ میں عقدِ مضاربت کا وقت بھی مقرر ہو اور سرمایہ بھی نقدی کی شکل میں ہو تو پھر دوسرے ساتھی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے ساتھی کو عقد مضاربت کے فسخ کرنے سے منع کرے یا روکے۔

كتاب
الوكالة
الحوالة

فتقبلها ربها بقبولٍ
حسن وانبتها نباتا
حسناً وكفلها زكريا

قال اجعلنى خزائن
الارض انى حفيظ عليم

کتاب الوکالۃ و الکفالۃ

(وکالت کے احکام و مسائل)

نابالغ کو وکیل بنانا

سوال :- مساجد، مدارس یا دوسرے رفاہی کاموں کے لیے چندہ کرتے وقت بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ گھروں سے عورتیں چھوٹے بچوں کو چندہ دے کر بھیجدیتی ہیں، تو کیا ایک نابالغ بچہ والدہ یا والد کی طرف سے کچھ رقم لے جاکر وکیل بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر بچہ سمجھدار ہو تو اس کو وکیل بنانے میں کوئی حرج نہیں تاہم مذکورہ صورت میں بچہ وکیل نہیں بلکہ صرف نمائندہ ہے جس کو فقہاء کرام رسول کے نام سے یاد کرتے ہیں اس لیے نابالغ بچوں کے ہاتھ خیرات وغیرہ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: قال و یجوز ان یقبل فی الھدیۃ والاذن قول العبد والجاریۃ والصبیّ لان الھدایا تبعث عادۃ علی ایدی ھٰؤلاء وکذٰا لایمکنھم استصحاب الشھود علی الاذن عند الضرب فی الارض والمبایعۃ فی السوق فلو لم یقبل قولھم یؤدی الی الحرج۔ (الھدایۃ ج۴ ص۴۵۲ کتاب الکراھیۃ) [1]

وکالت میں علم ہونا ضروری ہے

سوال :- بعض علاقوں میں نکاح پڑھاتے وقت لڑکی سے باقاعدہ اجازت لینے کی بجائے کسی ایسے شخص کو وکیل مقرر کر کے ایجاب وقبول کرایا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں لڑکی کو علم تک نہیں ہوتا ہے، کیا کسی ایسے شخص کے ایجاب وقبول کو اعتبار دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- کسی کا وکیل بننے کے لیے مؤکل کی طرف سے باقاعدہ اجازت کا ہونا

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقبل قول المملوک ولو انثیٰ والصبی فی الھدیۃ سواء اخبر باھداء المولی غیرہ اونفسہ والاذن سواء کان بالتجارۃ او بدخول الدار۔ قال ابن عابدینؒ تحتہ قال فی المنح بان قال عبد او جاریۃ او صبی ھٰذہ ھدیۃ اھداھا الیک سیّدی او ابی ..... انما یقبل قول ھٰؤلاء فیھا لان الھدایۃ تبعث عادۃ علی ایدی ھٰؤلاء۔ (ردالمحتار ج۶ ص۳۴۵ کتاب الکراھیۃ)

ضروری ہے، صورتِ مذکورہ میں ایسا نکاح نکاحِ فضولی کے حکم میں ہے، اگر لڑکی علم ہوجانے کے بعد اجازت دے دے تو نکاح منعقد رہے گا ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: واصل هٰذا ان تصرفات الفضولی التی لها مجیز حالة العقد منعقدة موقوفة علی اجازة المجیز من البیع والاجارة والنکاح والطلاق ونحوها فان اجاز ینفذ والا فیبطل۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص۱۴۸ کتاب الوکالة۔ الفصل الثالث)[۱]

نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے میں رواج ہے کہ شادی کے وقت جب نکاح پڑھایا جاتا ہے تو لڑکی سے اجازت لینے کے لیے کسی نابالغ لڑکے کو بھیجا جاتا ہے اور پھر اس لڑکے کا والد یا کوئی دوسرا رشتہ دار وکیل بن کر ایجاب وقبول کر لیتا ہے، تو کیا ایسے وکالت از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً وکالت کے لیے وکیل کا عاقل وبالغ ہونا ضروری ہے بنابریں نابالغ لڑکے کی وکالت درست نہیں ہے، صورتِ مسئولہ میں نابالغ لڑکا چونکہ اخبار عن الوکالت کرتا ہے اس لیے لڑکے کا یہ اخبار عن الوکالت درست ہوتا ہے، اور اسی طرح یہ لڑکا رسول کے حکم میں ہے اور رسالت میں احکام مرسل کو راجع ہوتے ہیں نہ کہ رسول کو۔

قال العلامة محمد بن محمود الاستروشنیؒ: والحاصل ان الوکالة تثبت باخبار رجل واحد حراً کان عبداً عدلاً کان اوفاسقاً صبیاً او بالغاً۔

(جامع احکام الصغار علی هامش جامع الفصولین ج ۱ ص۲۸۰ مسئلة الوکالة)[۲]

توکیل میں فریقِ مخالف کی رضامندی کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کرنا چاہے تو

---

[۱] وقال العلامة ابن عابدینؒ: وفی کل موضع لاینفذ فعل الوکیل فالعقد موقوف علی اجازة الموکل۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۳۴۴ کتاب الکفاءة)

[۲] وقال العلامة سلیم رستم بازؒ: تعود حقوق العقد فی الرسالة الی المرسل ولاتتعلق بالرسول اصلاً۔ (شرح المجلة الاحکام۔ م ۱۴۶۲ ص۷۸۳ کتاب الوکالة)

کیا اس میں فریقِ مخالف کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ وکیل مؤکل کا نمائندہ ہوتا ہے اور یہ اس کا ذاتی حق ہے، اس لیے توکیل کا جواز فریقِ مخالف کی رائے پر موقوف نہیں۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وکیل کے ذریعہ کسی حق کے لزوم کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تقرری میں فریقِ مخالف کی رائے شامل ہو جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں ۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ :۔ قال ابوحنیفہ رحمہ اللہ لا یجوز التوکیل بالخصومة من غیر رضاء الخصم الا ان یکون المؤکل مریضاً او غائباً مسیرة ثلاثة ایام فصاعداً وقالا یجوز التوکیل بغیر رضاء الخصم وھو قول الشافعی رحمہ اللہ ولا خلاف فی الجواز انما الخلاف فی اللزوم ۔ (الھدایة ج ۳ ص ۱۷۷ کتاب الوکالة) [1]

وکیل سے رقم ضائع ہونے کی صورت میں ذمّہ دار کون ہوگا

سوال:۔ کسی چیز کی خریداری پر مقرر کردہ شخص سے اگر رقم گم ہو جائے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی ؟ کیا وکیل اس مال کا ضامن ہوگا یا سارا نقصان مؤکل کے ذمّے آئے گا ؟

الجواب:۔ کسی چیز کی خریداری پر مقرر کردہ شخص سے رقم اگر مطلوبہ چیز خریدنے کے بعد گم ہو جائے اور بائع کو ابھی روپے نہ دیئے ہوں تو اس کی ذمّہ داری مؤکل پر عائد ہوگی اور وہ وکیل پر رجوع کا حق نہیں رکھتا ہے، اور اگر مؤکل نے وہ چیز خریدنے کے بعد رقم وکیل کو دی ہو اور بائع کو دینے سے قبل وہ گم ہو جائے تو اس کی ذمّہ داری وکیل پر عائد ہوگی ۔

لما قال العلامة طاھر بن عبدالرشید البخاری رحمہ اللہ : اذا دفع الثمن الی انسان الف درھم فأمرہٗ ان یشتری بھا جاریةً فاشتریٰ ثم ھلک ثمن قبل ان ینقض البائع یھلک من مال الآمر فان دفع الآمر الالف الی الوکیل بعد

---

[1] وقال العلامة سلیم رستم باز اللبنانیؒ : لکل من المدعی والمدعیٰ علیه ان یوکل من شاء بالخصومة ولا یشترط رضاء الآخر ۔ (شرح المجلة الاحکام ۔م ۱۵۱۶ ص ۸۲۰ الفصل الخامس فی الوکالة بالخصوم)

ومثلہٗ فی خلاصة الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۵۴ الفصل الرابع فی الوکالة بالبیع ۔

ما اشتری فهلك قبل ان ینقض البائع بھلك من مال الماموں۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۱۵۹ الفصل الرابع فی الوکالۃ بالشراء) لہ

وکیل پر ضمان کا حکم

سوال :۔ وکیل کا مبیعہ خریدنے کے بعد اگر مبیعہ راستہ میں کہیں ضائع ہو جائے تو یہ کس کا نقصان متصور ہوگا؟ وکیل یا مؤکل کا؟

الجواب :۔ وکیل چونکہ مؤکل کا نمائندہ ہوتا ہے اور وہ تمامتر ذمہ داری مؤکل کے فائدے کے لیے اٹھاتا ہے اس لیے مبیعہ کی ہلاکت کا نقصان مؤکل کو اٹھانا پڑے گا۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ : فان ھلك المبیع فی یدہ قبل حبسہ ھلك من مال المؤکل ولم یسقط الثمن لان یدہ کید المؤکل فاذا لم یحبسہ یصیر المؤکل قابضًا بیدہ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۱۸۱/۱۸۲ کتاب الوکالۃ بالبیع والشراء) ۲ہ

وکیل کا مدعی پر اقرار کرنا

سوال :۔ اگر مدعیٰ علیہ کی طرف سے وکیل نے نمائندگی کرتے ہوئے مدعی کا حق تسلیم کر لیا لیکن مدعیٰ علیہ اب بھی اس سے انکار کر رہا ہے، تو کیا وکیل کا کسی کے حق پر اقرار کرنا مؤکل (مدعیٰ علیہ) کے حق میں لازم متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ وکیل کا کسی کی نمائندگی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف مؤکل کے دنیاوی مفادات کا تحفظ کرے بلکہ شرعی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اسکے جائز حق کے بارے

لہ وقال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ : ولم یذکر المؤلف ھنا حکم ما اذا وکلہ بشراء شئ ودفع الثمن الیہ فھلك فی یدہ قال فی البزازیۃ وفی جامع الفصولین دفع الیہ الفاً لیشتری بہ فاشتری وقبل ان ینقدہ للبائع ھلك فمن مال الآمر وان اشتری ثم نقدہ المؤکل فھلك الثمن قبل دفعہ الی البائع عند المؤکل یھلك من مال الوکیل۔

(البحر الرائق ج۷ ص۱۵۶ باب الوکالۃ بالبیع والشراء)

۲ہ وقال العلامۃ ابن نجیمؒ : فلو ھلك فی یدہ قبل حبسہ ھلك من مال المؤکل ولم یسقط الثمن لان یدہ کید المؤکل فاذا لم یحبس یصیر المؤکل قابضًا بیدہ۔

(البحر الرائق ج۷ ص۱۵۶ باب الوکالۃ بالبیع والشراء)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۱۵۸ الفصل الخامس فی الوکالۃ بالشراء۔

میں اقرار بھی کر سکتا ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں وکیل کا اقرار کرنا مدعیٰ علیہ کے حق میں لازم متصور ہوگا بشرطیکہ یہ اقرار قاضی کے حضور میں ہو لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ حکم عام ہے خواہ قاضی کے حضور میں ہو یا کسی دوسری محفل میں ہو۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: واذا اقر الوکیل بالخصومة علیٰ مؤکله عند القاضی جاز اقراره علیه ولا یجوز عند غیر القاضی عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله استحساناً الا انه یخرج من الوکالة وقال ابو یوسفؒ یجوز اقراره علیه وان اقر فی غیر مجلس القضاء۔ (الهدایة ج ۳ ص۱۹۵ باب الوکالة بالخصومة والقبض) [1]

توکیل بالنکاح میں شہادت ضروری نہیں

سوال:۔ لڑکی کی طرف سے نکاح کے معاملہ میں وکیل مقرر کرنے کے لیے دو آدمی بھیجے جاتے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ فلاں عورت نے اس کو وکیل مقرر کیا ہے، ایسی حالت میں اگر ایک آدمی اجمالی گواہی پر اکتفاء کرے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ توکیل شہادت پر موقوف نہیں بلکہ وکیل کو جب باعتماد ذرائع سے وکالت کی خبر پہنچے تو وکیل مؤکل کے لیے تصرف کر سکتا ہے، صورت مذکورہ میں ایک وکیل کا بیان ہی کافی ہے تاہم اگر دونوں گواہی دیدیں تو مؤکل کو کسی وقت بھی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: واعلم انه لا یشترط الشهادة

---

[1] وقال العلامة ابن نجیمؒ: ولو اقر الوکیل بالخصومة عند القاضی صح والا لا ان اقر علیٰ مؤکله عند غیر القاضی لا یصح عندهما استحساناً وخرج به عن الوکالة وصحح ابو یوسفؒ اقراره مطلقاً وابطله زفر مطلقاً وهو القیاس لکونه ما موراً بالخصومة وهی منازعة والاقرار ضدها لانه مسالمة والامر بالشیٔ لا یتناول ضده وجه الاستحسان ان التوکیل صحیح وصحته تتناول ما یملك وذلك مطلق الجواب دون احدهما عیناً فیصرف الیه تحریاً للصحة۔ (البحر الرائق ج۷ ص۱۸۱ باب الوکالة بالخصومة والقبض)
ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۴ ص۱۰۱ کتاب الدعوی، الفصل الخامس۔

على الوكالة بالنكاح ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۳۵۲ کتاب النکاح، باب الاولیاء الخ) [1]

مروجہ وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنا

سوال:۔ موجودہ دور میں وکلاء ملکی قوانین کی رو سے مُدعی اور مُدعیٰ علیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے طرفین سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں، تو کیا وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ موجودہ ملکی قوانین میں سے جو قوانین شریعتِ اسلامیہ سے متصادم ہوں تو ان کے مطابق مقدمات کی پیروی کرنا اور فیصلہ کرنا اور ان پر معاوضات لینا تمام کے تمام غیر اسلامی ہیں، شریعتِ مقدسہ میں ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تاہم ان کے ذریعے سے اپنے جائز حقوق لینا اور ظالم کے ظلم سے نجات حاصل کرنا مرخص ہے اور جو قوانینِ شریعت سے متصادم نہ ہوں تو ان کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس پر وکیل کا معاوضات لینا مرخص ہے اور جوازِ اُجرت توکیل کے لیے یہ تاویل کافی ہے کہ واقعی وکیل جو اُجرت لیتا ہے وہ ایک خاص وقت اور خاص دن میں محبوس رہنے کی اُجرت لیتا ہے جو کہ فقہاء کرام نے جائز قرار دیا ہے۔
الحاصل یہ کہ پیشۂ وکالت فی نفسہٖ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ وکیل جائز مقدمات کی پیروی کرتا ہو۔

لما قال الدکتور الشیخ وھبة الزحیلی : تصح الوکالة باجر وبغیر اجر لان النبیّ صلی اللہ علیه وسلم کان یبعث عماله لقبض الصدقات ویجعل لهم عمولة فاذا تمت الوکالة باجرٍ لزم العقد یکون للوکیل حکم الاجیرای انهٗ یلزم الوکیل بتنفیذ العمل ولیس له التخلی عنه بدون عذرٍ یبیح لهٗ ذٰلك واذا لم یذکروا الاجر صراحةً حکم العرف فان کانت ماجورةً عادةً کتوکیل المحامین وسماسرة البیع والشراء لزم اجر المثل ویدفعهٗ احد العاقدین بحسب العرف وان کانت غیر ماجورة عرفاً کانت

---

[1] وفی الهندیة : یصح التوکیل بالنکاح وان لم یحضرهٗ الشهود کذا فی التاتارخانیة ناقلاً عن خواهر زاده ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۹۴ الباب السادس فی الوکالة بالنکاح وغیرها)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۳۷ کتاب النکاح، فصل ص۱۳۷ بعض مسائل الوکیل والفضولی الخ

مجاناً او تبرعاً عملاً بالاصل فی الوکالات وهو ان تکون بغیر اجرٍ علی سبیل التعاون فی الخیر وهٰذا النوع لا یلزم فیه المضی فی العمل بل للوکیل التخلی عنه فی ای وقت وهٰذا مذهب الحنفیۃ والمالکیۃ والحنابلۃ۔

وقال الشافعیۃ الوکالۃ ولو بجعل جائزۃ ای غیر لازمۃ من الجانبین۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۴ ص۱۵۱ تعریف الوکالۃ ومشروعیتھا)

وکیل کا دوسرے کو وکیل بنانے کا حکم

سوال:۔ایک شخص نے اپنا مال لاہور منڈی میں فروخت کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا اور اس نے اپنی طرف سے ایک دوسرے شخص کو وکیل بنا کر مال فروخت کرنے کے لیے لاہور روانہ کردیا، تو کیا وکیل اوّل کا دوسرے شخص کو وکیل بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔اگر مؤکل نے اس کو عمومی وکیل مقرر کیا ہو کہ میرا مال فروخت کرو چاہے تم خود جاؤ یا کسی اور کو بھیجو، تو اس صورت میں وکالتِ عمومی کی وجہ سے وکیلِ اوّل کا دوسرے کو وکیل بنانا درست ہے، اور اگر مؤکل کی طرف سے عمومی وکالت نہ ہو تو پھر وکیلِ اوّل کا یہ اقدام صحیح نہیں۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: فان کانت عامۃ یملك ان یوکل غیرہ بالقبض لان الاصل فیما یخرج مخرج العموم اجراؤہٗ علی عمومہ وان کانت خاصۃ فلیس لہٗ ان یوکل غیرہ بالقبض لان الوکیل یتصرف بتفویض المؤکل فیملك قدر ما فوض الیہ۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۲۵ فصل فی حکم التوکیل) [۱]

---

[۱] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ان کانت الوکالۃ خاصۃ او مقیدۃ بان یعمل الوکیل بنفسہ لم یجز لہٗ توکیل غیرہ فیما وکل فیہ۔ وان کانت الوکالۃ مطلقۃ او عامۃ بان قال لہٗ اصنع ما شئت جاز لہٗ توکیل الغیر ویکون ھٰذا الغیر وکیلا مع الاوّل عن المؤکل۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۴ ص۱۶۰ ھل للوکیل توکیل غیرہ)

گارنٹی سے کوئی چیز خریدنے یا بیچنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص مثلاً زید عمارتی سازوسامان (ہارڈ ویئر) کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے اور بعض کمپنیاں اپنا مال اس پر گارنٹی سے فروخت کرتی ہیں مثلاً پانی کی ٹینکیاں، ٹونٹیاں، پانی کے پائپ، بیلچے، کدال وغیرہ۔ ان میں سے بعض اشیاء کی گارنٹی پانچ سال، بعض کی دس سال اور بعض کی گارنٹی اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جب زید کسی پر مذکورہ چیزیں بیچتا ہے تو اسی گارنٹی سے بیچتا ہے، گارنٹی کی مدت میں اگر فروخت کردہ چیز خراب ہوجائے تو مشتری وہ چیز زید کو واپس کر دیتا ہے اور زید وہ چیز کمپنی کو بھیجدیتا ہے اور کمپنی والے اس کے عوض میں یا تو نئی چیز دیدیتے ہیں یا اس کو ہی بالکل درست کر دیتے۔ اس طرح کرنے سے عام لوگ گارنٹی شدہ چیزیں خریدنے میں زیادہ رغبت ظاہر کرتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی بیع ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم نے ایک مولوی صاحب سے سنا ہے کہ یہ بیع مشروط ہونے کی بناء پر فاسد ہے۔ لہٰذا شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیلاً وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب:۔ دورِ حاضر میں بعض کمپنیاں اپنی مصنوعات کی خریداری پر گاہک کو سال دو سال یا لائف ٹائم کی گارنٹی دیتی ہیں، یہ گارنٹی صورت کے لحاظ سے کفالۂ بدرک ہے۔ (درک کے معنیٰ حصولِ صاحب یعنی پانے کے ہیں۔ یعنی اگر مشتری مبیعہ میں کوئی عیب پائے تو بائع اس کا کفیل ہوگا۔ (مصباح اللغات ص ۲۳۶)۔ جبکہ کفالہ بدرک بالاجماع صحیح ہے۔ اسی طرح خود کفالہ میں بھی فقہاء کے ہاں توسع پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کفالہ بلکہ اکثر معاملات کا تعلق عرف کے ساتھ ہے۔ آجکل کوئی چیز فروخت کرتے وقت گارنٹی دینا کاروبار کا ایک اہم جزء بن گیا ہے، چونکہ آجکل دو نمبر (نقلی) چیزیں عام تیار ہوتی ہیں جس کی وجہ سے گارنٹی دینا اور لینا ناگزیر ہوگیا ہے، اور ویسے بھی عام طور پر عالمی اور ملکی منڈیوں میں ایک رواج سا بن گیا ہے کہ لوگ گارنٹی والی چیز بلا کسی حیل و حجت کے خرید لیتے ہیں، لہٰذا آجکل گارنٹی پر خرید و فروخت کرنا عرف اور عموم بلوٰی کی وجہ سے جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

کما فی البدائع الصنائع: ولان الکفالة جوازها بالعرف۔ (جلد ۶ ص ۳)

وکما فی الهدایة: واما الکفالة بالمال فجائزة معلوماً کالمکفول به الی ان قال اَو بما یدرکک فی هذا البیع لان مبنی الکفالة علی التوسع فیتحمل فیها الجهالة وعلی الکفالة بدرک اجماع۔ (جلد ۳ ص ۱۱۶) وکما فی العنایة: تکفلت عنه بمالك

علیہ او بما یدرکک فی ھذا البیع یعنی من الضمان بعد ان کان دینًا صحیحًا لان مبنی الکفالۃ علی التوسع فانہا تبرع ۔۔۔ وبعد اسطر : وعلی الکفالۃ بدرکک بفتح الراء وسکونہا وھو التبعۃ دلیل علی جوازھا بالمجہول لا یصح۔ وفیہ اشارۃ الی نفی قول من یقول ان الضمان بالمجہول لا یصح لانہ التزام مال فلا یصح مجہولًا کالثمن فی البیع وقلنا الضمان بدرکک صحیح بالاجماع وھو ضمان بالمجہول۔ الخ (العنایۃ علی ھامش فتح القدیر ج ۶ ص ۲۹۸، ۲۹۹) ۔۔۔ وکما فی فتاوی قاضیخان: رجل باع دارًا وکفل رجل المشتری بما ادرکہ فیہا من درک فاخذ المشتری بذلک عنہ رھنًا ذکر فی الاصل انّ الرھن باطل ولا ضمان علی المرتھن والکفالۃ جائزۃ ۔ (فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج ۳ ص ۶۴)

وکیل کا منصب وکالت کے خلاف کرنے کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ہم نے ایک آدمی کو اپنی طرف سے گاڑی خریدنے کا وکیل بنایا تھا کہ ہمارے لیے گاڑی خرید لو، اس نے کسی اور سے ہمارے لیے گاڑی خریدنے کی بجائے اپنی ہی گاڑی ہم پر بیچ دی ۔ تو کیا یہ وکیل اپنی چیز ہمارے اوپر فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ ہمارے علم میں بھی نہ ہو اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنی گاڑی آپ کو دی ہے اور ہم اس سے انکاری ہیں؟

الجواب :۔ وکالت ایک ایسا معاملہ ہے جس میں مؤکل اپنے وکیل پر اعتماد کر کے اپنی ذمہ داری اس کو سونپتا ہے، اس لیے وکیل کا اس معاملہ میں ایسا قدم اٹھانا جو منصب وکالت کے خلاف ہو اور اس میں دھوکہ دہی کا شبہ ہو جائز نہیں، لہٰذا اس میں جو معاملہ سامنے آجائے وہ منعقد نہیں ہوگا۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی دھوکہ دہی اور غرر کا عنصر موجود ہے اس لیے یہ معاملہ کالعدم ہے۔

لما فی الدر المختار : حیث لم یکن مخالفًا دفعًا للغرر۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ دفعًا للغرر ۔۔۔۔ وفیہ الوکیل بالبیع لا یملک شراءہ لنفسہ لان الواحد لا یکون مشتریًا وبائعًا فیبیعہ من غیرہ ثم اشتریہ منہ ۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۵ کتاب الوکالۃ)

تاہم اگر مؤکل کی طرف سے کُلی اجازت ہو تو پھر ایسا کرنا جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : وان امرالمؤکل انہٗ یبیعہ من نفسہ او اولادہ الصغار او ممن لا تقبل شہادتہ فباع منہ جاز۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۵ کتاب الوکالۃ)

كتاب الحوالة

(حوالہ کے مسائل واحکام)

محیل کو قرض کی ادائیگی کے لیے دی ہوئی مہلت کا محتال علیہ میں اعتبار

سوال:۔ ایک شخص پر قرض کی ادائیگی کے لیے قرض دہندہ کی طرف سے ایک سال کی مہلت دی گئی تھی، قرض خواہ نے وہ رقم ایک دوسرے شخص کے حوالہ کی، لیکن اب دائن محتال علیہ (دوسرے شخص) سے فوری ادائیگی کا مطالبہ مطالبہ کرتا ہے، کیا اس کو یہ اختیار حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو مہلت اور وقت مدیون (قرض خواہ) کو قرض کی ادائیگی کے لیے دی گئی تھی اُسی مہلت کا اعتبار ہوگا لہٰذا دائن (قرض دہندہ) کا قبل از وقت قرض کی ادائیگی کا محتال علیہ سے مطالبہ کرنا بلا جواز اور بے جا ہے۔

لما قال العلامة كمال الدين محمد بن عبد الواحدؒ: والمطلقة المؤجلة له على رجلٍ الف الى سنةٍ فأحال الطالب عليه الى سنةٍ كانت عليه الى سنةٍ ولو حصلت الحوالة مبهمة لم يذكره محمد رحمه الله وقالوا ينبغي ان تثبت مؤجلة كما في الكفالة لانه تحمل ما على الاصيل باى صفة كان۔ (فتح القدير ج ۶ ص ۳۵۵ كتاب الحوالة) [۱]

حوالہ میں دائن کی رضامندی ضروری ہے

سوال:۔ کیا کسی دوسرے شخص کو قرض کی ادائیگی کے لیے حوالہ کرنے

---

[۱] وقال العلامة ابن عابدينؒ: قال في الفتح تنقسم الحوالة المطلقة الى حالة ومؤجلة فالحالة ان يحيل الطالب بالف هى على المحيل حالة فتكون على المحتال عليه حالة لان الحوالة تحويل الدَّين فيتحول بصفة التى على الاصيل والمؤجلة ان تكون الف الى سنة ولو ابهمها ما يذكر محمد وقالوا ينبغى ان تثبت مؤجلة كما فى الكفالة۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۴۹ كتاب الحوالة)

وَمِثْلُهٗ فى منحة الخالق على هامش البحر الرائق ج ۶ ص ۲۴۸ كتاب الحوالة۔

میں دائن کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قرض کی وصولی میں تمام لوگ یکساں نہیں ہوتے اس لیے مدیون کا دائن کو کسی دوسرے آدمی کے حوالہ کرنے میں یہ ضروری ہے کہ اس کی رائے شامل ہو ایسا نہ ہو کہ کسی ایسے آدمی کو حوالہ کرے جس سے وصولی پر دائن قدرت نہیں رکھتا ہو جو اس کی رقم ضائع ہونے کے مترادف ہے ۔

لما قال العلامة المرغینانی رحؒ : وتصح الحوالة برضاء المحیل والمحتال والمحتال علیہ ۔ (الهداية ج۳ ص۱۲۹ کتاب الحوالة) لہ

حوالہ کرنے کے بعد مدیون سے قرض کے مطالبہ کا حکم

سوال :- اگر ایک شخص اپنے قرض کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص پر ڈال دے، کچھ مدت تک تو وہ دائن کے مطالبہ سے بے فکر رہا لیکن جب اس کو احساس ہوا کہ متعلقہ شخص بھی ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو کیا دائن مدیون سے اپنے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب دین کی ادائیگی کی ذمہ داری دائن کی رضامندی سے کسی دوسرے شخص پر ڈال دی جائے اور اس شخص نے یہ ذمہ داری قبول بھی کر لی ہو تو اب دائن مدیون سے قرض کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا بلکہ محتال علیہ سے (جس نے ذمہ داری قبول کر لی ہے) قرض کا مطالبہ کرے گا اور مدیون بری الذمہ متصور ہوگا ۔

لما قال العلامة المرغینانی رحؒ : واذا تمت الحوالة بری المحیل من الدّین بالقبول وقال زفرؒ لا یبرء اعتبارًا بالکفالة اذ کل واحد منهما عقد توثق وقال ولا یرجع المحتال علی المحیل الا ان یتوی حقه ۔ (الهداية ج۳ ص۱۲۹ کتاب الحوالة) ۲ہ

لہ وقال العلامة التمرتاشی رحؒ : وشرط لصحتها رضاء الکل بلا خلاف الا فی الاوّل ۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۵ ص۳۴۱ کتاب الحوالة) ــــ ومِثلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۴ ص۱۷۱ کتاب الحوالة ۔

۲ہ قال العلامة الزیلعی رحؒ : وبرئ المحیل بالقبول من الدّین وقال زفرؒ لا یبرء لان المقصود بها التوثیق وقال ثم اختلفوا فی البراءة فقال ابو یوسفؒ یبرء عن المطالبة والدّین وقال محمدؒ یبرء عن المطالبة لا عن الدّین ۔ (تبیین الحقائق ج۴ ص۱۷۱ کتاب الحوالة)

وَمِثلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۶ ص۱۷ کتاب الحوالة ۔

مجہول چیز کی ذمہ داری لینا

سوال :- ایک شخص کسی دوکاندار سے قرض پر سودا خریدتا ہے لیکن دوکاندار کو اس پر اعتماد نہیں ہے ایک دوسرا شخص دوکاندار کو اعتماد دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ اس شخص کو قرض پر سودا دیدیا کرو، اس کی جتنی رقم ہوگی اُس کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں گا، تو کیا ایک مجہول چیز کی ذمہ داری اٹھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- کسی شخص کی طرف سے مال کی ذمہ داری لینا "کفالہ" ہے جس میں بنیادی محرک اور عمل ہمدردی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے ایسے امور میں معمولی جہل قابلِ برداشت ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دوسرے شخص کا پہلے کی ذمہ داری قبول کرنا درست ہے ۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ : اما الکفالة بالمال فجائزة معلوماً کان المکفول بہ مجهولاً اذا کان دَیْناً صحیحاً مثل ان یقول تکفلت عنه بألف او بمالك علیه او بما یدرکك فی هذا البیع لان مبنی الکفالة علی التوسع فیتحمل فیه الجهالة وعلی الکفالة بالدرك اجماعٌ وکفیٰ بہ حُجّةً ۔ (الهدایة ج۳ ص۱۱۲ کتاب الکفالة) لہ

کفیل اور مکفول عنہ کے مابین ثمن میں اختلاف

سوال :- ایک شخص نے اپنے قرض دہندہ کو قرض کی ادائیگی کے لیے جو شخص کفیل مقرر کیا تھا اس کا مالک سے اس بات پر جھگڑا پیدا ہوا کہ مالک اس سے دس ہزار روپے مانگتا ہے جبکہ کفیل پانچ ہزار روپے کی ادائیگی پر مقر ہے، کیا ایسی حالت میں مدیون کے دس ہزار روپے کے اقرار کرنے سے کفیل سے زیادہ رقم لی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- مدیون پر دس ہزار روپے کی رقم اگر شواہد سے ثابت ہو جائے اور کفیل نے تمام تر رقم کی ذمہ داری قبول ہو تو تمام رقم کی ادائیگی کفیل پر لازم ہوگی،

لہ وقال العلامة الکاسانیؒ : وکون المکفول بہ معلوم الذات فی انواع الکفالات ومعلوم القدر فی الدین لیس بشرط حتی لو کفل باحد شیئین غیر عین بان کفل بنفس رجل او بما علیه وهو الف جاز وعلیه احدهما ایهما شاء لان هذہ جهالة مقدور الدفع بالبیان فلا تمنع جواز الکفالة ۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۹ کتاب الکفالة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۶ ص۲۰۶ کتاب الکفالة ۔

اور اگر گواہ نہ ہوں تو کفیل کے قول کو اعتبار دیا جائے گا، تاہم مکفول عنہ کا دعوٰی کفیل پر لازم نہیں بلکہ خود اس سے حسبِ اقرار رقم وصول کی جائے گی۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: فان قال تکفلت بما لك علیه فقامت البینة بالف علیه ضمنه الکفیل لان الثابت بالبینة کالثابت معاینة فیتحقق ما علیه فیصح الضمان به وان لم تقم البینة فالقول قول الکفیل مع یمینه فی مقدار ما یعترف به لانه منکر للزیادة فان اعترف المکفول عنه باکثر من ذلك لم یصدق علی کفیله لانه اقرار علی الغیر ولا ولایة له علیه ویصدق فی حق نفسه لولایته علیها۔

(الهدایة ج ۳ ص۱۱۸ کتاب الکفالة) ؎

محتال علیہ کی رضامندی کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! میرا بھائی کچھ مقروض ہے اور اس نے قرض کی ادائیگی بغیر میری رضامندی کے میرے حوالے کر دی ہے، تو کیا دائن مجھ سے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- حوالہ میں چونکہ محتال علیہ کی رضا ضروری ہے اس لیے بدون رضا اس پر قرض کے لیے رجوع کرنا درست نہیں لہٰذا یہ حوالہ صحیح نہیں اور دائن کا آپ سے قرض کا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: شرط لصحتها رضا الکل بلا خلاف۔ قال ابن عابدینؒ: قوله رضا الکل واما رضا الثالث وهو المحتال علیه فلانها الزام الدین ولا لزوم بلا التزام۔ (رد المحتار ج ۴ ص۳۲۲ کتاب الحوالة)

؎ وقال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: فان کفل بماله علیه فبرهن علی الف لزمه لان الثابت بالبینة کالثابت عیاناً ولا یکون قول الطالب حجة علیه کما لا یکون حجة علی الاصیل لانه مدع۔ ولا صدق الکفیل فیما اقر بحلفه ولا ینفذ قول المطلوب علی الکفیل ای وان لم یبرهن فالقول الکفیل فیما یقر به مع یمینه علی نفی العلم لا علی البینات کما فی الایضاح ولا یکون قول المطلوب حجة علیه لانه اقرار علی الغیر۔ (البحر الرائق ج ۶ ص۲۲۳ کتاب الکفالة)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۶ ص۳۰۳ کتاب الکفالة۔

كتاب
الهبة

تهادوا تحابوا

كِتَابُ الْهِبَة

(ہبہ کے مسائل واحکام)

ہبہ میں عرف کا اعتبار ہے

سوال:۔ عمرو کے تین بیٹے ہیں اور تینوں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور تینوں مختلف شہروں میں ملازمت کے سلسلہ میں رہائش پذیر ہیں اور اپنی تنخواہوں میں سے ہر ماہ ایک مخصوص رقم اپنے والد کے نام بھیجدیتے ہیں اور والد اس رقم کو گھر کے مشترکہ کھاتہ میں خرچ کرتے ہیں، تو بیٹوں کی یہ کمائی باپ (عمرو) کی ملکیت ہے یا کہ اس کے بیٹوں کی ملکیت تصوّر کی جائے گی؟

الجواب:۔ اگر بیٹوں نے اپنی رقومات کے متعلق ہبہ وغیرہ کی تعیین نہ کی ہو تو قواعد کی رُو سے المعروف کالمشروط کے تحت چونکہ عموماً اسی طرح بیٹے والدین کو بطورِ ہبہ رقم دیا کرتے ہیں اس لیے یہ رقم والد کی ملکیت متصوّر ہوگی۔

قال العلامة خیرالدین الرملیؒ: سئل فیما یرسله الشخص الیٰ غیره فی الاعراس ونحوها هل یکون حکمه حکم القرض فیلزم الوفاء به ام لا (اجاب) ان کان العرف قاضیاً بانهم ید فعونه علیٰ وجه البدل یلزم الوفاء به ان مثلیا فبمثله وان قیمیا فبقیمته وان کان العرف بخلاف ذٰلك بان کانو ید فعونه علیٰ وجه الهبة ولا ینظرون فی ذٰلك الیٰ اعطاء البدل فحکمه حکم الهبة فی سائر احکامه فلا رجوع فیه بعد الهلاك والاستهلاك والاصل فیه ان المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً۔ واللّٰہ اعلم (فتاویٰ خیریة علیٰ هامش الفتاویٰ الحامدیة ج۲ ص۱۷۳ مطلب وهب ابنه وابن ابنه محمودًا) ؎

؎ قال العلامة محمد خالد الاتاسیؒ: وفی الفتاویٰ الخیریة ما نصه سئل فیما یرسله الشخص الیٰ غیره فی الاعراس ونحوها هل یکون حکمه حکم القرض فیلزم الوفاء به ام لا اجاب ان کان العرف بانهم یدفعونه علیٰ وجه البدل یلزم الوفاء به ان مثلیا فبمثله ان قیمیا فبقیمته وان کان العرف بخلاف ذٰلك بان کانوا یدفعونه علیٰ وجه الهبة ولا ینظرون فی ذٰلك الیٰ اعطاء البدل فحکمه حکم الهبة فی سائر احکامه فلا رجوع فیه بعد الهلاك والاستهلاك والاصل فیه ان المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً۔ (شرح مجلة الاحکام ج۳ ص۳۰۰ الباب الثالث فی بیان احکام الهبة)

ومِثْلُهٗ فی فتاویٰ کاملیة ص۱۸۱ کتاب الهبة۔

تملیک بھی ہبہ کے مترادف ہے

سوال:- اگر کوئی شخص ہبہ کرتے وقت تملیک کا لفظ استعمال کرے تو کیا اس صورت میں ہبہ اور تملیک الگ الگ ہیں یا دونوں ایک ہیں؟

الجواب:- لغت کے اعتبار سے تملیک عام ہے اور ہبہ خاص ہے لیکن موجودہ عرف میں تملیک اور ہبہ دونوں ایک دوسرے کے مترادف استعمال ہوتے ہیں اسلئے صرف لفظِ تملیک سے بھی ہبہ ہی متصور ہوگا۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ھی تملیک العین مجاناً ای بلا عوض۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار جلد ۵ ص۶۸۷ کتاب الهبة) [1]

ناقابلِ تقسیم اشیاء کے ہبہ کا حکم

جو اشیاء ناقابلِ تقسیم ہوں ان کا ہبہ کرنا کیسا ہے؟ مثلاً ایک شخص نے اپنے جانور کو اس طرح ہبہ کیا کہ ایک حصہ اپنے لیے رکھا، تین حصے بیوی کو ہبہ کیے اور تین حصے بھائی کو ہبہ کیے، کیا اس شخص کا یہ ہبہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- اشیاء کی دو قسمیں ہیں ۱ ناقابلِ تقسیم ۲ قابلِ تقسیم۔ اس لیے جو اشیاء قابلِ تقسیم ہیں ان کا ہبہ کرنا قبل التقسیم صحیح نہیں، البتہ جن اشیاء کی تقسیم ممکن نہ ہو ان کا ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا ہبہ صحیح ہے۔

قال العلامہ خوارزمیؒ: هبة المشاع فیما لا یقسم جائزة یعنی به مالا یحتمل القسمة ای لا یبقی منتفعاً بعد القسمة اصلاً کعبد واحد او دابة واحدة۔

(الکفایة فی ذیل فتح القدیر ج ۷ ص۴۸۸ کتاب الهبة) [2]

---

[1] قال العلامة محمد اتاسیؒ: الهبة تملیک مال لآخر بلا عوض۔
(مجلة الاحکام مادة ۸۳۳ ص۴۶۲ الکتاب السابع فی الهبة)
وَمِثْلُهٗ فی کنز الدقائق ص۳۵۲ کتاب الهبة۔

[2] قال العلامة قاضی خانؒ: وفیما لا یقسم کالعبد والدابة والثوب والحمام یجوز هبة المشاع من الشریک وغیره فی قولهم۔ (الفتاوی قاضیخان علیٰ هامش الهندیة ج۳ ص۲۶۷ کتاب الهبة فصل فی هبة المشاع)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۳ ص۲۸۵ کتاب الهبة۔

قابلِ تقسیم اشیاء میں قبل از تقسیم ہبہ درست نہیں

سوال:۔ زید کے آٹھ بیٹے، تین بیٹیاں اور دو بیویاں ہیں، اس نے اپنی زندگی ہی میں بیویوں اور بیٹیوں کو کچھ دیئے بغیر اپنی کل جائیداد کا ۳/۲ حصہ پانچ بیٹوں کو اور ۳/۱ حصہ باقی لڑکوں کو ہبہ کر دی جو کہ الگ الگ ماؤں کی اولاد ہیں، کیا اس کے ۳/۱ حصہ والے تین بیٹے دوبارہ بطریق شرعی میراث کی تقسیم کا حق رکھتے ہیں؟

الجواب:۔ چونکہ کسی شخص کا اپنی زندگی میں اپنی اولاد پر مال تقسیم کرنا ہبہ ہوتا ہے اور تمام فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ قابلِ تقسیم اشیاء میں قبل از تقسیم ہبہ درست نہیں، پس صورتِ مسئولہ میں اگر زید تے سب بیٹوں کا حصہ جدا کیا ہو اور قبضہ بھی دے دیا ہو تو یہ ہبہ درست اور نافذ ہے ورنہ مشترکہ جائیداد کا ۳/۲ حصہ پانچ بیٹوں کو اور ۳/۱ حصہ تین بیٹوں کو ہبہ کرنا درست نہیں لہٰذا زید کے مرنے کے بعد جملہ جائیداد دوبارہ تمام ورثاء پر تقسیم کی جائے گی جس میں بیٹیاں، بیٹے اور دونوں بیویاں بھی شریک ہوں گی۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: وفي الاصل ومن شرائطها الهبة الافراز حتى لا يجوز هبة المشاع فيما يحتمل القسمة كالبيت والدار والارض ونحوها وان كان لا يحتمل القسمة يجوز كالبئر والحمام والرحى - (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۹۰ كتاب الهبة - الفصل الثالث فيما يكون خطباء وفيما لا يكون) [1]

اجارہ پر دی ہوئی زمین کا ہبہ کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی ایسی زمین بیٹے یا بیٹی کو ہبہ کی جس پر مدتوں سے مزارع (کاشتکار) خیمہ زن ہیں اور کاشتکار سے کیے ہوئے معاہدہ میں بھی ابھی کافی وقت باقی ہے، کیا ایسی صورت میں مَوْهُوب لَهٗ مزارع کو زمین سے بیدخل کر سکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وذكر قبله هبة المشاع فيما يقسم لا تفيد الملك عند ابي حنيفة وفي القهستاني لا تفيد الملك وهو المختار كما في المضمرات - (رد المحتار ج۵ ص۶۹۲ كتاب الهبة)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۶ ص۱۲۳ کتاب الهبة -

الجواب:۔ کسی بالغ یا نابالغ بچے کو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ہبہ کرنا صحیح اور درست ہے اور ہبہ سے ان کی ملکیت میں بھی داخل ہو جائے گی، مگر اجارہ پر دی ہوئی زمین کے ساتھ مزارع (کاشتکار) کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے زمین ناقابل تملیک ہوتی ہے جو کہ ہبہ کی صحت کے لیے بنیادی شرط ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں اس زمین کا ہبہ شرائط کے فقدان کی وجہ سے صحیح نہیں لہٰذا عدم صحت کی بناء پر مَوْہُوْب لَہٗ کاشتکار کو بیدخل نہیں کر سکتا۔

قال العلامة محمد کامل الطرابلسی رحمه الله: سئلت عن رجل وهب لابنه الصغیر دارًا وفیها ساکن بأجر هل تجوز هٰذه الهبة فالجواب انها لا تجوز قال فی الهندیة رجل وهب دارًا لابنه الصغیر وفیها ساکن باجر قال یعنی محمّد لا تجوز۔ (فتاوٰی کاملیة ص۱۸۱ کتاب الهبة)[1]

موہوبہ جائیداد کا سرکاری کاغذات میں انتقال کا حکم

سوال: زید نے اپنی ملکیتی دس کنال زمین بکر کو ہبہ کر دی لیکن سرکاری کاغذات میں ابھی تک انتقال نہیں ہوا ہے، تو کیا بکر کو موہوبہ زمین کا مالک سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ہبہ کی صحت کے لیے تین امور کا ہونا ضروری ہے (۱) ایجاب (۲) قبول (۳) قبض۔ لہٰذا اگر باقاعدہ طور پر ان تین امور کا لحاظ رکھتے ہوئے ہبہ ہو چکا ہو تو بلاشک وشبہ وہ زمین کا مالک ہے، سرکاری کاغذات میں انتقال ہونے یا نہ ہونے سے شرعًا ہبہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قال العلامة خالد الاتاسیؒ: تنعقد الهبة بالایجاب والقبول وتتم بالقبض۔
(مجلة الاحکام مادة ۸۳۷، ص۳۶۲ الفصل الاوّل فی بیان المسائل المتعلقة برکن الهبة وقبضها)[2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی المنتقی عند محمدؒ رجل وهب دارًا لابنه الصغیر وفیها ساکن باجر قال لا یجوز ولو کان بغیر اجر او کان فیها الواهب فالهبة جائزة کذا فی التتارخانیة۔
(منحة الخالق علی البحر الرائق ج ۷ ص۲۸۸ کتاب الهبة)
وَمِثْلُهٗ فی فتاوٰی قاضیخان علٰی هامش الهندیة ج ۶ ص۲۳۸۔

[2] قال الامام قدوریؒ: الهبة تصح بالایجاب والقبول وتتم بالقبض۔ (مختصر القدوری ص۱۴۳ کتاب الهبة)
وَمِثْلُهٗ فی کنز الدقائق ص۳۵۲ کتاب الهبة۔

ہبۂ عمریٰ ناقابلِ رجوع ہے

سوال:۔ تین بھائیوں نے بوقتِ تقسیمِ جائیداد اپنے حصّہ سے اپنی والدہ کو ضروریات پوری کرنے کیلئے دو کنال زمین دی تھی، والدہ نے مذکورہ دو کنال زمین اپنے نواسے خالد کو ہبہ کر دی، اب والدہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے زمینِ مذکورہ خالد سے واپس لینا چاہتے ہیں، تو کیا ان کو ایسا کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ یہ معاملہ ہبۂ عمریٰ کا ہے، معمرلہٗ (والدہ) مذکورہ دو کنال زمین کی خود مختار مالکہ بن گئی ہے لہٰذا نواسے کو اُن کا ہبہ کرنا جائز ہے اور بیٹوں کا رجوع کرنا مردود ہے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: (او عمرتك هٰذا الشئ) لان العمریٰ تملیك للحال فتثبت الهبة ویبطل ما اقتضاه من شرط الرجوع وكذٰلك لوشرط الرجوع صریحًا یبطل شرطه ایضًا۔ (البحرالرائق ج۷ ص۲۸۵ كتاب الهبة) [1]

موت اور عوض کی وجہ سے حقِ رجوع ساقط ہو جاتا ہے

سوال:۔ زید نے بکر کو اپنی زمین عوضاً ہبہ کر دی، بعد میں اس کی وفات ہو گئی، اب تیس سال بعد زید کے ورثاء بکر سے اس زمین کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا ان کو شرعاً رجوع کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عوض لینے یا متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت کی وجہ سے حقِ رجوع ساقط ہو جاتا ہے لہٰذا صورتِ مرقومہ میں زید کے ورثاء کو زمین واپس لینے کا حق نہیں پہنچتا بلکہ زمین بکر کی ملکیت رہے گی۔

قال العلامة ابو البركات النسفی رحمه الله: صح الرجوع فیها ومنع الرجوع دمع خزقه فالدال الزیادة المتصلة كالغرس والبناء والسمن

---

[1] قال العلامة ابو بكر ابن حداد الیمنی رحمه الله: والعمریٰ جائزة للمعمر فی حال حیاته ولورثته من بعد موته ومعناه ان یجعل داره له عمره واذا مات یرد بها علیه فیصح التملیك ویبطل الشرط والهبة لاتبطل بالشروط الفاسدة۔ (الجوهرة النیرة ج۲ ص۱۸ كتاب الهبة)

ومِثْلُهٗ فی الهدایة ج۳ ص۲۸۴ كتاب الهبة۔

والميم موت احد المتعاقدين والعين العوض۔

(كنز الدقائق ص۳۵۴ كتاب الهبة) ؎۱

متعدد آدمیوں کا کسی ایک شخص کو کوئی چیز ہبہ کرنا

سوال:۔ جاوید اور خالد کا ایک مشترکہ گھر ہے، دونوں بخوشی رضا عامر کے نام ہبہ کرنا چاہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مشترکہ جائیداد میں بوجہ اشتراک کسی ایک شریک کا اپنا حصہ بغیر تقسیم کے کسی کو ہبہ کرنا صحیح نہیں لیکن جب شیوع کی یہ صورت درمیان سے نکل جائے تو پھر مشترکہ جائیداد کو اتفاق رائے سے ہبہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ہبہ کرنا درست اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (وهب اثنان دارا لواحد صح) لعدم الشيوع۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۵ ص۶۹۷ كتاب الهبة) ؎۲

ہبہ کے لیے ایجاب وقبول پر تلفظ ضروری نہیں بلکہ قرائن ہی کافی ہے

سوال:۔ زید کے پانچ بیٹے ہیں جن میں سے تین بیٹوں عمر، بکر اور خالد کو حینِ حیات میں شادیاں کرا کے ہر ایک کو رہائش کے لیے الگ الگ گھر دے دیئے، زید کی عادت ہے کہ جو کچھ وہ کسی کو دے دیتا ہے تو واپس نہیں لیتا ہے، زید کے مذکورہ تینوں بیٹوں کے پاس اُس کے کچھ زیورات بھی ہیں، جب عمر نے اپنے والد (زید) کو وہ زیور واپس کرنا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر زیور عمر کو واپس کر دیا کہ یہ

؎۱ قال الامام القدوري رحمه الله: او اذا وهب لاجنبي هبة فله الرجوع فيها الا ان يعوضه عنها او يزيد زيادة متصلة او يموت احد المتعاقدين۔

(مختصر القدوري ص۱۴۴ كتاب الهبة)

وَمِثْلُهٗ في ردّ المحتار ج۵ ص۶۹۹ كتاب الهبة۔

؎۲ قال العلامة المرغيناني: واذا وهب اثنان من واحد دارًا جاز لانهما سلّماها جملة وهو قد قبضها جملة فلا شيوع وان وهبها واحد من اثنين لا يجوز عند ابي حنيفة۔ (الهداية ج۳ ص۲۸۸ كتاب الهبة)

وَمِثْلُهٗ في كنز الدقائق ص۳۵۴ كتاب الهبة۔

زیور آپ کا ہی ہے اور جو زیور دوسرے بھائیوں کے پاس ہے وہ اُن کا ہے۔ اندریں صورت شرعی نقطہ نگاہ سے مذکورہ مکانات اور زیور وغیرہ پانچوں بھائیوں کے مشترکہ متصور ہوں گے یا صرف عمرو، بکر اور خالد کی ملکیت ہوگی؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں جبکہ زید نے اپنے تین بیٹوں (عمر، بکر اور خالد) کو علیحدہ علیحدہ مکانات دیدیئے ہیں تو اگرچہ زید نے صراحتاً ہبہ کا لفظ نہیں کہا ہے لیکن ظاہر قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ہبہ ہے اور ہبہ میں تملیک قرینہ کے لیے کافی ہے لہٰذا یہ شرعاً ہبہ ہے اس لیے زید کی وفات کے بعد اس میں بقایا ترکہ کی طرح میراث جاری نہ ہوگی بلکہ یہ ان تینوں بھائیوں کی ملکیت ہوگی اور اپنے والد (زید) کے باقی ترکہ میں پانچوں بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله :۔ قلتُ فقد افاد ان التلفظ بالايجاب والقبول لايشترط بل تكفي القرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئًا وقبضه و لم يتلفظ واحد منهما بشئ ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۶۸۸ کتاب الهبة)[۱]

والدین کا اولاد کے مال کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے

سوال:۔ سلمٰی نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کی تمام زمین اپنے دو بھائیوں کو ہبہ کردی اور اپنی اکلوتی نابالغ لڑکی سکینہ کے لیے کچھ نہیں چھوڑا، اب جبکہ سکینہ بالغ ہوگئی ہے تو وہ اپنے والد کے ترکہ میں سے اپنے حصۂ شرعی کا مطالبہ کرتی ہے، تو کیا سکینہ کا یہ مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی ماں اپنے شوہر کی جملہ زمین ہبہ کرچکی ہے؟

الجواب:۔ ہبہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ موہوبہ چیز واہب کی ذاتی ملکیت ہو اس میں کسی اور کا حصہ نہ ہو، شرعاً کسی دوسرے کا حصہ بغیر اس کی اجازت کے ہبہ کرنے کا کسی کو اختیار

---

[۱] قال العلامة الكاساني رحمه الله :۔ والاذن نوعان صريح ودلالة (الى ان قال) و اما الدلالة فهى ان يقبض الموهوب له العين فى المجلس ولا ينهاه الواجب فيجوز قبضه استحسانًا۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۲۴ کتاب الهبة فصل واما الشرائط فانواع بعضها يرجع الى نفس الركن)

وَمِثْلُهٗ فی مجلة الاحکام، مادہ ۸۴۲ ص ۲۶۴ کتاب الهبة ۔

حاصل نہیں اگرچہ وہ اس کی اولاد ہی کیوں نہ ہو، بنا برایں صورت مسئولہ میں سلمیٰ اپنا حصہ میراث تو بھائیوں کو ہبہ کرسکتی ہے اپنی بیٹی (سکینہ) کا حصہ ہبہ نہیں کرسکتی، اس لیے سکینہ کا مطالبہ جائز اور صحیح ہے۔

قال العلامۃ قاضی خانؒ: ولا یجوز للاب ان یھب شیئًا من مال ولدہ الصغیر بعوض وغیر عوض لانھا تبرع ابتداً۔ (فتاوٰی قاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ ج۳ ص۲۸۰ فصل فی ھبۃ الوالد لولدہ والعصبۃ للصغیر، کتاب الھبۃ) [1]

شروطِ فاسدہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا

سوال:- بہن نے بھائیوں کو اپنی زمین بایں شرط ہبہ کرکے دیدی کہ اس موہوبہ زمین کے عوض بھائی اُسے کچھ زمین دیں گے، کیا یہ ہبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ یہ عوض مجہول القدر ہے اور شرط فاسد ہے لہٰذا ہبہ درست ہے اور بھائیوں پر عوض میں بہن کو کوئی زمین دینا لازم نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: (و) حکمھا انھا لا تبطل بالشروط الفاسدۃ فھبۃ عبد علیٰ ان یعتقہ تصح ویبطل الشرط۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۵ ص۶۸۹ کتاب الھبۃ) [2]

مشروط ہبہ کا حکم

سوال:- زید نے بکر کو اس شرط پر زمین ہبۃً دیدی کہ وہ تاحیات زید کی خدمت کرے گا، لیکن بکر نے کچھ عرصہ کے بعد زید کی خدمت کرنا چھوڑ دی، تو کیا خدمت نہ کرنے کی وجہ سے زید کو موہوبہ زمین کے واپس

---

[1] قال العلامۃ ابن البزازؒ: لا یجوز الھبۃ لابنہ الصغیر ایضًا کما لا یجوز للبائع۔ (البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج۶ ص۲۳۸ کتاب الھبۃ الجنس الثالث فی ھبۃ الصغیر) وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار علی الدر المختار ج۵ ص۶۸۵ کتاب الھبۃ۔)

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: والھبۃ لا تبطل بالشروط الفاسدۃ فدخل فیہ کل عقد لا یبطل بالشروط الفاسدۃ کالنکاح والخلع والصدقۃ والصلح عن دم العمد والعتق فیصح ویبطل الاستثناء۔ (البحر الرائق ج۷ ص۲۹۶ کتاب الھبۃ۔ فصل ومن وھب امۃ الا حملھا)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۶ ص۱۱۷ کتاب الھبۃ۔

لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک اگرچہ ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں لیکن جب ہبہ کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دیا گیا تو عدم شرط کی صورت میں رجوع کرنا بلا کراہت جائز ہے اگرچہ بالفاظ دیگر ہبہ منعقد ہی نہیں ہوتا ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمه الله: والدليل على هذا ما ذكر في كتاب الحج اذا تركت المرأة مهرها على الزوج على ان يحج بها وقبل الزوج ذلك ولم يحج بها كان المهر عليه على حاله والفتوى على هذا القول.

[فتاوى قاضی خان على هامش الهندية ج۳ ص۲۸۲ كتاب الهبة فصل في هبة المرأة مهرها من الزوج۔][1]

ہبہ سے رجوع کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا واہب موہوب لہٗ سے ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟

الجواب:۔ واہب اور موہوب لہٗ کی رضامندی سے یا حاکم واپسی کا حکم کرے اور دوسرے موانع بھی موجود نہ ہوں تو رجوع جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں ورنہ بصورت دیگر رجوع کرنا حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (صح الرجوع فيها بعد القبض) اما قبله فلم تتم الهبة (مع انتفاع مانعه) الآتي (وان كره) الرجوع

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: والهبة لاتصح بدون الرضا وعلى هذا لو قال وهبت مهري منك على ان لا تظلمني وعلى ان يحج بي او على ان يهب لي كذا وان لم يكن هذا شرطاً في الهبة لا يعود المهر۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۹۶ كتاب الهبة۔ في الجنس الثاني)

ومثله في شرح المجلة للعلامة محمد خالد اتاسي ج۳ ص۳۶۸ كتاب الهبة الفصل الاول في بيان المسائل المتعلقة بركن الهبة وقبضها۔

(تحریماً) وقیل تنزیہا نہا ۔ (رد المحتار ج۵ ص۶۹۸ کتاب الہبۃ۔ باب الرجوع فی الہبۃ) لہ

موہوبہ زمین کے فروخت کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا موہوب لہٗ موہوبہ زمین کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر باقاعدہ طور پر شرعی ہبہ ہوچکا ہے تو موہوب لہٗ اس کا خود مختار مالک ہے اور اس میں اس کو ہر قسم کے مالکانہ تصرفات کا حق حاصل ہے۔

قال العلامۃ ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: واما اصل الحکم فھو ثبوت الملک للموہوب لہٗ فی الموہوب من غیر عوض۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۱۲۷ فصل واما حکم الہبۃ فالکلام فیہ فی ثلاث مواضع) ؎٢

رشتہ داروں کو ہبہ کرنے سے حقِ رجوع ساقط ہوجاتا ہے

سوال:۔ والد نے اپنی کل جائیداد اپنے بیٹے کے نام ہبہ کردی ہے، تو کیا اب والد کو شرعاً رجوع کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی رشتہ دار کو اگرچہ ہبہ تملیک بلاعوض ہوچکا ہو تو اس صورت میں بھی رجوع جائز نہیں لہٰذا والد کو اپنی اولاد سے ہبہ واپس لینے کا حق حاصل نہیں۔

لہ قال العلامۃ محمد خالد اتاسیؒ: للواھب ان یرجع عن الہبۃ والھدیۃ بعد القبض برضی الموہوب لہٗ وان لم یرض الموہوب لہ راجع الواھب الحاکم وللحاکم فسخ الہبۃ ان لم یکن ثمۃ مانع من موانع الرجوع ۔ (شرح مجلۃ الاحکام مادۃ ۸۶۴ ص۴۷۵ الباب الثالث فی احکام الہبۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الخانیۃ علی ھامش الہندیۃ ج۳ ص۲۷۵ فصل فی الرجوع فی الہبۃ۔

؎٢ قال العلامہ ابن عابدینؒ رحمہ اللہ: (ھی تملیک العین مجاناً) ای بلاعوض۔ (ردّ المحتار ج۵ ص۶۸۷ کتاب الہبۃ)

وَمِثْلُہٗ فی کنز الدقائق ص۳۵۲ کتاب الہبۃ۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله : وان وهب هبة لذی رحم محرم لم یرجع فیها لقوله علیه السلام اذا کانت الهبة لذی رحم محرم لم یرجع فیها رواه البیهقی

(الهدایة ج ۳ ص۲۸۷ کتاب الهبة ۔ باب مایصلح رجوعه ومالایصلح) [1]

اولاد کے ہبہ میں تفاضل کا حکم

سوال: کسی شخص کا اپنی اولاد کو ہبہ دینے میں کمی بیشی کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں بحالتِ صحت و ہوش وحواس اپنی تمام جائیداد بعض اولاد کو ہبہ کر دی اور بعض کو محروم رکھا اور اس سے دوسروں کا اضرار اور ان کو بلاوجہ محروم کرنا مقصود ہو تو اگرچہ قضاءً یہ ہبہ نافذ رہے گا لیکن دیانتاً گنہگار ہوگا۔ اور اگر کسی شرعی عذر مثلاً ایذا رسانی، ظلم و زیادتی اور نافرمانی کی وجہ سے محروم رکھا تو گنہگار نہ ہوگا بلکہ بقدرِ قوت سے زیادہ نہیں دینا چاہیئے تاکہ اعانت علی المعصیت لازم نہ آئے لیکن قضاءً ہر صورت میں ہبہ نافذ رہے گا، اور اگر کوئی وجہ تفاضل موجود نہ ہو تو مرد و زن کے درمیان تسویہ کرنا افضل ہے۔

قال العلامة ابن البزاز الکندریؒ : الافضل فی هبة الابن والبنت التثلیث کالمیراث وعند الثانی التنصیف وهو المختار ولو وهب جمیع ماله من ابنه جاز وهو آثم نص علیه محمدؒ ولو خص بعض اولاده لزیادة رشده لابأس به وان کانا سواء لایفعله وان اراد ان یصرف ماله الی الخیر وابنه فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکه له لانه اعانة علی المعصیة وکذا لو کان ابنه فاسقاً لایعطیه اکثر من قوته۔ (البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۲۳۷ الجنس الثالث فی هبة الصغیر) [2]

---

[1] قال العلامة ابوالبرکات النسفیؒ : فلو وهب الذی رحم محرم منه لایرجع فیها۔

(کنز الدقائق ص۳۵۵ کتاب الهبة)

وَمِثْلُهٗ فی مجلة الاحکام، مادة ۸۶۶ ص۴۷۶ کتاب الهبة الباب الثالث فی احکام الهبة۔

[2] قال العلامة القاضی خانؒ : وروی المعلیؒ عن ابی یوسفؒ انه لابأس به اذا لم یقصد به الاضرار وان قصد به الاضرار سوی بینهم یعطی للابنة مثل مایعطی للابن۔

(الفتاوی القاضی خان علی هامش الهندیة ج۳ ص۲۷۹ فصل فی هبة الوالد لولده)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۷ ص۲۸۸ کتاب الهبة۔

ہبہ کے لیے واہب کی رضامندی ضروری ہے

سوال :- باپ نے اپنی بیٹی کو ہبہ میں کچھ سامان اور نقدی دیدی، بیٹی نے بقدر ضرورت اس میں سے لیا اور جو باقی بچا وہ باپ کو ہبہ کر دیا، کیا شرعاً یہ ہبہ صحیح ہے؟

الجواب :- اگر یہ ہبہ بلا جبر و اکراہ کے اپنی خوشی اور رضامندی سے ہو تو شرعاً صحیح ہے کیونکہ مہر مسمّٰی معجل بعد القبض عورت کی ملک ہے اور اس میں اس کا تصرف نافذ ہے۔

قال العلامة محمد خالد اتاسی رحمه الله : یلزم فی الهبة رضا الواهب فلا تصح الهبة التی وقعت بالجبر والاکراه۔

(مجلة الاحکام، مادة ۸۶۰ ص۴۷۲ الباب الثانی فی شرائط الهبة) [1]

مرض الموت میں کیا گیا ہبہ درست نہیں

سوال :- ایک شخص نے مرض الموت میں اپنی کل جائیداد اپنی بیٹیوں اور بیوی کو دیئے بغیر اپنے چھ بیٹوں میں تقسیم کر دی جبکہ بیٹوں میں سے ایک بیٹا تقسیم جائیداد کے وقت نابالغ اور غیر موجود تھا، نابالغ لڑکا جو کہ اب بالغ ہو گیا ہے اس تقسیم سے راضی نہیں ہے۔ تو شریعت اس کو اجازت دیتی ہے کہ باقی بھائیوں سے جائیداد کی از سرِ نو تقسیم کرائے؟

الجواب :- یہ تقسیم میراث نہیں ہے بلکہ یہ ہبہ ہے اور مرض الموت میں کیا گیا ہبہ کالعدم ہے، جب تک کہ سب ورثاء اس پر راضی نہ ہوں۔ اور یہاں تو ایک دوسرا مانع بھی موجود ہے کہ ایک لڑکا ان میں سے نابالغ ہے اور نابالغ رضا کا

---

[1] قال العلامة ابن البزاز الکردی رحمه الله : قال لها وهی لا تعلم العربیة قولی وهبت مهری منك فقالت وهبت لا تصح بخلاف الطلاق والعتاق لان الرضا شرط جواز الهبة۔ (البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۲۳۵ نوع فی هبة المهر وغیره)

وَمِثْلُهٗ فی الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج۳ ص۲۸۱ فصل فی هبة المرأة مهرها من الزوج۔

اہل نہیں ہے، اس لیے یہ تقسیم اور ہبہ درست نہیں ہے لہٰذا تمام وارثوں پر نئے سرے کے ازسرِ نو قاعدہ میراث سے تقسیم کیا جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله : وهب فى مرضه ولم يسلم حتى مات بطلت الهبة لانه وان كان وصية حتى اعتبر فيه الثلث فهو هبة حقيقة فيحتاج الى القبض ۔ (ردّ المحتار على الدر المختار ج۵ ص۷۰۷ باب الرجوع فى الهبة) [فروع] لے

پوتے کو زمین ہبہ کرنے کے بعد خود اس پر قابض رہنے کا حکم

سوال:۔ میرے باپ کا میرے دادا کی زندگی میں ہی انتقال ہو گیا تو دادا نے ۱۰ کنال زمین میرے نام کر دی لیکن یہ زمین دادا کی وفات تک اُن کے قبضہ میں ہی رہی، تو کیا اب میں اپنے چچوں سے زمین کا مطالبہ کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ ہبہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ واہب موہوبہ شئے کو موہوب لہٗ کے قبضہ میں دے دے، جب تک ہبہ شدہ چیز پر قبضہ نہ کر لیا جائے اس وقت ہبہ تام نہیں ہوتا، صورتِ مسئولہ میں چونکہ ہبہ تام نہیں ہوا ہے اسلئے دادا کی وفات کے بعد جملہ مال ان کے بیٹوں یعنی آپ کے چچوں کا ہے آپ کو شرعاً رجوع کا حق حاصل نہیں۔

قال العلامة الحصكفى رحمه الله : وان وهب له اجنبى تتم بقبض وليه وهو احد اربعة الاب ثم وصيه ثم الجد ثم وصيه ۔ وقال ايضاً وتتم الهبة بالقبض الكامل فيشترط القبض قبل الموت ۔ (الدر المختار على صدر ردّ المحتار ج۵ ص۶۹۵، ۶۹۶ كتاب الهبة) ؎۲

لے قال العلامة محمد خالد اتاسى رحمه الله : واذا وهب واحد فى مرض موته شيئاً لاحد ورثته وبعد وفاته لم يجز سائر الورثة لا تصح تلك الهبة ۔ (شرح مجلة الاحكام ۔ مادة ۸۷۹ ص۳۸۳ الفصل الثانى فى هبة المريض)

ومثله فى الهداية ج۴ ص۶۵۷ كتاب الوصايا۔

؎۲ قال المفتى عزيز الرحمٰنؒ : اس صورت میں ہبہ صحیح نہیں اور ورثا میں تقسیم ہو گا۔ (عزيز الفتاوىٰ المشتهر بفتاوىٰ دار العلوم ديوبند ج۱ ص۶۷۸ كتاب الهبة)۔

چوری کا ہبہ شدہ مال اصل مالک کو لوٹانا واجب ہے

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کو چوری کا مال ہبہ کیا، کچھ مدت کے بعد اس مال کا اصلی مالک بھی آگیا اور اس نے موہوب لہٗ سے اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر اس نے یہ کہہ کر واپس کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ مال فلاں شخص نے مجھے ہبہ کیا ہے لہٰذا تم اس سے مطالبہ کرو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس شخص (اصلی مالک) کا موہوب لہٗ سے اپنے مال کا مطالبہ کرنا درست ہے اور کیا اس کے ذمے مال واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی نے چوری کا مال اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کو ہبہ کیا ہوا اور بعد میں اس کا اصلی مالک آجائے تو چوری کا موہوبہ مال اس کے اصلی مالک کو واپس کیا جائے گا اور اس کا دونوں سے مطالبہ کرنا درست ہے، البتہ جس کے پاس وہ مال موجود ہے اس پر واپس کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: (سوال) زید نے عمرو کی ایک چیز چرائی اور بکر کو ہبہ کر دی اور بکر نے خالد کو ہبہ کر دی، اب معلوم ہوا کہ زید نے چوری کی تھی، اس حالت میں شئے مسروقہ کا ادا کرنا کس کے ذمے واجب ہوگا؟

(الجواب) جس کے پاس اب ہے اس پر رد واجب ہے اور اگر اس کو خبر نہ ہو تو جس کو خبر ہو اس پر خبر کرنا واجب ہے اور اگر اس صاحب خبر کو ہبہ میں بھی دخل ہے تو اس پر استخلاص اور استرداد میں بھی سعی واجب ہے۔ (امداد الفتاویٰ جلد ۳ ص۴۷۵ کتاب الہبہ)

قرائن بھی تکمیلِ ہبہ کے لیے کافی ہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے بڑے بھائی نے بیٹی کی شادی کے لیے مجھے کچھ رقم دی، میں نے وہ رقم بیٹی کی شادی پر خرچ کر دی، اس بات کو تقریباً بیس سال گذر چکے ہیں اور اس دوران بڑے بھائی نے رقم کی واپسی کا تقاضا نہیں کیا، یہاں یہ یاد رہے کہ جب بڑے بھائی نے مجھے رقم دی تھی تو اس نے قرض یا واپسی کی کوئی تصریح یا وضاحت وغیرہ نہیں کی تھی اور نہ اس کو واپسی کی کوئی امید تھی، اب ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد مجھ سے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ تو کیا شرعاً بھائی کی اولاد کا یہ مطالبہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہبہ کی تکمیل کے لیے ایجاب وقبول یعنی ہبہ کی تصریح ضروری نہیں قرائن بھی تلفظ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ صورتِ مذکورہ کے مطابق بیس سال تک بھائی کا مطالبہ نہ کرنا،

اور رقم دے کر واپسی کی امید نہ رکھنا اور نہ ہی قرض کی تصریح کرنا، یہ سب چیزیں اس بات پر دال ہیں کہ آپ کو بڑے بھائی نے بیٹی کی شادی کے لیے جو رقم دی تھی وہ بطورِ ہبہ تھی، اس لیے اب اس کی اولاد کو رقم کی واپسی کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: قلت فقد افاد ان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالة علی التملیک لکن دفع الی الفقیر شیئًا وقبضه ولم یتلفظ واحد منهما بشیء۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۴ ص۵۰۸ کتاب الهبة)[1]

بیوی کا ہبہ کردہ حقِ مہر میں رجوع کرنا

سوال:۔ ایک عورت نے اپنا حقِ مہر شوہر کو ہبہ کر دیا، چند سال کے بعد کسی گھریلو ناچاکی کی وجہ سے اب وہ عورت شوہر سے حقِ مہر کا مطالبہ کرتی ہے، تو کیا شرعاً اس کا یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زوجین کا رشتہ قرابت داری کا رشتہ ہے، ان میں سے جو بھی دوسرے کو ہبہ کر دے تو بعد میں اس کو رجوع کرنے اختیار نہیں۔ اسی طرح صورتِ مسئولہ میں بھی جب بیوی نے ایک بار اپنا حق مہر شوہر کو ہبہ کر دیا تو اب اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: وکذٰلک ما وهب احد الزوجین للآخر لان المقصود فیها الصلة کما فی القرابة۔ (الهدایه جلد۳ ص۲۷۴ کتاب الهبه)[2]

بچوں کے مال میں تصرّف کرنا

سوال:۔ بعض یورپی ممالک مثلاً برطانیہ میں نابالغ بچوں کے لیے حکومت کی طرف سے کچھ وظیفہ مقرر ہوتا ہے جو صرف بچے کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنے کے لیے ہوتا ہے، اب اگر والدین اُس پر

---

[1] قال العلامة داماد آفندیؒ: قالوا لو وضع ماله فی طریق لیکون ملکاً لرافع جاز فلا یشترط التصریح بالهبة۔ (الدر المنتقی فی شرح الملتقی فی ذیل مجمع الانهر ج۳ ص۴۹۰ کتاب الهبة) وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوٰی ج۳ ص۴۶۶ کتاب الهبة۔

[2] لما فی الهندیة: اذا وهب احد الزوجین لصاحبه لایرجع فی الهبة وان انقطع النکاح بینهما۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۴ ص۳۸۶ کتاب الهبة، فصل رجوع فی الهبة)

قبضہ کر کے اس سے کوئی چیز خرید کر اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کو تحفہ کے طور پر دیدیں تو کیا شرعاً والدین کو یہ حق ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس طرح کریں تو کیا وہ ضامن ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:- جو وظیفہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے حکومت مقرر کرتی ہے وہ صرف بچوں ہی کا حق ہے، اس کو صرف بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم پر خرچ کیا جائے گا، وظیفہ کی یہ رقم والدین کے ہاتھوں میں امانت ہوتی ہے، والدین کے لیے جائز نہیں کہ بلا عذر شرعی اس کو اپنے اوپر خرچ کریں یا اپنے کسی رشتہ دار یا احباب کو تحفہ کے طور پر دیں، اگر وہ اس طرح کریں گے تو ضامن ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یجوز ان یھب شیئاً من مال طفله ولو بعوض۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۴ ص۲۲ کتاب الهبة قبل باب الرجوع فی الهبة) لہ

بے اولاد شخص کا زندگی میں اپنا مال تقسیم کرنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! میں ایک بیمار اور عمر رسیدہ آدمی ہوں، میری کوئی اولاد نہیں صرف بوڑھی بیوی ہے، جبکہ میرے دو بھتیجے ہیں، ایک بڑے بھائی کا بیٹا ہے اور دوسرا چھوٹے بھائی کا بیٹا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہی اپنا سرمایہ ان میں تقسیم کر دوں۔ آپ سے استدعا ہے کہ شریعتِ اسلامی کی روشنی میں اس بارے میں میری راہنمائی کریں؟

الجواب:- اگر آپ اپنا سرمایہ اپنی زندگی میں ہی اپنے ورثاء میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو شرعاً آپ کو اس کا اختیار ہے کہ جتنا جتنا چاہیں ورثاء میں تقسیم کر سکتے ہیں، لیکن اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے کل مال کا ۱/۴ حصہ اپنی بیوی کے نام کر دیں اور باقی مال کے دو برابر حصے کر کے ہر ایک بھتیجے کو ایک ایک حصہ دیدیں، اور اگر اس مال سے اپنے لیے بھی کچھ رکھنا چاہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ دونوں بھتیجوں کا

لہ لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: ماں باپ وغیرہ کو بچے کا مال کسی کو قرض دینا بھی صحیح نہیں بلکہ خود قرض لینا بھی صحیح نہیں۔ (بہشتی زیور ص۳۹۹ بچوں کو دینے کا بیان، کتاب الہبۃ والاجارۃ)

ان کے قبضہ میں دینا ضروری ہے ورنہ ہبہ تام نہ ہوگا۔

لما قال العلامة ابراهيم الحلبیؒ : هي تمليك عين بلا عوض وتصح بايجاب و قبول وتتم بالقبض الكامل فان قبض فی المجلس بلا اذن صح وبعده لا بد من الاذن۔ (ملتقى الابحر علىٰ ھامش مجمع الانھرج ۳ ص ۴۸۹ کتاب الهبة)

صرف انتقال کردینے سے ہبہ تام نہیں ہوتا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے والدصاحب نے سرکاری ملازمت کے دوران کچھ زمین خریدی تھی لیکن بعض قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے انہیں اس زمین کا انتقال اپنے دو بیٹوں کے نام کرانا پڑا مگر آخری دم تک زمین ان کے قبضہ میں نہیں دی، موت تک خود متصرف رہے۔ والدصاحب کی وفات کے بعد اب وہ دونوں بھائی اپنے نام انتقال شدہ زمین کو اپنی موہوبہ زمین سمجھتے ہیں اور دوسرے بہن بھائیوں کو اس میں سے حصہ دینے کو تیار نہیں۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا شرعاً واقعی یہ انتقال شدہ زمین ان کی موہوبہ زمین ہے اور اس میں کسی دوسرے وارث کا کوئی حق نہیں ؟

الجواب:۔ ہبہ میں جس طرح ایجاب وقبول ضروری ہے اسی طرح ہبہ تام ہونے کے لیے موہوبہ چیز پر قابض ہونا بھی لازمی عمل ہے، بغیر قبضہ کے صرف ایجاب وقبول یا کاغذی و قانونی کاروائی سے ہبہ تام نہیں ہوسکتا۔ بعینہ اسی طرح آپ کے والدصاحب نے خریدی ہوئی زمین قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے مصلحتاً اپنے دو بیٹوں کے نام انتقال کرادی اور آخری دم تک ان کے قبضے میں نہیں دی اس لیے ہبہ تام نہیں ہوا، موصوف کی وفات کے بعد سب ورثاء حصہ شرعی کے مطابق برابر کے شریک ہیں، جن دو بھائیوں کے نام صرف زمین کا انتقال ہوچکا ہے وہ دیگر ورثاء (بہن بھائیوں) کو ان کے حق سے محروم کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ : (الجواب) اس صورت میں عمرو نے محفوظیٔ جائیداد کے واسطے ایک حیلہ کیا ہے، پس زید کسی طرح اس جائیداد کا مالک نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ تو استیلاءِ حاکم اس جائیداد پر پایا گیا کہ یوں کہیں کہ حاکم کی طرف سے زید کی ملکیت ہوگی اور نہ قبضہ زید کا اس جائیداد پر مالکانہ

پایا گیا۔ (امداد الفتاویٰ جلد ۳ ص۴۱۴ کتاب الدعویٰ) [1]

صرف منافع کے حصول کیلئے دی ہوئی چیز کا ہبہ تام نہیں ہوتا

سوال:۔ زید کے باپ نے ایک ٹیکسی موٹر کار خرید کر اس شرط پر زید کے حوالے کی کہ تم اس کے ذریعے مزدوری کر کے اپنے اہل و عیال کے لیے نان و نفقہ پیدا کرو مگر گاڑی میری ہوگی، اس معاہدے پر گواہ بھی موجود ہیں، اب جبکہ زید کے باپ کا انتقال ہوگیا ہے تو وہ گاڑی پر قبضہ کر کے اپنے آپ کو اس کا اصلی مالک قرار دے رہا ہے اور دوسرے ورثاء کو حصہ دینے سے انکاری ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیان مذکورہ بالا کے مطابق کیا واقعی زید اس گاڑی کا واحد مالک ہے یا دوسرے ورثاء کا بھی اس میں حصہ شرعی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بشرط صحتِ سوال زید اس گاڑی کا واحد مالک نہیں، والد کے انتقال کے بعد جملہ ورثاء اس میں برابر کے حصہ دار ہیں، اس لیے کہ والد نے ٹیکسی اس کو صرف منافع حاصل کرنے کے لیے خرید کر دی تھی، رأس المال کو اس کے قبضے میں نہیں دیا تھا کہ جس کی بناء پر زید کو گاڑی کا مالک تصور کیا جا سکے، لہٰذا زید کا والد کے انتقال کے بعد اپنے آپ کو گاڑی کا واحد مالک سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

---

[1] لما قال المفتی عبد الرحیم: (الجواب) والد اگر کسی مصلحت سے اپنے کسی بیٹے کے نام مکان خریدے تو وہ بیٹا محض اس کے نام پر خریدنے کی وجہ سے شرعی طور پر اس مکان کا مالک شمار نہ ہوگا۔
(فتاویٰ رحیمیہ جلد ۹ ص۲۸۶ کتاب الہبۃ)

كتاب الغصب والوديعة والعارية

ليس على المستعير غير المغل ضمان ولا على المستودع غير المغل ضمان

کتاب الغصب

(غصب کے مسائل واحکام)

غاصب کا قبضہ

سوال:- کیا غاصب کا قبضہ از روئے شرع قبضہ سمجھا جائیگا؟
الجواب:- غاصب کے قبضے کا شریعت میں کچھ وزن نہیں اسی طرح جائیداد مغصوبہ میں غاصب کا تصرف کرنا بھی درست نہیں ہے۔ ہاں جب مالِ مغصوبہ کا نام تبدیل ہو جائے یا اس کا اعظم منافع ختم کردیا جائے تو اس وقت وہ غاصب کا مال کہلائے گا جیسے کسی نے گندم چرائی اور اس سے روٹی پکائی، لیکن غاصب کو ضمان ادا کرنا پڑے گا اور ضمان ادا کرنے سے قبل مالِ مغصوبہ سے انتفاع لینا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ:- واذا تغیرت العین بفعل الغاصب حتی زال اسمها واعظم منافعها زال ملك المغصوب منه عنها وملكها الغاصب وضمنها ولا یحل له الانتفاع بها حتی یؤدی بدلها۔

(الهدایة ج ۳ ص۳۷۴ کتاب الغصب۔ فصل فیما یتغیر بفعل الغاصب) [1]

مالک کو اطلاع کیے بغیر اداءِ حق سے برأت کا حکم

سوال:- زید بکر کے ہاں محنت مزدوری کرتا ہے، اس دوران اُس نے بکر کی ایک قیمتی گھڑی چرالی، زید اب اپنے اس فعل پر نادم ہے اور بکر بھی زندہ

---

[1] قال العلامة خالد اتاسی رحمه الله: اذا غیر الغاصب المال المغصوب علی بصورة یتبدل بها اسمه یکون ضامنًا ویبقی المال المغصوب له مثلاً لو کان المال المغصوب حنطة وجعلها الغاصب بالطحن دقیقًا فانه یضمن مثل الحنطة ویکون الدقیق له کما ان من غصب حنطة غیره وزرعها فی ارضه یکون ضامنًا للحنطة والمحصول له۔

(شرح مجلة الاحکام، مادة ۸۹۹ ص۲۹۵ ج۳ الباب الاول فی احکام الغصب)

ومثله فی الهندیة ج ۵ ص۱۲۱ کتاب الغصب، الباب الثانی فی احکام المغصوب اذا تغیر بفعل الغاصب او غیره۔

ہے، لیکن واپس کرنے میں اگر بکر کو پتہ چل گیا تو زید کو خدشہ ہے کہ وہ میری بے عزتی کرے گا، اب زید کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کہ بے عزتی بھی نہ ہو اور آخرت کے مواخذہ سے بچ سکے؟

الجواب:- کسی مسلمان کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا یا اس کو چوری کرنا حرام اور ناجائز ہے اور اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے، اس لیے زید کو ہر حال میں گھڑی واپس کردینی چاہیئے اور اگر ظاہراً واپس کرنے میں بے عزتی کا خطرہ ہو تو کسی خفیہ تدبیر سے پہنچا دی جائے، مالک کو اطلاع دینا ضروری نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله :- (قوله ویبرأ برد‌ھا) ای ردّ العین المغصوبة الی المغصوب منه۔ (رد المحتار ج۶ ص۱۸۲ کتاب الغصب، مطلب فی ردّ المغصوب… الخ) ؎۱

بلا اذن دوسروں کے جانور ذبح کرنے کا حکم

سوال:- اگر بوقت ضرورت کسی دوسرے شخص کے جانور کو بغیر اس کی اجازت کے ذبح کر لیا جائے اور بعد میں قیمت طے کر کے دے دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا شرعاً ناجائز اور غصب ہے، مالک کو اختیار ہے کہ وہ زندہ جانور کی قیمت لے اور مذبوح جانور ذابح کے حوالہ کرے یا مذبوح جانور کو لے کر ذبح کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو کمی آئی ہے وہ غاصب سے پوری کرے۔ البتہ اگر اذنِ عرفی موجود ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قال فی العمادیة فی فصل ۳۲ ومن ذبح شاۃ غیرہ فمالکها بالخیار ان شاء ضمنه قیمتها وسلمها الیه وان شاء اخذها وغرمها النقصان۔

(تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۷۵ کتاب الغصب) ؎۲

؎۱ قال العلامة قاضیخانؒ: غصب دراهم انسان من کیسه ثم ردّها فی کیسه وهو لا یعلم یبرأ۔ (فتاوی خانیه علی هامش الهندیة ج۶ ص۱۷۹ جنس آخر فی المتفرقات) — ومثله فی مجلة الاحکام لرستم بازؒ، المادة ۸۹۲ ص۴۹۲۔

؎۲ قال العلامة قاضیخانؒ: رجل ذبح شاۃ انسان ظلماً فصاحبها بالخیار ان شاء ترك المذبوح علیه وضمنه قیمتها وان شاء اخذ المذبوح وضمنه النقصان۔ (فتاوی خانیة علی هامش الهندیة ج۳ ص۲۴۵ کتاب الغصب) ومثله فی الهدایة ج۴ ص۳۷۸ کتاب الغصب۔

مغصوبہ زمین کی واپسی کے بعد حاصل کردہ منافع کا حکم

سوال:۔ زید نے بکر کی زمین غصب کرلی اور اس سے دس سال تک پیداوار حاصل کرتا رہا جس کا ایک مخصوص حصہ مساجد اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا رہا اور کچھ حصہ پیداوار کا اپنے استعمال میں لاتا رہا، کافی کوشش کے بعد بکر نے اپنی غصب کی ہوئی اپنی زمین زید سے واپس لے لی، تو کیا بکر زید سے رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً کسی کا مال غصب کرنا اور اس سے انتفاع حاصل کرنا حرام ہے، زمانۂ غصب میں جو کچھ بھی مغصوبہ سے حاصل ہوا ہو وہ مغصوب عنہ کا حق ہے۔ بنابریں بکر اپنی مغصوبہ زمین کی جملہ پیداوار کا مطالبہ کرسکتا ہے، اسی طرح مغصوبہ زمین کی بازیابی کے بعد مساجد اور دیگر رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کی ہوئی رقم کی واپسی کا بھی مطالبہ کرسکتا ہے مگر علاقے کے عرف کے مطابق غاصب کو اجرِ مزارعت دینا لازم ہوگا۔

وفی الهندية: وسئل شيخ الاسلام عطاء بن حمزة عمن زرع ارض انسان ببذر نفسه بغير اذن صاحب الارض هل لصاحب الارض ان يطالبه بحصة الارض قال نعم ان جرى العرف فی تلك القرية انهم يزرعون الارض بثلث الخارج او ربعه او نصفه او بشیء مقدر شائع يجب ذلك القدر الذی جرى به العرف۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص۱۴۴ الباب العاشر فی زراعة الارض المغصوبة) لـه

لـه قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: فالحاصل ان من زرع ارض غيره بلا اذنه ولو علی وجه الغصب فان كانت الارض ملكاً واعدها ربها للزراعة اعتبر العرف فی الحصة ان كان ثمة عرف والا فان اعدها للايجار فالخارج كله للزارع وعليه اجر مثلها لربها والا فان انتقصت فعليه النقصان والا فلا شیء عليه۔

(تنقيح الحامدية ج ۲ ص۱۷۲ كتاب الغصب)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوى الكاملية ص۲۰۹ كتاب الغصب۔

بغیر اجازت کے کسی کی زمین سے مٹی لانا

سوال :- زید کی مملوکہ زمین میں ایک ٹیلہ ہے لوگ اس سے مٹی لے آتے ہیں، زید کسی کو منع بھی نہیں کرتا، تو کیا زید کی اجازت کے بغیر اُس ٹیلے سے مٹی لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اصول یہ ہے کہ کسی کی مملوکہ زمین سے مٹی وغیرہ لانا بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں، لیکن اجازت کے لیے صراحتاً کہنا ضروری نہیں قرینہ اجازت بھی کافی ہے۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ زید اپنی زمین سے مٹی لینے سے کسی کو منع نہیں کرتا تو یہ اجازت پر دال ہے، اس لیے اُس سے اجازت لیے بغیر بھی مٹی لائی جا سکتی ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ: ولا سقی ارضه وشجره وزرعه ونصب دولاب ونحوها من نهر غیره وقناته وبئره الا باذنه لان الحق له فیتوقف علی اذنه۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص۴۳۹ فصل الشرب) [۱]

بلا کرایہ سفر کرنے پر ذمہ سے فارغ ہونے کا طریقہ

سوال :- میں دو تین بار کراچی سے پشاور تک ریل میں بغیر ٹکٹ کے آیا ہوں، اُس وقت مجھے کوئی خیال نہیں تھا کہ میں یہ کام ناجائز کر رہا ہوں، اب میں چاہتا ہوں کہ اس حقِ غیر سے کسی طرح اپنا ذمہ فارغ کر سکوں، مہربانی فرما کر اس سلسلہ میں میری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب :- بس یا ریل میں بغیر کرایہ ادا کیے سفر کرنا جائز نہیں، کرایہ کے پیسے ادا کرنا واجب ہے اور اگر کبھی بغیر کرایہ کے سفر کیا گیا تو اس کی ادائیگی اور ذمہ سے فارغ ہونے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس ادارے سے اتنی مسافت کا ٹکٹ خرید کر استعمال میں لائے بغیر اُسے ضائع کر دیا جائے تو اس سے حق ادا ہو جائے گا۔ جہاں تک آپ کے مسئلہ کا تعلق ہے تو آپ اس طرح کریں کہ جتنی بار آپ کراچی سے پشاور بغیر کرایہ ادا کیے آئے ہیں اتنی دفعہ کرایہ کا حساب کر کے اتنی مالیت کی ٹکٹ خرید کر اُسے ضائع کر دیں، اس طرح آپ کا ذمہ فارغ ہو

---

[۱] لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: اس سے معلوم ہوا کہ بغیر اجازتِ مالک کے اپنے کھیت کو پانی دینا یا مٹی لانا جائز نہیں ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۳ ص۴۵۲ کتاب الغصب)

جائے گا۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: (الجواب) زید کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ میرے ذمہ کتنا کرایہ واجب ہے، اسی قدر داموں کا ایک ٹکٹ اسی ریلوے کا خرید کر اس ٹکٹ کو ضائع کرے اس سے کام تو لے، حق واجب کمپنی کا ادا ہو جاوے گا۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۴۶ کتاب الغصب)

پرنالہ بند کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ ایک صاحب کے مکان کے عقب (پچھواڑے) میں میری مملوکہ زمین ہے اب میں اس پر مکان بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کے مکان کا پرنالہ میری زمین کی طرف ہے میں نے اس کو پرنالہ بند کرنے کا کہا تو اس نے انکار کر دیا اور اصلاحی جرگہ میں میرے خلاف شکایت کر دی۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا مجھے شرعاً اُس کا پرنالہ بند کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ جگہ واقعی آپ کی ملکیت ہے اور پرنالے کا پانی آپ ہی کی مملوکہ زمین پر گرتا ہو تو آپ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ آپ اس پرنالہ کو بند کر دیں، اور اگر پرنالہ کا پانی گرنے کی جگہ صاحبِ مکان کی ملکیت ہو تو پھر آپ کو پرنالہ بند کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: ومن اشتریٰ بیتاً فی دارٍ ومنزلاً اومسکناً لم یکن لهٗ طریق الا ان یشتریه بکل حق هو له المرافقه او بکل قلیل وکثیر وکذا الشرب والمسیل۔ (الهدایه جلد ۳ ص ۸۸ کتاب البیوع باب الحقوق) ؎

❄

ؔ لما قال الشیخ مولانا اشرف علی التھانویؒ: مسیل یعنی پرنالہ وبدرو وغیرہ نکالنا حقوق ملک سے ہے جو شخص اس جگہ کا مالک ہے اس کو ہر طرح تصرف کا حق پہنچتا ہے، پس یہ شخص جو حق پرنالہ ہمسایہ کو زائل کرنا چاہتا ہے، اگر وہ پرنالہ گرنے کی جگہ اس شخص کی مملوک ہے اور اب تک بطور تبرع واحسان ورعایت ہمسایہ کو پانی ڈالنے کی اجازت دے رکھی تھی اور اب زائل کرنا چاہتا ہے اور پرنالہ بند کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے، اپنی ملک کا اختیار ہے اور اگر یہ جگہ ہمسایہ کی مملوک ہے تو اس شخص کو اس کا پرنالہ بند کرنا جائز نہیں کہ یہ غصب ہے۔

(امداد الفتاویٰ جلد ۳ ص ۴۴۵ کتاب الغصب)

کتاب الودیعۃ والعاریۃ

(امانت اور عاریت کے مسائل واحکام)

امین کو امانت میں تصرف کا حق ہے

سوال:۔ کسی امین کو امانت میں تصرفات کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے؟

الجواب:۔ امین پر امانت کی حفاظت لازمی ہے اس کی حفاظت کے لیے جو بھی تدبیر اختیار کرنا پڑے کر سکتا ہے مگر حفاظتی تدابیر کے علاوہ دیگر تصرفات کرنا جائز ہے بصورت ہلاکت ضامن ہوگا۔

وفی الھندیۃ: والودیعۃ لا تودع ولا تعار ولا توجر ولا ترھن وان فعل شیئاً منھا ضمن کذا فی البحر الرائق۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۴ ص۳۳۸ کتاب الودیعۃ)[1]

امانت ضائع ہو جانے پر ضمان کا حکم

سوال:۔ زید نے عمرو کو کچھ رقم کاروبار کے لیے دیدی، عمرو کاروبار کے سلسلے میں سفر پر چلا گیا، سفر کے دوران اُس نے رقم اپنے رفیق سفر کو دے دی جس سے کسی نے وہ رقم چوری کرلی، تو کیا زید اب عمرو سے ضمان کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ محمود سے یہ رقم برفاقت عمرو ضائع ہوگئی ہے لہٰذا ان دونوں میں سے کسی پر ضمان نہیں ہے، تاہم اگر عمرو محمود سے جُدا ہوچکا تھا تو ہلاکت کی صورت میں عمرو زید کا ضامن ہوگا۔

قال العلامۃ سلیم رستم بازؒ: ثم اعلم ان المستودع الاول انما یضمن اذا اودع الودیعۃ وھلکت بعد ان فارقھا واما قبلہ فلاضمان علی احد لان الثانی قبض المال من ید امین کما مر والاول لا یکون بالدفع ضمیناً مالم یفارق بحضور

---

[1] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: والودیعۃ لا تودع ولا تعار ولا تو جر ولا ترھن وان فعل شیئاً منھا ضمن۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۲۹۱ کتاب العاریۃ) ـــــ ومثلہٗ فی شرح مجلۃ الاحکام، مادہ ۷۹۰ ص۴۲۷ الباب الاول فی عمومیۃ الامانات۔

رایۃ فاذا فارق فقد ترک الحفظ اللازم بالتزامہ فیضمن بترکہ .(مجمع الانہر)

(شرح مجلۃ الاحکام ،مادۃ ۷۹۰ ص۴۳۸) ۱ـہ

امانت پر اُجرت لینے کا حکم

سوال :- امانت کی حفاظت کرنے پر اُجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر حفظِ ودیعت کو مودع پر شرط کرکے اجرت مقرر کر دی جائے تو جائز ہے اور اس صورت میں اگر مودع سے شئے امانت کسی ایسے عمل سے ضائع ہو جائے جس سے بچنا ممکن تھا تو مودع ضامن ہے ورنہ ضامن نہیں ۔

وفی مجلۃ الاحکام : الودیعۃ امانۃ فی ید الودیع فاذا ھلکت بلا تعدٍ منہ وبدون صنعہ وتقصیرہ فی الحفظ لا یضمن ولکن اذا کان الایداع باُجرۃ فھلکت اوضاعت بسبب یمکن التحرز عنہ لزم المستودع ضمانھا ۔

(شرح مجلۃ الاحکام ـ مادۃ ۷۷۷ ص۴۳۱ فی احکام الودیعۃ وضمانھا) ۲ـہ

مودع کی وفات پر ورثاء کو مطالبہ کا حق ہے

سوال :- زید کی امانت بکر کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ اچانک زید کی وفات ہوگئی، اس کے پسماندگان میں بیوی بچے ہیں لیکن نا قابلِ اعتماد ہیں ، تو بکر یہ امانت کس کے حوالے کرے ؟

الجواب : صورتِ مسئولہ میں زید کے ورثاء کے مطالبے پر امانت کی واپسی ضروری ہے

۱ـہ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : فافاد ان المودع لا یودع فان اودع فھلکت عند الثانی ان لم یفارق الاول لا ضمان علیٰ واحدٍ منھما وان فارقہ ضمن الاول عند ابی حنیفۃ ولا یضمن الثانی ۔ (البحر الرائق ج ۷ ص۲۷۴ کتاب الودیعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج۶ ص۲۰۳ کتاب الودیعۃ ـ الثانی فیما یکون اضاعۃ ـ الخ

۲ـہ قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ : وفی آخر کتاب الغصب من شرح الطحاوی المودع اذا شرط الاجر للمودع علیٰ حفظ الودیعۃ صح ـ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۴ ص۲۸۹ الفصل السادس فی المتفرقات)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۴ ص۳۷۳ الباب التاسع فی المتفرقات ـ

لیکن اگر یہ یقین یا غالب ظن ہو کہ ورثاء اس مال کو ضائع کر دیں گے تو پچیس سال کی عمر تک نہ دیا جائے۔

وفی الھندیة: واذا مات رب الودیعة فالوارث خصم فی طلب الودیعة کذا فی المبسوط۔ (الفتاوی الھندیة ج۴ ص۳۵۴ الباب السابع فی رد الودیعة) [1]

امانت کے ضائع ہونے کے خدشہ کی صورت میں فروخت کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی امانت کے بارے میں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور مالک تک رسائی بھی مشکل ہو تو ایسی صورت میں امانت کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ کیا اسے فروخت کر کے رقم مالک کو دی جا سکتی ہے؟

الجواب:۔ امانت میں بنیادی طور پر مالک کے حقوق کی رعایت ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ امانت میں خیانت حرام اور ناجائز ہے، امانت مالک کو اصل حالت میں واپس کرنا مودع کی ذمہ داری ہے، لیکن جہاں کہیں امانت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی حالت میں مالک سے رابطہ کرکے اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے مالک سے رابطہ ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں حاکمِ وقت کو اطلاع دے کر تحفظِ امانت کی صورت تلاش کی جائے، اور اگر حاکمِ وقت سے بھی رابطہ کی صورت میسّر نہ ہو تو پھر اہلِ رائے سے مشورہ کرکے امانت کو فروخت کرکے اس کی قیمت مالک کے لیے محفوظ رکھی جائے۔ تاہم ان تمام صورتوں میں مالک سے ہمدردی کا جذبہ محرک رہے گا اور اگر حتی المقدور کوشش کے باوجود امانت ضائع ہوگئی تو محافظ پر کوئی تاوان لازم نہیں۔

قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ:۔ اذا کان صاحب الودیعة غائبًا غیبة منقطعة بحیث لا یعلم موته ولا حیاته یحفظها المستودع الی ان یعلم موت صاحبها اما اذا کانت الودیعة مما یفسد بالمکث یبیعها المستودع باذن الحاکم ویحفظ ثمنها امانة عنده لکن اذا لم

---

[1] قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ، واذا مات المودع تسلم الودیعة لوارثه (مجلة الاحکام مادة ۸۰۲ ص۴۴۶ الفصل الثانی۔ فی احکام الودیعة وضمانها)
وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۵ ص۶۶۶ کتاب الودیعة۔

يبيعها ففسدت بالمكث لايضمن۔ (مجلۃ الاحکام، مادۃ ۷۸۹ ص۴۳۵ الفصل الثانی فی احکام الودیعۃ) [1]

عاریۃً دی ہوئی چیز کے واپس لینے کا حکم

سوال:۔ زید نے عمرو کو اپنی زمین پھلوں کی کاشت کے لیے عاریتاً دیدی اور عمرو نو سال تک اس زمین سے پیداوار حاصل کرتا رہا، لیکن اب زید پیداوار میں حصہ مانگتا ہے اور زمین بھی واپس لینا چاہتا ہے۔ کیا از روئے شریعت زید کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی زمین واپس لے؟ اور کیا زید پیداوار میں حصہ لینے کا حق دار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ زید نے عمرو کو زمین عاریتاً دی ہے اس لیے زید کو اپنی زمین واپس لینے کا حق تو حاصل ہے لیکن اسکی پیداوار میں حصہ لینے کا حقدار نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (ولو اعار ارضاً للبناء والغرس صح) للعلم بالمنفعۃ (وله ان يرجع متى شاء۔ (ردّ المحتار ج۵ ص۶۸۳ کتاب العاریۃ) [2]

معیر یا مستعیر کی موت سے اعارہ فسخ ہوتا ہے

سوال:۔ رشید خان فرید خان کی خدمت کرتا ہے، فرید خان نے خدمت کے عوض میں رشید خان کو دس کنال زمین دیدی، رشید خان زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھاتا رہا، اب جبکہ رشید خان بوڑھا ہو گیا ہے اور خدمت کرنے کے قابل نہیں رہا تو فرید خان نے مذکورہ زمین رشید خان سے لے کر اس کے بیٹے جاوید خان کو دے دی، کچھ وقت گذرنے کے بعد فرید خان کی جائیداد کسی وجہ سے حکومت نے

---

[1] وفی الهندية: اذا كانت الوديعة شيئاً يخاف عليه الفساد وصاحب الوديعة غائب فان رفع الامر الى القاضى حتى يبيعه جاز وهو الاولى وان لم يرفع حتى فسدت لاضمان عليه لانه حفظ الوديعة على ما امر به كذا فى المحيط۔

(الفتاوى الهندية ج۴ ص۳۴۴ الباب الرابع، كتاب الوديعة)

ومثله فى فتاوى سراجية على هامش قاضى خان ج۴ ص۴۳۵ كتاب الوديعة۔

[2] قال العلامة المرغينانیؒ: واذا استعار ارضاً ليبنى فيها او ليغرس جاز وللمعير ان يرجع فيها ويكلفه قلع البناء والغرس۔ (الهداية ج۳ ص۲۸۱ كتاب العارية)

وَمِثْلُهُ فى خلاصة الفتاوى ج۴ ص۲۹۳ كتاب العارية۔

ضبط کر لی لیکن جاوید خان کی دس کنال زمین بدستور اس کے تصرف میں ہے۔ اب جاوید خان کا دوسرا بھائی سلیم خان دعویدار ہے کہ چونکہ یہ زمین ہمارے والد صاحب کی ملکیت ہے اس لیے میں بھی اس زمین میں حقدار ہوں۔ کیا ازروئے شرع سلیم خان کا اس زمین میں کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معاملہ کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرید خان نے رشید خان کو جو زمین دی تھی وہ عاریتاً دی تھی نہ کہ بطورِ ملکیت، اس لیے کہ جب رشید خان بوڑھا ہو گیا تو زمین واپس لے کر اس کے لڑکے جاوید خان کو دے دی، لہٰذا معلوم ہو گیا کہ یہ دینا عاریتاً تھا نہ کہ بطور تملیکاً، اس لیے مذکورہ زمین اگر فرید خان زندہ ہو تو اس کی ملکیت ہے نہ کہ رشید خان اور بیٹوں کی، اور اگر فرید خان فوت ہو چکا ہے تو یہ زمین اس کے وارثوں کی ہے اور اعارہ بسبب اس کی وفات کے فسخ ہو چکا ہے۔

قال العلامة خالد اتاسی رحمه الله: تنفسخ الاعارة بموت المعير او المستعير۔

(مجلة الاحكام۔ مادة ۸۰۷ ص۴۴۸ الباب الثالث الفصل الاول) [1]

معیر اور مستعیر کا اجارہ اور عاریت میں اختلاف

سوال: زید نے بکر سے مکان کے لیے لکڑیاں حاصل کیں اور لکڑیاں واپس کرتے وقت بکر نے دعویٰ کیا کہ لکڑیاں اجارہ پر دی گئی تھیں نہ کہ عاریتاً، جبکہ زید کا کہنا ہے کہ لکڑیاں عاریتاً حاصل کی گئی تھیں، اب اس اختلاف کو حل کرنے میں ہماری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب:۔ اگر بکر گواہوں کے ذریعے سے یہ ثابت کر دے کہ زید نے لکڑیاں اجارہ پر حاصل کی تھیں تو زید اجرت دینے کا پابند ہوگا ورنہ عاریتاً پر محمول ہوگا اور کرایہ دینے سے بری ہوگا۔

---

[1] قال العلامة قاضی خان رحمه الله: واذا مات المستعير او المعير تبطل الاعارة كما تبطل الاجارة بموت احد المتعاقدين۔

(فتاوی خانية على هامش الهندية ج۳ ص۳۸۲ فصل فيما يضمن المستعير)

وَمِثْلُهٗ فی سراجية على هامش فتاوی قاضی خان ج۳ ص۸۲ كتاب العارية۔

وفی الهندية : واذا قال اعرتنی دابتك وهلكت وقال المالك غصبتها منی فلاضمان عليه ان لم يكن ركبها فان كان قد ركبها فهو ضامن وان قال اعرتنی وقال المالك اجرتكها وقد ركبها وهلكت من ركوبه فالقول قول الراكب ولاضمان عليه كذا فی المحيط ۔ (الفتاوی الهندية ج۴ ص۳۷۲ كتاب العارية، الباب الثامن فی الاختلاف الواقع فی هذا الباب والشهادة فيه) ^له^

امانت رکھنے والا واپس نہ آئے تو امانت کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص کسی کے پاس کچھ رقم بطورِ امانت رکھے اور وہ امانت لینے کے لیے واپس نہ آئے تو امین اُس رقم کے ساتھ کیا کرے ؟

الجواب :۔ امین کو اگر امانت رکھنے والے کا اتہ پتہ معلوم نہ ہو پھر بھی اسے چاہیئے کہ کسی نہ کسی ذریعے سے امانت پہنچانے کی کوشش کرے ورنہ اسکی موت کی صورت میں اس کے ورثاء کے حوالے کر دے، اور اگر کوشش کے باوجود اس کا یا اس کے ورثاء کا علم نہ ہو سکے تو خود اس مال کو امانت رکھنے والے کی طرف سے صدقہ کر دے یا صدقہ کی نیت کر جائے، البتہ اگر امین فقیر ہو تو خود بھی کھا سکتا ہے، اور اگر صدقہ کرنے کے بعد مال کا مالک واپس آجائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو امین سے اپنے مال کا مطالبہ کرے یا صدقہ رہنے دے ۔

قال العلامة الحصكفی رحمه الله : ينتفع الرافع بها لو فقيرًا والا تصدق بها علیٰ فقير ولو علیٰ اصله وفرعه وعرسه..... فان جاء مالكها بعد التصدق خير بين اجازة فعله ولو بعد هلاكها وله ثوابها او تضمينه ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۴ ص۲۷۹-۲۸۰ كتاب اللقيط)

---

^له^ قال العلامة خير الدين الرملیؒ : وان قال اعرتنی وقال المالك اجرتكها وهلكت من ركوبه فالقول قول الراكب ولاضمان عليه كذا ذكره كثير من علمائنا ۔

(فتاوی خيرية علیٰ هامش تنقيح الحامدية ج۲ ص۱۷۱ كتاب العارية)

وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج۳ ص۳۱۴ كتاب الاجارات ۔

مجبوری کے تحت امانت فروخت کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آج سے دو سال قبل ایک افغان مہاجر نے ہمارے پاس دو بوری گندم امانت رکھی تھی اور خود کہیں چلا گیا، اس کے بعد سے آج تک ہمارا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور نہ ہمیں اس کے گھر بار کا کوئی علم ہے، جبکہ اس کی گندم پڑی پڑی خراب ہو رہی ہے۔ ان حالات میں شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے اس کا کوئی حل بتائیں؟ کیا ہم اس گندم کو فروخت کر کے اس کی قیمت بطورِ امانت محفوظ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ بلاضرورتِ شدیدہ کسی کی امانت میں تصرّف کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا تاہم مجبوری کے تحت بہت سارے محظورات میں بھی گنجائش نکل آتی ہے۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی ضرورتِ شدیدہ ہے اس لیے شرعاً آپ عدالت سے اجازت لیکر اس گندم کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اپنے پاس بطورِ امانت محفوظ رکھیں۔ لیکن اگر عدالت تک رسائی ممکن نہ ہو اور گندم کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو پھر چند مسلمانوں کے سامنے اسے فروخت کر کے رقم محفوظ رکھیں۔

لما فی الهندية: وان كانت الوديعة شيئًا لا يمكن ان يؤاجر فالقاضي يأمره بأن ينفق من ماله يومًا او يومين او ثلاثة رجاء ان يحضر المالك ولا يأمره بالانفاق زيادة على ذلك بل يأمره بالبيع و امساك الثمن۔

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۲۰ كتاب الوديعة) [1]

❋

---

[1] وقال مولانا عبد الكريم: وفي العالمگيرية: وان كانت الوديعة شيئًا لا يمكن ان يؤاجر فالقاضي يأمره بأن ينفق من ماله يومًا او يومين او ثلاثة رجاء ان يحضر المالك ولا يأمره بالانفاق زيادة على ذلك بل يأمره بالبيع و امساك الثمن۔ اهـ

وفي ديارنا لا يمكن الرفع إلى القاضي فجماعة المسلمين قائمة مقامه۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں بکرے کو فروخت کر کے اس کی قیمت امانت میں رکھنی چاہیئے، مگر خود تنہا فروخت نہ کرے بلکہ چند معتبر مسلمانوں کی رائے سے فروخت کرے۔ (امداد الاحکام ج۳ ص۶۱۳ کتاب الودیعۃ)

كتاب
احياء الموات
والمزارعة

من احيأ ارضا
ميتة فهي له

کتاب احیاء الموات

(بنجر زمین کو آباد کرنے کے احکام و مسائل)

ایسی زمین آباد کرنا جس کے مالکان لاپتہ ہوں

سوال:۔ ایک قطعۂ زمین قیام پاکستان سے قبل کا بیکار پڑا ہے، اس کے مالکان اسی وقت سے افغانستان چلے گئے تھے، اس کے بعد سے آج تک اس زمین کے ساتھ اُن کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اب اگر کوئی اس زمین کو آباد کرے تو کیا وہ اس کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر واقعی یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں اور عرصہ دراز سے غیر آباد پڑی ہے اور قریب کے دیہات کے مصالح ومنافع اس سے متعلق نہیں تو حکومت کی اجازت سے جو بھی آباد کرے گا مالک بن جائے گا۔

لما ورد فی الحدیث : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیٰ ارضًا میتۃ فھی لہٗ۔

(سنن ترمذی ج ۱ ص۲۵۶ باب احیاء الموات) لہ

اگر اذنِ امام نہ ہو تو احیاء موات میں ملکیت کے ثبوت کا حکم

سوال:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک احیاء موات میں اذنِ امام شرط ہے، سوال یہ ہے کہ جہاں امام نہ ہو وہاں احیاء موات سے ملکیت کیسے ثابت ہو گی ؟

الجواب:۔ احیاء موات کے لیے امام صاحبؒ کے نزدیک حکومت کی اجازت ضروری ہے لیکن صاحبینؒ کے نزدیک اذنِ امام شرط نہیں، اگرچہ اس مسئلہ میں راجح قول امام صاحبؒ کا ہے لیکن جہاں امام نہ ہو تو صاحبینؒ کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے گا، بہ

لہ اخرجہ الامام ابوداؤدؒ : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیٰ ارضًا میتۃ فھی لہ ولیس لعرق ظالم حق۔ (ابوداؤد ج ۲ ص۸۱ باب احیاء الموات)

وَمثلہٗ فی البحر الرائق ج ۸ ص۲۱ کتاب احیاء الموات۔

معاشرتی حالات کے زیادہ موافق ہوگا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی اذنِ امام شرط نہیں، ظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اخرجہ الامام ترمذیؒ: قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم من احیٰی ارضًا میتۃ فھی لہٗ۔ (سنن ترمذی ج ا ص۲۵۶ باب احیاء الموات) لہ

احیاء موات میں راجح قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے

سوال:۔ ایک بنجر زمین کو چند افراد نے قابلِ کاشت بنایا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ مذکورہ افراد اس زمین کے مالک نہیں بن سکتے کیونکہ انہوں نے حکومت سے باضابطہ اجازت نہیں لی ہے، سوال یہ ہے کہ حکومت کی اجازت کے بغیر احیاء موات سے ملکیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنانے کے لیے بادشاہِ وقت کی اجازت ضروری ہے یا نہیں، اس میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک بادشاہ کی اجازت ضروری ہے صاحبینؒ کے نزدیک ضروری نہیں لیکن امام صاحبؒ کا قول راجح ہے اور متونِ فقہ میں یہی قول مذکور ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وقول الامام ھو المختار ولذا قدمہ فی الخانیۃ والملتقی کعادتھما وبہ اخذ الطحاوی وعلیہ المتون۔

(ردالمحتار ج ۵ ص۲۷۸ کتاب احیاء الموات) ۲ہ

لیکن جہاں کہیں امام نہ ہو تو صاحبینؒ کے مذہب پر فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لہ قال العلامۃ الزیلعی رحمہ اللہ: وقالا یملکہ من احیاہ ولا یشترط فیہ اذن الامام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام من عمر ارضًا لیست لاحد فھو احق بھا۔

(تبیین الحقائق ج ۶ ص۳۵ کتاب احیاء الموات)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۳ ص۳۸۶ کتاب احیاء الموات۔

۲ہ لما فی الھندیۃ: ومن احیاہ باذن الامام ملکہ وھٰذا عند ابی حنیفۃؒ و قالا یملکہ من احیاہ ولا یشترط فیہ اذن الامام .... والملک فی الموات یثبت بالاحیاء باذن الامام عند ابی حنیفۃؒ وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ یثبت بنفس الاحیاء۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۵ ص۳۸۶ کتاب احیاء الموات۔ الباب الاوّل۔

سوال :- آبادی سے دور ایک | **جنگل کو آپس میں تقسیم کرنے سے لوگ اس کے مالک نہیں بن سکتے**

درخت دار جنگل ہے، اگر لوگ اس کو آپس میں تقسیم کرلیں تو کیا وہ اس کے مالک بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- ایسا درخت دار جنگل جو کسی کی ملکیت نہ ہو تمام لوگوں کے لیے مباح ہوتا ہے اس کے ساتھ تمام لوگوں کے منافع متعلق ہوتے ہیں، ہر ایک کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوتا ہے اور اگر کوئی اس کو قابلِ کاشت بنالے تو وہ اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔

لما فی الهندية : وكذا ما كان خارج البلدة من مرافقها محتطباً لاهلها ومرعىً لهم لا يكون مواتاً۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص۳۸۶ كتاب احياء الموات)[۱]

ایسی زمین جس میں جنگل ہو موات میں داخل نہیں۔

سوال :- بعض لوگ کسی غیر آباد | **بنجر زمین پر محض نشانات لگانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی**

زمین کو اپنی ملکیت میں لانے کے لیے اس کے اردگرد پتھروں کی دیوار بنا دیتے ہیں تو کیا ایسی زمین پر صرف نشانات لگانے یا دیوار بنا دینے سے کوئی اس کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- بنجر اور غیر آباد زمین کی ملکیت اس وقت ثابت ہوگی جب اس کو قابلِ کاشت بنا لیا جائے، اس میں کھیتی باڑی کی جائے یا کسی قسم کی تعمیر کی جائے، کسی قسم کے نشانات لگانے یا پتھروں کی دیوار بنا کر حد بندی کرنے سے کوئی اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله : ومن حجر ارضاً اى منع غيره منها بوضع

---

[۱] قال العلامة الحصكفي رحمه الله : ولا يجوز احياء ما قرب من العامر بل يترك لهم مطرحاً لحصائدهم لتعلق حقهم به فلم يكن مواتا وكذا لو كان محتطباً۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص۲۷۸ كتاب احياء الموات)

ومِثلُهٗ فی البدائع الصنائع ج ۶ ص۱۹۴ كتاب الاراضى

علامته من حجر او غيره ثم اهملها ثلث سنين دفعت الى غيره وقبلها هو احق بها وان لم يملكها لانه انما يملكها بالاحياء والتعمير لا بمجرد التحجير۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۸ كتاب احياء الموات) ؎۱

غیر مملوکہ مشترکہ چراگاہ کی زمین آباد کرنے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی

سوال: ایک زمین دو گاؤں والوں کے مابین صدیوں سے مشترکہ چراگاہ کے طور پر چلی آرہی ہے اور یہ غیر آباد زمین کسی کی ملکیت بھی نہیں ہے، اس کا کچھ حصہ بعض لوگوں نے کافی عرصے سے آباد کرکے اُسے قابلِ کاشت بنایا ہوا ہے، اب اس مشترکہ زمین کی کل تقسیم ہو رہی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا آباد شدہ زمین آباد کرنے والوں کی ملکیت ہوگی یا کل تقسیم میں اس کی تقسیم بھی ہوگی؟

الجواب:۔ اگر اس زمین سے دونوں گاؤں کے لوگوں کی ضروریات مثلاً چراگاہ یا محطبہ (جنگل) وغیرہ وابستہ ہوں تو یہ موات کے حکم میں نہیں، اُسے آباد کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور نہ ہی محض آباد کرنے سے کسی کی ملکیت ثابت ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آباد شدہ زمین بھی کل تقسیم میں داخل ہوگی۔

لما فی الهندية: وكذا ما كان خارج البلدة من مرافقها محتطبًا لاهلها ومرعى لهم لا يكون مواتًا حتى لا يملك الامام اقطاعها۔ انتهى

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۸۶ كتاب احياء موات) ؎۲

؎۱ قال العلامة المرغيناني ؒ: لان التحجير ليس باحياء ليملكه به لان الاحياء انما هو العمارة التحجير للاعلام۔ (الهداية ج۴ ص۴۷۹ كتاب احياء موات)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۵ ص۳۸۶ كتاب احياء الموات۔

؎۲ قال العلامة التمرتاشیؒ: ولا يجوز احياء ما قرب من العامر بل يترك مرعى لهم ومطرحًا لحصائدهم لتعلق حقهم به فلم يكن مواتًا وكذا لو كان محتطبًا۔

(تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۸ كتاب احياء الموات)

وَمِثْلُهٗ فی البدائع الصنائع ج۶ ص۱۹۴ كتاب الاراضى۔

بنجر زمین کو آپس میں تقسیم کر کے آباد کرنا

سوال :۔ اگر کسی علاقہ کی زمین بنجر پڑی ہو اور وہاں کے سرکردہ افراد اس کو وہاں کے تمام افراد میں تقسیم کر دیں، اس کے بعد کچھ صاحبِ استطاعت اسے آباد کر لیں اور کچھ لوگ آباد نہ کر سکیں تو کیا آباد کنندگان کے لیے ان زمینوں کے حاصلات جائز ہیں یا نہیں ؟

الجواب :۔ ایسی تقسیم کے بعد جو آدمی بھی اپنے حصہ کی زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا اور اُس کے حاصلات اس کے لیے جائز ہوں گے کیونکہ یہ زمین حقیقت میں غیر آباد ہے صرف برائے نام سب لوگ اس میں شریک ہیں کہ اس علاقہ کی زمین ہے ۔

واخرج الامام ابوداؤدؒ : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیٰ ارضًا میتۃً فھی لہٗ ۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص۸۱ باب احیاء الموات) [1]

احیاء موات کا حق ہر ایک کو حاصل ہے

سوال :۔ موجودہ معاشرہ میں بعض لوگ حجام، لوہار، ترکھان، جولاہا وغیرہ کا پیشہ اختیار کرنے والوں کو گھٹیا تصور کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ کسی غیر آباد زمین کو آباد کر لیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا حق نہیں، کیا ایسا کرنا اور کہنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ احادیث اور کتبِ فقہ میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جو کوئی بھی کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا، کسی بھی فقیہ نے اس مسئلہ میں اس قسم کی تخصیص بیان نہیں کی۔ احیاء موات کے حکم میں تعمیم ہے ۔ من احییٰ ارضاً میتۃً فھی لہٗ ۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص۲۵۶ باب احیاء الموات) اس حدیث میں لفظ مَنْ عام ہے، اس عموم میں بلا دلیل تخصیص کرنا صحیح نہیں ۔ فقہاء کرام نے بھی لفظ مَنْ استعمال کیا ہے : ومن احیاء باذن الامام ملکہ (تبیین الحقائق ج ۶ ص۳۵) بلکہ ذمی غیر مسلم بھی احیاء موات سے مالک بن سکتا ہے جبکہ حجام، جولاہا اور لوہار، ترکھان وغیرہ تو مسلمان ہیں ۔

قال العلامۃ برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ ، ویملکہ الذمی بالاحیاء

---

[1] اخرجہ الامام ترمذی رحمہ اللہ : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیٰ ارضًا میتۃً فھی لہٗ ۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص۲۵۶ باب احیاء الموات)
ومِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۴ ص۴۷۹ کتاب احیاء الموات ۔

لما یملکہ المسلم۔ (الهداية ج ۴ ص ۴۷۹ کتاب احیاء الموات) ؎۱

غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا بلاشرکتِ غیرے اس کا مالک ہوتا ہے

سوال:۔ ہم نے کچھ غیر آباد زمین کو سترہ سال قبل آباد کیا تھا، کیا شرعاً اس میں ہمارے ساتھ کوئی اور شریک ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں تھی اور نہ اہلِ قریہ کے منافع اس کے ساتھ وابستہ تھے تو آپ بلاشرکتِ غیرے اس زمین کے مالک ہیں بشرطیکہ حکومت کی اجازت سے آباد کی ہو، کیونکہ مردہ زمین کو آباد کرنے والا ہی اس کا مالک ہوتا ہے کسی کا بھی ایسی زمین کے ساتھ حق متعلق نہیں ہوتا۔

لما ورد في الحديث: قال النبي صلى الله عليه وسلم من احياء ارضاً ميتةً فهي له۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۵۶ باب ما ذکر فی احیا ارض الموات) ؎۲

(ترجمہ) "جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا یعنی قابلِ کاشت بنایا وہ زمین اسی کی ہے۔"

مفادِ عامہ سے خارج رقبے کو آباد کرنے والا مالک متصوّر ہوتا ہے

سوال:۔ اگر کسی علاقے میں پہاڑی اور غیر آباد بنجر زمین کو وہاں کے رہنے والے لوگ آباد کر لیں تو کیا وہ آباد کرنے سے اس کے مالک بن جاتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ علاقہ کے بعض با اثر لوگ ان کی ملکیت کے ثابت ہونے کی مخالفت کرتے ہیں؟

الجواب:۔ جو پہاڑ کسی کی ملکیت نہ ہوں اور ان کا تعلق علاقے کے مفادِ عامہ سے بھی نہ ہو تو اس کو باقاعدہ حکومت کی اجازت سے آباد کرنے والا شریعت کی رُو سے

؎۱ لما في الهندية، عند ابي يوسفؒ ومحمدؒ يثبت بنفس الاحياء۔
(الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۳۸۶ کتاب احیاء الموات)
ومِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۰ کتاب احیاء الموات۔

؎۲ قال النبي صلى الله عليه وسلم من احياء ارضاً ميتةً فهي له وليس لعرق ظالم حقٌ۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۸۱ باب احیاء الموات)
ومِثْلُهٗ في فتح الودود حاشية ابي داؤد ج ۲ ص ۸۱ باب احیاء الموات۔

اس کا مالک متصور ہوگا۔

لما قال العلامة علاؤالدین الحصکفیؒ: اذا احیا مسلم او ذمی ارضاً غیر منتفع بها و لیست لمملوکة لمسلم ولا ذمی وهی بعیدة من القریة ملکها و اعتبر محمدؒ عدم ارتفاق اهل القریة وبه یفتی۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۸ کتاب احیاء الموات) ۱؎

غیر مسلم کیلئے احیاء موات کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے میں ہندو اور سکھ بھی رہتے ہیں، انہوں نے حکومت کی اجازت سے گاؤں کی بنجر زمین کو آباد کیا اور اب اس میں مختلف فصلیں کاشت کرتے ہیں، تو کیا یہ زمین ان کی ملکیت متصور ہوگی یا نہیں ؟

الجواب:۔ موات کی احیاء کرنے والے کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں، اگر کوئی غیر مسلم بھی حکومتِ وقت کی اجازت سے علاقے کی بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ اس کی ملکیت متصور ہوگی۔ اس لیے صورتِ مسئولہ میں بنجر زمین کو حکومت کی اجازت سے آباد کرنے والے ہندو اور سکھ اس کے مالک متصور ہوں گے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: اذا احیی مسلم او ذمی ارضا غیر منتفع بها ولیست بمملوکة لمسلم ولا ذمی ...... ملکها ان اذن له الامام فی ذٰلك وقالا یملکها بلا اذنه وهٰذا لو مسلماً فلو ذمیا شرط الاذن اتفاقاً۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۷ کتاب احیاء الموات) ۲؎

۱؎ قال النبی صلی الله علیه وسلم من احیاء ارضاً میتةً فهی له۔

(سنن الترمذی ج۱ ص۲۵۶ باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات)

وَمِثْلُهٗ فی البدائع الصنائع ج۶ ص۱۹۴ کتاب الاراضی۔

۲؎ قال العلامة المرغینانیؒ: ویملکه الذمی بالاحیاء کما یملکه المسلم لان الاحیاء سبب الملك الا ان عند ابی حنیفةؒ اذن الامام من شرطه فیستویان فیه کما فی سائر اسباب الملك حتی الاستیلاء علیٰ اصلنا۔

(الهدایة ج۴ ص۴۷۷ کتاب احیاء الموات)

موات کی تعریف **سوال**:۔ جناب مفتی صاحب! موات کسے کہتے ہیں، اور کون کون سی زمینیں اس میں داخل ہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ زمین جو گاؤں یا شہر سے باہر ہو اور اس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ اس کے ساتھ کسی کا کوئی حق وابستہ ہو اور نہ وہ شہر یا گاؤں کے متعلقہ امور سے وابستہ ہو اس کو موات کہا جاتا ہے، لہٰذا جن زمینوں میں یہ شرائط پائی جائیں وہ موات میں داخل ہیں۔

قال العلامة الکاسانیؒ: فالارض الموات هی ارض خارج البلد لم تکن ملکا واحد ولا حقاله خاصًا فلا یکون داخل البلد مواتٌ اصلاً۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص۱۹۴ کتاب احیاء الموات) [1]

صرف قبضہ سبب ملک نہیں **سوال**:۔ اگر کوئی شخص گاؤں کی بنجر زمین (شاملات) پر قبضہ کر کے سرکاری کاغذات میں اپنے نام انتقال کرالے لیکن اسے آباد نہ کرے بلکہ کئی سالوں سے اسی طرح بنجر رہنے دے تو کیا حاکمِ وقت یا اس کا نائب یعنی تحصیلدار وغیرہ وہی زمین کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے یا نہیں تاکہ وہ اس کو آباد کرے؟

الجواب:۔ موات کی ملکیت کے لیے ضروری ہے کہ حاکمِ وقت یا اس کے نائب (تحصیلدار وغیرہ) کی اجازت سے بنجر زمین پر قبضہ کر کے اسے آباد کرے یعنی قابلِ کاشت بنائے صرف اس پر قبضہ کرنا سببِ ملک نہیں، اس لیے اگر حاکمِ وقت یا اس کا نائب وہ زمین کسی دوسرے شخص کو دینا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے تاہم

---

[1] وفی الهندیة: فالارض الموات هی ارض خارج البلد لم تکن ملکا واحد ولاحقًا له خاصا فلایکون داخل البلد موات اصلاً وکذا ما کان خارج البلدة من مرافقها محتطبا لاهلها ومرعیٰ لهم لا یکون مواتًا حتیٰ لایملک الامام اقطاعها وکذلك ارض الملح والقار ونحوها مما لایستغنی عنها المسلمون ارض موات حتیٰ لا یجوز للامام ان یقطعها لاحد۔

(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۸۵ کتاب احیاء الموات)

حاکم کو تین سال تک انتظار کرنا ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ومن حجر الارض ای منع غیرہ منها بوضع علامة من حجر او غیرہ ثم اهملها ثلاث سنین دفعت الیٰ غیرہ وقبلها هو احق بها وان لم یملکها لانه انما یملکها بالاحیاء والتعمیر لا بمجرد التحجیر۔
(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۵ ص۲۷۸ کتاب احیاء الموات)[1]

لیز موجبِ ملک نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض دفعہ حکومت کسی بنجر قطعہ زمین کو ننانوے سال یا اس سے کم وبیش مدت کے لیے کسی شخص کو لیز یا پٹہ پر دے دیتی ہے اور اس شخص سے سالانہ یا جملہ مدتِ لیز کی رقم بصورتِ اجارہ وصول کرتی ہے، اور معاہدہ یہ ہوتا ہے کہ اس مدت کے گذر جانے کے بعد یہ زمین حکومت کو واپس کر دی جائے گی۔ تو کیا لیز (پٹہ) پر زمین لینے والا آدمی اس زمین کا مالک بن جاتا ہے؟

الجواب: اجارہ و لیز موجبِ ملک نہیں، یہ آدمی صرف اتنی مدت تک ہی اس زمین سے انتفاع حاصل کر سکتا ہے جتنی مدت تک زمین لیز وغیرہ پر حاصل کی گئی ہو، مدتِ اجارہ ختم ہونے کے بعد زمین حکومت کو واپس کی جائے گی، یہی وجہ ہے کہ لیز یا اجارہ پر زمین لینے والا شخص اسے فروخت نہیں کر سکتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: او ارضا بشرط ان یثنیها ان یحرثها او یکری انهارها العظام او یسرقنها لبقاء اثر هذہ الافعال لرب الارض فلو لم تبق لم تفسد۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله (بشرط ان یثنیها) فان کان اثرہ یبقی بعد انتهاء العقد یفسد لان فیه منفعة لرب الارض والا فلا۔ (رد المحتار ج ۵ ص۴۱ کتاب الاجارۃ۔ باب الاجارۃ الفاسدۃ)

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: ومن حجر ارضا ولم یعمرها ثلاث سنین اخذها الامام ودفعها الیٰ غیرہ لان الدفع الی الاوّل کان لیعمرها فتحصل المنفعة للمسلمین من حیث العُشر والخراج فاذا لم یحصل یدفعه الیٰ غیرہ تحصیلا للمقصود لان التحجیر لیس باحیاء لیملکه به۔
(الهدایة ج۴ ص۴۷۷ کتاب احیاء الموات)

سرکاری شاملات زمین پر کسی کے قبضہ سے احیاء کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں کے قریب پرانی زمین ہے جو کہ ارضِ موات یعنی شاملاتِ دیہہ ہے، اب ایک آدمی نے جو کہ دوسرے علاقہ سے آیا ہے اس شاملات زمین کا کچھ حصّہ اپنے نام پر انتقال کرالیا ہے، کیا اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شاملات زمین کا اپنے نام انتقال کرالے، واضح ہو کہ یہ زمین گاؤں سے تقریباً ۲ کلومیٹر دور ہے، اس بارے میں شرعی حکم صادر فرماکر ممنون فرمائیں؟

الجواب:۔ ایسی سرکاری شاملات جس سے اہلِ دیہہ کے مرافق متعلق ہوں، اس کا احیاء درست نہیں ہے اور اسی وجہ سے ایسی زمین کسی کی بھی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اسے تمام اہلِ دیہہ کے منافع اور مرافق کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا اور اگر اہل دیہہ کا اس سے مشترکہ مفاد وابستہ نہ ہو تو اس کا احیاء درست ہے مگر اس کے لیے اِذنِ امام (یعنی حاکمِ وقت کی اجازت) شرط اور ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: اذا احيا مسلم اوذمي ارضاً غير منتفع بها وليست بمملوكة لمسلم ولا ذمي فلو مملوكة لم تكن مواتا فلو لم يعرف مالكها فهي لقصة يتصرف فيها الامام — وهي بعيدة من القرية اذا صاح من باقصى العامر لا يسمع بها صوته ملكها عند ابي يوسف رح ان اذن له الامام في ذلك وهو المختار ان اذن له الامام في ذلك يملكها بلا اذنه الخ (الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج ۵ ص ۳۰۶، ۳۰۷ كتاب احياء الموات) [1]

---

[1] وفي الهندية: قال القدوري فما كان عادياً الى قدم خرابه لا مالك له اوكان مملوكاً في الاسلام لا يعرف له مالك بعينه وهو بعيدٌ عن القرية — وبعد اسطر قال وملك في الموات يثبت باحياء باذن الامام الخ

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۸۶
كتاب احياء الموات)

ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں صورت کہ ۱۹۴۷ء میں علاقہ کشمیر پر مسلمانوں نے حملہ کیا جس کے نتیجے میں کئی ہندو مارے گئے، کئی روپوشں ہو کر بھاگ گئے، بعدہٗ مسلمانوں نے ان کے مال ومتاع پر قبضہ کر کے اپنے استعمال میں لائے اور ان کے مکانوں، مندروں اور گرجوں وغیرہ کی چادریں اکھیڑ کر اپنے ملک میں لائے اور یہاں مساجد کی تعمیر میں ان کو استعمال کیا۔ اب ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ ہندوؤں کے متروکہ مکانوں اور مندروں وغیرہ کی چادریں مساجد کی تعمیر میں استعمال کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہے اور ایسی مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنا ناجائز ہے، اور ان چادروں کو ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے خرید بھی نہیں۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا ایسی چادریں اور اس طرح کا دیگر سازوسامان مساجد کی تعمیر میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور ایسی مساجد عند الشریعت مسجد کا حکم رکھتی ہیں یا نہیں؟ نیز مسلمانوں کے لیے ایسی چادروں اور دوسرے سامان کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ سب سے پہلے تو یہ بات تحقیق طلب اور قابلِ غور ہے کہ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں نے کشمیر میں ہندوؤں پر جو حملے کیے ہیں اس کو شرعاً جہاد کہا جا سکتا ہے یا نہیں! ہمارے نزدیک تو کتبِ فقہ سے جہاد کے متعلق جو کچھ ثابت اور معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر جہاد مقرر ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کا ہو جائے اور اسلام معزز ہو اور کفر کے تمام قواعد اور رسم ورواج نیست ونابود ہوں۔ بناءً علیہ فقہاء کرام نے وجوبِ جہاد کے لیے چند شرائط لکھے ہیں: اوّل یہ کہ مسلمان اتنی تعداد میں ہوں کہ جس سے شان وشوکت پیدا ہو۔ دوم یہ کہ ان کا خرچ بھی مہیا ہو۔ سوم یہ کہ ان کے لیے امن وحفاظت کی جگہ بھی ہو کہ کفّار کے شر سے نجات حاصل ہو اور عند الحاجت کام آوے۔ اور اگر مسلمانوں کو یقین ہو کہ غلبہ کفّار کو ہو گا تو اس صورت میں جہاد فرض نہیں ہے "جامع الرموز" میں ہے: الجهاد فرض عين بشرط القدرة على القتال والسّلاح والزاد والرواحلة ..... انتہٰی ـــــ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: والثاني ان يرجوا الشوكة والقوة لاهل الاسلام وان كان لا يرجوا الشوكة للمسلمين في القتال فانه لا يحل له القتال لما فيه من القاء نفسه في التهلكة.....

اسی طرح درمختار، شامی اور فتح القدیر میں بھی مذکور ہے۔

اب اس تفصیل کی روشنی میں ۱۹۴۷ء میں ہندؤوں پر مسلمانوں کے حملوں کو اگر جہاد کہا جاوے اور اس دوران جو کچھ املاکِ کفار یعنی ہندؤوں کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگا ہے وہ مالِ غنیمت ہے اور اس کا ذاتی استعمال میں لانا، خرید و فروخت کرنا، اور مساجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے اور وہ مساجد بہرحال شرعی مسجد ہوں گی اور ان میں نمازیں پڑھنا درست ہے۔ (فقط واللہ اعلم)

گاؤں یا شہر کے قریب بنجر زمین آباد کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے قریب ایک قطعہ اراضی بنجر پڑا ہے جس میں گاؤں کے لوگ اپنے جانور وغیرہ چراتے ہیں اور اپنے مویشیوں کے لیے چارہ وغیرہ لاتے ہیں، اب ایک شخص تحصیلدار کی اجازت سے اس کو آباد کرنا چاہتا ہے جبکہ ایسا کرنے میں گاؤں کے لوگوں کی اکثریت کا نقصان ہے۔ تو کیا شرعاً یہ قطعہ زمین آباد کرنا جائز ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب:۔ کسی بنجر زمین کو آباد کرنا اور اس کو کارآمد بنانا ایک اچھا عمل ہے مگر اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ گاؤں یا شہر والوں کا نقصان نہ ہو، اسی طرح وہ زمین گاؤں یا شہر کے قریب نہ ہو کہ لوگ اس سے اجتماعی طور پر فائدہ اٹھاتے ہوں صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ بنجر زمین چونکہ گاؤں کے قریب ہے اور گاؤں والے اس کو بطور چراگاہ استعمال کرتے ہیں اس لیے اس زمین کو تحصیلدار کی اجازت کے باوجود آباد کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں گاؤں والوں کا اجتماعی نقصان ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ: لا یجوز احیاء ما تقرب من العامر ویترك مرعیً لاهل القریة ومطرحاً لحصائدهم لتحقق حاجتهم الیها حقیقتها او دلیلها علیٰ ما بیناه فلا یکون مواتاً لتعلق حقهم بها بمنزلة الطریق والنهر ۔ الخ (الهدایة ج۴ ص۴۲۸ کتاب احیاء الموات)

تحدیدِ ملکیتِ زمین

انفرادی اور شخصی ملکیت

موجودہ دور میں معاشی اور اقتصادی بدحالی کی اصل وجہ اصولِ دین اور احکامِ اسلام سے بُعد ہے جب تک ہم اسلام کے عمدہ، بہترین اور ابدی اصولوں پر عمل پیرا رہیں گے من حیث قوم و ملک ترقی کی منازل طے کرتے رہیں گے۔ اسلام کے انہی زرّین اصولوں سے دوری ہی کا نتیجہ ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان میں متمول اور سفید پوش طبقہ کے درمیان معاشی تفاوت کی وجہ سے اقتصادی زبوں حالی پیدا ہو چکی ہے اور پورا ملک اس وقت بحرانی کیفیت سے دوچار ہے۔ ملک کی اکثر سیاسی جماعتوں اور حکمرانوں نے اپنے طور پر اس کا یہ حل نکالا کہ عارضی یا مستقل طور پر ملکیتِ زمین کی تحدید کر دی جائے اور اس کو قانونی شکل دینے کے لیے کوشش بھی کی گئی، جس پر علماء کرام نے حکومت کے اس موقف پر شرعی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی۔ جامعہ دار العلوم حقانیہ کے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ نے بھی "تحدیدِ ملکیتِ زمین کے دلائل کا ایک جائزہ" کے عنوان سے ایک جامع مضمون لکھا جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جامعہ دار العلوم حقانیہ کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے "انفرادی اور شخصی ملکیت" کے عنوان سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔ ماہنامہ الحق نے ان ہر دو گرانقدر مضامین کو شائع کیا، جنہیں اب افادۂ عام کے لیے فتاویٰ کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

تحدیدِ ملکیتِ زمین کے دلائل کا ایک جائزہ

اسلام میں اسکی کوئی گنجائش نہیں

ملک کے متمول اور فقراء کے درمیان معاشی تفاوت اور اقتصادی بدحالی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اللہ کے مقرر کردہ اصول اور احکام سے بُعد ہوتا گیا۔ اموال کے حقوق ادا نہ ہوئے اور استحصال زر میں حلال وحرام کی تمیز نہ کی گئی، نتیجہ میں وہ شدید بحران رونما ہوا جس سے پورا ملک دوچار ہے۔ اس کا علاج زمینوں کی ملکیت کی حد تک اکثر سیاسی جماعتیں یہ تجویز کر رہی ہیں کہ زمین کی ملکیت کی ایک خاص حد مقرر کی جائے۔ یہاں تک کہ بعض مذہبی جماعتوں سے بھی اس سلسلہ میں بے احتیاطی ہوئی اور عارضی طور پر یا مستقلاً تحدید ملکیت زمین کو اپنے منشوروں میں جگہ دی حالانکہ معاشی بے اعتدالی اور بدحالی کے فساد کا علاج تحدیدِ ملک سے نہیں ہو سکتا۔ عملی اور واقعاتی تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو سکتی ہے۔ کہ اس علاج سے مرض تو زائل ہو نہیں سکتا۔ مگر دین میں بلا دلیل ایک گونہ تحریف و ترمیم کا ارتکاب ہو جائے گا۔ اور مسئلہ بھی اپنی جگہ لاینحل رہے گا۔

اگر زمینداروں کے پاس سو سوا سو ایکڑ زمین چھوڑ کر زائد اس سے لے لی جائے اور حکومت اس زائد زمین کو ملک کے تمام بے زمین افراد پر حسبِ ضرورت تقسیم کرے تو ملک کی آبادی کے تناسب سے یہ محدود زمین ہرگز سب افراد تک نہیں پہنچ سکتی۔ بعض کو دی جائے اور بعض محروم رہیں۔ تو فساد اپنی جگہ قائم رہا۔ پھر اس تحدید شریعت کے کئی احکام مثلاً میراث وغیرہ منسوخ اور معطل ہو جائیں گے۔ پھر جبکہ بسا اوقات اربابِ اقتدار ایسے عارضی اور مصلحتی قوانین کو دائمی حیثیت دے دیتے ہیں تو قانونِ وراثت مستقل طور پر معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ ... یہ تحدید سوشلزم

کیلئے سنگ بنیاد ہے، کیونکہ تحدید ہی کے دلائل سے سرے سے شخصی ملکیت میں نفی ہو سکتی ہے۔
(ج) جن نظائر اور شواہد کو کھینچ تان کر تحدید ملکیت کے لئے وجہ جواز بنایا جاتا ہے "تاکہ روٹی کا مسئلہ حل ہو سکے" ٹھیک اسی طرح عزل، اسقاط حمل وغیرہ نظائر و شواہد کے بنا پر تحدید نسل (خاندانی منصوبہ بندی) کیلئے بھی وجہ جواز نکالی جا سکتی ہے تاکہ روٹی کا مسئلہ حل ہو سکے۔ اگر وہ تحدید جائز نہیں تو یہ کیوں جائز ہے۔؟

نظائر اور شواہد کا جائزہ | بعض حضرات نے حاکم وقت کو اقتصادی بدحالی دور کرنے کے لئے تحدید ملکیت کے اصول بنانے کا اختیار دیا ہے اور اسی ضمن میں کچھ دلائل پیش کئے ہیں۔ ہم اس کا بھی مختصراً جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

(الف) اس میں شک نہیں کہ فقراء اور مساکین کو اگر ضروریات زندگی میسّر نہ ہوں اور ہلاکت کا خطرہ ہو تو حکومت ذخیرہ اندوزی کرنے والوں سے جبری طور پر غلّہ وغیرہ لیکر فقراء کی حاجت برآری کر سکتی ہے اور فقراء بھی براہ راست اضطراری حالت میں بغیر رضاء مالک غلّہ وغیرہ لیکر اپنی ضروریات میں خرچ کر سکتے ہیں۔ مگر دونوں صورتوں میں لازمی ہے کہ تنگی اور ضرورت ختم ہونے پر اس کے مالکوں کو معاوضہ دیا جائے۔ قال فی الدرّ المختار لو خاف الامام علی اهل بلد الهلاک اخذ الطعام من المحتكرين وفرق عليهم فاذا وجد واسعة ردوا مثله؛ ومن اضطر لمال غيره وخاف الهلاك تناوله بلا رضاه ونقله الزيلعي عن الاختيار واقرّهٗ. (الدرّ المختار ج ص)

اور علامہ ابن حزم ظاہری نے بھی المحلّی ج ۵ ص ۴۵۲ میں لکھا ہے کہ اغنیاء پر فرض ہے کہ فقراء کی ضروریات کو پورا کریں اور حاکم وقت کے لئے جائز ہے کہ اغنیاء کو اس بات پر مجبور کرے علامہ کی اصل عبارت یہ ہے۔

وفرض على الاغنياء من اهل كلّ بلد ان يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلك ان لم تقم الزكوٰة بهم ولا فى سائر اموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذى لابد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلك وبمسكن يكنّهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة - انتهٰى.

لیکن ابن حزم مالکان اموال کو معاوضہ دینے کا بھی قائل نہیں اور یہ اسکی تفردات میں سے ہے۔ الغرض ضرورت کے وقت اغنیاء کے اموال سے فقراء کی حاجت برآری فرض ہے مگر اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ بادشاہ وقت زمین کے قانونی مالکوں سے زمین چھین کر

بے زمین لوگوں کو زمین بھی فراہم کرے گا۔

ب۔ رہا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کا جہاد کے دستہ پر تین سو ساتھیوں کو اپنا اپنا تمام توشہ اکھٹا کرنے کا حکم دینا (بخاری ص۶۲۵) اور اس سے اپنا مدعیٰ ثابت کرنا تو اس سے بھی تحدید ملکیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس واقعہ میں نہ تو یہ توشے ابو عبیدہؓ کی ملکیت بنائے گئے تھے اور نہ اوقاف کی طرح غیر مملوکہ تھے۔ بلکہ ان میں ملکیت شخصی بہر حال باقی تھی اور اباحت کی شکل میں ایک دوسرے کے راشن سے فائدہ اٹھانے کا کہا گیا تھا۔ غزوۂ خیبر میں سویق کا اکھٹا کر کے یکساں تقسیم کرنے کی بھی یہی حقیقت ہے۔

ج۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت بلالؓ کو دی گئی وادیٔ عقیق کی زمین واپس لے لینے کو بھی تحدید ملکیت کیلئے پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ زمین غیر آباد (موات) تھی حضرت عمر نے صرف وہی حصہ اس سے واپس لیا جو انہوں نے آباد نہیں کیا اور جو آباد اور زیر کاشت لایا گیا تھا۔ اُسے واپس نہیں لیا (رواہ یحیٰ بن آدم عن عبداللہ بن ابی بکر کذا فی التعلیق علی الاموال ص۲۹۰) اور یہ اب بھی جائز ہے کہ جب ایک شخص تین سال کے اندر اندر ارض موات کو آباد نہ کرے تو حکومت وقت اس کو واپس لے سکتی ہے، کیونکہ ارض موات میں آباد کرانے سے قبل صرف قبضہ سے ملکیت ثابت ہی نہیں ہوتی، ہدایہ میں ہے:

فبقی غیر مملوک کما کان هو الصحیح (ج ص۲۶۳)	ایسی زمین غیر آباد ہونے کی وجہ سے مملوک ہی نہیں ہوتی بلکہ غیر مملوک ہے۔

د۔ اس میں شک نہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجاہدین کی خوشی اور طیب خاطر سے قبیلۂ ہوازن کے وفد کو ان کے قیدی واپس دئے تھے۔ (بخاری ص۶۱۸) مگر اس سے بھی تحدید ملک کا جواز معلوم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اوّلاً تو یہ احتمال موجود ہے کہ یہ واپسی تقسیم سے قبل ہوتی ہو۔ جیسا کہ ابن کثیر کی رائے ہے کہ:

وظاهر سیاق حدیث عمرو بن شعیب الذی اوردہ محمد بن اسحٰق عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ردّ الی هوازن سبیهم قبل القسمة۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص۳۵۵)	حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے بنو ہوازن کو ان کے قیدی تقسیم سے پہلے پہلے واپس کر دئے تھے۔

اس احتمال کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ ملکیت شخصی ثابت ہی نہیں ہوئی تھی، جبکہ تحدید ملکیت میں تو شخصی ملکیت کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ واپسی تقسیم کے بعد ہوئی، جیسا کہ بخاری کی روایت وقد کنت استأنیت بکم سے مفہوم ہوتا ہے تو اس سے بھی حاکمانہ اور جبری طور پر ملکیت چھین لینے یا اسے محدود کر دینے کا جواز نہیں نکالا جا سکتا، اس لئے کہ یہاں واپسی طیب خاطر یعنی پوری رضا و رغبت سے ہوئی تھی اور اس طیب خاطر کی پوری رعایت اور تحقیق کر کے ایسا کیا گیا۔ اور ایسی واپسی اب بھی بالاجماع جائز ہے۔

پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اکثر مجاہدین نے قیدیوں کو مفت واپس کیا اور جن افراد مثلاً اقرع بن حابس اور عیینہ اور ان کی قوم نے مفت واپس کرنے سے انکار کیا (البدایۃ والنہایۃ ج۴ ص۳۵۳) اور انہیں معاوضہ دینے کا وعدہ کیا گیا تو وہ عوض بھی قیمت اور ثمن نہیں تھا۔ کیونکہ اس وعدہ میں نہ ثمن کی مقدار معلوم تھی اور نہ اجل متعین تھا اور شریعت میں ایسی خرید و فروخت جائز ہی نہیں جس میں نہ قیمت معلوم ہو، نہ ادائیگی کی میعاد، یہاں تک کہ اس معاملہ میں تو ثمن کی ادائیگی اور اس کا تحقق بھی غیر یقینی تھا، جس پر بخاری کے یہ الفاظ دلالت کر رہے ہیں۔ کہ ومن احب منکم ان یکون علی حظہ حتی نعطیہ ایاہ من اول مایفیٔ اللہ علینا فلیفعل۔ (جو تم ہی سے چاہے کہ اگر ہمیں اللہ نے مال غنیمت ہی سے کچھ دیدیا تو انہیں ان کا معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔) ان الفاظ سے بھی یہی واضح ہو رہا ہے۔ پس اس حدیث سے بھی تحدید ملک یا تبدیل ملک کا استدلال غیر صحیح ہے۔

۵۔ پانچویں دلیل تحدید ملکیت کے لئے فقہاء کرام کے قاعدہ تحمّل الضرر الخاص لدفع الضرر العام کی پیش کی گئی ہے، یعنی کسی عام ضرر کے ازالہ کی خاطر ضرر خاصہ برداشت کیا جائے، لیکن اس قاعدہ سے بھی تحدید ملکیت کے جواز کا استنباط درست نہیں، کیونکہ اس ملک میں ہر بے زمین شخص کو تو تکلیف اور مصیبت لاحق نہیں ہوتی، لاکھوں لوگ جو زمین کے مالک نہیں ہیں، مگر نہ ننگے ہیں نہ بھوکے بلکہ دیگر معاشی ذرائع کی وجہ سے آسودہ حال ہیں۔ ثانیاً کہ ضرر عامہ اگر موجود ہے تو دونوں طرف کو اور دونوں صورتوں میں ہے۔ البتہ طالبین تحدید عموماً وہ لوگ ہیں جو سوشلسٹ اقوام اور نظریات سے متاثر ہیں۔ اور عموماً ان کے دلوں میں حلال و حرام کی تمیز اور آخرت کا احساس نہیں، مذہب ان کے نزدیک ثانوی حیثیت کا حامل ہے، پیٹ

بقیہ : تحدید ملکیت زمین کے مسائل سے مذہب کو خاطر خواہ تعلق نہیں ثالثاً یہ کہ اس شر و فساد کے زمانہ میں جبکہ حکام و امراء عموماً بے دین خائن اور بد دیانت ہوتے ہیں۔ مفاد پرستی، رشوت ستانی، سفارش اور اقرباء پروری ان کا شیوہ ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کو اراضی کی تحدید اور تصرف کی باگ ڈور سپرد کر دینا درحقیقت قوم اور ملک کی تباہی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بیت المال اور اوقاف کے حکام پر خیانت کے اثرات ظاہر ہونے لگیں تو انہیں مسلمانوں کے اموال مصادرۃً لینے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس طرح کرنا حکام کو حرام خوری اور خیانت کا دروازہ کھول دینا ہے۔ (در مختار مع رد مختار ج ۴ ص ۲۸۵)

الغرض تحدید ملکیت کے جواز میں جبکہ دینی و علمی لحاظ سے بیشمار فتنوں اور اقتصادی و مالی لحاظ سے بیشمار حق تلفیوں اور بد دیانتیوں کا خطرہ ہے تو کیوں بے احتیاطی سے کام لیکر فتنوں کا دروازہ کھولا جائے۔ لہٰذا تحدید ملکیت کے جواز یا حکومت کو اس کا حق دینے کا فتویٰ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور میرا اس سے قطعاً اتفاق نہیں ۔۔۔

محمد فرید خادم دار الافتاء دار العلوم حقانیہ

❊

انفرادی اور شخصی ملکیت

جذبۂ نصح و خیر خواہی کی بنا پر "جماعت اسلامی" سے ایک گذارش کرنی ہے جو کسی قومی و ملی موڑ پر حکمتِ عملی کا سہارا لے لیتی ہے۔ حالانکہ ان کے قائد مودودی صاحب کے الفاظ میں "کسی مقصد کی برتری کے لئے صرف مقصد کا اعلیٰ ہونا کافی نہیں بلکہ اس تک پہنچنے کے ذرائع اور خطوط بھی بے لاگ اور پاکیزہ ہونے چاہئیں"۔ مگر عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ مقصد برآری کی خاطر جماعت نہ صرف یہ کہ طریقِ کار کی صحت کا خیال نہیں رکھتی بلکہ دین کے ایک ایک اصول کو سیاست کے خراد پر چڑھا دیتی ہے۔ اس وقت جماعت اسلامی کا انتخابی منشور سامنے آچکا ہے۔ اس میں زراعت کے عنوان میں زمین کی ملکیت مغربی پاکستان میں سو اور دو سو ایکڑ کے درمیان اور مشرقی پاکستان میں ۱۰۰ بیگھہ تک محدود کر دی گئی ہے اور تمہید میں کہا گیا ہے کہ "غیر معمولی حالات میں ایسی غیر معمولی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں جو اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہوں"۔ قطع نظر اس بات کے کہ شریعت کا مذکورہ قاعدہ کن حالات اور کن غیر معمولی تدابیر پر منطبق ہوتا ہے۔ ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے نہ تو زمین کے بارہ میں کسی قسم کی تحدید کی ہے اور نہ دیگر اموال و املاک میں انفرادی اور شخصی ملکیّت کی کسی قسم کی حد بندی گوارا کی ہے۔ جائز اور حلال ذرائع سے جتنی بھی ملکیّت حاصل کی جائے شریعت نہ صرف اسے جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت قرار دیتی ہے۔ قرآن و حدیث ایسے نصوص و شواہد سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم نہ تو حالات کی نزاکت اور وقت کی رو میں بہہ کر ان کی تاویل کر سکتے ہیں اور نہ سوشلزم کا ہوا کھڑا کر کے اس کے ڈر سے اسلام کے کسی مسئلہ میں تحریف اور تحدید کر سکتے ہیں۔ اسلام غیر محدود ملکیّت سے نہیں روکتا، البتہ وہ مالک کو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا پابند بنا کر ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت

ملکیت کی تحدید کرتا جاتا ہے، یہ زکوٰۃ وعشر، یہ صدقات اور ہبات اور سب سے بڑھ کر اسلام کا قانونِ میراث تحدیدِ ملکیت نہیں تو اور کیا ہے مگر لامحدود کو محدود بنانے کا یہ منصوبہ قدرت کا بنایا ہوا ہے۔ ہم اس میں اضافہ کرسکتے ہیں نہ کمی، ہم مجرموں اور معاشرہ کی حق تلفی کرنے والوں کا ہاتھ توڑ سکتے ہیں، مگر انہیں کسی حلال کمائی کے ایک پیسہ سے نہیں روک سکتے۔

حکمتِ عملی کی پالیسی | ہمیں حالات کا مقابلہ اور خرابیوں کی اصلاح کرنی ہے۔ مگر یہ اصلاح ایسی نہیں کہ دین کے کسی اصول پر قینچی چلاکر فساد کا ایک اور دروازہ کھول بیٹھیں۔ دین کا مسئلہ بہرحال اپنی جگہ رہے گا۔ جماعت اسلامی اسے ہماری ناعاقبت اندیشی سمجھے یا کچھ اور ہم تو اس "حکمتِ عملی" کو بہرحال دین کے لئے زہرِ قاتل سمجھیں گے۔ اگر جماعت اسلامی غیر معمولی حالات کی وجہ سے ۲۰۰ ایکڑ تک زمین کی تحدید کو غیر معمولی تدبیر اور دین کے اصول سے غیر متصادم سمجھتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کل سوشلسٹ اور کمیونسٹ اسی دلیل سے ملکیتِ زمین کا حق قطعی طور پر چھین کر اسے "غیر معمولی تدبیر" اور دین کے اصول سے "غیر متصادم" قرار نہ دے بیٹھیں، اگر جماعت کی طرف سے دین کے اصول کی کوئی واضح تشریح بھی ہو جائے تو معاملہ صاف ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی چاہا اس نے کسی چیز کو اصول اور پھر جب چاہا تو "اسلام کے اصولوں سے غیر متصادم"، کا فتویٰ لگا کر اسی اصول کو حکمتِ عملی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ آہ! اصولِ اسلام کی اس بے دردی سے پائمالی۔ جنگِ آزادی میں جمہوریت اور پارلیمانی نظام کو لات، اور منات کہا گیا، مگر بعد میں یہی چیز اصل الاصول بن گئی۔ عورت کی امارت اور حکومت کو ہر حال میں اسلام سے متصادم کہا گیا، پھر یہی چیز وقت کا اہم ترین جہاد قرار پایا، انتخابی جدوجہد کو خلافِ شریعت کہا گیا، پھر یہی مشغلۂ روزگار بن گیا، مقصد کے حصول کے لئے ذرائع کی تقدیس ہر حال میں قائم رکھنے پر زور دیا گیا، مگر پھر اس راہ کی ہر گری پڑی چیز کو گلے سے لگا کر رفیق جادۂ منزل بتایا گیا، اور اب مسئلہ ملکیت زمین میں گو دا اسے

عارضی کہا گیا) ایک ایسا مؤقف اختیار کیا گیا جس کی مخالفت خود عمر بھر کا شیوہ بنا رہا تھا کالتی نقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثا معلوم نہیں جماعت کے عمائدین اس نئے اجتہاد اور حکمتِ عملی کی کیا توجیہہ کریں، تاویل جو بھی مگر یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ فلاں فلاں جماعتوں نے بھی ایسا کیا اور فلاں بزرگ نے بھی ایسا کہا ہے۔ اگر ایک چیز کا برائی ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے وزن میں اس بات سے کمی نہیں آسکتی کہ اور لوگ بھی ایسا کرتے ہیں، ایسی بات تو جرائم کی تاریخ میں بھی کسی نے نہیں کہی کہ میں اگرچہ مجرم ہوں مگر یہ تو ایک ایسا جرم ہے کہ ع در شہرِ شمار و زکنند — اور نہ کسی عدالت نے مجرم کے اس مؤقف کو قابلِ تسلیم قرار دیا ہے۔ تعدیل صحابہؓ، اور دیگر علمی وفقہی مسائل اور اب لاہوری مرزائیوں[۱] کے بارہ میں جماعت کا یہی عذرِ گناہ سامنے آچکا ہے۔ مگر غلط بات غلط ہے خواہ اس کا کہنے والا کتنا بڑا آدمی کیوں نہ ہو یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اب رہا ملکیتِ شخصی کو سلب کرنا یا اسے محدود کرنا۔

شخصی ملکیت کے شواہد تو جہاں تک اصل مسئلہ انفرادی اور شخصی ملکیت کا تعلق ہے، خواہ املاک منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ہوں اسلام نے اسے انسان کا فطری حق بنایا ہے نہ تو اس کی تحدید کی جاسکتی ہے اور نہ عصرِ حاضر کے لادینی اقتصادی نظاموں کے علمبردار اس میں قطع برید کر سکتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے آیت اولم یروا انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعاما فھم لھا مالکون میں انسان کی شخصی ملکیت پر مہرِ ثبت کر دی ہے اور قرآن کی بے شمار آئتیں اس جملہ فھم لھا مالکون (پس وہ اس کے مالک ہیں) کی تائید کرتی ہیں۔ جو لوگ ان الارض للہ (زمین اللہ کی ہے) قسم کی آیات کو آگے پیچھے سے کاٹ

---

[۱] مولانا مودودی نے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ لاہوری پارٹی کے مرزائی نہ مسلمان ہیں نہ کافر (س)

کر اپنے مدعی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہاں متصلاً اللہ نے خود یورثہا من یشاء (وہ جسے چاہے زمین کا وارث بنا دے) یا اس کے ہم معنی الفاظ میں انفرادی ملکیت بیان کر کے ایسے لوگوں کا مذاق اڑایا ہے۔ قل اللّٰھم مالک الملک کے ساتھ تؤتی الملک من تشاء بھی ہے اور والذین یکنزون الذھب والفضۃ کے ساتھ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ کی قید انسان کی انفرادی مالکیت کا اعلان کر رہی ہے، پھر وہ اسے اپنی ملکیت میں ہر جائز تصرّف کرنے اور اسے اپنی ملکیت سے منتقل کرنے کا حق بھی دیتا ہے۔ چنانچہ بیع، شراء، ہبہ، تملیک، اعتاق، تدبیر، کتابت، اجارہ، اعارہ، مزارعت، وقف، رہن، قرض، صدقہ، وصیت، میراث وغیرہ اس تصرّف کے شواہد عدل ہیں۔ اسی طرح وہ کسی دوسرے مسلمان کے مال و دولت میں ناجائز دست اندازی سے بچنے کو ایمان کی اوّلین علامت قرار دیتا ہے۔ ظلم و تعدی، چوری، ڈاکہ، خیانت، غصب، لوٹ کھسوٹ، جبر و استحصال کو حرام قرار دے کر اسلام انسان کے شخصی ملکیت کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔ وہ یکساں طور پر سرمایہ دار اور غریب دونوں کو ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل (ایک دوسرے کے مال کو ناحق نہ کھاؤ) سے مخاطب کرتا ہے۔ الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ (الحدیث، (خبردار کسی ایک کا مال دوسرے کو بغیر اس کی مرضی کے حلال نہیں) ارشاد نبوی ہے"

سوشلزم کی بنیاد ظلم و استحصال اور مادیت | پس جو لوگ سوشلزم کو تمام معاشی خرابیوں کا مداوا سمجھتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اللہ بھیجے ہوئے عادلانہ نظام اسلام کے تمام اصول و فروع کو تہس نہس کرنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ لوٹ کھسوٹ اور انسان کے تمام حقوق کی پائمالی و بربادی کا ایک ایسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں جس میں نہ صرف غریب اپنے رہے سہے سُکھ اور چین سے محروم ہو جائے بلکہ پوری قوم چند خونخوار درندوں کی جماعت کے رحم و کرم پر رہ جاتی ہے، اسلام کے مذکورہ تمام اصول کو ایک طرف رکھ کر ایک لمحہ کے لئے فرض کریں کہ سوشلزم آجاتا ہے اور وہ پوری قوم کو حقِ ملکیت سے محروم کر کے اللہ کی دی ہوئی تمام دولت

اور وسائلِ معاش کو ایک پارٹی کے حوالے کر دیتا ہے، تو کیا وہ پارٹی انسانیت کو اسکے تمام حقوق دلا دے گی۔ اور کیا وہ پارٹی موجودہ معاشرہ ہی سے ابھر کر سامنے آئی ہوگی یا آسمان سے فرشتوں کی شکل میں اترے گی۔ لیکن اگر اس کی اٹھان اس معاشرہ سے ہو جس کا مشت نمونہ نمبروار ۳۰۲ بعنوان "ثمروں کی شکل میں سامنے آچکا ہے اور اس کا حل وعقد اس بیوروکریسی کے ہاتھوں میں ہو جو فائل کی سطح پر بڑے بڑے پراجیکٹ کھڑے کر کے پھر اُسے نذرِ سیلاب بھی کر دیتی ہے، اور اس طرح کروڑوں روپے ہضم کر کے فائل داخل دفتر کر دیتی ہے۔ تو خدارا ذرا سوچیے کہ ایسے لوگوں کا لایا ہوا سوشلزم یا کوئی بھی معاشی نظام انسان کے مال و جان اور اس کے حقوق میں مساوات قائم رکھ سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ سوشلزم کی بنیاد تاریخ کی مادی تعبیر پر ہے جس میں نہ خوفِ خدا کی گنجائش ہے، نہ محاسبۂ آخرت کی، اور نہ کسی تنقید اور نصیحت کی۔

مساوات یعنی مواسات استحصال نہیں احتساب | اس کے مقابلہ میں اسلام ہے جو ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرتا ہے جو ہر لمحہ اور ہر عمل میں خدا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، آخرت کا محاسبہ اس کے دل میں رچا بسا ہوتا ہے، ہر فرد کو دوسرے پر ظلم و غصب اور ہر برائی سے روکنے کا پورا حق ہے، اور وہ امیر کو بھی چاہے تو تلوار سے درست کر سکتا ہے، وہ اگر اسلامی قلمرو کے دوسرے سرے پر کسی کتے کے بھوک و پیاس سے مرجانے کی خبر سنتا ہے تو اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصور سے تڑپنے لگتا ہے وہ ہر انسان کی بھوک و پیاس کو اپنی حاجت سمجھتا ہے اور جذبۂ ایثار سے خود فقیر رہ کر دوسروں کو اپنی متاع کا مالک بنا دیتا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے معاشی مسائل کی بنیاد مساوات پر نہیں بلکہ مؤاسات پر رکھی، وہ معاشی ناہمواری کو جبر سے نہیں بلکہ ایمان اور یقین کی بیداری سے حل کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے ایسا معاشرہ قائم کیا خلافتِ راشدہ اس کی واضح مثال ہے۔

سوشلزم اور گھر گھر کا مجبدی | دوسری طرف سوشلسٹوں کے طور طریقے تھے، اور جبر و ظلم کی

اساس پر ایک ایسی عمارت اٹھائی گئی جو نصف صدی میں دم توڑتی نظر آنے لگی ہے۔" تاریخ کی اس مادی تعبیر" پر تازہ چانٹا حال ہی میں روس کے سیکرٹری جنرل برزنیف نے یہ کہہ کر رسید کیا کہ روس میں سوشلسٹ نظام عملاً ناکام ہو چکا ہے۔ اور اس طرح فشهد شاهدٌ من اهلها کا ایک نمونہ سامنے آگیا ــــ الغرض ہمارے پاس معاشی اور معاشرتی یگانگت کے لئے اسلام جیسا نسخۂ کیمیا موجود ہے، مگر افسوس اور صد افسوس کہ نہ تو ہم نے اسے سمجھا نہ پرکھا اور نہ کبھی آزمایا و من لم یذق لم یدر۔ ع

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

سوشلزم عیار لیڈروں کا دام فریب | ہماری اس بے علمی اور حقیقت سے بیخبری سے موجودہ دور کے ابن الوقت سیاست دانوں نے خوب فائدہ اٹھایا بیچارے عوام اسے اپنی ساری بربادیوں کا تریاق سمجھ کر ان کے پیچھے دوڑنے لگے اور اس حقیقت سے غافل ہو گئے کہ چور راہزن کمین گاہ تک پہنچا کر رہی سہی پونجی سے بھی ہمیں محروم کر دے گا۔ بات ناشائستہ سی ہے مگر مثال خوب چسپاں رہے گی کہ ہمارے علاقہ میں بچے کا ختنہ کراتے وقت عموماً بچے کو اِدھر اُدھر کی بھول بھلیوں میں بہلایا جاتا ہے اور ختنہ کا عین موقعہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں وہ دیکھو سونے کی چڑیا اڑ رہی ہے اور ابھی تیرے قدموں میں ہے۔ بچہ شوق سے نگاہ اٹھاتا ہے اور ادھر اپنے جسم کے ایک حصہ سے محروم۔ تو ہمارے ہاں سوشلزم کی مثال اُسی "سونے کی چڑیا" کی سی ہے جس سے عیار لیڈر خوب خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں ــــ (فروری ۷۸ء)

❄

کتاب المزارعت

(مزارعت کے احکام ومسائل)

مزارعت کی چند صورتیں

سوال:۔ ہمارے معاشرہ میں علاقائی سطح پر مزارعت کی مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں۔ بعض علاقوں میں مالکِ زمین کو تخم کھیتی باڑی یا دوسرے اخراجات کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیا شرعی نقطۂ نظر سے مالکِ زمین پر یہ ذمہ داری عائد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مزارعت کا معاملہ ظاہر الروایۃ کی رُو سے تین صورتوں میں جائز ہے:۔

(۱) زمین اور تخم ایک طرف سے ہو اور بیل وعمل (محنت) دوسری طرف سے۔

(۲) زمین ایک طرف سے اور عمل وگائے وتخم دُوسری طرف سے۔

(۳) زمین، بیل اور تخم ایک طرف سے اور عمل (محنت) دوسری طرف سے۔

ان جملہ تین صورتوں میں مزارعت کا معاملہ شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابوالحسین احمد بن محمد البغدادی القدوریؒ: اذا كانت الارض والبذر لواحدٍ والعمل والبقر لواحدٍ جازت المزارعة وان كانت الارض لواحدٍ والعمل والبقر والبذر لآخر جازت المزارعة وان كانت الارض والبذر والبقر لواحدٍ والعمل لآخر جازت۔ (مختصر القدوری ص۲۰۸ کتاب المزارعت)[1]

فصل کی کٹائی کی ذمہ داری کا حکم

سوال: بعض علاقوں میں مالکِ زمین کسان (مزارع) پر دوسری ذمہ داریوں کے علاوہ یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ فصل کے تیار ہونے پر کاٹ کر صفائی کرکے مالک کے گھر پہنچائے گا، کیا

---

[1] قال العلامة علاؤالدین الحصکفی رحمه الله: (وكذا) صحت (لو كان الارض والبذر لزيد والبقر والعمل للآخر) او الارض له والباقي للآخر (او العمل له والباقي للآخر) فهذه الثلاثة جائزة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۶ ص۲۷۸ كتاب المزارعة)

وَمِثْلُهٗ في الهداية ج۴ ص۴۲۴ كتاب المزارعة۔

کسان (مزارعہ) کیلئے ان شرائط کی پابندی ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ ظاہرالروایۃ میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود متاخرین علماء نے عرف کو مدنظر رکھتے ہوئے قاضی ابو یوسفؒ کی رائے کو اختیار کرکے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ کسان (مزارعہ) پر فصل کاٹنے اور تیار کرنے کی ذمہ داری ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ، تاہم فصل کو مالکِ زمین کے گھر پہنچانے کی ذمہ داری کی نشاندہی عام کتابوں میں نہیں ملتی البتہ اگر کسان بطور احسان یہ فریضہ سرانجام دے تو ایسا عمل طرفین کے باہمی تعلقات پر اچھے اثرات مرتب ہونے کا باعث بنتا ہے ۔

لما قال العلامة علاؤالدين الحصكفيؒ : (وصح اشتراط العمل) لحصاد و دياس ونصف على العامل وعند الثاني على العامل وهوالاصح ، وعليه الفتوى ۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص۲۸۲ كتاب المزارعت) [1]

کسان (مزارعہ) کا مالکِ زمین کی اجازت کے بغیر فصل سے کچھ لینا

سوال:۔ مالکِ زمین کی اجازت کے بغیر کسان فصل سے کوئی چیز لے سکتا ہے یا نہیں ؟ ایسا ہی بعض چیزیں بوقتِ ضرورت گھر لے جا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ مزارعت سے مراد اگر بٹائی کا نظام (مزارعت بالنصف وغیرہ) ہو تو مالکِ زمین کاشتکار کے ساتھ شریک ہے اور شراکت میں بغیر اجازتِ شریک کے کوئی چیز بھی اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، تاہم کسی معمولی چیز (جس کی عرف میں اجازت ہو) استعمال کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ، اور اگر مزارعت سے مراد اجارہ ہو تو تمام آمدنی کسان کی ہوتی ہے اس لیے مالکِ زمین سے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ۔

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله ، (اقول) تلخص من هذا أن الصحيح صحة اشتراط العمل على العامل وبه صرح في متن التنوير والملتقى ۔

(تنقيح الحامدية ج ۲ ص۲۰۵ كتاب المزارعة)

وَمِثْلُهٗ فى تبيين الحقائق ج ۵ ص۲۸۳ كتاب المزارعة ۔

لما رواہ الامام علی بن عمر الدارقطنیؒ: عن عمرو بن یثربی قال شهدت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع بمنی فسمعته یقول لا یحل لامرء من مال اخیه شیء الا ما طابت به نفسه۔ انتہی

(سنن الدارقطنی ج۳ ص۲۵ رقم ۸۹ کتاب البیوع) ؎۱

کاشتکار سے بطور ضمانت کچھ رقم رکھنا

سوال:۔ اگر مالک زمین کاشتکار سے کچھ رقم بطور زرِ ضمانت اپنے پاس رکھے تاکہ کاشتکار معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرسکے اور مالکِ زمین بے جا نقصان سے بچ سکے۔ شرعاً زمین کے مالک کے اس اقدام کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب:۔ مالکِ زمین کے لیے بطور اعتماد کوئی چیز رکھنے کے جواز کے نظائر موجود ہیں تاہم شرعی رُو سے یہ زمین رہن شمار ہوگی جس سے مرتہن (مالک) مرہونہ سے استفادہ کا حق نہیں رکھتا، عموماً کچھ رقم بطور ضمانت رکھ کر مالکِ زمین اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے جس کا اسے شرعاً حق نہیں۔

لما قال العلامة قاضی خانؒ: لو استاجر خیاطاً لیخیط له ثوباً واخذ من الخیاط رهناً بالخیاط جاز۔ انتہی (الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۳ ص۵۹۸ کتاب المزارعة) ؎۲

مزارعت پر موت کے اثرات

سوال:۔ مزارعہ کی وفات پر اگر اولاد عقدِ مزارعت کو باقی رکھنا چاہتی ہو لیکن مالک زمین اس پر راضی نہ ہو تو کیا اس صورت میں مزارعہ کے ورثاء کو منوانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

؎۱ لما ذکر الشیخ ولی الدین ابو عبد الله محمد بن عبد الخطیبؒ: وعن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منه۔ (مشکوٰة المصابیح ج۱ ص۲۵۵ باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی)

وَمِثْلُهٗ فی نصب الرایة ج۴ ص۱۶۹ کتاب الغصب۔

؎۲ وفی الهندیة: لو استأجر خیاطاً لیخیط له ثوباً واخذ من الخیاط رهناً بالخیاط جاز۔

(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۴۳۵ الفصل الثالث فیما یجوز الارتهان الخ)

وَمِثْلُهٗ فی شرح مجلة الاحکام لشیخ سلیم رستم باز ص۳۸۷ تحت مادة ۷۰۱

الجواب:۔ عاقدین میں سے کسی ایک کی وفات سے مزارعت کا معاہدہ ختم ہوجاتا ہے، تاہم جو فصل زمین میں موجود ہو تو اس کے پکنے تک انتظار کرنا ہوگا، البتہ اگر مزارعہ کے ورثاء فصل کو چھوڑنا چاہتے ہوں یا چھوڑنا چاہتے ہوں تو ان کو اس کے خلاف پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: بخلاف مالو مات رب الارض والزرع بقلٌ فان العمل فيه جميعاً على العامل أو ورثته) لبقاء مدة العقد والعقد يوجب على العامل عملاً يحتاج اليه الى انتهاء الزرع كمامر ولو مات قبل البذر بطلت ولا شئ لكرب به كما مر۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۸۱، ص ۲۸۲ كتاب المزارعة) [1]

قدیم قبرستان میں زراعت کا حکم

سوال:۔ ایک قدیم قبرستان جس پر سو سال سے زائد مدت گذر گئی ہے اور اس میں قبریں بھی دکھائی نہیں دیتیں ہیں، تو کیا ایسے قبرستان سے دوسرے فوائد مثلاً زراعت وغیرہ لیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی قبرستان کی قدامت کے لیے مدت کا کوئی تعیین نہیں ہے، تاہم فقہاء کرام کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب قبریں اتنی پرانی ہوں کہ مردوں کے ابدان بظاہر اس سے متاثر نہ ہوتے ہوں تو اس صورت میں ایسے قبرستان کا دوسرے

---

[1] لما قال العلامة فخر الدين عثمان بن على الزيلعي الحنفيؒ: (وتبطل بموت احدهما) لانها اجارة وهي تبطل بموت أحد المتعاقدين اذا عقدها لا نفسهما وقد بيناه في الاجارة وهذا على اطلاقه هو جواب القياس وفي الاستحسان اذا مات أحدهما وقد نبت الزرع يبقى عقد الاجارة حتى يستحصد ذلك الزرع ثم تبطل في الباقي لان في ابقاء العقد حتى يستحصدها مراعاة الحقين فيعمل العامل أو ورثته على حاله فاذا حصد يقسم على ما شرطا ولا ضرورة في الباقي فتبطل ولو مات رب الارض قبل المزارعة بعد ماكرب الارض وحفر الانهار انتقضت المزارعة لانه ليس في ذلك اتلاف مال على المزارع ولا شئ للعمل بمقابلة العمل۔ انتهى (تبيين الحقائق ج ۵ ص ۲۸۲ كتاب المزارعة)۔
ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۲ كتاب المزارعة۔

مقاصد کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، اگر دوبارہ اس میں مردے دفن کیے جائیں تب بھی اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر قبرستان ذاتی ہو تو اپنے حصے میں آبادی کرنا یا زراعت کے لیے استعمال کرنا بھی مرخص ہے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعیؒ: ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۲۴۶ کتاب المزارعة)[1]

افیون کی کاشت کا حکم

سوال:۔ افیون کی کاشت کا شرعی نقطۂ نظر سے کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ افیون ایک ایسی چیز ہے جس سے عصرِ حاضر میں خطرناک اور مہلک ترین منشیات (یعنی ہیروئن وغیرہ) تیار کی جاتی ہیں جس سے پوری دنیا تباہی اور بربادی کی لپیٹ میں ہے اور اس کے مضرِ محض ہونے پر پوری دنیا متفق ہے، اس لیے اس کی کاشت اور خرید و فروخت کے جواز کے کوئی خاص دلائل نہیں پائے جاتے بلکہ عام اقوال اس کی حرمت کے مؤید ہیں۔ تاہم اگر افیون کا استعمال دوائی تک محدود ہو یا تخمِ افیون (خشخاش) حاصل کرنا مقصود ہو تو پھر ان ضروریات کے مطابق محدود پیمانے پر اس کی کاشت کی گنجائش پائی جاتی ہے لیکن معاشرہ میں یہ نیت بہت کم پائی جاتی ہے۔

لما قال العلامة شمس الدین محمد بن عبد اللہ التمرتاشیؒ: ویحرم أکل الحشیشة والأفیون لکن دون حرمة الخمر۔ (تنویر الابصار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص۴۵۷ کتاب الاشربة)[2]

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ وزرعہ والبناء علیہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۱۹۵ کتاب المزارعة)
وَمِثْلُہٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۶۷ کتاب المزارعة۔

[2] لما قال العلامة شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الحداد الیمنیؒ: ولا یجوز أکل الحشیشة والافیون وذلک کلہ حرام۔ (الجوهرة النیرة ج ۲ ص۲۷۰ کتاب الاشربة)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ الکاملیة ص۲۷۰ کتاب الاشربة۔

تمباکو کی کاشت جائز ہے

سوال:۔ سگریٹ یا نسوار کے لیے جو تمباکو استعمال ہوتا ہے شرعی نقطہ نظر سے اس کی کاشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بعض فوائد کے باوجود جدید تحقیق کی رو سے اگرچہ تمباکو نوشی کے مضرات پائے جاتے ہیں لیکن کسی نتیجہ پر پہنچنا تا حال ثابت نہیں جس کی وجہ سے اس کو مضر محض شمار کر کے محرمات کی فہرست میں شمار کیا جائے، اس لیے فقہاء کے اقوال سے اباحت کا حکم معلوم ہوتا ہے، دریں حال تمباکو کی کاشت اور خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (شرب الدخان) فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تغییرہ ولا اضرارہ بل ثبت لہ منافع فھو داخل تحت قاعدۃ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔

(رد المحتار ج۶ ص۴۵۹ کتاب الاشربۃ)[1]

بھنگ کی کاشت کا حکم

سوال:۔ بھنگ ایک نشہ آور بوٹی ہے جس کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، کیا اس کی کاشت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھنگ چونکہ نشہ آور اشیاء کی فہرست میں شامل ہے اس لیے اس کی خرید و فروخت اور مزارعت شرعاً ناجائز ہے۔

لما قال العلامة شمس الدین محمد بن عبد اللہ التمرتاشیؒ: ویحرم اکل البنج والحشیشۃ والافیون لکن دون حرمۃ الخمر۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۴۵۷ کتاب الاشربۃ)[2]

---

[1] قال العلامة المفتی محمد کامل بن مصطفیٰ الطرابلسیؒ: وقد حقق المتأخرون من اھل مذھبنا الحنفیۃ انہ (شرب الدخان) لیس بحرام وانما فی تعاطیہ الکراھۃ و قد منا ان احسن ما قیل فیہ قول الامیر رحمہ اللہ واختلف فی الدخان والورع ترکہ۔ (الفتاوی الکاملیۃ ص۲۸۶ کتاب الکراھیۃ۔ مطلب فی حکم شرب الدخان)

[2] قال العلامة شیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنیؒ: ولا یجوز اکل البنج والحشیشۃ والافیون وذلک کلہ حرام۔

(الجوھرۃ النیرۃ ج۲ ص۲۷ کتاب الاشربۃ)

ومثلہ فی الفتاوی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۳ ص۲۳۱ کتاب الاشربۃ۔

مزارع کی طرف سے تخم کے باوجود مالکِ زمین کا اس پر کھاد وغیرہ کے اشتراط سے مزارعت کا حکم

سوال:۔ اگر مالکِ زمین (رب الارض) کاشتکار (مزارع) پر کھاد وغیرہ امور کی اشتراط کرے جبکہ تخم (بیج) بھی کاشتکار کی طرف سے ہو تو کیا ان امور کے اشتراط کی وجہ سے مزارعت فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مزارعت میں جب تخم (بیج) مزارع کی طرف سے ہو تو کھاد جیسے امور کی اشتراط علی المزارع کی وجہ سے مزارعت فاسد نہیں ہوتی بلکہ متاخرین فقہاءِ کرام کے نزدیک صحیح ہوتی ہے اور فتویٰ بھی متاخرین فقہاء کے قول پر ہے۔

وفی الهندية : إذا شرط رب الارض والبذر من المزارع ان يسرقنها قبل تفسد المزارعة عند المتقدمين ولاتفسد عند المتاخرين والفتوىٰ على قول المتاخرين . كذا فى جواهر الاخلاطى .

{الفتاوىٰ الهندية ج۵ ص۲۴۴ كتاب المزارعة الباب الثالث فى الشروط فى المزارعة}

ہدایہ کی ایک عبارت کی وضاحت

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! ھدایہ کی اس عبارت " لاتجوز المزارعة والمساقات عند ابى حنيفة " کا کیا مطلب ہے؟ کیا واقعی امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مزارعت کی جملہ انواع ناجائز ہیں؟ جبکہ احادیثِ مبارکہ مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

الجواب:۔ مزارعت کے مسئلہ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف جتنے بھی اقوال منسوب ہیں اگر اُن میں نظرِ عمیق سے غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ امام ابوحنیفہؒ کا ان اقوال سے مقصد مطلق عدمِ جواز کا نہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ کوئی مالکِ زمین کاشتکاروں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور ان کی محنت کو شیرِ مادر سمجھ کر ہڑپ نہ کر جائے، اسی طرح باہمی تنازعات اور جھگڑوں سے معاشرہ پاک وصاف ہو کیونکہ معاشرے میں جھگڑے عموماً اسی سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح مالکِ زمین عزیمت پر عمل کرکے اپنی زمین کسی غریب آدمی کو کاشت کیلئے مفت دیدے ــــ اسلئے علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے حاوی القدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے : كرههما ابوحنيفةؒ ولعينه اشد النهى .

(فیض الباری ج۳ ص۲۲۵ کتاب المزارعت)

چشمہ کے پانی سے منع کرنے کا حکم

سوال: ہمارے گاؤں موضع بھکن ملکوٹ تحصیل و ضلع ایبٹ آباد میں پینے کے صاف پانی کی سخت قلت ہے ہماری خواتین کو چار کلومیٹر دور سے پانی لانا پڑتا ہے، جبکہ اتنے ہی فاصلے پر سرکاری جنگل میں پانی وافر مقدار میں نالے میں بہہ رہا ہے۔ ہم نے کوشش کر کے گورنمنٹ سے ایک سکیم منظور کرائی اور گاؤں کو پانی سپلائی کرنے کے لیے باقاعدہ ٹینکی تعمیر کر کے پائپ لائن بچھانے کا کام شروع کر دیا، ساتھ والے گاؤں کے لوگوں نے آکر ٹینکی توڑ دی اور پائپ لائن بھی اکھاڑ دی، ان کا مؤقف یہ ہے کہ اس جنگل پر ہمارے حقوق زیادہ ہیں اسلئے ہم اس کا پانی آپ لوگوں کو نہیں دیں گے۔ جبکہ پانی وافر مقدار میں ہے، دوسرے یہ کہ یہ پانی اس گاؤں والوں کے نہ تو پینے کے کام آتا ہے اور نہ ہی وہ اس اپنی زمینیں سیراب کرتے ہیں، یہ لوگ صرف اور صرف ضد پر قائم ہیں۔
جناب عالی! قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرما کر ہمیں اس مشکل سے نکالیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے؟

الجواب: پانی، آگ اور گھاس سب مشترکہ اموال ہیں، کوئی بھی شخص کسی کو ان سے منع نہیں کر سکتا، تاہم جو اس پانی کے قریب ہو اوّلاً اس کا حق ہے اور جو اس سے زائد ہو وہ دوسرے لوگ بغیر اس کی اجازت کے استعمال کر سکتے ہیں، کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کو اس کے استعمال سے منع کرے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق سرکاری جنگل کا پانی آپ سب لوگوں کا مشترکہ پانی ہے ساتھ والے گاؤں کے لوگوں کا اس سے منع کرنا بے انصافی اور ناجائز ہے، ان کو شرعاً یہ حق نہیں کہ وہ آپ لوگوں کو اس پانی کے استعمال سے منع کریں۔

لما فی الهندية: ماء البحار ولكل واحد من الناس فيها حق الشفعة وسقی الاراضی حتی ان من اراد ان يكری نهرًا منها الی الارض لم يمنع من ذلك ------ والثانی ماء الاودية العظام لجيحون وسيحون ودجلة والفرات للناس فيه حق الشفعة علی الاطلاق وحق سقی الاراضی بان احی واحد ارضًا ميتة وكری منه نهرًا يسقيها ان كان لا يضر بالعامة ولا يكون نهرًا فی ملك احد لانها مباحة فی الاصل ---- والاصل فيه قوله عليه السلام الناس شركاء فی ثلاث فی الماء والكلاء والنار۔

(الهداية ج۴ ص۴۸۲ مسائل الشرب)

كتاب الذبائح والصيد

ولا تاكلوا مما لم يذكر
اسم الله عليه وانه لفسق

واذا حللتم
فاصطادوا

کتاب الذبائح

(ذبح کرنے کے احکام ومسائل)

ذبح کے لیے اللہ کا نام لینا ہی کافی ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کوئی جانور ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے کی بجائے دوسرے ایسے کلمات ذکر کرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں استعمال ہوتے ہوں تو کیا اس سے ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ ذبیحہ کی حلّت کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام لینا کافی ہے جس کی تخصیص مذکورہ بالا کلمات سے نہیں بلکہ ہر اُن کلمات سے ذبح کرنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دال ہوں۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: (والشرط فی التسمیة هو الذکر الخالص عن شوب الدعاء) وغیره (فلا یحل بقوله اللّٰهم اغفرلی) لانه دعاء وسوال (بخلاف الحمد لله وسبحان اللّٰهِ مریداً به التسمیة) فانه یحل۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۰۱ کتاب الذبائح) [1]

معاونِ ذابح کے لیے تسمیہ کا حکم

سوال:۔ مذبوحہ کی حلّت کے لیے اگرچہ ذابح کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص ذابح سے تعاون کر رہا ہو تو کیا اُس کے لیے بھی ذابح کی طرح تسمیہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس کے تسمیہ ترک کرنے سے مذبوحہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ اگر معاون کی حیثیت اس درجہ کی ہو کہ ذابح کا کردار اس کے بغیر نامکمل ہو، یہاں تک کہ چھری ہاتھ میں لے کر ذبح کرنے میں دونوں شریک کار ہوں تو ہر ایک کے لیے تسمیہ کہنا ضروری ہے اور ہر ایک مستقل ذابح شمار ہوگا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: وفیها اراد التضحیة فوضع یده مع ید القصاب

---

[1] لما قال الشیخ الاسلام ابو بکر بن علی الحداد الیمنیؒ: وان قال بسم الله الرحمٰن الرحیم فهو حسن والشرط هو الذکر الخالص المجرد علیٰ ما قال ابن مسعود جردوا التسمیة..... ولو قال سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله یرید التسمیة اجزء لان المامور به ذکر الله علی وجه التعظیم۔ (الجوهرة النیرة ج ۲ ص ۲۷۶ کتاب الذبائح)

فی الذبح واعانه علی الذبح سمی کل وجوباً فلو ترکہا احدھما اوظن ان تسمیۃ احدھما تکفی حرمۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۳۴ کتاب الاضحیۃ) ؎۱

ذبح فوق العقد کا حکم

سوال:۔ شریعتِ مقدسہ میں ذبح فوق العقد کا کیا حکم ہے، اور اس سے جانور کی حلت وحرمت پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟

الجواب:۔ ذبح میں اصل چیز حلقوم، مری اور دو رگوں کا کاٹنا ضروری ہے جو عقد کے نیچے جمع ہوتے ہیں اس لیے تحت العقد ذبح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ تاہم اگر ماہرین ذبح یہ کہیں کہ یہ اعضاء عقد کے اوپر کٹ جاتے ہیں تو بلا شبہ جانور حلال ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ ذبح تحت العقد ہو۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: والذبح بین الحلق واللبۃ وفی الجامع الصغیر لا بأس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ واعلاہ واسفلہ۔

(الھدایۃ ج ۴ ص ۴۳۵ کتاب الذبائح) ؎۲

کسی جانور کا حرکت کرنا یا خون نکلنا باعثِ حلت ہے

سوال:۔ اگر کسی جانور میں بظاہر زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے ہوں لیکن ذبح کرنے کے بعد اس سے خون نکل آئے یا وہ حرکت کرے تو کیا اس سے وہ جانور حلال تصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کسی جانور میں ظاہری علاماتِ حیات مفقود ہوں لیکن بوقتِ ذبح

؎۱ لما قال العلامۃ الفرغانی رحمہ اللہ: رجلٌ اراد ان یضحی فوضع صاحب الشاۃ مع ید القصاب فی الذبح واعانہٗ علی الذبح حتی صار ذابحاً مع القصاب۔ قال الشیخ الامام رحمہ اللہ تعالیٰ یجب علی کل واحدٍ منھما التسمیۃ حتی لو ترک احدھما التسمیۃ لا تحل الذبیحۃ۔ (الفتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۳ ص ۳۵۵ کتاب الاضحیۃ۔ فصل فی مسائل متفرقہ)

؎۲ قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وذکاۃ (الاختیار ذبح بین الحلق واللبۃ بالفتح: المنحر من الصدر (وعروقہ الحلقوم) کلہ وسطہ او اعلاہ او اسفلہ وھو مجری النفس۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۹۴ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُہٗ فی العنایۃ علیٰ ھامش فتح القدیر ج ۸ ص ۴۱۲ کتاب الذبائح۔

حرکت کرے یا اِتنا خون نکل آئے جتنا کہ زندہ جانور سے نکلتا ہو تو اس کی زندگی کے لیے یہ علامت کافی ہے اور اس سے یہ جانور حلال سمجھا جائے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ذبح شاة مریضة فتحرکت او خرج الدم حلت والّا لا یان لم تدر حیاته۔ قال ابن عابدینؒ (قوله او اخرج الدم) کما یخرج من الحی۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۰۸ کتاب الذبائح) [1]

بوقتِ ذبح جانور کا سر تن سے جدا کرنا مکروہ ہے

سوال:۔ ذبح کرتے وقت اگر ذابح سے جانور کا سر کٹ جائے تو کیا اس سے مذبوحہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذبح کرتے وقت ذبیحہ کا سر کٹ جانے سے ذبح پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا، اس کا گوشت حلال اور کھانے کے قابل ہے، تاہم جانور کے ٹھنڈا ہونے سے قبل اس کا سر کاٹنا بوجہ غیر ضروری تعذیب کے کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال الامام ابوالحسین احمد بن محمد البغدادیؒ: ومن بلغ بالسکین النخع وقطع الرأس کرہ له ذٰلك وتوکل ذبیحته۔ (مختصر القدوری ص۲۷۶ کتاب الذبائح) [2]

بوجہِ حادثہ سر کٹنے کے بعد جانور کا حکم

سوال:۔ اگر کسی جانور کا سر کسی حادثہ میں تن سے جدا ہو جائے تو باقیماندہ بدن پر چھری پھیرنے سے وہ جانور حلال ہوگا یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل ذبح شاة او بقرة وتحرکت بعد الذبح خرج منها دم مسفوح تحل وکذا ان تحرکت ولم یخرج الدم او خرج الدم ولم یتحرك ..... وفی شرح الطحاوی وخروج الدم لا یدل علی الحیوٰة الا اذا کان یخرج کما یخرج من الحی۔ (خلاصة الفتاوٰی ج۴ ص۳۰۶ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوٰی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۳۰۵ کتاب الذبائح۔

[2] لما قال الامام عبد الله بن محمود بن مودود الموصلی ویکره ان یبلغ بالسکین النخع او یقطع الرأس وتؤکل۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۱۲ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۶ ص۲۹۶ کتاب الذبائح۔

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق سر کٹنے کے بعد وہ رگیں اگر باقی ہوں جن کو کاٹنے سے جانور حلال ہوتا ہو تو یہ جانور حلال نہ ہوگا صرف چھری پھیرنا کافی نہیں ۔

لما قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ : ولو انتزع الذئب رأس الشاة وبقیت حیة تحل بالذبح بین اللبة واللحیین، وفیہ..... شاة قطع الذئب اوداجها وهی حیة لا تذکی لفوات محل الذبح ۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۰۸ کتاب الذبائح) لہ

دانت یا ناخن وغیرہ سے ذبیحہ کا حکم | سوال :۔ اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ حلال جانور قریب المرگ ہو اور چھری وغیرہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے جانور کے مردار ہونے کا خطرہ ہو تو کیا دانت، ناخن یا کسی تیز دھار پتھر سے جانور کا ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ کسی ہنگامی حالت میں چاقو یا چھری دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ناخن، دانت یا تیز دھار پتھر وغیرہ سے جانور کا ذبح کرنا صحیح اور درست ہے بشرطیکہ ناخن اور دانت نکلے ہوئے ہوں ورنہ انگلیوں میں بڑھے ہوئے ناخن یا منہ کے دانتوں سے جانور ذبح کرنا جائز نہیں، لیکن انسان کے قابلِ احترام اجزاء ہونے کی وجہ سے نکلے ہوئے دانتوں یا ناخنوں سے جانور ذبح کرنا کراہت سے خالی نہیں ۔

لما قال العلامة ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانیؒ : ظفر منزوعٌ اَوْ قرن اَوْ عظم اَوْ سنٌّ منزوعة ذبح بہٖ فانهر الدم وافری الاوداج لم یکن بأس بہٖ بأسٌ واکرہ هذا الذبح، وان ذبح بظفر او بسن غیر منزوعةٍ فهی میتةٌ ۔ (الجامع الصغیر ص۳۸۶ کتاب الذبائح) ۲ہ

لہ ذکر فی الهندیة :ولو انتزع الذئب رأس الشاة وهی حیة تحل بالذبح بین اللبة واللحیین ...... شاة قطع الذئب اوداجها وهی لا تذکی لفوات محل الذبح ۔
(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۲۹۱ کتاب الذبائح الباب الثالث فی المتفرقات)

۲ہ قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ : ویجوز بالظفر والسن والقرن اذا کان منزوعًا حتی لا یکون بأکلہ بأس الا ان یکرہ هذا الذبح..... بخلاف غیر المنزوع لانہٗ یقتل بالثقل فیکون فی معنی المنخنقة ۔ (الهدایة ج۴ ص۴۳۶ کتاب الذبائح)
وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۹۱ کتاب الذبائح ۔

مشینی ذبیحہ کا حکم

سوال:۔ آجکل جدید سائنسی آلات سے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، شریعتِ مقدسہ میں مشینی ذبیحہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ کسی جانور کو ذبح کرنے کے لیے شریعتِ مقدسہ نے چند شرائط رکھی ہیں:۔
(۱) ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا (۲) بوقتِ ذبح تسمیہ پڑھنا (۳) تحت العقد ذبح کرنا۔
لہٰذا اگر جدید سائنسی آلات سے ذبح کرنے میں مذکورہ شرائط موجود ہوں تو ذبیحہ حلال ہوگا اور اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، بصورتِ دیگر ایسا ذبیحہ حلال نہیں اور نہ اس کا کھانا جائز ہے۔

لما قال الامام ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی القدوریؒ: وذبیحۃ المسلم والکتابی حلال ولا تؤکل ذبیحۃ المرتد والمجوسی والوثنی والمحرم وان ترک التسمیۃ عمداً فالذبیحۃ میتۃ لا تؤکل وان ترکھا ناسیاً اُکل والذبح بین الحلق واللبۃ والعروق التی تقطع فی الزکاۃ اربعۃ الحلقوم والمری والودجان۔
(مختصر القدوری ص۲۷۶ کتاب الذبائح) [۱]

خاص مواقع کے ذبح کا حکم

سوال:۔ بعض دفعہ خاص اسباب کی موجودگی میں کوئی جانور ذبح کیا جاتا ہے، مثلاً بیمار کو جب صحتیابی ملے تو اس کے لیے جانور ذبح کیا جاتا ہے یا کسی اہم تقریب کے انعقاد پر مہمان نوازی کے لیے جانور ذبح کیا جاتا ہے، تو کیا ان خاص اسباب کی وجہ سے اس کی حِلّت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں وہ ذبیحہ حرام ہے جو غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا گیا ہو، مذکورہ بالا صورتوں میں غیر اللہ کا تقدس و تقرب نہیں بلکہ شکرِ الٰہی پیشِ نظر ہوتا ہے اس لیے اس ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

---

[۱] قال الامام عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلیؒ: والزکاۃ الاختیاریۃ وھی الذبح فی الحلق واللبۃ والاضطراریۃ وھی الجرح فی ای موضع اتفق وشرطھما التسمیۃ وکون الذابح مسلماً اوکتابیاً۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۹ کتاب الذبائح)
وَمِثْلُہٗ فی کنز الدقائق ص۴۱۶ کتاب الذبائح۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ : (ولو ذبح للضیف یحرم) وعلی ھذا فالذبح عند وضع الجدار او عروض مرض او شفاء منہ لا شك فی حلہ لان القصد منہ التصدق ۔ (رد المحتار ج ۶ ص۳۰۹ کتاب الذبائح) [1]

اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا حکم

سوال: ۔موجودہ دور کے عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ۔شریعتِ مقدسہ میں ذابح کا مسلمان یا اہلِ کتاب ہونا ضروری ہے، اسلیئے عیسائی اور یہودی اگر اپنے مذہب کی بنیادی تعلیمات کی پیروی کے دعویدار ہوں تو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ تاہم موجودہ دور کی جدت پسندی کو مدنظر رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ عیسائی اور یہودی ایسے عقائد ونظریات پر عمل پیرا ہیں جو اُن کے مذہب کے بنیادی عقائد سے متصادم ہیں، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ان کا ذبیحہ کھانے سے احتراز کیا جائے۔

لما قال العلامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفیؒ : حل ذبیحۃ مسلم و کتابی ۔ الخ (کنز الدقائق ص۴۱۶ کتاب الذبائح) [2]

اہلِ تشیع کے ذبیحہ کا حکم

سوال: ۔جناب مفتی صاحب! کیا اہلِ تشیع کے ذبیحہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔علماءِ محققین کے نزدیک موجودہ دور کے اہلِ تشیع تعصب اور بغض و عناد کی وجہ سے ایسے عقائد کے معتقد ہیں جو موجبِ کفر ہیں، ایسے کفریہ عقائد رکھنے

---

[1] قال العلامۃ المفتی محمد کامل بن مصطفیٰ الطرابلسیؒ : وعلی ھذا فالذبح عند وضع الجدار وعروض مرض وشفاء منہ لا شك فی حلہ لان القصد منہ التصدق ۔ (الفتاوی الکاملیۃ ص۲۳۹ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُہٗ فی غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر للحمویؒ ج ۳ ص۲۳ کتاب الذبائح ۔

[2] قال الشیخ ابوالحسین احمد بن محمد البغدادیؒ : وذبیحۃ المسلم والکتابی حلال۔ (مختصر القدوری ص۲۷۵ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُہٗ فی الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۹ کتاب الذبائح ۔

کی وجہ سے ان کے ذبیحہ کا حکم مُرتدین کا ہو کر کھانے کے قابل نہیں ۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ : الرافضی ان کان یسبُّ الشیخین ویلعنهما فهو کافرٌ وان کان یفضل علیًّا علیٰ ابی بکر وعمر رضی الله عنهم لا یکون کافرًا لکنهٗ مبتدعٌ ۔ (خلاصة الفتاویٰ ج۴ ص۳۸۱ کتاب الکراهیة) [1]

گائے کے گوشت کی حلّت کا حکم

سوال :۔ بعض واعظین سے اکثر ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں جو گائے کے گوشت سے نفرت دلاتی ہیں، کیا گائے کا گوشت کھانا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ ازروئے شرع گائے ان حیوانات کی فہرست میں داخل ہے جو چیر پھاڑ کر نہیں کھاتے، اس لیے اس کی حلّت میں کوئی شک نہیں، فقہاء کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ گائے تو درکنار بلکہ اس کے پیٹ میں زندہ بچے کو اگر ذبح کیا جائے تو وہ بھی حلال ہے ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : بقرة تعسّرَ ولادتها فادخل ربها یده وذبح الولد حل وان جرحه فی غیر محل الذبح وان لم یقدر علیٰ ذبحه حل وان قدر لا ۔ (ردالمحتار ج۶ ص۳۰۳ کتاب الذبائح) [2]

چوری کیے گئے جانور کے گوشت کا حکم

سوال : چوری کئے گئے یا کسی مغصوبہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

---

[1] لما قال العلامة مُلا علی القاریؒ : قلتُ : وَهٰذا فی غیر حق الرافضة الخارجیة فی زماننا فانهم یعتقدون کفر اکثر الصحابة فضلاً عن سائر اهل السنة والجماعة فهم کفرة بالاجماع بلا نزاع ۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج۹ ص۱۳۷ کتاب الفتن)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الفقه الاکبر ص۲۷۱ الکبیرة لاتخرج المؤمن عن الایمان ۔

[2] قال العلامة الاستاذ محمد الشهیر بالطوریؒ : لو ان بقرة تعسر علیها الولادة فادخل صاحبها یده وذبح الولد حل أکله وان جرحها فی غیر موضع الذبح اذا کان لا یقدر علیٰ ذبحه یحل وان کان یقدر لا یحل ۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۷۱ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاویٰ الهندیة ج۵ ص۲۸۷ کتاب الذبائح ۔ الباب الاول ۔

الجواب:۔ حلال جانور کی حلّت وحُرمت کے احکام پر سرقہ اور غصب مؤثر نہیں ہوتے بشرطیکہ ذابح مسلمان ہو اور ذبح کے وقت ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، تاہم سارق اور غاصب پر مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: غصب شاۃ وضحی بھا ان اخذھا مالکھا وضمنه النقصان لا یقع عن الاضحیة وان ضمنه قیمتھا حیة وقعت عنھا لانھا صارت ملکاً من وقت الغصب۔ (الفتاوی البزازیة علی ھامش الھندیة ج۶ ص۲۹۱ کتاب الاضحیة) [1]

خرگوش حلال جانور ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! خرگوش کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اہل تشیع اس کی حُرمت کے قائل ہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے خرگوش کو حلال جانور قرار دیا ہے۔

لماقال العلامة التمرتاشی رحمه اللّٰه: (و) حل (غراب الزرع) الذی یاکل الحب (والارنب والعقعق)۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۰۸ کتاب الذبائح) [2]

کوّے کی حلّت وحُرمت کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کوّے کی حلّت وحرمت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کوّے کو عربی میں غُراب کہا جاتا ہے، فقہاء کرام کے اقوال سے

---

[1] لما قال العلامة طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: اذا غصب شاۃ وضحی بھا لا یجوز و صاحبھا بالخیار ان شاء اخذھا ناقصة ویضمنه النقصان ولا یجوز عن الاضحیة وان شاء ضمنه قیمتھا حیة فتصیر الشاۃ ملکاً للغاصب من وقت الغصب فیجوز عند الثلاثة رحمھم اللہ استحساناً۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۱۶ کتاب الاضحیة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی الھندیة ج۵ ص۳۰۳ الباب السابع فی التضحیة عن الغیر۔

[2] واخرجه الامام ابوعیسی الترمذیؒ فی سننه: عن ھشام بن زید قال سمعتُ انساً یقول انفجنا ارنباً بمر الظھران فسعی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خلفھا فادرکتُھا فاخذتُھا فاتیتُ بھا ابا طلحة فذبحھا بمروۃ فبعث معی بفخذھا او بورکھا الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فاکله قلت اکله قال قبله۔ (الجامع الترمذی ج۲ ص۱ (کتاب الاطعمة باب ماجاء فی اکل الارنب)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۸ ص۱۷۲ کتاب الذبائح۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں (۱) بعض کوّے ایسے ہوتے ہیں جو صرف مردار اور اور نجس چیزیں کھاتے ہیں، غراب (کوّے) کی یہ قسم حرام ہے۔ (۲) دوسری قسم کے کوّے وہ ہیں جو کھانے میں صرف دانے (پاکیزہ چیزیں) استعمال کرتے ہیں، مُردار نہیں کھاتے، ان کا کھانا حلال ہے۔ (۳) کوّوں کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کی خوراک حرام اور حلال سے مرکب ہوتی ہے، یعنی مردار بھی کھالیتے ہیں اور پاکیزہ چیزیں بھی ــــ قاضی ابو یوسفؒ اگرچہ اس کی کراہت کے قائل ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے اور فتویٰ آپؒ ہی کے قول پر ہے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعیؒ: والغراب ثلاثة انواع یأکل الجیف فحسب فانہ لا یؤکل ونوع یأکل الحب فقط فانہ یؤکل ونوع یخلط بینہم وھوایضاً یؤکل عند ابی حنیفةؒ وھوالعقعق لانہ کالدجاج وعن ابی یوسف رحمہ اللہ انہ یکرہ لان غالب ماکولہ الجیف والاول اصح ۔ انتہٰی

(تبیین الحقائق ج ۵ ص۲۹۵ کتاب الذبائح) لہ

ہُدہُد کھانے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہُدہُد کا گوشت کھانا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں ہر اُس پرندے کا کھانا حرام ہے جو اپنی خوراک (شکار) چیر پھاڑ کر کھاتا ہو، ہُدہُد کا شمار چونکہ ایسے پرندوں میں نہیں ہوتا جو چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں اس لیے اس کے کھانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، تاہم بعض فقہاءِ کرام نے اس کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے۔

لہ لما قال العلامة الاستاذ محمد الشہیر بالطوری رحمہ اللہ: والغراب ثلاثة انواع نوعٌ یأکل الجیف فحسب فانہٗ لا یؤکل ونوعٌ یاکل الحب فحسب فانہ یؤکل ونوع یخلط بینھما وھوایضاً یؤکل عند الامام وھوالعقعق لانہ یاکل الدجاج وعن ابی یوسفؒ انہٗ یکرہ اکلہ لانہٗ غالب اکلہ الجیف والاوّل اصح۔

(البحرالرائق ج ۸ ص۱۷۲ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُہٗ فی مجمع الانھر شرح الملتقی الابحر ج ۲ ص۵۱۲ کتاب الذبائح۔

لما قال الامام شیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی الیمنیؒ: وکذا لا باس باکل العقعق والهدهد والحمام والعصافیر لان عامة اکلها الحب والثمار
(الجوهرة النیرة ج ۲ ص ۲۷۹ کتاب الذبائح) لہ
وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ویکرہ الصرد والهدهد۔
(رد المحتار ج ۶ ص ۳۰۶ کتاب الذبائح) لہ

موطوء جانور (چارپائے) کا شرعی حکم

سوال:۔ کسی حیوان سے بدفعلی کرنے سے اس فعل کی قباحت اور حرمت سے قطع نظر اس کے گوشت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کسی حلال جانور سے ایسے مکروہ فعل کے کرنے سے اس کا گوشت یا دودھ حرام نہیں ہوتا ہے، تاہم ایسے حیوان کی موجودگی اس غیر فطری عمل کے تذکرا اور یاد دہانی کا ذریعہ ضرور ہے، اس لیے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ ایسے جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت جلادیا جائے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ شناعت دائمی نہ رہے تاہم کسی دور دراز علاقہ میں لے جاکر فروخت کرنے سے بھی ایسے جانور کو دور کیا جاسکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن الهمامؒ: (والذی یروی انه تذبح البهیمة وتحرق ذلك لقطع) امتداد (التحدث به) کلما رؤیت فیتاذی الفاعل به ولیس بواجب واذا ذبحت وهی مما لا تؤکل ضمن قیمتها......وان کانت مما تؤکل اکلت وضمن عند ابی حنیفةؒ وعند ابی یوسفؒ لا تؤکل۔ (فتح القدیر شرح الهدایة ج ۵ ص ۲۵ کتاب الذبائح) ۲ہ

لہ قال الامام ابو اللیث السمرقندیؒ الفقیه الکامل: ولا باس باکل العقعق عند ابی حنیفةؒ وکذا لا باس بالهدهد۔ (الفتاوی النوازل ص ۲۳۶ کتاب الذبائح)
ومثلهٗ فی الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۲۹۰ کتاب الذبائح۔ الباب الثانی۔
۲ہ قال العلامة ابن نجیمؒ: والذی انها تذبح البهیمة وتحریم فذلك لقطع التحدث به ولیس بواجب قالوا ان کانت الدابة مما لا تاکل لحمها تذبح وتحرق لما ذکرنا وان کانت مما تؤکل تذبح وتؤکل عند ابی حنیفة وقالا تحرق هذا ایضاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۷ کتاب الذبائح)
ومثلهٗ فی رد المحتار ج ۴ ص ۲۶ کتاب الحدود، مطلب فی وطء الدابة

یورپ کے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بلادِ عرب میں نیوزی لینڈ، آسٹریلیا وغیرہ یورپی ممالک سے بند ڈبوں میں مرغی اور دیگر جانوروں کا گوشت آتا ہے اور ان ڈبوں پر یہ تحریر ہوتا ہے کہ حلال طریقے سے ذبح کیا گیا ہے، تو کیا ایسے گوشت کا استعمال کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ایسے گوشت کے بارے میں اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس کے ذابحین مسلمان ہیں اور انہوں نے اسلامی طریقہ سے ذبح کیا ہے تو فتویٰ کی رُو سے اس کا استعمال کرنا مرخص ہے مگر تقویٰ کی رُو سے اس سلسلہ میں عصرِ حاضر کی دیگر بے احتیاطیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے استعمال سے پرہیز ہی کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة التمرتاشي رحمه الله : وزكوٰة الإختيار ذبح اطلق واللبة...... والمري والودجان..... وشرط كون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم .... والشرط في التسمية هو الذكر الخالص عن شوب الدعاء۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج۶ ص۲۹۶ كتاب الذبائح)[1]

غیر فطری طریقہ کی پیداوار غیر ملکی گائے کا حکم

سوال:۔ بعض نسل کی گائیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی نسل کشی کے لیے خنزیر کا مادہ منویہ بذریعہ ٹیسٹ ٹیوب یا بذریعہ ٹیکہ استعمال کیا جاتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، ایسی گائے کو جرمنی یا غیر ملکی گائے کہا جاتا ہے۔ ایسی گائے کے گوشت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حیوانات کی نسل مادہ سے ثابت ہوتی ہے، نر کے مادۂ منویہ کا کوئی

---

[1] وفي الهندية : الاختيارية فركنها الذبح فيما يذبح من الشاة........ والذبح هو فرى الاوداج ومحله ما بين اللبة واللحيين ..... منها ان يكون مسلماً او كتابياً.... منها التسمية حالة الزكاة عندنا..... منها ان يريد بها التسمية على الذبيحة..... منها قيام اصل الحياة في المستأنس وقت الذبح ۔ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۲۸۵،۲۸۶ كتاب الذبائح ۔ الباب الاول)

وَمِثْلُهٗ في الهداية ج۴ ص۴۳۲ كتاب الذبائح ۔

اِعتبار نہیں ہوتا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بکری کے ساتھ کوئی درندہ جفتی کرے تو بچہ ماں کے تابع ہوگا، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق جرمنی کی مذکورہ گائے کو ذبح کرنا اور اس سے انتفاع حاصل کرنا یعنی اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمه الله : فان کان متولداً من الوحشی والانسی فالعبرة للام فان کانت اهلية يجوز والافلا حتى ان البقرة الاهلية اذا نزعها ثور وحشی فولدت ولداً فانهٔ يجوز ان يضحی به وان کانت البقرة وحشية والثور اهليا لم يجز لان الاصل فی الولد الام لانه ينفصل عن الام۔

(بدائع الصنائع ج۵ ص۶۹ کتاب الذبائح) لـه

بوقتِ ذبح عمداً تسمیہ چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص جانور ذبح کرتے وقت قصداً و عمداً بسم اللہ چھوڑ دے تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں ذبح کرتے وقت بسم اللہ الخ قصداً و عمداً ترک کرنا ذبیحہ کے مردار ہونے کا سبب ہے، لہٰذا بوقتِ ذبح عمداً بسم اللہ ترک کرنے سے ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے جس سے کسی بھی قسم کا انتفاع جائز نہیں، نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ دوسروں کو کھلا سکتا ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمه الله : ان ترك التسمية عمداً لايسع الاجتهاد ولو قضی القاضی بجواز بيعه لاينفذ۔

(الهداية علیٰ صدر فتح القدير ج۸ ص۵۷ کتاب الذبائح) ٢ـه

لـه قال العلامة ابوبکر الجصاص الرازیؒ : الاتری ان حمارة اهلية لو ولدت من حمار وحشی لم يؤكل ولدها ولو ولدت حمارة وحشية من حمار اهلی اُکل ولدها فکان الولد تابعاً لامه دون ابيه ۔ (احکام القرآن ج۵ ص۳ سورة النحل)

٢ـه قال العلامة ابن عابدينؒ : ولا تحل ذبيحة من تعمد ترك التسمية مسلماً اوکتابيا لنص القرآن ولا نعقاد الاجماع ۔ (رد المحتار ج۶ ص۲۹۹ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج۴ ص۴۳۵ کتاب الذبائح ۔

حلال جانور کے حرام اجزاء | **سوال**: حلال مذبوحہ کے بدن سے کون کون سی چیزیں کھانا حرام ہیں؟

الجواب:۔ حلال جانور کا شرعی طریقہ سے ذبح ہونے کے باوجود اس کے سات مندرجہ ذیل اعضاء کا کھانا حرام ہے:۔ ۱۔ پِتّا ۲۔ مثانہ ۳۔ غدود ۴۔ فرج ۵۔ ذکر، ۶۔ خُصیتین اور ۷۔ دمِ مسفوح۔

لما قال العلامۃ محمد بن حسن الشیبانیؒ: عن مجاھد قال کرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الشاۃ سبعاً: المرار والمثانۃ والغدۃ والحیاء والذکر والانثیین والدم۔ انتہی (کتاب الآثار ص۱۷۹ باب ما یکرہ من الشاۃ الدم وغیرہ)[1]

جانور کو گولی مار کر ذبح کرنا | **سوال**:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے قریب ایک جنگل ہے جس کو ہم لوگ بیلہ کہتے ہیں، گاؤں والے اس میں اپنے مال مویشی چھوڑ دیتے ہیں جس میں کبھی کبھی کوئی جانور وحشی بھی ہو جاتا ہے جو کسی طرح قابو میں نہیں آتا تو لوگ اس کو گولی مار کر گرا لیتے ہیں اور پھر اس کو ذبح کرتے ہیں۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: گولی مار کر گرانے کے بعد اگر جانور میں جان باقی ہو اور فوراً اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہوگا ورنہ نہیں، البتہ کسی جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بلاوجہ گولی مارنا ظلم و زیادتی اور موجبِ گناہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وحل المذبوح بقطع ای ثلاث منہا اذ للاکثر حکم الکل۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۶ ص۲۹۵ کتاب الذبائح)

◎

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الکاسانیؒ: واما بیان ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان المأکول فالذی یحرم اکلہ منہ سبعۃ الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۵ ص۶۱ کتاب الذبائح)

ومِثلُہٗ فی تنقیح الحامدیۃ ج۲ ص۲۳۲ کتاب الذبائح۔

خنزیر کی حرمت میں فلسفہ

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! یہاں جاپان میں عموماً خنزیر کا گوشت کھایا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض مسلمان جو کہ عرصہ دراز سے یہاں مقیم ہیں وہ بھی استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گائے اور خنزیر کے گوشت میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا گوشت ایک ہی طرح کا ہوتا ہے بلکہ خنزیر کا گوشت گائے کے گوشت سے لذیذ ہوتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ اسلام میں خنزیر کا گوشت حرام قرار دینے کا کیا فلسفہ ہے؟

الجواب:۔ اسلامی نقطہ نظر سے کسی چیز کی علت اور حرمت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ تعالیٰ جس چیز کو حلال فرما دیں وہ حلال ہوتی ہے اور جس کو حرام فرما دیں وہ حرام ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں کسی کو قیاس آرائی کی اجازت نہیں کہ وہ اِدھر اُدھر صغریٰ وکبریٰ ملا کر کسی چیز پر حلال یا حرام ہونے کا حکم لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف حیوانات کی طرح گائے کو بھی حلال قرار دیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ ---- وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ۔

(سورۃ الانعام پ۸ آیت ---)

(ترجمہ) "آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم، آپؐ کہہ دیں کہ کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو ---- اور گائے میں دو قسم، آپؐ کہہ دیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو۔"

مشہور مفسرِ قرآن علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

ثمّ بین اصناف الانعام الی غنم ------- الابل ذکورھا واناثھا وبقر کذلک وانہ تعالیٰ لم یحرم شیئاً من ذلک ولا شیئاً من اولادھا بل کلھا مخلوقۃ لبنی آدم اکلا ورکوباً وحمولۃ وحلباً وغیر ذلک من وجوہ المنافع۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۳)

(ترجمہ) "پھر اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی اقسام کو بیان کیا ---- حتیٰ کہ اونٹ اس کا نر و مادہ اور اسی طرح گائے بھی، بیشک اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی حرام نہیں کیا بلکہ یہ سارے کے سارے بنی آدم کے کھانے، سواری، باربرداری اور دودھ وغیرہ منافع کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔"

اس لیے گائے کے حلال ہونے میں شک کرنا صحیح نہیں ـــــ اور خنزیر کو بعض دیگر حیوانات کی طرح حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا۔ (سورۃ الانعام پ۸ آیت ۱۴۵)

(ترجمہ) "آپؐ فرمادیں کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں جو مجھ کو پہنچتی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سؤر کا کہ وہ ناپاک اور ناجائز ہے"۔

اور اسی پر امت کا اجماع ہے، علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں :-

"خنزیر نجس العین ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں"۔ (حیات الحیوان (اردو) ج ۲ ص۱۶۱ الخنزیر)

خنزیر کی حرمت پر قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ، آثارِ صحابہ و تابعین اس کثرت سے دال ہیں کہ کسی بھی مسلمان کے لیے ان کے ہوتے ہوئے اس کا کھانا حلال نہیں۔

شریعت جس چیز کو حرام کرتی ہے اس میں اس حکم کے علاوہ دیگر مضرات بھی ہوتے ہیں جو انسانی بدن یا اس کے اخلاق کے لیے صحیح نہیں ہوتے۔ چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ خنزیر کی حرمت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

(۱) اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اوّل درجہ کا نجاست خور، بےغیرت اور دیوث ہے، اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر (انسانی) بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مُسلّم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بد ہی ہوگا، جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے، پس جبکہ یہ امر مُسلّم ہے کہ تغیّر بدن و تغیّر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے، لہٰذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعتِ اسلامیہ نے منع فرما دیا۔

(۲) خنزیر یعنی خوک نجاست کی طرف بہت زیادہ مائل ہے خصوصاً انسان کا فُضلہ یعنی براز اس کی خوراک ہے، اس کا گوشت اسی نجاست سے پیدا ہوتا ہے، پس اس کا گوشت کھانا گویا

اپنی نجاست کھانا ہے۔

(۳) صاحبِ مخزن الادویہ فسادِ گوشت خوک اور اس کی حرمت کی تیرہ وجوہ ذیل میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرتِ انسانی کے برخلاف ہے، وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"گوشت خوک موادِ خلط غلیظ است و مورث حرص شدید و صداع مزمن، دوادالفیل، واوجاع المفاصل وفسادِ عقل و زوالِ مروت وغیرت وحمیت و باعثِ فحش است و اکثرے از فرق غیر اسلامی آں رامی خورند وقبل از ظہور نورِ اسلام گوشت آں را در بازار ہامی فروختند و بعد ازاں در مذہبِ اسلام حرام و بیع آں ممنوع وموقوف گردید بسیار کثیف و بدہیئت است۔"

(احکام اسلام عقل کی نظر میں ص۲۰۴)

(۴) سور کا گوشت ایک بیماری کا باعث بنتا ہے جو کہ آنکھوں کی ایک بیماری ہے اور اس کا نام ٹرکن اوسس ہے۔ جو کہ صحرائی آب وہوا میں بہت جلد اثر کرتی ہے۔

باقی رہا مسئلہ گائے وغیرہ کا تو مولانا اشرف علی تھانوی اس بارے میں فرماتے ہیں :۔

(۱) یہ سارے جانور دراصل مزاجِ انسانی کے موافق اور ستھرے ومعتدل المزاج ہوتے ہیں اس لیے حلال ٹھہرائے گئے ہیں اور ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام فرمایا ہے، اور اسی توافق واعتدال کے سبب دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت بنی آدم استعمال کرتے ہیں، فطرتِ انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ بنی آدم کی خوراک کا کچھ حصہ نباتات سے ہوتا ہے ایسا ہی کچھ حصہ اس کا حیوانات سے ہو، اور اس کی خوراک کے لیے حیوانات بھی وہ مقرر ہونے مناسب تھے جو اس کے مزاج کے موافق ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

(۲) جبکہ انسان جامع جلال وجمال ہے تو اس کی خوراک میں بھی جلال وجمال دونوں کا ہونا مناسب تھا لہٰذا انسان کی خوراک کے لیے وہ جانور مقرر ہوئے جن میں جمال و جلال ہر دو صفات موجود ہیں۔ (احکامِ اسلام عقل کی نظر میں ص۲۱۷)

مزید تفصیل کے لیے "حیات الحیوان" از علامہ دمیری رحمہ اللہ کی طرف مراجعت کریں، مسلمان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہی کافی ہے۔ (ہو الموفق والمعین)

کچھوا کھانے کا حکم

سوال: جنابِ مفتی صاحب! کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ دریائی جانور سب پاک ہیں اس لیے کچھوا کھانا بھی جائز ہے، جبکہ کچھ لوگوں کے نزدیک اس کا کھانا درست نہیں، شریعتِ مطہرہ کے احکامات کی روشنی میں بتائیں کہ کچھوا کھانا حلال ہے یا حرام؟

الجواب: احناف کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے فقط مچھلی حلال ہے، باقی سب حرام، لہٰذا کچھوا (شمشتی) کھانا بھی حرام ہے۔

قال العلامة المرغيناني: ولا يؤكل من حيوان الماء الا السمك۔

(الهداية ج۴ ص۴۴۲ كتاب الذبائح)

درندوں کی حرمت کا فلسفہ

سوال: بعض اوقات میرے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ شریعتِ مقدسہ نے جو شیر، ریچھ، گیدڑ وغیرہ درندوں کو حرام قرار دیا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے اور کس فلسفہ کے تحت یہ درندے حرام قرار دیئے گئے ہیں، ازراہ کرم تسلی بخش جواب دے کر مشکور فرمائیں؟

الجواب: ایک مسلمان کے لیے کسی چیز کے بارے میں حلت وحرمت کا اعتقاد کسی فلسفے کے تحت نہیں ہونا چاہیئے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے ماننا ضروری ہے اللہ تعالیٰ کسی چیز کے بارے میں حلت وحرمت کا حکم بغیر کسی حکمت کے نہیں فرماتا۔

چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سارے درندے جانور جن کی سرشت و فطرت میں پنجوں سے چھیلنا اور صولت سے زخم پہنچانا اور جن میں سخت دلی ہے سبب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑیے کے بارے میں فرمایا ہے: اویا کل احد یعنی کیا بھیڑیے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے یعنی اس کو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں رحم نہیں ہوتا، اسی واسطے ہر شکاری پرندے کے کھانے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔" (احکامِ اسلام عقل کی نظر میں ص۲۰۵ کتاب الاکل والشرب)

◎

کتاب الصّید

(شکار کرنے کے احکام و مسائل)

جال سے شکار کرنا جائز ہے

سوال:۔ بعض علاقوں میں مچھلی یا پرندوں کے شکار کے لیے جال استعمال کیا جاتا ہے جس میں عموماً پرندوں کو سبز باغ دکھا کر پکڑا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ دھوکہ دہی کے دائرہ میں ہو کر شکار پر اس کا کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شکار قرآن و حدیث کی رو سے مباح ہے، ایسے مباح امر کے حصول کے لیے کسی حیلہ کا اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں، جال سے شکار کرنا کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے فقہاء کی عام عبارتیں اس کے جواز پر دال ہیں۔

لما قال العلامة قاضی خانؒ: رجلٌ حفر فی ارضه حفیرة فوقع فیها صیدًا فجاء رجلٌ واخذه قال الصید یکون للآخذ وان کان صاحب الارض اتخذ تلك الحفیرة لاجل الصید فهو احق بالصید۔ (الفتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج ۳ ص ۳۵۹ کتاب الصید والذبائح) [1]

بندوق سے شکار کرنے کا حکم

سوال:۔ بندوق یا غلیل سے کیا ہوا شکار اگر ذبح نہ ہو سکے تو اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ اگر بندوق یا غلیل کی گولی سے شکار زخمی ہو کر مر جائے تو کیا یہ جرح ذبح کے لیے کافی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز خود جارح نہ ہو بلکہ زور

---

[1] قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: لمن نصب فسطاطًا بارض صید فی ارض رجل او انکسر به جله فیها او وقع فیه بحیث لا یقدر علی البراح فاخذه انسان ونازعه صاحب ان کان صاحب الارض بحیث لو مدّ یده یصل الیه فهو له وان کان بعیدًا لا یصل الیه یده لو مدّه فهو للآخذ۔ (الفتاویٰ البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۰۳ الباب الخامس فی تملیك الصید)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۵ ص ۴۱۸ الباب الثانی فی تملیك مابه الصید الخ۔

سے شکار کو زخمی کرے اور وہ اس سے مر جائے تو یہ موقوذہ کے حکم میں ہو کر حلال نہیں، بندوق اور غلیل کی گولی خود جارح نہیں بلکہ عموماً جانور اس کے زور (پریشر) سے زخمی ہوتا ہے اس لیے اُس کی حلت کے لیے یہ جرح کافی نہیں، تاہم اگر حیوان میں کچھ حیات باقی ہو اور اس کو ذبح کر لیا جائے تو پھر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: ولا یحل صید البندقة والحجر والمعراض والعصا وما اشبه ذٰلک وان جرح ذٰلک۔ (الفتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج۳ ص۳۶۰ کتاب الصید والذبائح) [1]

مجروح شکار کا ذبح کرنا ضروری ہے

سوال: مجروح شکار اگر چند لمحے زندہ رہ سکتا ہو یا اضطراری موت سے محفوظ ہو جائے تو اس کی حلت کے لیے زخمی ہونا ہی کافی ہے یا اس کا ذبح کرنا ضروری ہے؟

الجواب: مجروح شکار جب کچھ دیر زندہ ہو یا کم از کم اضطراری موت سے بچ سکتا ہو تو شرعاً ذبح کرنا ضروری ہے کیونکہ جرح ذبح اختیاری کے حکم میں ہے اور یہ اس وقت کارآمد ہے جب تک ذبح اختیاری قابلِ عمل نہ ہو۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: وقال اصحابنا رحمهم الله لو جرحه السهم او الکلب فادرکه لکن لم یأخذه حتی مات فان کان فی وقت لو اخذه یمکنه ذبحه فلم یأخذ حتی مات لم یؤکل لان الذبح صار مقدوراً علیه فخرج الجرح من ان یکون ذکاة۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۵ ص۵۱ کتاب الصید) [2]

---

[1] عن ابراهیم بن عدی بن حاتم رحمہ اللہ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رمیت فسمیت فخزقت فکل وان لم تخزق فلا تأکل ولا تأکل من المعراض الا ما ذکیت ولا تأکل من البندقة الا ما ذکیت۔ (رواه احمد) (نیل الاوطار ج۸ ص۱۴۳ کتاب الصید، باب النهی عن الرمی بالبندق وما فی معناه)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار علی الدر المختار ج۶ ص۴۷۱ کتاب الصید۔

[2] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: (ولا بد من ذبح صید مستأنس) لان ذکاة الاضطرار انما یصار الیها عند العجز عن ذکاة الاختیار (وکفی جرح نعم) کبقر وغنم (توحش) فیجرح کصید (او تعذر ذبحه) کان تردی فی بئر او ند او صال حتی لو قتله المصول علیه مریداً ذکاته حل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۰۳ کتاب الذبائح)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۸ ص۱۷۱ کتاب الذبائح۔

سوال :۔ اگر شکار کرنے وقت تیر یا کسی اور تیز دھار آلہ سے زندہ جانور سے کوئی عضو الگ ہو جائے اور بعد میں وہ جانور ذبح کر لیا جائے تو اس کٹے ہوئے عضو کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ | **شکار کا کٹا ہوا عضو کھانا جائز نہیں**

الجواب :۔ جب کسی زندہ جانور سے اس کا کوئی عضو آلۂ شکار سے کٹ کر الگ ہو جائے تو اُس جانور کے ذبح کرنے سے وہ عضو حلال نہیں ہوتا اس لیے اس الگ شدہ عضو کو کھانا شرعاً درست نہیں ۔

لما قال العلامة ابو بکر بن علی الحدادی الیمنیؒ : (قوله واذا رمی صیداً فقطع عضواً منه أکل الصید لما بیناه ولا یؤکل العضو) لقوله علیه السلام ما ابین من الحی فهو میت والعضو بهذه الصفة لان المبان منه حی حقیقة لقیام الحیاة فیه ۔ (الجوهرة النیرة ج ۲ ص ۲۷۴ کتاب الصید) [1]

سوال :۔ بعض دریاؤں میں مچھلیوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے حکومت ان دریاؤں کو بطور ذریعہ آمدنی استعمال کرتی ہے اور ایسی جگہوں پر اُن لوگوں کو مچھلی کا شکار کرنے کی اجازت دیتی ہے جو حکومت کو ایک خاص رقم ادا کرتے ہیں ، عُرف میں اس اجازت کو ٹھیکہ کہا جاتا ہے ، کیا شرعاً اس طرح معاملہ طے کرنا درست ہے یا نہیں؟ | **دریاؤں میں موجود مچھلیوں کو بیچنا جائز نہیں**

الجواب :۔ ملکیت کے لیے جہاں فروخت (بیع) بطور سبب استعمال ہوتا ہے اس میں یہ ضروری ہے کہ جو چیز فروخت کرنی مقصود ہو اس کی تسلیم بائع (فروخت کرنے والے) کے دائرہ اختیار میں ہو اور جہاں کہیں فروخت کی ہوئی چیز سے بائع

---

[1] قال العلامة اکمل الدین محمد بن محمود البابرتیؒ : قال (وان رمی صیداً) اذا قطع بالرمی عضواً من الصید لما بیناه ان الرمی مع الجرح مبیح وقد وجد ولا یؤکل العضو ان امکن حیاته بعد الابانة وان لم یمکن أکلا ۔ (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر ج ۹ ص ۶۱ کتاب الصید)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار مع ردّ المحتار ج ۶ ص ۴۷۳ کتاب الصید ۔

مشتری کے حوالے کرنے سے قاصر ہو تو وہاں پر بائع کا یہ معاملہ ناجائز ہو کر اس کے لیے یہ رقم لینا ناجائز ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں حکومت کا یہ ٹھیکیداری معاملہ ایک بے بنیاد معاملہ ہے، تاہم اگر ٹھیکیدار محنت کرے اور مچھلی کا شکار کر کے فروخت کرے تو شکار کرنے سے اس کی ملکیت ثابت ہو کر اس کی آمدنی اس کے لیے حلال ہو گی۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولا يجوز بيع السمك قبل ان يصطاد لانه باع ما لا يملكه ولا في حظيرة اذا كان لا يؤخذ الا بصيد لانه غير مقدور التسليم۔ (الهداية ج ۳ ص۵۵ كتاب الصيد) [1]

شکاری کتے کے شکار کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں لوگ شکار کے لیے کتے پالتے ہیں اور ان کو شکار کی تعلیم دیتے ہیں اور پھر ان سے شکار کھیلتے ہیں۔ تو اگر وہ کتا شکار کو پکڑے اور خود نہ کھائے بلکہ مالک کے پاس لے آئے لیکن وہ شکار راستے ہی میں اُس کے مُنہ میں مر جائے تو کیا اس شکار کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام نے شکار کی غرض سے کتا پالنے اور اس کے ذریعے شکار کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اُس کو شکار کرنے کی تعلیم دی گئی ہو اور وہ شکار پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے لیکن خود اس سے نہ کھائے تو ایسے کتے کا شکار کیا ہوا جانور حلال ہے اگرچہ وہ جانور کُتے کے منہ میں ہی ختم ہو جائے۔ لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مالک نے شکار پکڑنے کے لئے کُتا چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو، بدون اس کے شکار حلال نہیں۔

لقوله تعالیٰ: يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ (سورة المائدة آيت ۴)

---

[1] قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: (قوله والسمك قبل الصيد) اى لم يجز بيعه لكونه باع ما لا يملكه فيكون باطلاً اطلقه فشمل ما اذا كان فى حظيرة اذا كان لا يؤخذ الا بصيد لكونه غير مقدور التسليم۔ (البحر الرائق ج۶ ص۷۳ كتاب الصيد)
ومثله فى فتح القدير ج ۶ ص۴۹ كتاب الصيد۔

چیتے اور شیر کے ذریعے شکار کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا چیتے اور شیر کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ چونکہ یہ دونوں جانور اپنی درندگی اور خونخواری کی وجہ سے تعلیم کے قابل نہیں ہوتے اس لیے فقہاء نے ان کے ذریعے شکار کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ تاہم اگر یہ دونوں جانور تعلیم یافتہ ہو کر شکار کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ علت کی بنا پر ان کے شکار کو ناجائز قرار دیا گیا تھا وہ مفقود ہو چکا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: فلا یجوز الصید بذئب واسد لعدم قابلیتهما للتعلیم فانهما لا یعملان للغیر الاسد لعلو همته والذئب لخساسته۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۴۶۳ کتاب الصید)

قال العلامة ابن عابدینؒ: وحاصله البحث فی استثناء الخنزیر والاسد والذئب وفی التعلیل لان الشرط فی ظاهر الروایة قبول التعلیم فیحل بکل معلم ولو خنزیر۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۴۶۴ کتاب الصید) [1]

شوقیا طور پر شکار کھیلنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں کچھ لوگ بعض موذی جانوروں مثلاً گیدڑ وغیرہ کا شکار شوقیا طور پر کرتے ہیں، اس سے ان لوگوں کا مقصود صرف کھیل تماشا ہوتا ہے، کیا شرعاً ایسا شکار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی بھی جانور کا شکار اس غرض سے کرنا چاہیئے کہ اس سے کچھ نفع حاصل ہو، صرف کھیل تماشا کے طور پر شکار کرنا جائز نہیں خصوصاً حرام جانور کا شکار کہ جس سے کوئی ظاہراً فائدہ نہ پہنچتا ہو مگر وہ جانور کھیت وغیرہ کو نقصان پہنچاتا ہو تو پھر اُسے مارنا جائز اور مرخص ہے۔

لما قال العلامة وهبة الزحیلی: ویکره الصید لهواً لانه عبث لقوله علیه السلام

---

[1] قال العلامة وهبة الزحیلی: واستثنیٰ ابو یوسفؒ من ذلك الاسد والذئب لانهما لا یعملان لغیرهما الاسد لعلو همته والذئب لخساسته والحق بعضهم الحداۃ لخساستها والخنزیر مستثنیٰ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۳ ص ۲۰۴ الفصل الثانی فی الصید)

لا تتخذوا شيئًا فيه الروح غرضًا اى هدفًا من قتل عصفورًا عبثًا عج الى الله يوم القيامة يقول یارب ان فلانًا قتلنی عبثًا ولم يقتلنی منفعة ۔

(الفقه الاسلامی وادلتہٗ ج ۳ ص۶۹۳ الفصل الثانی فی الصید) ۱؎

تجارت کی غرض سے شکار کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ! ہم چند ساتھی اجتماعی طور پر دریائے سندھ میں مچھلی کا شکار کرتے ہیں اور پھر اُسے فروخت کر دیتے ہیں، ایک صاحب کا کہنا ہے کہ شکار صرف کھانے کی حد تک جائز ہے تجارت کے لیے شکار جائز نہیں۔ آنجناب سے گذارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ تجارت کی غرض سے شکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر چہ بعض علماء کے ہاں شکار کو بطور پیشہ اختیار کرنا مکروہ ہے مگر راجح قول یہ ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق تجارت کے لیے شکار کرنا مباح ہے اس میں حرمت کا کوئی شائبہ نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ : هو مباح الا لمحرم فی غیر الحرم او للتلهی كما هو ظاهر او حرفة على ما فی الاشباه قال المصنفؒ وانما زدته تبعًا له والا فالتحقيق عندی اباحة اتخاذه حرفة لانه نوع من الاكتساب وكل انواع الكسب فی الاباحة سواء على المذهب الصحيح۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۶۲ کتاب الصید) ۲؎

۱؎ لما قال العلامة الحصكفیؒ : هو مباح بخمسة عشر شرطًا ...... الا المحرم فی غیر الحرم او للتلهی كما هو ظاهر۔ قال العلامة ابن عابدینؒ فی مجمع الفتاوىٰ: ويكره للتلهی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۶۱، ۶۲ کتاب الصید)

۲؎ قال العلامة ابن عابدینؒ : وفی التاتارخانية قال ابو يوسفؒ اذا طلب الصيد لهوًا ولعبًا فلا خير فيه واكرهه وان طلب منه ما يحتاج اليه من بيع او ادام او حاجة اخرى فلا بأس۔

ردّ المحتار ج ۶ ص۶۲ کتاب الصید)

كتاب
الاضحية

بسم الله الرحمن الرحيم

قل إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين

١٤٠٥ھ

كتبه الفقير نفيس الحسيني غفر الله ذنوبه وستر عيوبه
لاهور، پاکستان

کتاب الاضحیۃ

(قربانی کے احکام و مسائل)

نصابِ قربانی کا معیار | **سوال:۔** قربانی کے وجوب کے لیے شریعتِ مطہرہ میں نصاب کے معیار کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اپنے حوائجِ اصلیہ اور قرض کے علاوہ ۲/۱-۷ تولے سونا یا ۲/۱-۵۲ تولے چاندی یا اس مقدار سے زائد نقد مالیت کا مالک ہو تو ایسے شخص پر شرعاً قربانی کرنا لازم ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: قال ابو حنيفة الموسر الذى له مائتا درهم او يساوى مائتى درهم سوى المسكن والخادم والثياب التى يلبس ومتاع البيت الذى يحتاج اليه وهٰذا اذا بقى له الى ان يذبح الاضحية۔

(خلاصة الفتاوٰى ج۴ ص۳۰۹ كتاب الاضحية) [1]

قربانی کے ایام کا حکم | **سوال:۔** قربانی کتنے دنوں تک کرنا جائز ہے؟ نیز اس میں جلدی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآن و سنت کی روشنی میں ایام النحر (قربانی کے دن) تین ہیں، یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ متعین دن ہیں، تاہم پہلے دن (۱۰ ذی الحجہ) قربانی کرنا افضل ہے۔

لما ذكر العلامة محمود آلوسیؒ فی تفسيره: وعن تها ثلاثة ايام يوم العيد ويومان

---

[1] لما ذكر فى الهندية: (اما شرائط الوجوب) منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوٰة ..... والموسر فى ظاهر الرواية من له مائتا درهم او عشرون دينارًا او شئ يبلغ ذٰلك سوى سكنه ومتاع سكنه ومركوبه وخادمه فى حاجته التى لا يستغنى عنها۔ (الفتاوٰى الهندية ج۵ ص۲۹۲ كتاب الاضحية۔ الباب الاول فى تفسيرها) ومِثْلُهٗ فى ردالمحتار ج۶ ص۳۱۲ كتاب الاُضحية۔

وبعده..... لماروی عن عمرو علی وابن عمروابن عباسٍ و انسٍ و ابی هريرة رضی اللہ عنهم أنهم قالوا ايام النحر ثلاثة افضلها اولها وقد قالوا سماعًا لأن الرأی لايهتدی إلی المقادير۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۱۲۵) [۱]

أضحية (قربانی کے جانور) کی عمر

سوال: شریعتِ مقدسہ میں قربانی کے لیے جانور کی عمر کی کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ نے قربانی کے لیے مختلف اجناس کے حیوانات میں مختلف عمروں کا اعتبار کیا ہے۔ اونٹ میں پانچ سال، گائے بھینس میں دو سال، دنبہ اور بکری میں ایک سال کا تعین کیا ہے تاہم اگر دنبہ موٹا تازہ ہو اور ایک سال کا دکھائی دیتا ہو تو پھر اس میں چھ ماہ کی عمر کے دنبے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ويجزئ من ذلك كله الثنی فصاعدًا الا الضان فان الجذع منه يجزی..... اذا كانت عظيمة لو خلط بالثنيان يشتبه على الناظر من بعيدٍ والجذع من الضأن ما تمت له ستة اشهر في مذهب الفقهاء..... والثنی منها ومن المعز ابن سنة ومن البقر ابن سنتين ومن الابل ابن خمس سنين ويدخل في البقر الجاموس لانه من جنسه۔ (الهداية ج ۴ ص ۴۴۷ كتاب الاضحية) [۲]

[۱] قال العلامة برهان الدين المرغيناني، وهي جائزة في ثلاثة ايام يوم النحر ويومان بعده لما روی عن عمرو علی وابن عباس رضی اللہ عنهم انهم قالوا ايام النحر ثلاثة افضلها اولها۔ (الهداية ج ۴ ص ۴۴۴ كتاب الاضحية ــــ قال الحافظ قاسم بن قطلوبغا: قوله روی عن عمرو علی وابن عباس۔ قلت روی الطحاوی فی الاحكام اثر علی وابن عباسٍ۔ (منية الالمعی فيما فات من تخريج احاديث الهداية للزيلعی ص ۵۶ كتاب الاضحية)

وَمِثْلُهُ فی الاختيار لتعليل المختار ج ۵ ص ۱۹ كتاب الاضحية۔

[۲] قال الشيخ ابوبكر بن علی الحداد اليمنی: (قوله يجزی فی ذلك الثنی فصاعدًا الا الضان فان الجذع منه يجزی) يعنی اذا كان عظيمًا بحيث اذا خلط بالثنايا يشتبه على الناظر من بعيد فالجذع من الضأن ما تم له ستة اشهر وقيل سبعة والثنی منها ومن المعز ماله سنة وطعن فی الثانية ومن البقر ماله سنتان وطعن فی الثالثة ومن الابل ماله خمس سنين وطعن فی السادسة ويدخل فی البقر الجواميس لانها من جنسها۔ (الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۸۵ كتاب الاضحية)

وَمِثْلُهُ فی بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۷۰ كتاب الاضحية۔

شرکاءِ قربانی کی تعداد **سوال**:۔ گائے، بھینس وغیرہ کی قربانی میں کتنے اشخاص شریک ہوسکتے ہیں؟

الجواب:۔ گائے بھینس کی قربانی میں شرعاً سات حصوں کی حد مقرر ہے اس سے زائد حصوں کی گنجائش نہیں تاہم سات سے کم حصوں میں کوئی حرج نہیں ۔

لما قال العلامة علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانیؒ: و لا یجوز بعیر واحد ولا بقرة واحدة عن اکثر من سبعة و یجوز ذلک عن سبعة او اقل من ذلک ۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص۷۰ کتاب الاضحیة)[۱]

شرکاءِ قربانی کی نیت کا حکم **سوال**:۔ اگر قربانی کے شرکاء کی نیت قربت کی حیثیت مختلف ہو، مثلاً بعض نے وجوب اور بعض نے نفل کی نیت کی ہو تو کیا اس سے قربانی متاثر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے قربانی کے جانور (گائے بھینس وغیرہ) میں شراکت کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ سب کی نیت حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہو، اگرچہ مختلف انواع کی قربات ہوں، لہٰذا متنفلین و واجبین کی قربانی صحیح ہے ۔

لما قال العلامة ابوبکر بن مسعود الکاسانیؒ: ولو ارادوا القربة الاضحیة او غیرها من القرب اجزاهم سواء کانت القربة واجبة او تطوعاً او وجبت علی البعض دون البعض و سواء اتفقت جهات القربة او اختلفت (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص۷۱ کتاب الاضحیة)[۲]

---

[۱] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والتقدیر بالسبع یمنع الزیادة کما لا یمنع النقصان حتی لو کانت الشرکاء فی البدنة او البقرة ثمانیة لم یجزهم ولو کانوا اقل من ثمانیة الا ان نصیب واحد منهم اقل من السبع لا یجوز ایضاً ۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص۳۱۵ کتاب الاضحیة)

وَمِثْلُهُ فی الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۰۴ الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة فی الضحایا ۔

[۲] قال العلامة محمد الشهیر بالطوریؒ: تجوز عن سبعة بشرط قصد الکل القربة واختلاف الجهات فیما لا یضر کالقران والمتعة والاضحیة لاتحاد المقصود وهو القربة ۔ (البحر الرائق ج ۸ ص۱۷۷ کتاب الاضحیة)

وَمِثْلُهُ فی الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۰۴ الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة فی الضحایا ۔

شرکتِ اضطراری میں قربانی کا وجوب

سوال:۔ اگر والد کی وفات کے بعد چند بیٹے اس کے وارث ہوں، جائداد متروکہ کو بحالِ خود رکھ کر جملہ برادران اس سے استفادہ کرتے رہیں لیکن تقسیم کرنے کی نوبت نہ آئی ہو، ہر بھائی کا حصہ نصاب کی مقدار سے زائد ہو، کیا اس صورت میں جملہ برادران ایک قربانی کریں گے یا ہر ایک پر قربانی مستقل طور پر واجب ہو گی ؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں جبکہ ہر ایک بھائی کا حصہ نصاب کو پہنچتا ہو تو سبب کے متحقق ہونے پر ہر ایک کی ملکیت کا استقلالاً اعتبار ہو گا، ملکیت متحقق ہونے پر شرکت مانع نہیں، اس لیے ہر ایک پر الگ الگ قربانی واجب ہو گی، مشترکہ طور پر ایک قربانی کرنے سے کسی ایک کا بھی ذمہ فارغ نہیں ہو گا

لما قال الامام ابوالحسین احمد بن محمد البغدادی القدوریؒ: الاضحیۃ واجبۃ علیٰ کل حر مسلم موسر فی یوم الاضحیٰ یذبح عن نفسہ۔ انتہی

(مختصر القدوری ص۲۷۸ کتاب الاضحیۃ)[1]

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد کسی کو شریک کرنا

سوال:۔ قربانی کے لیے جانور خریدنے کے بعد کسی کو اس میں شریک کیا جائے تو کیا اس طرح کرنے سے قربانی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ قربانی کا جانور خریدنے سے قبل سات افراد تک کی شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ ایک دفعہ چند افراد مل کر قربانی کا جانور خریدیں اور ان میں سے کسی ایک شخص کی قربانی نفلی ہو تو ایسی حالت میں کسی کو بعد ازاں شریک کرنا جائز نہیں البتہ اگر تمام حصہ داروں کی قربانی واجب ہو تو پھر کسی کو شریک کرنے میں کوئی حرج نہیں تاہم بہتر یہ ہے کہ قربانی میں شرکت کا دائرہ قربانی کا جانور خریدنے سے قبل تک محدود رکھا گیا ہو۔

---

[1] قال العلامۃ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفیؒ: تجب علیٰ حر مسلم مقیم موسر عن نفسہ۔ انتہی (کنز الدقائق ص۴۲۰ کتاب الاضحیۃ)

ومِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۴ ص۴۴۱ کتاب الاضحیۃ۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولو اشترى بقرة يريد ان يضحي بها عن نفسه ثم اشرك فيها ستة معه جاز استحسانا..... والاحسن ان يفعل ذلك قبل الشراء ليكون ابعد عن الخلاف۔ (الهداية ج۴ ص۴۴۳ كتاب الاضحية)[1]

نابالغ کی قربانی کا حکم

سوال:۔ کیا صاحبِ نصاب نابالغ پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ اور وجوب کی ادائیگی باپ یا ولی اپنے مال سے کرے گا یا نابالغ کے مال سے کی جائے گی؟

الجواب:۔ صاحبِ نصاب نابالغ پر شرعاً قربانی واجب ہے اور ادائیگی وجوب اس کے مال سے کی جائے گی۔ [ع]

لما قال العلامة ابو بكر الكاساني رحمه الله: واما البلوغ والعقل فليسا من شرائط الوجوب في قول ابي حنيفة رحمه الله وابي يوسف رحمه الله ـــــ حتى تجب الاضحية في مال الصبي والمجنون اذا كان موسرين۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج۵ ص۶۴ كتاب الاضحية)[2]

میت کے لیے قربانی کا حکم

سوال:۔ کیا میت کی حصہ داری سے دیگر شرکاء کی قربانی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قربانی میں میت کی یا حصہ داری کے بعد مرنے والے کی شراکت شرعاً نقصان دہ نہیں جملہ شرکاء کی قربانی درست اور صحیح ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (وان مات احد السبعة) المشتركين في البدنة

---

[1] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (وصح اشتراك ستة في بدنة شريت لاضحية) اى ان نوى وقت الشراء الاشتراك صح استحسانا والا لا (استحسانا وذا) اى الاشتراك (قبل الشراء احب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۶ ص۳۱۷ كتاب الاضحية)

ومِثلُهُ في الهندية ج۵ ص۳۰۴ الباب الثامن فيما يتعلق به الشركة في الضحايا۔

[2] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (وقوله يضحي عن ولده الصغير من ماله) اى مال الصغير ومثله المجنون۔ قال في البدائع اما البلوغ والعقل فليسا من شرائط الوجوب في قولهما۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۱۶ كتاب الاضحية)

[ع] البتہ اکثر علماء نے نابالغ اور مجنون کے مال پر قربانی کے عدم وجوب کو راجح قرار دیا ہے (مرتب)

(وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح) عن الکل استحسانًا لقصد القربة من الکل۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۶ کتاب الاضحیة) [1]

بلاعذرِ شرعی قربانی چھوڑ دینا

سوال:۔ قربانی واجب ہونے کے باوجود بلاعذر شرعی چھوڑ دی جائے اور قربانی کے ایام گذر جائیں تو پشیمانی کے احساس کے طور پر کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ قربانی واجب شرعی ہے بلا عذر ترک کرنا موجب گناہ ہے، تاہم قربانی کے دن گذرنے کے بعد اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسکی طرف سے قبول کرے، اور اگر کوئی قربانی کو اپنے اوپر خود واجب کرے یا فقیر قربانی کے لیے جانور خریدے تو اس صورت میں زندہ جانور کو صدقہ کر دینا ضروری ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولو لم یضح حتی مضت ایام النحر ان کان واجب علی نفسه او کان فقیرًا وقد اشتری الاضحیة تصدق بها حیة و ان کان غنیًا تصدق بقیمته شاة اشتری اولم یشتری لانها واجبة علی الغنی وتجب علی الفقیر بالشراء بقیمة۔ (الهدایة ج ۴ ص ۴۴۴ کتاب الاضحیة) [2]

قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے قربانی کے لیے جانور خریدا، بعد ازاں محض اس لالچ کی وجہ سے فروخت کرنا کہ دوسرا کم قیمت والا جانور مل جائے تو کچھ رقم کا فائدہ ہوگا، تو کیا اس صورت میں اُس

---

[1] قال العلامة علاؤ الدین الکاسانیؒ: اذا اشترك سبعة فی بدنة فمات احدهم قبل الذبح فرضی ورثته ان یذبح عن المیت جاز استحسانًا۔
(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۷۲ کتاب الاضحیة)
وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۱۵ کتاب الاضحیة۔

[2] قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلی: فان مضت ولم یذبح فان کان فقیرًا وقد اشتری تصدق بها حیة وان کان غنیًا تصدق بثمنها اشتراها اولا۔
(الاختیار لتعلیل المختار ج ۵ ص ۱۹ کتاب الاضحیة)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج ۶ ص ۳۲۰ کتاب الاضحیة۔

خریدے ہوئے جانور کو فروخت کرکے دوسرا جانور خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر قربانی کرنے والا غنی ہو اور اس پر قربانی واجب ہو تو ایسی حالت میں خریدنے سے جانور متعین نہیں ہوتا اس لیے اس حال میں تبدیلی مرخص ہے لیکن اگر قربانی نفلی ہو جو کہ خریدنے سے واجب ہو جاتی ہے پھر اس میں تبدیلی مرخص نہیں، یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ایسی صورت میں زائد رقم بچے تو اس کا تصدق کیا جائے گا، بلکہ فقہاء نے صورتِ اولیٰ میں بھی زائد رقم کے تصدق کو اولیٰ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وفي الاصل اشترى اضحية ثم باعها جاز في ظاهر الرواية ولو اشترى مثلها وضحى بها ان كانت الثانی مثل الاولیٰ او خيراً منها جاز لا يلزمه شيء آخر وان كان دون الاولیٰ تصدق بفضل القيمتين۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج۴ ص۳۱۹ کتاب الاضحية)[1]

قربانی کے جانور سے انتفاع کا حکم

سوال:۔ کیا قربانی کے جانور سے دودھ لینا یا سواری کیلئے استعمال کرکے انتفاع لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قربانی کے جانور سے انتفاع لینا شرعاً درست نہیں بلکہ اس کے دودھ کو ٹھنڈے پانی سے خشک کیا جائے گا، تاہم اگر دودھ یا بال وغیرہ اجزاء سے انتفاع لیا جائے تو بعینہٖ اس اجزاء کو یا اس کی قیمت کو فقراء میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (قوله يكره الانتفاع بلبنها) فان كانت التضحية قريبة ينضح ضرعها بالماء البارد الاحلبه وتصدق به۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۲۹ کتاب الاضحية)[2]

---

[1] وذكر في الهندية: رجل اشترى شاة للاضحية واوجبها بلسانه ثم اشترى اخرى جاز له بيع الاولیٰ في قول ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وان كانت الثانية شراً من الاولىٰ وذبح الثانية فانه يتصدق بفضل ما بين القيمتين۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۵ ص۲۹۴ الباب الثاني في وجوب الاضحية بالنذر)

[2] قال العلامة ابن البزاز الكردريؒ: ويكره حلبها وجز صوفها قبل الذبح وينتفع به فان فعله تصدق به..... وان في ضرعها لبن يخاف عليه تضح ضرعها بالماء البارد او فرجها بالماء البارد اذ قربت ايام النحر وان بعدت يحلبها ويتصدق باللبن وما اصاب من اللبن تصدق بمثله او قيمته وكذا الصوف۔ (الفتاوىٰ البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۲۹۴ كتاب الاضحية السادس في الانتفاع)

ومثله في خلاصة الفتاوىٰ ج۴ ص۳۲۱ کتاب الاضحية۔

قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ

سوال :۔ شریعتِ مقدسہ میں قربانی کے گوشت کو حصہ داروں اور فقراء میں تقسیم کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب :۔ شریعتِ مقدسہ نے قربانی کے جانور میں حصہ داروں کو جائز رکھا ہے لہٰذا گوشت کو شرکاء آپس میں ایسے طریقے سے تقسیم کریں جس میں کسی کی حق تلفی کا امکان نہ ہو تاہم فقراء پر صدقہ کے لیے وزن کرنا ضروری نہیں ۔

لما قال العلامہ فخرالدین حسن بن الفرغانیؒ : سبعة ضحوا بقرة واقتسموا لحمها وزنًا جاز لان بيع اللحم باللحم وزنًا بمثل مثلًا جائز فكذلك القسمة فان اقتسموا جزافًا لا يجوز اعتبارًا بالبيع ۔ (الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندية ج۳ ص۳۵۱ فصل فيما يجوز فى الضحايا ... الخ) [1]

قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا

سوال :۔ کیا قربانی کا سارا گوشت خود رکھا جاسکتا ہے یا تین حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے؟ اس کی تقسیم کے صحیح طریقہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :۔ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرنا مندوب ہے ۔ ایک حصہ فقراء پر تقسیم کیا جائے، دوسرا حصہ عزیز واقرباء کو کھلایا جائے اور تیسرا حصہ اپنے لیے رکھ لیا جائے، تاہم اگر سارا گوشت صدقہ کردیا جائے یا اپنے لیے ذخیرہ کرلیا جائے تو بھی مرخص ہے ۔

لما قال العلامة ابوبكر الكاسانیؒ : والافضل ان يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لاقاربه واصدقائه ويدخر الثلث ... ولو تصدق بالكل جاز ولو حبس الكل لنفسه جاز ۔ (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع ج۵ ص۸۱) [2]

---

[1] قال العلامة شمس الدين محمد بن عبدالله التمرتاشیؒ : ويقسم اللحم وزنًا لا جزافًا ۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج۶ ص۳۱۷ كتاب الاضحية)

وَمِثْلُهٗ فى الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۲۹۰ الباب الرابع فيما يجوز من الاضحية ۔

[2] قال العلامة ابن عابدينؒ : والافضل ان يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لاقاربه واصدقائه ويدخر الثلث ويستحب ان يأكل منها ولو حبس الكل لنفسه جاز لان القربة فى الاراقة والتصدق باللحم تطوع ۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۲۸ كتاب الاضحية)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۵ ص۳۰۰ الباب السادس فيما يستحب من الاضحية ۔

میّت کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم

سوال :- کیا میت کی طرف سے کی گئی قربانی کا گوشت خود کھایا جاسکتا ہے یا صدقہ کرنا لازمی ہے ؟

الجواب :- اموات کی طرف سے ذبح شدہ قربانی کے جانور کا گوشت خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز ہے بشرطیکہ قربانی میت کی وصیت سے نہ کی گئی ہو ورنہ وصیت کی صورت میں صدقہ کرنا لازمی ہے ۔

لما قال العلامة قاضی خانؒ : ولو ضحی عن میت من مال نفسہ بغیر امر المیت جاز وله ان یتناول منه ولا یلزمه ان یتصدق به لانها لم تصر ملکاً للمیت..... وان ضحی عن میت من مال المیت بامر المیت یلزمه التصدق بلحمه ولا یتناول منه لان الاضحیة عن المیت ۔ (الفتاوی قاضیخانؒ علی هامش الهندیة ج۳ ص۳۵۲ فصل فیما یجوز فی الاضحیة ما لا یجوز) [1]

نذر کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم

سوال :- نذر کی ہوئی قربانی کے گوشت کا کیا حکم ہے ؟ کیا قربانی کرنے والا اس میں سے خود کھا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- نذر کی ہوئی قربانی بھی قربت الی اللہ کا ذریعہ ہے لیکن ناذر اپنی قربانی کا گوشت نذر کی وجہ سے خود نہیں کھا سکتا بلکہ تمام گوشت فقراء میں تقسیم کرنا لازمی ہو گا ۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : ولو فقیراً ولو ذبحها تصدق بلحمها ولو نقصها تصدق بقیمة النقصان ایضاً ولا یأکل الناذر منها فان اکل تصدق بقیمة ما اکل ۔ وفی حاشیة رد المحتار : او فقیراً شراها وان ذبح لا یأکل منها ۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۲۱ کتاب الاضحیة) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ : من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیة نفسه من التصدق والاکل والاجر للمیت والملک للذابح ۔ قال الصدر والمختار انه ان کان بامر المیت لا یأکل منها والا یأکل ۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۲۶ کتاب الاضحیة) ـــــ ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۲۲ کتاب الاضحیة ۔

[2] قال العلامة فخر الدین الزیلعیؒ : ان وجبت بالنذر فلیس لصاحبها ان یأکل منها شیئاً ولا ان یطعم غیره من الاغنیاء سواء کان الناذر غنیاً او فقیراً لان سبیلها التصدق ولیس للمتصدق ان یأکل صدقته ولا ان یطعم الاغنیاء ۔ (تبیین الحقائق ج۶ ص۸ کتاب الاضحیة)
ومثله فی الهندیة ج۵ ص۳۰۰ الباب الخامس فی محل اقامة الواجب ۔

چرمِ قربانی کا رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا

سوال :- چرم قربانی یا اسکی قیمت مسجد، مدرسہ یا رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- چرم قربانی از قبیل تطوعات ہے، اس لیے بعینہٖ کھال کو مسجد، مدرسہ یا رفاہ عامہ کے کاموں یا اغنیاء کو تملیکاً دینا اور استعمال کرنا شرعاً مباح ہے، البتہ کھال کی قیمت کا مصرف صرف فقراء و مساکین ہیں، اس کے علاوہ دیگر امور میں استعمال کرنا ناجائز عمل ہے، تاہم اگر بعینہٖ کھال کسی غنی کو تملیکاً بغیر توکیل وحیلہ کے حوالے کی جائے تو غنی کا اپنی طرف سے کھال کی قیمت مسجد یا مدرسہ اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف کرنے سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی ۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ : ويتصدق بجلدها او يعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو (او يبدله بما ينتفع به باقياً) كما مر (لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه كدراهم (فان بيع اللحم او الجلد به) بمستهلك او بدراهم يتصدق بثمنه) ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۸ كتاب الاضحية) [1]

صاحبِ نصاب کو چرمِ قربانی دینا جائز ہے

سوال : کیا صاحب نصاب امام مسجد یا دیگر اشخاص کو چرمِ قربانی دینا یا خود استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- راجح اور مفتیٰ بہ قول کی رُو سے چرمِ قربانی صدقاتِ نافلہ کے زمرے میں ہے، اس لیے بعینہٖ چرمِ قربانی کو خود استعمال کرنا اور اپنی اولاد یا دیگر

---

[1] لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ : ويجوز الانتفاع بجلد الاضحية والهدى والمتعة والتطوع بان يتخذه فروا أو بساطاً او جراباً او غربالاً وله ان يشترى به متاع البيت كالغربال والجراب والخف ولا يشترى به الخل والمرى واللحم ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدقها وليس له ان يبيعه بالدراهم لينفقها على نفسه ولو فعل ذلك يتصدق بثمنه ۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۲۱، ص ۳۲۲ كتاب الاضحية)
ومثله فى الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۲۹۴ ۔ السادس فى الانتفاع كتاب الاضحية۔

اغنیاء کو دینا شرعاً درست ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ : (ويتصدق بجلدها او يعمل منه نحو غربال وجراب) وقربة سفرة ودلو (او يبدل بما ينتفع به باقياً)۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۸ كتاب الاضحية) ؎۱

قربانی کا گوشت اجرت میں دینا جائز نہیں

سوال:۔ اگر قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اور صاف کرتے وقت کسی شخص سے مدد لی جائے اور پھر اس کو گوشت یا جزء اضحیہ حق الخدمت کے طور پر دیا جائے تو اس سے قربانی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

الجواب:۔ قربانی کی حقیقت محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے (اراقۃ الدم) خون بہانے تک محدود ہے، تاہم ایسے مقدس فعل میں کسی قول یا خود غرضی کا شائبہ ہونا اس کے فلسفہ سے متصادم ہے، اس لیے قربانی کے کسی جزء کو ذاتی مقاصد کے لیے فروخت کرنا یا کسی کو حق الخدمت میں دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لما قال العلامة شمس الدين محمد بن عبدالله التمرتاشيؒ : (ولا يعطى اجر الجزار منها) لانه كبيع۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۸ كتاب الاضحية) ؎۲

داغدار جانور کی قربانی کا حکم

سوال:۔ داغدار جانور کی قربانی کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ داغ، دھبہ ایسے عیوب نہیں جو قربانی کرنے سے مانع ہوں، لہٰذا داغدار

؎۱ لما قال الامام شيخ الاسلام ابوبكر الحداد اليمنيؒ : (قوله ويتصدق بجلدها) لانها جزء منها (قوله او يعمل منه آلة تستعمل في البيت) كالنطع والجراب والغربال ولا بأس ان يتخذ فروا لنفسه۔ (الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۸۵ كتاب الاضحية)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۸ كتاب الاضحية۔

؎۲ قال العلامة علاؤ الدين ابوبكر الكاسانيؒ : ولا ان يعطى اجر الجزار والذابح منها۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۸۱ كتاب الاضحية)
وَمِثْلُهٗ في الاختيار لتعليل المختار ج ۵ ص ۱۹ كتاب الاضحية۔

جانور کی قربانی صحیح اور درست ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ : والتی بها کیٌّ والتی لاینزل لها لبن من غیر علة والتی لها ولد یجوز۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۲۱ کتاب الضحیۃ)[1]

نکیل والے جانور کی قربانی کا حکم

سوال :- کسی جانور کی ناک میں نکیل (نتھ) ڈالنے سے قربانی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں ؟

الجواب : قربانی کے جانور میں کسی عضو کا ثُلث سے زیادہ عیب دار ہونا قربانی پر اثر انداز ہوتا ہے، ثُلث یا ثُلث سے کم قربانی سے مانع نہیں، چونکہ نکیل ڈالنے سے جانور کی ناک میں معمولی سا سوراخ ہو جاتا ہے جس کا قربانی پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔

لما قال الامام المجتهد ابو عبد الله محمد بن الحسن الشیبانیؒ : وان قطع من الذنب او الاُذن والاَلیة الثلث او اقل اجزاه وان کان اکثر لم یجز۔ (الجامع الصغیر ص۳۸۷ کتاب الضحیۃ)[2]

سینگ کا ٹوٹ جانا مانع قربانی نہیں

سوال :- اگر کسی جانور کے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ جائیں تو اس کی قربانی کا کیا حکم ہے ؟

الجواب : شریعتِ مقدسہ نے قربانی کے جانور میں اُس عیب کو معیوب قرار دیا ہے جو جانور کے منافع اور خوبصورتی میں رکاوٹ بنتا ہو، چنانچہ سینگ جانور کا ایسا جُز نہیں جس کے نہ ہونے کی وجہ سے جانور کے منافع یا خوبصورتی میں فرق آتا ہو، لہٰذا اس قسم کے جانور کی قربانی میں شرعاً کوئی حرج نہیں بشرطیکہ سینگ دماغ کی ہڈی

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ : تجوز الضحیة بالمجبوب..... والتی لها کیٌّ والتی لا لسان لها فی الغنم۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۲۵ کتاب الاضحیة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۵ ص۲۹۷ الباب الخامس فی محل اقامة الواجب۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ : وان قطع من الذنب او الاُذن او العین او الالیة الثلث او اقل اجزاه وان کان اکثر لم یجز لان الثلث تنفذ فیه الوصیة من غیر رضاء الورثة فاعتبر قلیلاً۔ (الهدایة ج۴ ص۴۴۵ کتاب الاضحیة)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۶ ص۳۲۴ کتاب الاضحیة۔

تک نہ ٹوٹا ہو۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ : (قولہ ویضحی بالجماء) ھی التی لا قرن لہا خلقۃ وکذا العظماء التی ذھب قرنہا بالکسر الی المخ لم یجز۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۳ کتاب الاضحیۃ) [1]

حاملہ جانور کی قربانی کا حکم

سوال :۔ اگر قربانی کے لیے خریدا گیا جانور (گائے، بکری وغیرہ) حاملہ نکل آئے تو کیا اس کی قربانی جائز ہے یا اس کو تبدیل کیا جائے گا؟

الجواب :۔ شریعت مطہرہ میں عیب دار جانور کی قربانی صحیح نہیں لیکن حمل کوئی ایسا عیب نہیں جو قربانی سے مانع بنے، تاہم چونکہ اس میں بلاضرورت ایک دُوسری جان کا ضیاع ہے اس لیے حاملہ کی قربانی کراہت سے خالی نہیں ۔

لما قال العلامۃ جلال الدین الخوارزمیؒ : رجلٌ لہٗ شاۃٌ حاملٌ فاراد ذبحہا تقارب الولادۃ یکرہ ذبحہا لان فیہ تضییعاً لما فی بطنہا من غیر فائدۃ ۔

(الکفایۃ شرح الھدایۃ فی ذیل فتح القدیر ج ۸ ص ۴۲۱ کتاب الاضحیۃ) [2]

خُنثیٰ مشکل جانور کی قربانی کا مسئلہ

سوال :۔ جناب مفتی صاحب ! خنثیٰ مشکل جانور کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ جس جانور کے نر یا مادہ ہونے کی تمیز مشکل ہو اور دونوں کی علامات موجود ہوں تو چونکہ ایسے جانور کے گوشت کے اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے اس لیے

---

[1] قال العلامۃ ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ :۔ وتجزی الجماء وھی التی لا قرن لہا خلقۃ وکذا مکسورۃ القرن ...... فان بلغ الکسر المشاش لا تجزیہ المشاش رؤس العظام ۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۷۵ کتاب الاضحیۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۴ ص ۴۴۶ کتاب الاضحیۃ ۔

[2] قال العلامۃ المحقق محمد الشہیر بالطوریؒ : ویکرہ ذبح الشاۃ اذا تقارب ولادتہا لانہ یضیع ما فی بطنہا ۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۱ کتاب الاضحیۃ)
وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۶ ص ۳۰۴ کتاب الذبائح ۔

ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ : ولا بالخنثیٰ لان لحمها لاینضج۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص۳۲۵ کتاب الاضحیۃ) ۱؎

خصّی جانور کی قربانی کا حکم

سوال :۔ شریعت مقدسہ میں خصّی جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ جانور کے انخصاء سے اس کے گوشت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس لیے خصّی جانور کی قربانی نہ صرف جائز ہے بلکہ فقہاء نے مستحب کہا ہے ۔

لما قال العلامة ابوبکر بن علی الحدّاد الیمنیؒ : قوله یجوز ان یضحی ..... والخصی لانه اطیب لحمًا من غیر الخصی ۔ قال ابوحنیفةؒ ما زاد فی لحمه انفع مما ذهب من خصیتیه ۔ (الجوهرة النیرة ج ۲ ص۲۸۵ کتاب الاضحیة) ۲؎

قربانی کیلئے جانور خرید کر موٹا کرنا

سوال :۔ اگر کوئی شخص دس ذی الحجہ سے دو تین ماہ قبل قربانی کے لیے جانور خریدے اور پھر اس کو خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کرے تو کیا اس شخص کو اس عمل کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب :۔ قربانی کے لیے پہلے سے جانور خریدنا اور پھر اس کو خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کرنا مستحب اور باعثِ اجر و ثواب عمل ہے ۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ : (الجواب) قربانی کا جانور پہلے سے خریدنا اور اس کو موٹا تازہ کرنا مستحب ہے ۔ الخ (امداد الاحکام جلد ۴ ص۱۹۰، کتاب الصید والذبائح والاضحیة)

۱؎ لما ذکر فی الهندیة : لا تجوز التضحیة بالشاة الخنثیٰ لان لحمها لاینضج ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۵ ص۲۹۹ الباب الخامس فی محل اقامة الواجب)

۲؎ لما ورد فی الحدیث : عن جابر بن عبد الله قال ذبح النبی صلی الله علیه وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین ۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص۳۸۲ کتاب الاضحیة)

ومثله فی بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص۸۰ کتاب الاضحیة ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قربانی کرنا

سوال:- اگر کوئی شخص پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عیدالاضحی کے دن قربانی کرے تو یہ قربانی ہو جائے گی یا نہیں اور اس میں ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- درست ہے اور اس میں ثواب بھی ہوتا ہے اور اس کے گوشت کا حکم اپنی قربانی کے گوشت جیسا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۵۸۹ کتاب قربانی اور عقیقہ کے مسائل)

قربانی کے جانور کے دانت دیکھنا

سوال:- ہمارے علاقے کے اکثر لوگ قربانی کا جانور خریدتے وقت اس کے دانت ضرور دیکھتے ہیں اگر کسی جانور کے سامنے والے دو دانت نہ نکلے ہوں تو اس کو قربانی کے لیے نہیں خریدتے چاہے اس جانور کی عمر پوری ہی کیوں نہ ہو۔ تو کیا قربانی کرنے کے لیے جانور کے سامنے کے دو دانتوں کا نکل آنا ضروری ہے یا نہیں؟ وضاحت سے اس مسئلے کو بیان فرمایا جائے۔

الجواب:- علماء احناف کے نزدیک قربانی کے لیے جو جانور متعین کیا جائے اس کی عمر کا خیال رکھنا ضروری ہے دانتوں کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو تو اس کی قربانی بلا شک وشبہ جائز ہے چاہے اس کے دانت نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں، چونکہ اس عمر میں عموماً جانوروں کے دانت نکل آتے ہیں اس لیے بطور علامت دیکھے جاتے ہیں۔ ویسے آجکل دھوکہ دہی کا عام رواج ہے، لوگ چند پیسوں کی خاطر کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے کم عمر جانور کی عمر پوری بتاتے ہیں اس لیے دانتوں کا دیکھنا مناسب ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وصح الجذع ذو ستة أشهر من الضأن ان كان بحيث لو خلط بالثنايا لا يمكن التميز من بعد وصح الثني فصاعداً من الثلاثة والثني هو ابن خمس من الابل وحولين من البقر والجاموس وحول من الشاة. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۶ ص۳۲۱، ۳۲۲ كتاب الاضحية) [1]

---

[1] لما قال الشيخ المفتى عبد الرحيم: عمر پوری ہونی ضروری ہے، دانت کی علامت ہو یا نہ ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد۳ ص۱۸۷ کتاب الاضحیہ)

عورت کے حقِ مہر پر قربانی کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو حق مہر میں ۔ اتولہ سونا بشکل زیورات دیا ہے، اس کے علاوہ عورت کے کے پاس کوئی نقدی وغیرہ نہیں، تو کیا یہ عورت قربانی کرے گی یا نہیں؟ جبکہ اس کا شوہر اب اتنا مالدار نہیں رہا کہ وہ خود قربانی کر سکے؟

الجواب:۔ جب کسی کے پاس ۷½ تولہ سونا موجود ہو چاہے وہ زیور کی شکل میں ہو یا اینٹ کی شکل میں اور اس پر کوئی قرضہ وغیرہ نہ ہو تو یہ شخص صاحبِ نصاب ہے اس کے ذمے قربانی کرنا لازم ہے ۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت کے ذمے قربانی کرنا واجب ہے وہ ہر صورت میں قربانی کرے گی، موصوفہ کی ذمہ داری اس کے شوہر پہ لاگو نہ ہوگی ۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وشرائطها: الاسلام والاقامۃ والیسار الذی یتعلق بہ وجوب صدقۃ الفطر کما مر۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۶ ص ۳۱۲ کتاب الاضحیۃ) [1]

گذشتہ سالوں کی قربانی کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص سے گذشتہ کئی سالوں کی قربانی رہ گئی ہو اور وہ اس کی قضاء کرنا چاہے تو شرعاً اس کا کیا طریقہ ہوگا کہ اس کا ذمہ فارغ ہو جائے؟

الجواب:۔ گذشتہ سالوں کی رہ جانے والی قربانی کی قضاء کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے سالوں کی قربانی رہ گئی ہو تو ہر سال کی قربانی کے بدلے اس کی قیمت فقراء و مساکین میں صدقہ کردے اور اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی مغفرت بھی مانگے ۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتصدق بقیمتها غنی شراها اولا لتعلقها بذمتہ بشرائها اولا فالمراد بالقیمۃ قیمۃ شاۃ تجزی فیها۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۶ ص ۳۲۱ کتاب الاضحیۃ) [2]

---

[1] لما قال العلامۃ مفتی عبدالرحیمؒ: جب عورتیں صاحبِ نصاب ہیں تو اُن پر قربانی کرنا واجب ہے کہ اپنے پیسے سے قربانی کریں خود کے پاس رقم نہ ہو تو شوہر کے پاس سے لے کر قربانی کریں، یا شوہر عورتوں سے اجازت لیکر ان کی طرف سے قربانی کریں تو واجب قربانی ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۱۸۰ کتاب الاضحیہ)

لما قال العلامۃ وھبۃ الزحیلی: ولو ترکت التضحیۃ حتی مضی وقتها ..... واما الغنی اذا لم یشتر الاضحیۃ فیتصدق بقیمۃ شاۃ علی الصحیح۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۳ ص ۶۰۲ کتاب الاضحیۃ۔ المبحث الثالث، وقت التضحیۃ)

قربانی کی بجائے قیمت

ہمارے ملک اور بعض اسلامی ممالک میں دین کی روح سے نابلد ایسے روشن خیال اور تجدد زدہ افراد کی کمی نہیں جو آئے دن اپنی تحقیق و اجتہاد کی چھری اسلامی شعائر اور قطعی و متواتر احکام و عبادات پر چلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر ایسے شوشے شوشے چھوڑ دیئے جاتے ہیں کہ قربانی کرنا جانوروں کی ضیاع ہے۔ اس سے قومی سرمایہ ضائع ہوتا ہے۔ اور بجائے قربانی کے اس کی قیمت کو رفاہی کاموں میں لگانا چاہیئے۔ علماء اسلام نے تفصیل سے ایسے شبہات اور وسوسہ اندازیوں کے معقول جوابات دیئے ہیں۔ اس دفعہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اجلاس ۱۳۹۶ھ کے نوٹس میں الجزائری اخبار الشعب مجریہ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ میں شائع شدہ ایک الجزائری فتویٰ لایا گیا ہے، جس میں حج کے موقعہ پر قربانی کی بجائے اس کی نقد قیمت تقسیم کرنے کا کہا گیا تھا۔ رابطہ کی مجلس تاسیسی نے تفصیلی دلائل کے ساتھ ایک فتویٰ میں اس نظریہ کو غیر اسلامی قرار دیا کہ قرآن و سنت کے واضح نصوص نبی کریم علیہ السلام کے عمل، قولی و فعلی ہدایات اور عہدِ نبوت سے لے کر اب تک صحابہ کرامؓ اور امتِ مسلمہ کے تعامل سے ثابت شدہ مسائل و عبادات میں کسی رائے زنی کی گنجائش نہیں، تقرب الی اللہ خودساختہ طریقوں سے لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کرنے سے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنے میں ہے کسی کام کے اقتصادی اور معاشی مصالح کے پہلو تب تلاش کئے جاسکتے ہیں جہاں امت کے اجماعی فیصلوں اور نصوص قطعی پر زد نہ پڑے اس لئے استبدال ذبائح بالثمن جیسے لایعنی مباحث کا دروازہ کھولنا ابتداع اور مداخلت فی الدین کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مذکورہ ہر سہ قراردادوں میں اسلامی نقطۂ نظر اور جمہور اہلسنت کے عقائد کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے اس لئے ایسی قراردادیں عالم اسلام کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے اطمینانِ قلب و زیادتِ ایمان کا باعث ہیں۔ دوسری طرف مغرب سے متاثر خام اذہان کو بھی تنبیہ ہو جاتی ہے۔ کہ ایسے مسائل میں عالم اسلام کی اکثریت کسی بھی ملحدانہ خیالات کی روادار نہیں۔

عقیقہ کی مشروعیّت کا فلسفہ | سوال :۔ جناب مفتی صاحب! عقیقہ کی مشروعیّت کا کیا فلسفہ ہے، اسلام نے اس کا کیوں حکم دیا ہے؟ تفصیلاً وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :۔ احکام شرعیہ کی مشروعیت میں بعض حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں، عقیقہ کی مشروعیت اور ساتویں دن کی رعایت کی بعض حکمتیں علماء نے بیان کی ہیں، نفس مشروعیت کی حکمتوں اور فلسفوں کی طرف فیلسوفِ اسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ:۔

وکان فیہا مصالح کثیرۃ راجعۃ الی المصلحۃ الملیۃ والمدنیۃ والنفسیۃ فابقاھا النبیؐ وعمل بھا ورغب الناس فیھا۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۲۱۲)

(ترجمہ) "عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا تعلق مصالح نفسیہ مدنیہ اور ملیہ سے تھا، ان مصالح کی وجہ سے رسول اللہؐ نے اس کو باقی رکھا، خود بھی اس پر عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس کی رغبت دلائی۔"

عقیقہ کے فواعد سے متعلق حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

(۱)۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ معاشرہ میں بچے کا اپنے سے نسب کا متعارف کرانا ایک ضروری امر ہے تاکہ معاشرہ والوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ یہ بچہ فلاں شخص کا بیٹا ہے اور کوئی شخص اسکے متعلق ناپسندیدہ بات نہ کہہ سکے، اس کے تعارف کے لیے ایک صورت یہ بھی تھی کہ یہ شخص خود گلی کوچوں میں پکارتا پھرے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات ناگوار تھی، اس لیے جب لوگوں کو عقیقہ پر بلایا جائے یا ان کے پاس گوشت بھیجا جائے تو اس کی وجہ سے لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ اس شخص کے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہوئی ہے۔

(۲)۔ عقیقہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان میں سخاوت کا مادہ پیدا ہوتا ہے، بخل اور کنجوسی جیسی مذموم صفت سے بچنے کی ایک تدبیر ہے جو انسان کی خوبی شمار ہوتی ہے۔

عقیقہ کے مذہبی اور ملی فائدہ | عقیقہ کے مذہبی اور ملی فوائد میں سے ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس میں ملّتِ ابراہیمی سے تعلق کا مظاہرہ ہوتا ہے، کیونکہ عیسائیوں کے ہاں بچہ پیدا ہونے پر زرد رنگ کے پانی میں اس کو رنگ دیا جاتا ہے جس کو یہ لوگ "معمودیہ (بپتسمہ)" کہتے ہیں اور اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ آیت ـ)

(ترجمہ) "ہم نے اللہ کا رنگ قبول کیا ہے اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے اور ہم تو اسی اللہ کے پرستار ہیں۔"

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی نسبت ملتِ ابراہیمی سے واضح کریں، مسلمانوں کے عام معاشرتی افعال میں ایسے طریقے ہونے چاہئیں جس سے ملتِ ابراہیمیؑ کا تعلق معلوم ہوتا ہو، ملتِ ابراہیمی میں یہ متعارف تھا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی جگہ ایک دُنبہ ذبح کیا تھا۔

علاوہ ازیں مشہور افعال میں سے حج بھی ہے جس میں ذبح کرنا اور بال منڈوانا بھی ہے۔ تو عقیقہ کرنے سے ملتِ ابراہیمی کے ان متعارف افعال اور امور سے نسبت پیدا ہوتی ہے اس لیے مذہبی تعلق کے مظاہرہ کے لیے ایک عظیم صورت ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اس میں تابعداری اور انقیاد کا ایک نمونہ ہے، کیونکہ بچے کی پیدائش پر اس عقیقہ سے ایسا ہی ہوا جیسا کہ اس نے اپنا یہ بیٹا ہی اس کے دربار میں پیش کیا جو اتباع اور فرمانبرداری کی معراج ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۲/۱۳/۱۴)

عقیقہ کرنے میں ایک نکتہ اور راز یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنا بچہ بڑا پیارا ہوتا ہے، بچے کی پیدائش پر والدین کو بہت ہی خوشی ہوتی ہے اور مستقبل کی امیدوں کی سوچ و فکر سے گھر کا ہر فرد خوشی کی وجہ سے اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا، ہر ایک کا دل فرحت و سرور سے لبریز ہوتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ بطور تشکر کچھ تصدق ہو اور تصدق کی بہترین صورت یہ قربانی یعنی عقیقہ ہے۔

(الذبائح فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص ۲۸۳ المبحث الثالث مشکلۃ اللحوم۔الخ)

عقیقہ کے فوائد میں سے اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ عقیقہ کا گوشت فقراء اور مساکین، دوستوں اور رشتہ داروں کو پیٹ بھر کر کھلانے سے طبعی طور پر ان کے دلوں سے دعائیں نکلیں گی جس سے بچہ کا مستقبل روشن ہوگا، عقیقہ فقراء اور مساکین، دوست و احباب کی دعاؤں کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

تسبیع کی رعایت کا فلسفہ | یہ بات ثابت ہے کہ عقیقہ میں بہتر یہ ہے کہ یہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں: "اگر بچہ کی پیدائش کے وقت یہ ضروری قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ اس سے بچے کے والدین کو تکلیف ہو، کیونکہ اس وقت ایک تو گھر کے لوگ بچہ اور اس کی ماں کی خبر گیری میں مصروف اور مشغول ہوتے ہیں، ایسے وقت میں ان کو عقیقہ کا حکم کرنا ان کے لیے کہیں تکلیف کا باعث نہ بنے، علاوہ ازیں ایسے اوقات میں کبھی کبھار جانور ملنے میں بھی دشواری ہوتی ہے، فوراً لزوم کی صورت میں پورا گھرانہ ان تمام مشکلات سے دوچار ہوگا، اس لیے مسنون یہ رہا کہ عقیقہ ساتویں دن ہو جس کے لیے ایک ہفتہ قابلِ اعتماد مدت ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۴۴)

عقیقہ کے لیے جانور متعین کرنے کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص عقیقہ کے لیے کوئی جانور متعین کر دے مگر زیادہ پیسے ملنے کے لالچ یا کسی اور فائدہ کی غرض سے وہ شخص اسے فروخت کر کے کوئی دوسرا جانور ذبح کر دے تو کیا اس سے عقیقہ کی سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب :۔ عقیقہ چونکہ شرعاً واجب نہیں اس لیے اگر کسی شخص نے عقیقہ کیلئے کوئی جانور متعین کیا لیکن بعد میں اس نے کسی وجہ سے دوسرا جانور ذبح کیا تو اس سے عقیقہ کی سنت ادا ہو گئی، متعین کردہ جانور ذبح کرنا ضروری نہیں ۔

مُردہ بچے کے عقیقہ کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی بچہ پیدا ہونے کے فوراً بعد فوت ہو جائے تو کیا اس بچے کا عقیقہ کرنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ بچے کی پیدائش پر عقیقہ کرنا مستحب ہے لیکن یہ استحباب صرف زندہ بچے تک محدود ہے مُردہ بچے کے عقیقہ کا استحباب ثابت نہیں ۔

لما قال الشیخ المفتی عبد الرحیمؒ : مرحوم بچہ کے عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں ۔ (فتاوٰی رحیمیہ جلد ۲ ص ۹۴ کتاب الاضحیہ)

بچے کا عقیقہ کس پر ہے

سوال :۔ بچے کا عقیقہ کرنا والدین میں سے کس کے ذمے لازم ہے؟

الجواب :۔ بچے کا نان ونفقہ والدین میں سے جس کے ذمے واجب ہو تو استطاعت ہونے کی صورت میں بچے کا عقیقہ کرنا بھی اُسی پر لازم ہے، استطاعت نہ ہونے کی صورت میں کسی کے ذمے لازم نہیں ۔

لما قال الشیخ المفتی عبد الرحیم : جس کے ذمے بچہ کا نفقہ واجب ہے اسی کے ذمہ عقیقہ بھی ہے، باپ کی حیثیت نہ ہو تو ماں عقیقہ کرے۔

(فتاوٰی رحیمیہ جلد ۲ ص ۹۴ کتاب الاضحیہ)

قربانی اور مسائل عید قربان

دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء سے ماہنامہ الحق میں افادۂ عام کے لیے "قربانی اور مسائل عید قربان" کے عنوان سے یہ مضمون شائع ہوا تھا۔ فتاویٰ اور مسائل کی مناسبت سے یہاں درج کیا جاتا ہے ——— مرتب ———

قربانی اور قرآن

قربانی اسلام کی عظیم الشان عبادت ہے اس کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی مرتبہ (آٹھ سورتوں میں) خداوند کریم نے قربانی اور متعلقات قربانی، اس کی اہمیت اور حکمت و فلسفہ، مختلف امتوں میں اس شکل و صورت پر روشنی ڈالی ہے، اور امت مسلمہ ملت ابراہیمی کے لیے اسے دینی شعار اور امتیازی نشان قرار دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ۔ (سورۃ الحج ۳۴)

(ترجمہ) "اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی تاکہ وہ اللہ کے دیئے گئے مویشیوں پر اس کا نام بلند کریں"

جیسا کہ خود آیت کریمہ سے واضح ہے، یہاں منسک سے مراد ذبح کرنا (قربانی دینا) ہے محققین اور تمام اکابر مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے۔ (قرطبی مراح للنوویؒ۔ فتح القدیر للشوکانیؒ وغیرہ)

قربانی کی حکمت اور فوائد کے بارہ میں ارشاد ربانی ہے:۔

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (سورۃ الحج آیت ۳۷)

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کا گوشت پوست اور خون نہیں پہنچتا مگر اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

سورۃ الکوثر میں واضح اور قطعی حکم ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ (سورۃ الکوثر ۲)۔ (ترجمہ) "پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو"

قربانی اور حدیث

(۱) عن ابن عمرؓ قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی۔ (جامع الترمذی ج ۱ ص ۲۷۶ ابواب الاضاحی)

(ترجمہ) "حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس برس تک مدینہ منورہ میں رہے اور برابر قربانی کرتے رہے"

(۲) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ عید قربان کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اونٹ یا کسی دوسرے جانور کی قربانی کرتے۔ (مسند احمد و نسائی) لے

(۳) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں گندم گوں رنگ کے دو بینڈھے قربان کیے۔ (بخاری نیز کتاب اختلاف الحدیث للشافعی علی الام ج ۷ ص ۲۸) ۲ے

(۴) بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ ۳ے

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صاحب وسعت پر سال بھر میں ایک قربانی واجب ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۳۳) ۴ے

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے استطاعت کے باوجود قربانی نہ دی وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے ۵ے

(۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم کی سنت ہے۔ (مشکوٰۃ) ۶ے

(۸) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ عید قربان کے دن ابن آدم کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں، قیامت کے دن قربانی کے جانور کے سینگ، بال، سُم تک اعمال حسنہ کو بھاری کر دیں گے، اس کے خون کے قطرے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتے ہیں۔ تو طیبِ نفس (دل کی خوشی) سے قربانی کرتے رہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ۷ے

(۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ہر بال کے بدلے تمہارے لیے نیکی ہے۔ (سنن ابن ماجہ) ۸ے

سبحان اللہ! کیا ٹھکانہ ہے رحمتِ خداوندی کا کہ اتنی بڑی دولت میسر ہو اور پھر بھی مسلمان کوتاہی کرے، مومن کی شان تو یہ ہے کہ قربانی اگر اس پر واجب نہ بھی ہو تب بھی ثواب اور نیکیوں کا یہ خزانہ ہاتھ سے نہ جانے دے۔

شرائط وجوب قربانی

قربانی واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں:۔

(۱) اسلام (غیر مسلم پر واجب نہیں) (۲) اقامت (مسافر پر واجب نہیں) (۳) حریت یعنی آزاد ہونا۔ (غلام پر واجب نہیں) اس کے لیے مرد ہونا شرط نہیں عورتوں پر بھی واجب ہے، نابالغ پر نہ خود واجب ہے نہ اس کی طرف سے اس کے ولی پر واجب ہے۔ کما فی ظاهر

الروایۃ وبہ الفتوی۔[9] (۴) تونگری یعنی جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو اُس پر عید کے دن صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے چاہے وہ مالِ تجارت ہو یا نہ ہو اور چاہے اس پر پورا سال گذر چکا ہو یا نہ گذرا ہو۔ (بہشتی زیور)[10]

قربانی کے جانور

اونٹ، گائے، بکری کی تمام انواع (نر، مادہ، خصی، غیر خصی) کی قربانی ہو سکتی ہے بھینس گائے میں شمار ہے اور بھیڑ یا دنبہ بکری ہیں۔ گائے، بھینس، اونٹ ان سب میں سات آدمی بھی شریک کر سکتے ہیں جبکہ کسی کا ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔ اگر کسی گائے یا اونٹ میں سات یا اس سے کم آدمی شریک ہوئے تو سب کی قربانی درست ہے اور اگر آٹھ یا زیادہ ہوئے تو سب کی قربانی نہ ہوگی۔[11]

جانور کی عمر

اونٹ پانچ سال کا، گائے بھینس دو سال کی، بکری ایک سال کی، اس سے کم عمر کی قربانی جائز نہیں، ہاں اگر دُنبہ یا بھیڑ اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو چھ مہینے کی عمر والے کی بھی قربانی درست ہے۔[12]

کانے اور اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اگر ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا یا دُم تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی (یہ پیدائشی نہ ہوں) تو قربانی درست نہیں۔ اتنا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو یا ایسا لنگڑا جو تین پاؤں سے چل سکتا ہے، چوتھا پاؤں رکھ نہیں سکتا یا اس سے چل نہیں سکتا اس کی قربانی درست نہیں۔ جس کے سارے یا آدھے سے زیادہ دانت نہ ہوں اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں مگر جڑیں سالم نہ ہوں یا خصی ہو اس کی قربانی درست ہے۔[13]

خُنثیٰ جانور جس میں نر و مادہ دونوں کی علامتیں ہوں اور جلّالہ جو صرف غلیظ چیزیں کھاتا ہو یا جس کی ٹانگ کٹی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ اور اگر جانور خریدنے کے بعد ایسا کوئی عیب پیدا ہو تو اس کے بدلے میں دوسرا جانور خریدے۔ ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی واجب نہ ہو تو اس کے واسطے درست ہے کہ وہی قربانی کر دے۔[14]

قربانی کے اوقات

(۱) قربانی کا وقت بقرعید یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ صبح صادق سے بارہویں کے غروبِ آفتاب تک ہے۔ پہلا دن دس ذی الحجہ سب سے افضل ہے، پھر گیارہ ذی الحجہ پھر بارہ ذی الحجہ کا درجہ ہے۔[15]

(۲) بقرعید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں، ہاں دیہات یا قصبوں والے جہاں

نمازِ عید نہ ہوتی ہو نماز فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں [۱۶]

(۳) رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں، شاید اندھیرے میں کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی درست نہ ہو۔[۱۷]

(۴) اگر بارہویں کے غروبِ آفتاب سے پہلے مقیم ہوا یا تونگر ہوا تو قربانی کرنا واجب ہے[۱۸]

(۵) قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا اولیٰ ہے ورنہ کسی اور سے بھی کرانا جائز ہے [۱۹]

(۶) قربانی کے جانور کو قبلہ رخ لٹا کر پہلے یہ دعا پڑھے: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا [illegible] الْمُشْرِكِیْنَ۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ۔ پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: اللّٰھمّ تقبّلہ منّی کما تقبّلت من حبیبک محمد وَ خلیلک ابراھیم علیھم السلام [۲۰]

(۷) زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، دل کا ارادہ بھی کافی ہے۔[۲۱]

(۸) اگر قربانی واجب ہو اور قربانی کے دن بغیر قربانی کیے گذر جائیں تو بعد میں بھیڑ یا بکری کی قیمت دیدی جائے اور اگر جانور خرید لیا گیا ہو تو بعینہٖ وہی خیرات کر دیا جائے [۲۲]

گوشت اور کھال کا حکم

(۱) قربانی دینے والا قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے خویش واقارب، غنی و فقرا سب کو دے سکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ کم از کم تہائی حصہ خیرات کر دے، اس سے کمی نہ کرے [۲۳]

(۲) اگر سات آدمی قربانی میں شریک ہوں تو گوشت اندازے سے نہ بانٹیں بلکہ صحیح تول کر تقسیم کریں ورنہ گناہ ہوگا [۲۴]

(۳) قربانی کی کھال یا اس کی قیمت خیرات کر دیں اور ان لوگوں کو دیں جو زکوٰۃ و صدقہ فطر کے مستحق ہیں۔ قیمت میں جو پیسے ملیں وہی خیرات کر دیں، اگر تبدیل کر کے دیئے تو بُری بات ہے مگر ادا ہو جائیں گے [۲۵]

(۴) کھال کو اپنے کام میں [illegible] مثلاً اس سے رسّی بنوائی یا چھلنی یا ڈول یا جائے نماز بنوائی۔ (بہشتی [illegible])

(۵) گوشت یا چربی یا چمڑا قصائی یا کسی اور کو تنخواہ یا مزدوری میں دینے کا حکم نہیں۔[۲۷]

(۶) قربانی کی رسّی جھول وغیرہ بھی خیرات کر دینی چاہیئے [۲۸]

(۷) اگر اپنی خوشی سے کسی مُردہ کو ثواب پہنچانے کے لیے قربانی کی جائے تو اس قربانی کے گوشت

میں سے کھانا یا کھلانا اور بانٹنا سب درست ہے جس طرح اپنی قربانی کا حکم ہے۔ (بہشتی زیور)[۲۹]

تکبیراتِ تشریق | نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک شہری مقیم کو ہر نمازِ پنجگانہ کے بعد جو جماعتِ مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو ایک بار بلند آواز سے تکبیر کہنا واجب ہے اگر زیادہ بار کہے تو افضل ہے اسے تکبیرِ تشریق کہتے ہیں جو یہ ہے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ[۳۰]

عید کی سنتیں | حجامت بنوانا، غسل کرنا، اچھے سے اچھا لباس پہننا (جو میسر ہو) سرمہ لگانا، میسر ہو تو خوشبو لگانا۔ اس عید میں نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھانا چاہیئے بلکہ افضل یہ ہے کہ واپس آکر قربانی کرے اور اس کا گوشت کھائے، اس عید میں عید گاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے یہ تکبیر پڑھے: اللہ اکبر اللہ اکبر لآ الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔ عید گاہ میں وقت سے پہلے جانا اور شروع صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرنا، واپسی پر عید گاہ سے جس راستے سے گیا تھا اس کی بجائے دوسرے راستے سے آنا بھی سنت ہے۔

نمازِ عید کی نیت | دو رکعت نمازِ عید الاضحٰی مع چھ تکبیراتِ واجب کے، بندگی اللہ تعالیٰ کی، منہ طرف قبلہ شریف کے، پیچھے اس امام کے،

پہلی رکعت میں ثناء کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنے سے پہلے امام صاحب تین بار اللہ اکبر کہیں گے، مقتدی بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائیں، پہلی دو بار تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں اور حسبِ معمول امام صاحب کے ساتھ رکعت پوری کریں۔ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے تین بار تکبیرات کہیں گے، مقتدی حسبِ سابق اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں، چوتھی بار اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔

خطبہ | نمازِ عید کے بعد خطبہ ہوتا ہے جس کا سننا واجب ہے، کچھ لوگ خطبہ ختم ہونے سے پہلے عید گاہ سے چلے جاتے ہیں، خواہ خطیب کی آواز سنائی دے یا نہ دے خطبہ ختم ہونے تک اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

---

[۱] عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یذبح او ینحر بالمصلّٰی۔ (سنن النسائی ج۲ ص۲۰۲ باب ذبح الامام اضحیتہ بالمصلّٰی)

[۲] عن انسؓ قال ضحّی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین املحین اقرنین ذبحھما

بیدہ ولیسمّی وکبر ووضع رجلہ علیٰ صفاحہما۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص۸۳۵،
باب التکبیرات عند الذبح — سنن النسائی ج۲ ص۲۰۳ باب الکبش کتاب الاضحیۃ)

۳ـہ عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا وحاضت بسرق قبل ان تدخل مکۃ وھی تبکی فقال مالکِ انفستِ قالت نعم قال ان ھٰذا امر کتبہ اللہ علیٰ بنات آدم فاقضی مایقضی الحاج غیر ان لا تطوفی بالبیت فلما کنا بمنیٰ اتیت بلحم بقر فقلت ما ھٰذا قالوا ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ازواجہ بالبقر۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۸۳۲ باب الاضحیۃ للمسافر والنساء)

۴ـہ عن مخنف بن سلیم قال کنا وقوفا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفۃ فقال یاایہا الناس ان علیٰ اھل بیت فی کل عام اضحیۃ وعتیرۃ أتدرون ما العتیرۃ ھی التی یسمیھا الناس الرجبیۃ۔

(ابن ماجہ ص۲۲۶ باب الاضاحی واجبۃ ام لا)

۵ـہ عن ابی ھریرہؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا۔ (ابن ماجۃ ص۲۲۶ باب الاضاحی واجبۃ ام لا)

۶ـہ عن زید بن ارقمؓ قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ ماھٰذہ الاضاحی قال سُنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام۔

(مشکوٰۃ ج۱ ص۱۲۹ باب فی الاضحیۃ۔ الفصل الثالث)

۷ـہ عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما عمل ابن آدم یوم النحر عملاً احب الی اللہ عزوجل من ھراقۃ دم وانہ لیاتی یوم القیٰمۃ بقرونھا واظلافھا واشعارھا وان الدم لیقع من اللہ عزوجل بمکان قبل ان یقع الارض فطیبوابھا نفسا۔ (ابن ماجۃ ص۲۲۶ باب ثواب الاضحیۃ)

۸ـہ عن زید بن ارقمؓ قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ ماھٰذہ الاضاحی قال سُنۃ ابیکم ابراھیم قالوا فمالنا فیھا یارسول اللہ قال بکل شعرۃ حسنۃ قالوا فالصوف یارسول اللہ قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ۔

(ابن ماجہ ص۲۲۶

۹ـہ قال العلامۃ الکاسانیؒ: بشروط وجوب قربانی، الاسلام، الاقامۃ، حریۃ

ولا تجب (على الصبي) في ظاهر الرواية ولكن الافضل ان يفعل ذٰلك ـ
(بدائع الصنائع ج ۵ ص۶۴ كتاب الاضحية)

لـه بہشتی زیور ص۲۵ حصہ تیسرا۔

لـه قال العلامة الزيلعيؒ : (والاضحية من الابل والبقر والغنم) لان جواز التضحية بهٰذه الاشياء عرف شرعًا بالنص على خلاف القياس فيقتصر عليها ـ
(تبيين الحقائق ج ۶ ص۷ كتاب الاضحية)

قال العلامة الكاسانيؒ : ويدخل في كل جنس نوعه والذكر والانثىٰ منه الى قوله والمعز نوع من الغنم والجاموس نوع من البقر بدليل انه يضم ذٰلك الى الغنم والبقر في باب الزكوٰة ـ (بدائع الصنائع ج ۵ ص۶۹ كتاب الاضحية)

قال العلامة الكاسانيؒ : ولا يجوز بعير واحد ولا بقرة واحدة عن اكثر من سبعة ويجوز ذٰلك عن سبعة ـ (بدائع الصنائع ج ۵ ص۷ كتاب الاضحية)

۲لـه لما في الهندية : فلا يجوز شيءٌ مما ذكرنا من الابل والبقر والغنم عن الاضحية الا الثنيُّ من كل جنس والا الجذع من الضأن خاصة اذا كان عظيما الى قوله قالوا الجذع من الغنم ابن ستة اشهر والثني ابن سنة والجذع من البقر ابن سنة والثني منه ابن سنتين والجذع من الابل ابن اربع سنين والثنيُّ ابن خمس ـ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۲۹۷ الباب الخامس)

۳لـه لما في الهندية : ولا تجوز العمياء والعوراء البين عورها الى قوله ولو ذهب بعض هٰذه الاعضاء دون بعض من الاذن والالية والذنب والعين ـ
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۲۹۸ الباب الخامس)

وفي جامع انه اذا كان ذهب الثلث او اقل جاز وان كان اكثر من الثلث لا يجوز ـ وروى ابو يوسف رحمه الله انه ان كان ذهب الثلث لا يجوز وان كان اقل من ذٰلك جاز ـ وقال ابو يوسف رحمه الله ذكرت لابي حنيفة رحمه الله فقال قولي مثل ذٰلك ـ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص۲۹۸ الباب الخامس ـ كتاب الاضحية)

قال العلامة التمرتاشيؒ : فلو مهزولة لم يجز الى قوله المهزولة التي لا مخ في عظامها ـ (شرح تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج۵ ص۲۲۷ كتاب الاضحية)

۱۲ قال العلامة التمرتاشیؒ: ولا بالخنثیٰ لان لحمها لا ینضج۔ (شرح تنویر الابصار علیٰ ہامش رد المختار ج ۵ ص۲۲۸ کتاب الاضحیۃ)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: والعرجاء التی تمشی بثلاثۃ قوائم وتجافی الرابع عن الارض لاتجوز الاضحیۃ بھا (البحر الرائق ج ۸ ص۱۷۶ کتاب الاضحیۃ)

قال المرغینانیؒ: واما الھتماء وھی التی لا اسنان لھا فعن ابی یوسفؒ انہ یعتبر فی الاثنان الکثرۃ والقلۃ وعنہ ان بقی ما یمکن الاعتلاف بہ اجزأ۔

ویجوز ان یضحی بالجماء وھی التی لا قرن لھا لان القرن لایتعلق بہ مقصود وکذا مکسورۃ القرن لما قلنا والخصی لان لحمہا اطیب۔ (الہدایہ ج ۴ ص۴۴۸ کتاب الاضحیۃ)

قال الحصکفیؒ: واشتراھا سلیمۃ یعتب بعیب مانع من التضحیۃ کان علیہ ان یتیم غیرھا مقامھا ان کان غنیاً وان کان فقیراً یجزیہ ذلک لان الوجوب علی الغنی بالشرع ابتداءً لا بالشراء۔

(الدر المختار علیٰ ہامش رد المختار ج ۵ ص۲۲۹ کتاب الاضحیۃ)

۱۵ قال العلامۃ الکاسانیؒ: فلا یجوز لاحد ان یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الاول من ایام النحر۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص۷۳ کتاب الاضحیۃ)

۱۶ وایام النحر ثلاثۃ یوم الاضحی وھو یوم العاشر من ذی الحجۃ الخ۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص۶۵ کتاب الاضحیۃ)

۱۷ والمستحب ذبحھا بالنھار دون اللیل لانہ امکن لاستفاد العروق کذا فی الجوھرۃ النیرۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۵ ص۲۹۶ کتاب الاضحیۃ)

۱۸ لما فی الھندیۃ: لو کان مسافراً فی اول الوقت ثم اقام فی آخرہ تجب علیہ۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۵ ص۲۹۲ کتاب الاضحیۃ۔ باب شرائط الوجوب)

قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو جاء یوم الاضحی ولا مال لہ ثم استفاد مائتی درھم ولا دَین علیہ وجبت الاضحیۃ۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص۳۰۹ کتاب الاضحیۃ)

لما فی الھندیۃ: وھکذا لو کان فقیراً فی اول الوقت ثم ایسر فی آخرہ تجب علیہ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۵ ص۲۹۲ کتاب الاضحیۃ باب حکم الوجوب)

١٩ـه لما فى الهندية : والافضل ان يذبح اضحيته بيده ان كان يحسن الذبح لان الاولى فى القربات ان يتولى بنفسه وان كان لا يحسن الذبح فالافضل ان يستعين بغيره ولكن ينبغى ان يشهدها بنفسه ـ

(الفتاوى الهندية ج ٥ ص ٣٠٠ كتاب الاضحية. الباب الخامس)

٢٠ـه عن جابر قال ذبح النبى صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين اقرنين املحين موجوئين فلما وجههما قال انى وجهت وجهى الخ (مشكوٰة ص ١٢٨ كتاب الاضحية. الفصل الثانى)

٢١ـه قال العلامة ابن عابدين رح : ولا يشترط ان يقول بلسانه ما نوى بقلبه كما فى الصلوٰة ـ (رد المحتار ج ٥ ص ٢١٩ كتاب الاضحية)

٢٢ـه اذا اوجب شاة بعينها او اشتراها ليضحى بها فمضت ايام النحر قبل أن يذبحها تصدق بها حية ولا يأكل من لحمها لانه انتقل الواجب من اراقة الدم الى التصدق وان لم يوجب ولم يشتر وهو موسر وقد مضت ايامها تصدق بقيمة شاة تجزئ للاضحية ـ

(رد المحتار ج ٥ ص ٢٢٦ كتاب الاضحية)

٢٣ـه قال العلامة الحصكفى رح : ويأكل من لحم الاضحية ويوكل غنياً ويدخر وندب ان لا ينقص التصدق عن الثلث ـ (الدر المختار على رد المحتار ج ٥ ص ٢٣٣ كتاب الاضحية)

٢٤ـه قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخارى رح : سبعة ضحوا وارادوا ان يقسموا اللحم بينهم ان اقتسموها وزناً جاز وان اقتسموها جزافاً ان جعلوا مع اللحم شيئاً من السقط كالرأس والاكراع يجوز فان لم يجعلوا لا يجوز ـ

(خلاصة الفتاوىٰ ج ٤ ص ٣١٥ كتاب الاضحية)

٢٥ـه ولا بأس بالدراهم ليتصدقها وليس له ان يبيعه بالدراهم لينفقها على نفسه ولو فعل ذلك يتصدق بثمنه ـ (خلاصة الفتاوىٰ ج ٤ ص ٣٢٢ كتاب الاضحية)

٢٦ـه ويجوز الانتفاع بجلد الاضحية والهدى والمتعة والتطوع بان يتخذه فروًا او بساطاً او جراباً او غرباالا الخ

(خلاصة الفتاوىٰ ج ٤ ص ٣٢١ كتاب الاضحية)

٢٧ـه لما فى الهندية : ولا يحل بيع شحمها واطرافها ورأسها وصوفها .

وو برها وشعرها ولبنها الذی یحلبه منها بعد ذبحها بشئ لا یمکن الانتفاع به إلا باستهلاك عینه من الدراهم والدنانیر والماکولات والمشروبات ولا ان یعطی اجرا لجزار والذابح منها ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۰۱ کتاب الاضحیة)

۲۸ ـ لما فی الهندیة: واذ ذبحها تصدق بجلالها وقلائدها کذا فی السراجیة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۰۰ کتاب الاضحیة۔ الباب السادس)

۲۹ ـ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: سئل نصیر عن رجل ضحی عن المیت قال الاجر له والملك لهذا وفی الفتاوی ان کان بامر المیت المختار انه لا یتناول۔ وقال فی باب البناء إن ضحی بغیر امره المختار انه یتناول۔
(خلاصة الفتاوی ج ۴ ص۳۲۲ کتاب الاضحیة)

۳۰ ـ لما فی الهندیة: اما صفته فانه واجب وأما عدده وماهیته فهو أن یقول مرة واحدة الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد۔
وأما شروطه فاقامة ومصر ومکتوبة وجماعة مستحبة واما وقته فاوله عقیب صلوٰة الفجر من یوم عرفة وآخره فی قول ابی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ عقیب صلوٰة العصر من آخر ایام التشریق والفتوی علی قولهما۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۵۲ الباب السابع)
ویستحب یوم الفطر للرجل الاغتسال والسواك ولبس احسن ثیابه ویستحب التختم والتطیب واستحب فی عید الفطر ان یأکل قبل الخروج الی المصلی الاکل قبل صلوٰة یوم الاضحی لا یکره لکن یستحب له ان لا یفعل ویستحب ان یکون أول تناولهم من لحوم الأضاحی ویکبر فی الطریق فی الأضحی جهرا۔
وکیفیة صلوٰتها: ان ینوی صلوٰة العید بقلبه ویقول بلسانه اصلی صلوٰة العید لله تعالیٰ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۴۹ باب صلوٰة العیدین)
ثم یکبر للتحریمة ...... ثم یکبر الامام والقوم تکبیرات الزوائد ثلاثا یرفع یدیه للامام والقوم فی کل منها ثم یکبر الامام والقوم تکبیرات الزوائد ثلاثا ویرفع یدیه فیها کما فی الرکعة الاولیٰ۔ (طحطاوی ص۲۹۱ باب العیدین)

كتاب الوصية

ان الله تعالى تصدق عليكم

بثلث اموالكم زيادة في

اعمالكم فضعوها حيث شئتم

کتاب الوصیۃ

(وصیت کے احکام و مسائل)

وارث کے لیے وصیت کرنا باطل ہے

سوال: ایک شخص نے اپنے کل مال کی وصیت پوتے کے لیے کر دی جبکہ اس کی پوتیاں اور بہنیں بھی موجود ہیں، تو کیا یہ وصیت شرعاً درست اور نافذ ہو گی یا نہیں؟ تفصیلاً جواب مطلوب ہے؟

الجواب: ورثاء کے حقوق قانون وراثت کے مطابق متعین ہیں، اور مورث ورثاء کو وصیت کر کے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کا حق نہیں رکھتا، جس وارث کے لیے وصیت کی جائے اس کی تنفیذ دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف ہو گی اور اگر دیگر ورثاء اجازت نہ دیں تو وصیت کالعدم رہے گی تاہم بصورتِ اجازت وصیت پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا تجوز لوارثہ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: ان اللہ تعالیٰ اعطی کل ذی حق حقہٗ اَلا لا وصیۃ لوارث ولانہ یتأذی البعض بایثار البعض ففی تجویزہٖ قطیعۃ الرحم ولانہ حیف بالحدیث الذی رویناہ۔

(الھدایۃ ج۴ ص۶۲۵ کتاب الوصایا) [1]

نابالغ اولاد کی شادیاں کرانے کیلئے وصیت کا حکم

سوال: زید نے اپنی بالغ اولاد کی شادیاں کر دی ہیں، کیا وہ اپنی نابالغ اولاد کی شادی کے لیے اپنی جائیداد میں سے شرعاً کسی حصہ کی وصیت

---

[1] عن عمرو بن خارجۃ خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ اَلا لا وصیۃ لوارث۔

(سنن النسائیؒ ج۲ ص۱۳۱ کتاب الوصایا، باب ابطال الوصیۃ للوارث)

کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اولاد کی شادیاں کرانا والد کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ احسان کا معاملہ ہے زندگی میں تو باپ کو اپنی جائیداد میں تصرّف کا مکمل اختیار حاصل ہے، لیکن مرنے کے بعد اولاد کے لیے ایسے اضافی اخراجات کی وصیّت کالعدم رہے گی۔

کما قال علیہ الصّلوٰۃ والسّلام: اِنَّ اللّٰہَ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ اَلاَ لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ۔

(سنن النسائی ج ۲ ص۱۳۱ کتاب الوصایا۔ باب ابطال الوصیۃ للوارث) ؎۱

وصیّت مملوکہ جائیداد میں نافذ ہے

سوال:۔ زید نے بکر کے لیے اپنی جائیداد میں پانچویں حصے کی وصیت کی، پھر اپنے بیٹے خالد کو بعض جائیداد متفرق جگہوں میں دے دی، تاہم وفات کے وقت اس کی ملکیت میں کچھ جائیداد ضرور تھی، کیا ایسی حالت میں وصیّت تمام جائیداد میں نافذ ہو گی جس میں بیٹے کو دی ہوئی جائیداد بھی شامل ہے یا صرف موت کے وقت مملوکہ جائیداد میں وصیّت نافذ ہو گی؟

الجواب:۔ وصیّت درحقیقت مرتے وقت نافذ ہوتی ہے، اس لیے موت کے وقت جو جائیداد باقی ہو اس میں وصیت معتبر ہو گی، چونکہ موت سے قبل وصیّت کرنے والا اپنی جملہ جائیداد میں مالکانہ تصرّفات کا حق محفوظ رکھتا ہے اس لیے اُسے وصیت سے قولاً یا عملاً رجوع کا حق بھی حاصل ہے، لہٰذا بیٹے کو جو جائیداد زندگی میں دی ہو وہ اسی کی ملکیت ہو گی البتہ باقیماندہ جائیداد سے پانچواں حصہ موصیٰ لہٗ کو دیا جائے گا۔

قال العلامۃ السجاوندیؒ: ثمّ تنفذ وصایاہ من ثلث ما بقی بعد الدّین۔

(مقدمۃ السراجی ص۳) ؎۲

؎۱ لما قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ:۔ ولا تجوز لوارثہ لقولہ علیہ السّلام: ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوارث۔

(الہدایۃ ج ۴ ص۶۲۵ کتاب الوصایا)

؎۲ وفی الھندیۃ: ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما یبقی بعد الکفن والدّین۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض) ومثلہ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۴۵۳ کتاب الفرائض۔

کل مال کے ثُلث سے زائد میں وصیت معتبر نہیں

سوال:۔ ایک عورت نے زندگی میں اپنی کل جائیداد غیر منقولہ رائج الوقت ملکی قانون کے تحت بذریعہ رجسٹری محلہ کی مسجد کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کی کہ میری وفات تک یہ جائیداد میری رہے گی، میرے مرنے کے بعد کل اثاثہ یعنی سوئی سلائی تک مسجد کی ملکیت ہوگی، اور اس بات کے گواہ بھی موجود ہیں۔ جبکہ مرحومہ کے ورثاء میں ماموں زاد بھائی کی بیٹی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے جس کے بارے میں مرحومہ نے بتایا تھا کہ میں نے اس لڑکی کو جو کچھ دینا تھا وہ اپنے ہاتھوں سے دے دیا ہے اب اسے اور کچھ نہ دوں گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مرحومہ کی موت کے بعد اس کے رشتہ داروں کو کچھ ملے گا یا نہیں؟ یا اس کا جملہ اثاثہ مسجد کے لیے ہی وقف ہوگا؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں مرحومہ کا یہ وقف وصیت سے متعلق ہے اور وصیّت کل مال کے ثلث سے زائد میں معتبر نہیں یعنی کل جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کا صرف ۱/۳ حصہ مسجد کے لیے وقف ہوگا اور ۲/۳ حصہ میں اِرث جاری ہوگی، کیونکہ وصیت کے ذریعے کوئی اپنے ورثاء کو میراث سے محروم نہیں کرسکتا۔

قال العلامة محمد علاؤ الدین افندیؒ: الارث جبری لایسقط بالاسقاط۔

(تکملة ردّالمحتار ج۱ ص۳۵۹ مطلب واقعة الفتوٰی۔ کتاب الدعوٰی)

قال العلامة السجاوندیؒ: وتنفذ وصایاہ من ثلث ما بقی بعد الدین۔

(مقدمة السراجی ص۳ م) [1]

میّت کی زبانی وصیّت سے مسجد پر خرچ کرنا

سوال:۔ زید نے وفات سے دو ماہ قبل مسجد کے لیے دس ہزار روپے دینے کا کہا تھا جن میں سے اس نے دو سو پچاس روپے مسجد پر خرچ بھی کر دیئے لیکن بقیہ رقم وفات تک وہ کسی وجہ سے خرچ نہ کرسکا، تو کیا مرحوم کے ترکہ سے یہ رقم مسجد پر خرچ

---

[1] وفی الھندیة: ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما بقی بعد الکفن والدّین ......
ثم یقسم الباقی بین الورثة علیٰ سھام المیراث۔
(الفتاوٰی الھندیة ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض)

کی جائے گی یا نہیں، جبکہ مرحوم کی وصیت پر گواہ بھی موجود ہیں؟

الجواب: اگر مرحوم کی وصیت کے بارے میں اس کے ورثاء اقرار کرتے ہوں یا اس پر گواہ موجود ہوں اور جائیداد متروکہ کے ثلث سے اس کی ادائیگی ممکن ہو تو، اس کی ادائیگی ضروری ہے۔

قال العلامة السجاوندی رحمہ اللہ: وتنفذ وصایاہ من ثلث ما بقی بعد الدین۔ (مقدمة السراجی ص۳) [1]

وصیت کی وجہ سے وارث حقِ میراث سے محروم نہیں ہوتا

سوال: ایک عورت جو کہ لاولد ہے، نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری زرعی جائیداد اور مکان میرے دونوں دیوروں کو برابر برابر دیدی جائے کیونکہ ان دونوں نے میری بیماری پر کافی مال خرچ کیا ہے اور آئندہ بھی میری تجہیز و تکفین پر خرچ کریں گے، اس لیے میرے کسی دوسرے اقارب کو میری جائیداد میں کوئی حق حاصل نہیں، جبکہ اس کی وفات کے بعد اس کے دو چچازاد بھائی زندہ ہیں، تو کیا شرعاً ان دونوں کو مرحومہ کی میراث میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: شریعت کے مطابق کفن و دفن پر جو خرچ ہوگا وہ ترکہ سے لیا جائے گا اور باقی جائیداد کے ثلث سے وصیت پوری کی جائے گی اس لیے کہ ثلث سے زیادہ وصیت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور بقیہ مال ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مرحومہ کے دونوں دیوروں کو ثلث مال ملنے کے بعد باقی مال اس کے دونوں چچازاد بھائیوں کا ہوگا۔

قال العلامة السجاوندیؒ: تتعلق بترکة المیت حقوق اربعة مرتبة الاوّل یبدأ بتکفینه وتجهیزه من غیر تبذیر ولاتقطیر..... ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسنة والاجماع الأمة۔ (مقدمة السراجی ص۳) [2]

---

[1] قال العلامة ابن البزازؒ: وتبرعات المریض کالهبة والصدقة........ من الثلث۔ (البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۴۳۲ کتاب الوصایا)

[2] قال العلامة المرغینانیؒ: قال ولاتجوز بما زاد علی الثلث لقول النبی علیه السلام فی حدیث سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ الثلث والثلث کثیر۔ (الهدایة ص۶۵۳ کتاب الوصایا۔ باب صفة الوصیة)

وصیّت صرف ثلث مال میں نافذ ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص زندگی میں ہی اپنے مال کی وصیت کرے تو اس کی وصیت کتنے مال میں نافذ ہوگی یا کہ اس کا جملہ مال وصیت کے مطابق خرچ کیا جائے گا؟

الجواب:۔ وصیت میت کے کل مال کے صرف ثلث میں جاری ہوگی یعنی میت کی وصیت کو اس کے ثلث مال سے پورا کیا جائے گا اور باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

قال الشیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشیدؒ: ثمّ تقضی دیونہٗ من جمیع مابقی من مالہ ثمّ تنفذ وصایاہ من ثلث مابقی بعد الدّین الخ (السراجی ص۳) [1]

وصیّت سے رجوع صحیح ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کے لیے اپنے مال میں مخصوص حصہ کی وصیت کرے اور اسے اسٹامپ پر تحریر بھی کر دے لیکن چند دن بعد وصیت کرنے والا کچھ ذاتی ناراضگی کی وجہ سے وصیت سے رجوع کر لیتا ہے، تو کیا اس شخص کا وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب وصیت کنندہ نے اپنے وصیت نامہ سے رجوع کر لیا تو بعد الموت وصی کو کچھ نہیں ملے گا۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیّۃ واذا صرح بالرجوع اوفعل مایدل علی الرجوع کان رجوعًا۔ (الہدایۃ ج۴ ص۶۴۴ کتاب الوصایا، باب فی صفۃ الوصیّۃ مایجوز من ذٰلک الخ) [2]

---

[1] وفی الہندیۃ: ثمّ تنفذ وصایاہ من ثلث مایبقی بعد الکفن والدّین الّا ان تجیز الورثۃ اکثر من الثلث الخ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض الباب الاول فی تعریفہا وفیما یتعلق بالترکۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ ج۴ ص۶۵۵ کتاب الوصایا، باب فی صفۃ الوصیۃ مایجوز من ذٰلک الخ۔

[2] وفی الہندیۃ: ویصح للموصی الرجوع عن الوصیّۃ ثمّ الرجوع قد یثبت صریحاً وقد یثبت دلالۃ الخ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۶ ص۹۲ کتاب الوصایا الباب الاول فی تفسیرہا وشرط جوازہا وحکمہا الخ)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوی قاضیخان ج۴ ص۴۳۲ کتاب الوصایا۔ فصل فیما یکون رجوعا عن الوصیۃ الخ

غیر مسلم کو وصیّت کرنے کا حکم | **سوال:-** ایک مسلمان کا اپنے مال میں کسی غیر مسلم کے لئے وصیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو یہ وصیت کتنے مال میں جاری ہوگی؟

الجواب:- اسلام میں وصیت کا دائرہ وسیع ہے مسلمان کے علاوہ غیر مسلم کے لئے بھی وصیت کرنا درست ہے اور اس کا اجراء صرف ثلث مال میں ہوگا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: اما کونه مسلماً فلیس بشرط حتٰی لوکان ذمیًا فاوصی له مسلم اوذمی جاز۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص۳۴۱ کتاب الوصایا) [۱]

اثباتِ وصیت کے لیے شہادت ضروری ہے | **سوال:-** ایک آدمی نے یہ دعوٰی کیا کہ فلاں شخص نے میرے لیے اتنے مال کی وصیت کی ہے جبکہ مرحوم کے ورثاء اس وصیت کے منکر ہیں مگر مدعی کے پاس گواہ موجود ہیں، تو کیا شرعًا ورثاء کا انکار مرحوم کی وصیت کو ختم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- جس طرح دیگر معاملات اور عقود کے اثبات کیلئے گواہوں کی گواہی موجبِ اثبات ہے بالکل اسی طرح وصیّت بھی گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوجائے گی اور اس سے ورثاء کے انکار کی شرعًا کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔

لما قال العلامة الدکتور وهبة الزحیلی: وتثبت الوصیّة بطرق الاثبات الشرعیّة کالشهادة والکتابة۔

{الفقه الاسلامی وادلته ج ۸ ص۱۲۶
البحث السابع اثبات الوصیّة}

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ: ویجوزان یوصی المسلم للکافر والکافر للمسلم فالاوّل لقوله تعالیٰ: لاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین۔
(الهدایة ج۴ ص۶۴۱ کتاب الوصایا)

موصی لہ کا موصی سے پہلے وفات پا جانے پر وصیت کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب نے اپنی زندگی میں ہی اپنے ایک دوست کے لیے ایک قطعہ اراضی کا وصیت نامہ لکھا تھا کہ میرے مرنے کے بعد یہ زمین تمہاری ہے، لیکن والد صاحب کا یہ دوست ان کی زندگی میں ہی انتقال کر گیا، اب میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد ان کے دوست کے بیٹے اس قطعہ اراضی کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا شرعاً ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وصیت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ موصی لہ وصیت کرنے والے کی وفات تک زندہ ہو تب وہ وصیت کا اہل ہوگا ورنہ بصورتِ دیگر اگر موصی لہٗ وصیت کرنے والے کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، اس لیے صورتِ مسئولہ میں وصیت کا مال وصیت کرنے والے کا حق ہے موصی لہٗ کی اولاد کا دعویٰ استحقاق درست نہیں۔

قال العلامة الکاسانی رحمه الله: وتبطل بموت الموصی له قبل موت الموصی لان العقد وقع له لا لغیرہ فلا یمکن ایقاعه علیٰ غیرہ۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص۳۹۴ کتاب الوصایا، فصل تبطل الوصیة)[1]

وصی کو معزول کرنا جائز ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کو وصی مقرر کرے اور پھر چند دنوں کے بعد اس کو معزول کر کے کسی اور کو وصی مقرر کرے تو کیا شرعاً اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ایک دفعہ کسی کو وصی مقرر کرنے کے بعد پھر اس کو معزول کر سکے؟

الجواب:۔ موصی کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی کو وصی مقرر کرنے کے بعد

---

[1] قال العلامة وھبه الزحیلی: موت الموصی له المعین قبل موت الموصی تبطل به الوصیة باتفاق المذاھب الاربعة لان الوصیة عطیة و قد صادفت المعطی میتاً فلا تصح کالھبة للمیّت۔ (الفقه الاسلامی وادلتہٗ ج۸ ص۱۱۶ المبحث الرابع مبطلات الوصیة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۸ ص۴۵۳ کتاب الوصایا۔

پھراس کو معزول کردے لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وصی کو اس کی معزولی کی اطلاع ہو جائے۔

قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: فالوصیۃ تبطل بالنص علی الابطال....اما النص فنحو ان یقول ابطلتُ الوصیۃ التی اوصیتہا لفلان او فسختہا او نقضتہا الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۹۴ کتاب الوصایا، فصل بیان ما تبطل بہ الوصیّۃ)[1]

وصیت کی ملکیت کے لیے قبول کرنا ضروری ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کے لیے اپنے مرنے کے بعد ایک مخصوص مال کی وصیت کرجائے تو کیا اس شخص کی صرف وصیت سے موصی لہٗ اس مخصوص مال کا مالک بن جائے گا یا اس کا قبول کرنا اس کے لیے ضروری ہے؟

الجواب:۔ وصیت ایک عقد ہے اور حنفیہ کا اصول ہے کہ ہر عقد کی تکمیل کے لیے قبول کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں بھی موصی لہٗ کا وصیت کو قبول کرنا لازمی امر ہے بدون اس کے وہ اُس چیز کا مالک نہیں بن سکتا، لیکن قبول کرنے میں واضح الفاظ کا کہنا ضروری نہیں نفس قبضہ میں لینا بھی کافی ہے۔

قال العلامۃ وھبۃ الزحیلی: حکم الوصیۃ بمعنی الاثر المترتب علی الشئ ھو انتقال ملکیۃ الموصی بہ الی الموصی لہ ملکاً جدیداً بقبول الموصی لہٗ بعد وفاۃ الموصی وبہ تلزم الوصیۃ بالاتفاق۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۸ ص ۲۲ کتاب الوصایا، وقت ثبوت ملکیۃ الموصی بہ)[2]

---

[1] قال العلامۃ وھبۃ الزحیلی، والرجوع اما ان یکون صریحاً اودلالۃ فالرجوع الصریح: ما کان بلفظ ھو نص فی الرجوع مثل قول الموصی رجعت عن وصیتی لفلان او ترکتہا او ابطلتہا او نقضتہا او ما اوصیت بہ لفلان ھو لورثتی ونحوہ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۸ ص ۱۱۴ المبحث الرابع، مبطلات الوصیۃ)

[2] قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ: ویملك بدون القبول اوبدون عدم الرد ووقوع الیاس عنہ ولم یوجد القبول منہ ولا وقع الیأس عن الرد مادام حیا فلا یعتق۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳۲ کتاب الوصایا، فصل رکن الوصیّۃ)

ومِثلُہٗ فی الھندیۃ ج ۶ ص ۹۰ کتاب الوصایا، الباب الاول۔

مبہم وصیّت کا حکم سوال:۔ اگر کوئی شخص ان الفاظ سے وصیت کرے کہ میرے مال سے کچھ حصہ فلاں شخص کو دیدیا جائے مگر اس نے اس مال کی تعین نہ کی ہو تو کیا وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد موصیٰ لہٗ کو وہ مبہم مال دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً تو ایسی وصیت صحیح ہے البتہ ابہام کی وجہ سے وصیت کرنے والے کے انتقال کے بعد اس کا تعین ورثاء کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ موصی لہٗ کو جتنا چاہیں دے سکتے ہیں، تاہم اگر وصیت کرنے والے نے اپنی زندگی میں ہی اس مال کو متعین کر دیا ہو تو بعد الموت وہی مال دینا پڑے گا بشرطیکہ وہ مال میت کے کل ترکہ کے ثلث سے زیادہ نہ ہو۔

قال العلامة الكاساني رحمه الله : منها ما اذا أوصى لرجل بجزء ماله او بنصيب من ماله او بطائفة من ماله او ببعض او بشقص من ماله فان بين فى حياته شيئاً والا اعطاه الورثة بعد موته ماشاء والان هٰذه الالفاظ تحتمل القليل والكثير فيصح البيان فيه ما دام حيا ومن ورثته اذا مات لانهم قائمون مقامه۔

(بدائع الصنائع ج۷ ص۳۵۶ كتاب الوصايا، فصل شرائط الوصية)

مجنون (پاگل) اور نابالغ کی وصیّت کا حکم سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر کوئی مجنون یا نابالغ کسی کے لیے وصیت کر جائے تو کیا اس کے مرنے کے بعد موصی لہ اُس مال کا مالک متصوّر ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ نابالغ اور مجنون چونکہ تصرفات کا حق نہیں رکھتے اس لیے شرعاً ان کی وصیت کا بھی کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا مجنون کی وصیت سے موصی لہٗ اس مال کا مالک متصور نہ ہو گا۔

قال العلامة الكاساني رحمہ اللہ : ومنها ان يكون من اهل التبرع فى الوصيّة بالمال وما يتعلق به لان الوصيّة بذٰلك تبرع بايجاب بعد موته فلا بد من اهلية التبرع فلا تصح من الصّبيّ والمجنون لانهما ليسا من

اهل التبرع لکونه من التصرفات

(البدائع والصنائع جلد۷ ص۳۳۴ کتاب الوصایا، فصل فی الشرائط) [1]

پوتے کے لیے وصیّت کا حکم

سوال:۔ اگر دادا پوتے کے لیے اپنے بیٹوں کے برابر حصہ میراث کی وصیت کرے تو کیا اس کی وصیّت پوتے کو چچوں کے برابر حصۂ میراث ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کے لیے وصیت کرنا اگرچہ صحیح ہے مگر یہ وصیت میت کے ثلث مال میں جاری ہوگی، ثلث مال سے زیادہ پوتے کو نہیں ملے گا۔ تاہم اگر ثلث مال اتنا ہو کہ بیٹوں کے حصص کے برابر بنتا ہو تو وصیت کے مطابق برابر حصہ ملے گا، مثلاً مرحوم کے دو بیٹے اور ایک پوتا ہو تو مال کے تین حصے کرکے ایک ایک حصہ ہر ایک کو ملے گا۔

کما فی الهندیة: یعتبر کونه وارثا اوغیر وارث وقت الموت لاوقت الوصیّة حتی لواوصی لاخیه وهو وارث ثم ولد له ابن صحت الوصیة للاخ ولواوصی لاخیه وله ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیّة للاخ۔ (الفتاوی الهندیة ج۶ ص۹۰ کتاب الوصایا۔ الباب الاول)۔

وصیّت سے رجوع کرنا صحیح ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنے کسی دوست کے لیے کچھ مال کی وصیت کرے لیکن مرنے سے پہلے اس کو منسوخ کردے، تو کیا اس شخص کا اپنی وصیّت سے رجوع کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وصیت چونکہ امر استحبابی ہے اس لیے اگر موصی وصیت کرنے کے بعد اس سے رجوع کرلے اور اپنی ماقبل وصیت کو باطل کردے تو یہ اس کا شرعاً حق بنتا ہے اور اس رجوع سے وہ وصیت باطل ہوجائے گی، چاہے رجوع

---

[1] وفی الهندیة: ولاتصح الوصیة الاممن یصح تبرعه فلاتصح من المجنون والمکاتب والماذون الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج۶ ص۹۲ کتاب الوصایا، الباب الاول)

قولاً ہو یا عملاً یا تحریراً۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: الموصی حتی یملک الرجوع عندنا مادام حیا لان الموجود قبل موتہ مجرد ایجاب وانہ یحتمل الرجوع فی عقد المعاوضۃ فھی بالتبرع اولٰی۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۳۷۸ کتاب الوصایا، فصل صفۃ ھٰذا العقد)[۱]

موصی بہ پر صرف قبضہ کرنا بھی کافی ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! وصیت کو قبول کرنے کے لیے "قبول کرتا ہوں" کے الفاظ کہنا ضروری ہے یا کہ صرف موصی بہ قبضہ کر لینے سے موصی لہٗ کی قبولیت پوری ہو جائے گی؟

الجواب: "قبول کرتا ہوں" کے الفاظ کہنے سے جس طرح قبول کرنا پورا ہوتا ہے تو اسی طرح دلالۃً وفعلاً جو قبول کرنے کو واضح کرتے ہوں سے بھی پورا ہوتا ہے الفاظ سے قبول کرنا ضروری نہیں۔

قال العلامۃ علاؤالدین الحصکفی رحمہ اللہ: وفی البدائع رکنھا الایجاب والقبول وقال زفر الایجاب فقط قلتُ والمراد بالایجاب مایعم الصریح والدلالۃ بأن یموت الموصی لہ بعد موت الموصی بلا قبول۔

(الدر المختار علٰی صدر رد المحتار ج۶ ص۶۵۰ کتاب الوصایا)[۲]

وصی کا موصی کے انتقال کے بعد وصیّت کو ردّ کرنا

سوال: ایک صاحب نے کسی کو اپنا وصی بنایا اور اُس نے

---

[۱] قال العلامۃ وھبۃ الزحیلی: تبطل الوصیّۃ باسباب اما من الموصی کرجوعہ عن الوصیّۃ او زوال اھلیتہ او ردتہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۸ ص۱۱۲ المبحث الرابع، مبطلات الوصیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۶ ص۹۳ کتاب الوصایا، الباب الاول۔

[۲] وفی الھندیۃ: ویشترط فی الوصیّۃ القبول صریحاً او دلالۃ وذٰلک بان یموت الموصی لہ قبل الرد والقبول فیکون موتہ قبولاً فترثھا ورثتہ۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۶ ص۹۰ کتاب الوصایا، الباب الاول فی تفسیرہا)

قبول بھی کر لیا اور اس بات پر وصیت کرنے والے کی وفات تک قائم رہا، اب وہ موصی کی وفات کے بعد اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے، تو کیا وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ جب ایک آدمی کسی شخص کو وصی مقرر کرے اور وہ وصیت کو قبول کر کے اس پر وصیت کرنے والے کی وفات تک قائم رہے تو وصیت کرنے والے کے انتقال کے بعد وصی ہونے کی ذمہ داری کو پورا کرنا اس پر لازم ہوگا اور وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

قال العلامة محمد الطوری رحمہ اللہ: واذا اوصی الیہ فقبل قبل موتہ اوبعدہ ثم رد لم یخرج لان الموصی ما اوصی الا الی من یعتمد علیہ من الاصدقاء والامناء الخ۔ (البحر الرائق ج۸ ص۴۵۷ کتاب الوصایا) لـہ

بیٹے کی موجودگی میں بھائی کے لیے وصیت کرنا

سوال :۔ ایک بھائی غریب اور نادار ہے جبکہ دوسرا بھائی امیر و مالدار ہے، دونوں بھائیوں کی اولاد بھی موجود ہے۔ اب اگر مالدار بھائی اپنے غریب بھائی کے لیے اپنے مال میں سے کچھ مخصوص رقم کی وصیت کرے تو کیا اپنی اولاد کی موجودگی میں بھائی کے حق میں وصیت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ بھائی اگرچہ وارث ہے مگر اپنی اولاد یعنی بیٹوں کی موجودگی میں وہ بمنزلہ اجنبی کے ہے جبکہ شریعتِ مطہرہ میں اجنبی کے لیے ایک تہائی مال تک کی وصیت جائز ہے، لہٰذا بیٹوں کی موجودگی میں غریب بھائی کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے، البتہ اگر مخصوص مال کل مال کے ایک تہائی سے متجاوز ہو تو وہ ورثاء کے اختیار میں ہوگا۔

وفی الھندیۃ : یعتبر کونہ وارثا اوغیر وارث وقت الموت لاوقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۶ ص۹۰ کتاب الوصایا۔الباب الاول)

شیخ احمد کی طرف منسوب وصیّت نامہ کی شرعی حیثیت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گذشتہ کافی عرصہ سے پاک و ہند میں بار بار ایک وصیت نامہ شائع ہو رہا ہے جس کی نسبت شیخ احمد خادم روضہ رسولِ مقبول علیہ السلام کے نام سے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔ یہ وصیت نامہ بصورتِ اشتہار مختلف عنوانات سے بار بار مختلف مضامین کے ساتھ شائع ہوتا رہا اور سادہ لوح مسلمانوں کو ترغیب و ترہیب دے دے کر اس کی تشہیر و اشاعت کی تلقین کی گئی ہے۔ کیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اسکی نسبت صحیح ہے؟ اور کیا ایک ایسے غیر یقینی طریقے سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اس کا منسوب کرنا جائز ہے؟ اس اشتہار (وصیت نامہ) کی شرعی حیثیت اور شرعاً اس کی اشاعت پر روشنی ڈالیں؟

الجواب:۔ مذکورہ وصیت نامہ بشکل اعلان و اشتہار نصف صدی سے مختلف امصار و بلاد میں بار بار چھپ رہا ہے اور اس کے مندرجات کے غیر شرعی ہونے کی وجہ سے علماء کرام نے بار بار اس کی تردید کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اس قسم کے وصیت نامے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، کیونکہ اس کے مندرجات بالکل بیہودہ، غلط اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ چنانچہ آج سے کافی عرصہ قبل حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس من گھڑت کہانی کی سختی سے تردید کی۔ چنانچہ اس بارہ میں ان کا مفصل فتویٰ "امداد الفتاوی جلد ۴ ص ۵۰۶، ۵۰۷" پر موجود ہے۔ مگر یہ مسلمانوں کی بدقسمتی اور جہالت کا نتیجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے یقینی ثابت شدہ اور قطعی ارشادات و تعلیمات (جو کہ بشکل قرآن و سنت مدوّن و منضبط موجود ہیں) کی ترویج و اشاعت کی طرف تو توجہ نہیں مگر دوسری طرف علماء کرام کے بار بار اعلانات اور وضاحتوں کے باوجود ایک بے سروپا اور بے ثبوت افسانے کی ترویج و اشاعت میں ایک دوسرے سے سبقت لے کر دانستہ و نادانستہ وعیداتِ نبوی کے مصداق بن رہے ہیں ارشادِ نبوی ہے:۔

من کذب علیّ متعمدًا فلیتبوّا مقعدہ من النار۔ (الحدیث)

(ترجمہ) "جس نے جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ باندھا پس وہ اپنے لیے جہنم میں ٹھکانا بنائے"۔

یہ اور اس کے علاوہ بیشمار نصوص و احادیث ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ رسولِ کریمؐ اور مذہب کے نام منسوب ربط و یابس پر بلا سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے عمل نہیں کرنا چاہیئے، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات وارشادات کو دروغگوئی اور جعلسازوں کی دسیسہ کاریوں اور من گھڑت باتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مسلمانوں کے اسلاف نے فنِ حدیث، فنِ اصولِ حدیث، فنِ اسماء الرجال کے ناموں سے عظیم الشان علوم و فنون مدوّن کئے اور محدّثین نے ایک ایک روایت کو شریعت وعقل، فہم و درایت، ادراک وبصیرت کی کسوٹی پر پرکھ کر صحیح وضعیف کو ایک دوسرے سے جدا کر کے رکھ دیا اور معمولی قرائن کی وجہ سے بھی جو روایت کے خلافِ شرع ہونے پر دال تھے احادیث کو موضوع کہہ دیا۔ ایک طرف اتنی حزم واحتیاط، اتنا تقویٰ اور دینی بصیرت کی یہ کیفیت ہے اور دوسری طرف یہ ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی اپنی کم علمی و کم فہمی کی وجہ سے ایک موضوع، بے اصل اور من گھڑت وصیّت نامہ کی اشاعت میں دن رات مصروف ہیں، حالانکہ معمولی توجّہ اور عقل و دانش سے کام لیا جائے تو اس کا خلافِ اصل اور بے سند و دلیل ہونا واضح ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس بات کی نہ کوئی سند ہے نہ دلیل ہے محض ایک فرضی نام سے منسوب کردہ ایسے مضامین کی کیا حیثیت ہے جو از روئے شرع قرآن و سُنّت کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان مختلف النوع وصیّت ناموں سے بعض منتخب باتیں یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

(ا) اس وصیّت نامہ کی نسبت شیخ احمد خادم روضۂ نبوی کی طرف کی جاتی ہے (ل) اور یہ ہمیشہ اسی نام اور لقب سے شائع ہوتا ہے، حالانکہ آج تک شیخ احمد کے نام سے روضۂ اقدس کا کوئی خادم نہیں گذرا۔ (ب) اور پھر تعجب ہے کہ یہ ایک ہی شخص اتنی بڑی عمر پاوے (ج) پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ ایک شخص کے علاوہ کسی اور خادمِ روضۂ نبوی یا عالمِ اسلام کے دیگر اکابر اولیاء، بزرگانِ دین اور عبّادِ مقرّبین کو خواب میں اس قسم کی وعیدات وتہدیدات اور وصیّت کیوں نہیں کی گئی؟ (د) اور اگر بالفرض یہ قصّہ صحیح بھی ہوتا تو خود حرمین الشریفین (مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منورہ) میں اس کی شہرت زیادہ ہونی چاہیئے تھی؟ حالانکہ پوری دنیا سے مسلمانوں کی آمد و رفت اور رسل و رسائل کے باوجود وہاں اس وصیّت نامے کا نام و نشان بھی نہیں، اور اگر اس قصّہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر وہ کون لوگ تھے جنہیں خواب دیکھنے والے نے یہ قصّہ سنایا اور پھر کن راویوں نے کن وسائط سے یہ واقعہ

ہندوستان تک پہنچا اور یہاں کس ثقہ اور معتمد شخص نے اسے سُنا اور پھر کس نے اس کے اردو تراجم کرکے لوگوں میں اس کی اشاعت کی؟ ظاہر ہے کہ ایک ایسی روایت جس کا نہ راوی معلوم ہے نہ سند اور نہ درمیانی وسائط، اور نہ اس کی کوئی تاریخی حیثیت ہے، محض ایک من گھڑت اور تراشیدہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جعلی یا موضوع ہدایت کی اشاعت و روایت نقلاً اور اجماعاً حرام ہے بلکہ بعض محدثین کے نزدیک تو کفر ہے۔

(۲) اس میں لکھا ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ساٹھ ہزار آدمی مرے جن میں سے کوئی بھی ایمان دار نہ تھا۔ اور بعض وصیت ناموں کے مطابق سترہ لاکھ مسلمان کلمہ گو مرے اور ان میں صرف سترہ آدمی صحیح مسلمان تھے۔

یہ مضمون بھی اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومی ارشادات کے خلاف ہے ارشادِ خداوندی ہے:۔

وسعت رحمتی علیٰ غضبی۔ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

نیز ہمارا مشاہدہ ہے کہ اس گئے گذرے دور میں بھی اکثر مسلمان توبہ کرکے اور کلمہ پڑھتے ہوئے مرتے ہیں جو خاتمہ بالخیر ہونے کی علامت ہے۔

(۳) اسی طرح اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ "تارک الصلوٰۃ کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں"۔ یہ حکم صاف طور پر حدیث کے خلاف ہے، ارشادِ نبوی ہے۔ صلّوا علیٰ کلّ برّ و فاجر۔ یعنی ہر نیک اور بدکار مسلمان پر نمازِ جنازہ پڑھو۔

(۴) اس میں علاماتِ قیامت اور قربِ قیامت کے ضمن میں بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا روایات و احادیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا، مثلاً:۔

(الف) ایک ستارہ آسمان پر طلوع ہوگا (ب) قرآن مجید کے حروف اڑ جائیں گے۔

(۵) اس میں بعض ایسی چیزوں کی ترغیب و تعلیم ہے جن کا حرام اور بدعتِ قطعی ہونا بدلائلِ شرعیہ ثابت ہو چکا ہے، مثلاً:۔

(الف) تخصیص شربت کی شہداءِ کربلا کے واسطے (ب) اور کھیر حضرت خاتونِ جنت رضی کے واسطے (ج) اور پلاؤ حضرت غوث الاعظم رح کے واسطے۔

(۶) اسی طرح آجکل کے مروّجہ مولود شریف اور قوالیاں جو کہ تمام شرع و عقل کے خلاف ہیں جیسا کہ اس وصیت نامہ کے بارے میں حضرت تھانوی علیہ الرحمتہ نے امداد الفتاوٰی ج ۴ ص ۵۰۷

ہیں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

(۷) اس میں بعض ایسی چیزیں ذکر ہیں جن سے (العیاذ باللہ) خاکم بدہن حضور فخرِ کائنات سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تحقیر کا پہلو نکلتا ہے اور حضورؐ کی شانِ شفاعتِ کبریٰ و رحمۃ للعالمینی اور محبوبیت و مقبولیت بارگاہِ خداوندی پر زد پڑتی ہے، مثلاً:۔

"جس نے اس وصیت نامہ کی تشہیر کی اس کی اور اس کے پورے خاندان کی شفاعت کی جائے گی اور انہیں جنت میں جگہ دلوائی جائے گی اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا۔" گویا محض ایک فرضی خواب کی وجہ سے مسلمانوں کی نجات و شفاعت کے لیے ایک ایسی شرط لازمی کر دی گئی ہے جس کا نہ قرآن میں ذکر ہے نہ احادیث میں۔

اگر واقعی ایمان کی مقبولیت اور انسان کی مغفرت و شفاعت کے لیے اس وصیت نامہ کی تشہیر ضروری قرار دی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ کروڑوں مسلمان، علماء و صلحاء، اہل اللہ اور بزرگانِ دین سب کے سب محروم الشفاعت اور مستحق جہنم ٹھہریں گے جنہوں نے اس وصیت نامہ کی تشہیر نہیں کی اور نہ اب کر رہے ہیں۔ اس من گھڑت اور بے سروپا داستان کی زد کہاں پہنچ رہی ہے۔

ایک اور وصیت نامہ جو کہ ملتان سے مشتہر کیا گیا ہے اس میں حسب ذیل عبارتیں موجود ہیں:۔

(الف) اے شیخ احمد! میں خدائے عزوجل سے بہت شرمندہ ہوں۔

(ب) اس وجہ سے میں خداوند کریم اور فرشتوں کو منہ نہیں دکھا سکتا۔

(ج) اے شیخ احمد میری امت کو کہہ دے کہ تمہاری بدولت خداوند کریم سے بہت شرمندہ ہوں۔

(د) میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پھر اپنے خدا سے معافی چاہتا ہوں، اے شیخ احمد تو بھی یہ وصیت نامہ لوگوں تک پہنچا دے تاکہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکوں۔ (ملاحظہ ہو مختلف طبقوں کے علماء کا فتویٰ مطبوعہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ص۱۶ ۲۵ جنوری ۱۹۶۳ء)

اس قسم کے جملوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس، شانِ شفاعت اور وجاہت و عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی گئی ہے جو اسلام دشمن آریوں اور عیسائیوں کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فریضۂ رسالت اور تبلیغ کی ذمہ داریوں کو باکمل و احسن اور انتہائی تمام و کمال سے ادا کر کے سبکدوش ہو گئے اور بارگاہِ خداوندی سے رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً اور فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔ نیز وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اور دیگر بے شمار بشارات و انعامات پا کر شفیع المذنبین اور

رحمۃ للعالمین کے مقام پر فائز ہوئے ۔ اب امت کی بدکرداری اور گنہگار ہونے کا کوئی عذر اور بوجھ اور بازپرس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہیں اور نہ ہماری بداعمالیوں کا وبال آپ پر ہے جس کی وجہ سے معاذ اللہ آپ کو شرمندہ ہونا پڑے، وہ اپنے فریضہ سے بھی ہزارہا درجہ زیادہ پیغام رشد و ہدایت خداوندی انسانیت تک پہنچا کر اپنے فریضۂ تبلیغ سے باحسن وجوہ سرخرو ہوچکے ہیں۔

اس وصیت نامہ کی اشاعت کی طرف توجہ دیتے ہوئے لوگوں کو لاکھوں کروڑوں روپے کے لالچ اور خوف و عذاب، تباہی و بربادی سے ڈرایا دھمکایا جارہا ہے ۔ اور پھر "سنا ہے" کہہ کر کامیابی اور بربادی کے بعض فرضی افسانے لکھے ہوئے ہیں، جبکہ نہ تو سنانے والا معلوم اور نہ ہی سننے والا معلوم ہوتا ہے ۔

خلاصہ یہ کہ ہرگز اس کے تمام مندرجات اور مضامین کو صحیح نہ سمجھنا چاہیئے، البتہ جو باتیں قرآن و حدیث اور دین کی کتابوں میں لکھی ہیں ان کے موافق نیک راہ پر چلنے اور نبی کریمؐ کی سنت کو مضبوطی سے تھام کر بری راہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے، جھوٹی اور بے اصل باتوں کی نسبت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا بہت بڑا بھاری گناہ ہے ۔ اسلئے از روئے شرع ایسے مضمون کی اشاعت کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ اگر کسی کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات، مبشرات و منذرات کے پڑھنے، سیکھنے اور انہیں شائع کرنے کا شوق ہو تو یہ تمام تعلیمات احادیث شریف کی مستند کتابوں میں موجود ہیں، ان کے پڑھنے، سیکھنے، عمل کرنے اور شائع کرنے سے ایمانی جذبہ اور عشقِ نبوی کا ثبوت دیا جاسکتا ہے ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔

وصیّت نامہ کی تحریر وارث کے حق میں نافذ نہیں

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! گذارش ہے کہ میرے والد صاحب کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، وفات سے تقریباً آٹھ سال قبل یعنی ۹۱/۱/۲۴ کو ایک اقرارنامہ تحریر کیا جس میں انہوں نے اپنا ملکیتی دس مرلہ زمین کا پلاٹ اپنی بیٹی (میری سگی بہن مسماۃ شاہجہان) کے نام کیا تھا، بعد میں ۹۲/۷/۴ کو انہوں نے ایک دوسرا اقرارنامہ تحریر کیا جس میں مذکورہ بالا دس مرلہ کا پلاٹ اپنی دوسری بیوی (میری سوتیلی والدہ) اور اس کے بیٹے (میرے سوتیلے بھائی) کے نام کیا۔ بعد ازاں ۹۶/۸/۲۱ کو میرے والد صاحب نے ایک وصیّت نامہ تحریر کیا جس میں بھی مذکورہ زمین اپنی دوسری بیوی کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں (میرے سوتیلے

بھائی بہنیں) کے نام کر دی، بعد ازاں اپنی وفات سے چند روز قبل یعنی ۹۹/۱/۲۴ کو ایک اور وصیت نامہ تحریر کیا جس میں مجھے مذکورہ بالا زمین کا مختارِ خاص بنا کر ہدایت کی گئی ہے کہ اس زمین کو بیچ کر میری دوسری بیوی کے بچوں (میرے سوتیلے بھائی بہنیں) کی پرورش اور تربیت پر صرف کرنا۔

جنابِ عالی! مندرجہ بالا صورتحال کے پیشِ نظر آپ سے التماس ہے کہ قرآن وسُنت کی روشنی میں ہماری راہنمائی کریں کہ مذکورہ بالا چار دستاویزات میں سے کس پر عمل کیا جائے؟ عین نوازش ہوگی۔

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ دو مسئلوں پر محیط ہے:۔

(۱) **ھبہ:** جو کہ موصوف نے اپنی دس مرلہ زمین کو ہبہ کیا ہے اور شریعتِ اسلامی میں ہبہ نافذ العمل ہے مگر اس کی تکمیل قبض پر موقوف ہے۔ اگر موہوبہ چیز پر قبضہ نہ کیا جائے تو صرف زبان سے کہنے یا تحریری اقرار نامہ سے ہبہ تام نہیں ہوتا، اور جب کسی رشتہ دار کو کوئی چیز ہبہ کر دی جائے اور وہ اس کے قبضہ میں دے دی جائے تو پھر اس سے رجوع کرنا شرعاً صحیح نہیں اور نہ واہب کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا اگر موصوف نے مذکورہ زمین اپنی دختر مسماۃ شاہجہان کے قبضہ میں دے دی تھی تو اب موصوفہ کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں، والد کا ہبہ سے رجوع یا تنسیخ کا اسٹامپ کارآمد نہیں، اور اگر قبضہ میں نہیں دیا ہو تو والد کا کسی وقت بھی اپنے ہبہ سے رجوع کرنا صحیح ہے اور ہبہ کا اقرار نامہ بحق مسماۃ شاہجہان بی بی ناکارہ اور منسوخ متصور ہوگا۔

لما قال المرغینانیؒ: الھبۃ عقد مشروع تصح بالایجاب والقبول والقبض، اما الایجاب والقبول فلانہ عقد والعقد ینعقد بالایجاب والقبول والقبض لابد منہ لثبوت الملک اھ (الھدایۃ ج۳ ص۲۸۱ کتاب الھبۃ)

لما قال المرغینانیؒ: وان وھب ھبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیھا لقولہ علیہ السلام اذا کانت الھبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیھا لان المقصود صلۃ الرحم وقد حصل۔

(الھدایۃ ج۳ ص۲۸۷ کتاب الھبۃ باب مایصح رجوعہ)

(۲) **وصیت:** باقی اسٹامپ کا تعلق وصیت کے ساتھ ہے، شرعاً وصیت کے نفاذ کیلئے چند شرائط ہیں:۔

(۱) وصیت کا نفاذ مال کے صرف ایک تہائی یعنی ۱/۳ میں ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ موصی لہ یعنی جس شخص کے لیے وصیت کی گئی ہو وہ اس کے مال کا وارث نہ ہو، اس لیے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

لہٰذا اسی بناء پر باقی تین اسٹامپ اپنے ورثاء یعنی اولاد کے لیے وصیت کے زمرے میں آتے ہیں اس لیے نافذ العمل نہیں بلکہ اس میں جملہ ورثاء کا حق وراثت ہے، شرعاً ان (تین) اقرار ناموں پر عمل کرنا جائز نہیں۔ تاہم وصیت کے مطابق مسمی مظفر داد اپنے سوتیلے بھائی بہنوں کا ان کے حصہ شرعی میں کفیل ہوگا، اقرار نامہ کی کفالت مال متعین کی ہے جو ناکارہ اور غیر صحیح ہے۔

لما فی الهداية: ولا تجوز بما زاد على الثلث لقوله عليه السلام وحديث سعد بن ابی وقاص الثلث والثلث كثير - اھ ایضاً ولا تجوز لوارثه لقوله عليه السلام ان الله تعالى اعطى كل ذی حق حقه لا وصية للوارث الخ -

(الهداية ج ۴ ص ۶۵۱، ۶۵۲ کتاب الوصایا)

(واللہ اعلم وعلمہ تام)

كتاب الفرائض

تعلموا الفرائض
وعلموها الناس

کتاب الفرائض

(میراث کے احکام ومسائل)

قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا

سوال:- ایک شخص نے اپنے بھائی کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے قتل کر دیا اور مرحوم کے عصبہ میں سے اس قاتل بھائی کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں، تو کیا قاتل کو مقتول بھائی کی میراث میں حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- قصداً عمداً یا خطاءً ہر حالت میں قتل بسبب حرمانِ ارث ہے، اس لیے صورتِ مذکورہ میں مقتول کی جائیداد اس کے دوسرے ورثاء کو دی جائے گی قاتل بھائی کے وجود کا اعتبار نہیں بلکہ بوجہ مانع یہ کالعدم رہے گا۔

قال العلامة السجاوندیؒ: المانع من الارث اربعة...... والقتل الذی يتعلق به وجوب القصاص او الكفارة۔ (السراجی ص۵ فصل فی الموانع) [1]

دادا کی موجودگی میں چچا کی میراث سے محرومی کا حکم

سوال:- ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں دادا اور چچا کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں، تو مرنے والے کی میراث شرعاً کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب:- بشرط صدق وثبوت اگر ورثاء کی تعداد درست ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث تمام جائیداد دادا کو بطور عصوبت دی جائے گی، اور چچا چونکہ عصبہ بعید ہے اسلئے وہ دادا کی موجودگی میں میراث سے محروم رہے گا۔ نقشہ ملاحظہ ہو:-

مسـ ۱

دادا	چچا
۱/۱ (کل ترکہ کا حقدار)	محجوب

---

[1] وفی الهندية: القاتل بغير حق لا يرث من المقتول شيئاً عندنا سواء قتله عمداً او خطأً وكذلك كل قاتل هو فی معنی الخاطئ..... وقتل الصبی والمجنون والمعتوه والمبرسم والموسوس يوجب حرمان الميراث لان الحرمان يثبت جزاء قتل محظور الخ

(الفتاوى الهندية ج۶ ص۴۵۴ الباب الخامس فی الموانع)

قال العلامۃ السجاوندیؒ :- اَمّا الاب فلہٗ احوالٌ ثلث والتعصیب المحض وذٰلک عند عدم الولد وولد الابن وان سفل.... والجد الصحیح کالاب عند عدم الاب۔

(السراجی ص۷ باب معرفۃ الفروض) ؎۱

اختلافِ دین مانع ارث ہے

سوال :- اگر کوئی مسلمان عیسائی عورت سے نکاح کرے تو موت کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :- عیسائی عورت سے اگرچہ نکاح جائز ہے لیکن یہ میاں بیوی عقائد میں اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی میراث سے محروم رہیں گے کیونکہ اختلافِ دین مانع ارث ہے۔

قال العلامۃ السجاوندیؒ : المانع من الارث اربعۃ...... واختلاف الدینین ای اسلاماً وکفراً۔ (السراجی ص۵ فصل فی الموانع) ؎۲

خاوند اور بہن میں جائیداد کی تقسیم کا حکم

سوال :- ایک عورت نے مرنے کے بعد خاوند اور ایک بہن وارث چھوڑے ہیں جبکہ عصبات کوئی نہیں، مہربانی کرکے شریعت کی روشنی میں دونوں کا حصہ متعین فرمادیں ؟

الجواب :- اگر مرحومہ کے ورثاء میں خاوند اور ایک اعیانی بہن کے علاوہ اور کوئی زندہ نہ ہو تو کل جائیداد کا نصف خاوند کو اور باقی نصف بہن کو دیا جائے گا، نقشہ ملاحظہ ہو :-

مسئلہ ۲ مرحومہ

زوج (خاوند)	بہن
(۱)	(۱)

قال العلامۃ السجاوندی رحمہ اللہ : واما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد

؎۱ وفی الھندیۃ : فالاقرب العصبات...... ثم الاب ثم الجد اب الاب وھم ای العصبۃ کل من لیس لہٗ سھم مقدر.......... واذا انفرد اخذ جمیع المال۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج۶ ص۴۵۱ الباب الثالث فی العصبات)

؎۲ وفی الھندیۃ : واختلاف الدین ایضاً یمنع الارث والمراد بہ الاختلاف بین الاسلام والکفر۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۶ ص۴۵۴ باب الموانع)

وولد الابن وان سفل ۔ (السراجی ص۷ باب معرفۃ الفروض ومستحقیہا)

وقال ایضاً: واما للاخوات لاب وام فاحوال خمس النصف للواحدۃ ۔

(السراجی ص۱۰ فصل فی النساء) ؎۱

بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث سے محرومی

سوال:- ایک شخص کی وفات کے بعد اس کا ایک بیٹا زندہ ہے لیکن دوسرا بیٹا جو کہ اس کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا تھا اب اس کے بیٹے زندہ ہیں، تو کیا دادا کی میراث میں سے مرحوم کے ایک بیٹے کی موجودگی میں فوت شدہ بیٹے کی اولاد کا کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ بیٹا قریبی عصبہ ہے اور پوتا اس سے بعید ہے، قریبی وارث کی موجودگی میں بعید کے ورثاء حقِ وراثت سے محروم رہتے ہیں، اس لیے تمام جائیداد بیٹے کا حق ہے پوتے کو کچھ نہیں ملے گا، تاہم اگر بیٹا دل کی خوشی سے اسے کچھ دے دے تو کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ السجاوندیؒ: اولٰہم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوہم۔

(السراجی ص۱۴ باب العصبات) ؎۲

حقیقی بھائی کی موجودگی میں علّاتی بھائی میراث سے محروم رہے گا

سوال:- ایک شخص کی وفات کے بعد اس کے ورثاء میں دو حقیقی بھائی، ایک بہن اور ایک علاتی بھائی رہ گئے ہیں، شریعتِ مطہرہ کی

؎۱ قال اللہ تبارک وتعالیٰ: (۱) وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۔ (سورۃ النساء ۱۲) ۔ (۲) إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۔ (سورۃ النساء ۱۷۶)

؎۲ قال العلامۃ السرخسیؒ: واولاد الابن یقومون مقام اولاد الصلب عند عدم اولاد الصلب فی جمیع ما ذکرنا لقولہ تعالیٰ: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۔ واسم الاولاد یتناول اولاد الابن مجازاً ...... فان اجتمع اولاد الصلب واولاد الابن فان کان فی اولاد الصلب ذکر فلا شئ لاولاد الابن ذکوراً او اناثاً او مختلطین لان المذکر اولاد الصلب مستحق لجمیع المال باعتبار حقیقۃ الاسم۔ (المبسوط للسرخسی ج۲۹ ص۱۴۱ کتاب الفرائض)

روشنی میں مرحوم کی جائیداد ان ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگی ؟

الجواب :۔ بشرطِ صحتِ سوال اگر مرحوم کے ورثاء میں دو حقیقی بھائی، ایک بہن اور ایک علاتی بھائی ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی دوسرا قریبی عصبہ یا ذوی الفروض نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث مرحوم کی تمام جائیداد کے پانچ حصے کر کے ہر ایک حقیقی بھائی کو دو دو حصے (۲/۵، ۲/۵) اور ایک حصہ (۱/۵) حقیقی بہن کو دیا جائے گا اور اعیانی بھائیوں کی موجودگی میں علاتی بھائی حقِ وراثت سے محروم رہیں گے ۔

قال العلامة السجاوندیؒ: واما للاخوات لاب وام ...... ومع الاخ لابٍ وامٍ للذکر مثل حظ الانثیین یصرن بہٖ عصبة لاستوائهم فی القرابة الی المیّت۔

(السراجی ص۱۰ فصل فی النساء)

وایضًا: لقوله علیه السلام ان اعیان بنی الامّ یتوارثون دون بنی العلّات کالاخ لاب وام فانه مقدم علی الاخ لاب اجماعًا۔ (السراجی ص۱۴ باب العصبات) [1]

بیٹے، بیٹی میں میراث کی تقسیم اور نواسی کا اس سے محروم ہونا

سوال :۔ ایک عورت نے مرنے کے بعد ایک بیٹا، ایک بیٹی اور ایک نواسی وارث چھوڑے ہیں شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں ان ورثاء میں مرحومہ کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی ؟

الجواب :۔ حسبِ بیانِ سائل صورتِ مسئولہ میں مرحومہ کا ترکہ بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث تین حصے کر کے ایک حصہ بیٹی کو اور دو حصے بیٹے کو ملیں گے اور نواسی چونکہ ذوی الارحام میں سے ہے لہٰذا عصبات کی موجودگی میں یہ میراث سے محروم رہے گی، نقشہ ملاحظہ ہو :۔

مسـ ـمرحومہ

بیٹا	بیٹی	نواسی
۲	۱	محروم

---

[1] وفی الهندیة: اختان لابوین واخت لاب فالمال للاختین فرضا وردا ولا شیٔ للاخت لاب فان کان منهما اخوها عصبها فلهما الباقی وهو الثلث للذکر مثل حظ الانثیین۔

(الفتاوی الهندیة ج۶ ص۴۵۲ الباب الرابع فی الحجب)

قال العلامة السجاوندیؒ: اما البنات الصلب فاحوال ثلث .... ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وھو یعصبھن۔ (السراجی ص۸ فصل فی النساء) [1]

صرف والد ہی کا بیٹے کی تمام جائیداد کا وارث ہونا

سوال:۔ اگر ایک آدمی کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں صرف اس کا والد باقی ہو تو از روئے شریعتِ مقدسہ مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

الجواب:۔ بشرط صحتِ سوال مرحوم کا تمام ترکہ بعد از ادائے ما وجب تقدیمہ علی الارث اس کے والد کو بطور عصوبت ملے گا۔

قال العلامة السجاوندیؒ: اما الاب فله احوال ثلث .... والتعصیب المحض وذٰلك عند عدم الولد وولد الابن وان سفل۔ (السراجی ص۶ باب معرفة الفروض)

وایضاً: والعصبة کل من یأخذ ما ابقته اصحاب الفرائض وعند الانفراد یحرز جمیع المال۔ (مقدمة السراجی ص۴) [2]

اعیانی بھائی کی موجودگی میں علاتی بہن کی میراث سے محرومی

سوال:۔ ایک عورت نے مرنے کے بعد ایک اعیانی بھائی اور ایک علاتی بہن وارث چھوڑے جبکہ ان کے علاوہ ذوی الفروض اور عصبہ میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے، تو مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر واقعی مرحومہ کے ورثاء میں ایک اعیانی بھائی اور ایک علاتی بہن کے علاوہ کوئی دوسرا قریبی عصبہ یا ذوی الفروض زندہ نہ ہو تو بعد از اداءِ حقوقِ مقدمہ علی الارث مرحوم کی تمام جائیداد کا مستحق اس کا اعیانی بھائی

---

[1] قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ (سورة النساء آیت ۱۱)

[2] وفی الهندية: فاقرب العصبات .... ثم الاب، وهم ای العصبة کل من لیس له سهام مقدرة ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض واذا انفرد اخذ جمیع المال۔ (الفتاوی الهندية ج۶ ص۴۵۱ الباب الثالث العصبات)

ہے اور اعیانی بھائی کی موجودگی میں علاقی بہن کو کچھ نہیں ملتا۔

قال العلامة السجاوندیؒ: ثمّ جزء ابیہ ای الاخوۃ۔ (السراجی ص۱۴ باب العصبات)

وایضاً، ویسقط بنوالعلات ایضا بالاخ لابٍ واُمٍّ ۔ (السراجی ص۱۱ باب معرفۃ الفروض)[۱]

نافرمان بیٹے کا باپ کی میراث میں استحقاق

سوال:۔ ایک شخص اپنے باپ کا نافرمان ہونے کے ساتھ اُسے گالی گلوچ بھی دیتا ہے تو کیا یہ شخص باپ کے مرنے کے بعد میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، لیکن یہ میراث سے محرومی کا سبب نہیں بن سکتا، کیونکہ اِرث اضطراراً ورثاء کی طرف منتقل ہوتی ہے، اس لیے نافرمان بیٹا فرمانبردار بیٹے کی طرح میراث لے سکتا ہے۔

قال العلامۃ محمد علاؤالدین افندیؒ: الارث جبریٌّ لا یسقط بالاسقاط۔

(تکملۃ رد المحتار ج۱ ص۳۵۹ مطلب واقعۃ الفتوٰی۔ کتاب الدعوٰی)

وراثت کے لیے محض رشتہ دار ہونا کافی نہیں

سوال:۔ ہمارے علاقے میں ایک عورت فوت ہوگئی ہے جس کے ورثاء میں کوئی بھی عصبہ، ذوی الفروض یا ذوی الارحام موجود نہیں صرف خاوند کے بھتیجے ہیں، تو کیا مرحومہ کی میراث میں سے اس کے خاوند کے بھتیجوں کو حصہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی بھی عورت کے خاوند کے بھتیجے خاوند کے تو عصبہ ہیں لیکن اس کی بیوی سے اس کا کوئی خاص رشتہ نہیں جو سببِ اِرث بن جائے صرف خاوند کی قرابت کی وجہ سے بیوی کی میراث میں ان کو حق نہیں دیا جاسکتا اور نہ یہ کسی حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں بلکہ ایسی حالت میں تو ان کے درمیان اجنبیت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کا آپس میں نکاح بھی جائز ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس عورت کے شرعی ورثاء

---

[۱] قال اللہ تعالیٰ: وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (سورۃ النساء ۱۷۶)

لما فی الحدیث: ان اعیان بنی الام یتوارثون دون بنی العلات۔

(السراجی ص۱۴ باب العصبات)

نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ترکہ بیت المال میں جائے گا۔

قال العلامۃ السید شریف الجرجانی ؒ: ثم بیت المال ای اذا لم یوجد احد من المذکورین توضع الترکۃ فی بیت المال۔ (الشریفیۃ ص۱۱) [1]

نکاحِ فاسد سے پیدا ہونے والی اولاد کا وراثت سے محروم ہونا

سوال:۔ ایک شخص نے زوجۂ غیر سے نکاح کیا اور اس نکاح سے اس کی اولاد بھی پیدا ہوئی، تو کیا یہ اولاد ماں کے اس دوسرے خاوند سے میراث لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زوجۂ غیر کے ساتھ نکاح کرنا نکاحِ فاسد ہے اور نکاحِ فاسد کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہو وہ اگرچہ ثابت النسب ہوگی لیکن باپ کی میراث میں حقدار نہ ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ویثبت النسب واما الارث فلا یثبت۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۲ باب ثبوت النسب) [2]

رواجی قبضہ کا اعتبار نہیں

سوال:۔ ایک شخص کے مرنے کے بعد جائز ورثاء میں دو بیوگان کے علاوہ اس کے بہن بھائی تھے لیکن انگریزی قانون (رواج) کے مطابق مرحوم کی دونوں بیویاں اس کی جائیداد پر قابض تھیں، اب اس کی ایک بیوی فوت ہو چکی ہے تو یہ ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں صرف رواجی قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے دونوں بیویاں مرحوم کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں وہ کل جائیداد کے صرف ¼ حصہ کی حقدار ہوں گی جبکہ بقیہ جائیداد مرحوم کے ان ورثاء میں تقسیم ہوگی جو اسکی

---

[1] لما فی الہندیۃ: فیبدأ الفروض النسبیۃ بقدر حقوقہم ثم ذوی الارحام ثم مولی الموالاۃ ۔۔۔۔۔۔ ثم الموصی لہ بجمیع المال ثم بیت المال۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض، الباب الاول)

[2] قال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ: وعبارۃ ابی سعود ولا توارث بین الزوجین فی الفاسد۔ (تقریرات ج۱ ص۱۹۷ باب ثبوت النسب)

موت کے وقت زندہ تھے۔

قال العلامة السجاوندیؒ: اما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وان سفل۔ (السراجی ص۷ فصل فی اصحاب الفروض م)[1]

مجرم کا پھانسی گھاٹ میں ہونا مرض الموت کے حکم میں نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص قتل کے الزام میں قید خانہ میں محبوس ہو تو کیا اس کا اقرار اور جائیداد وغیرہ میں تصرفات مرض الموت کے حکم میں شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس شخص کو قتل کے الزام میں عدالت کی طرف سے سزائے موت (پھانسی) کا حکم ہو چکا ہو یا قتل کے جرم میں حوالات یا قید خانہ میں محبوس ہو، اُس کی یہ حالت مرض الموت کے مانند نہیں سمجھی جائے گی، اس کے تمام معاملات مثل صحت کے جاری و نافذ ہوں گے البتہ جس وقت قید سے نکال کر مقتل (پھانسی دیئے جانے کی جگہ) کی طرف روانہ کر دیا جائے تو قید خانہ سے نکالنے کے بعد پھانسی ہونے تک جتنی دیر لگے گی وہ مرض الموت کے مانند ہوگی، اس حالت میں اگر اس نے کوئی تصرف مثلاً اقرار وغیرہ کیا ہو تو وہ مرض الموت کے تصرفات کی طرح ناقابل قبول ہے۔ اور اگر اس روز پھانسی کی سزا کسی وجہ سے ملتوی ہو جائے یا اس کا حکم بالکل منسوخ ہو جائے تو قید خانہ سے نکل کر پھانسی گھاٹ تک آنے کی حالت مرض الموت کے مانند نہ رہے گی یعنی مثل صحت کے سمجھی جائے گی اور اس حالت میں جو تصرفات کئے تھے وہ جاری اور درست سمجھے جائیں گے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولوکان محصورًا او محبوسًا فی حد او قصاص او واقفًا فی صف القتال فهو فی حکم الصحیح ــــ وقد ذکر محمد فی الاصل مسائل تدل علی ان الشرط خوف الهلاك علی طریق الغلبة لاکونه صاحب فراش فانه قال: اذا اخرج الرجل للقصاص اوالرجم فهو فی حکم المریض۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۳ ص۵۸ کتاب الطلاق، باب طلاق المریض)[2]

---

[1] لقوله تعالیٰ: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۔ (سورة النساء ع۱۲)

[2] وفی الهندیة: ولو اعید المخرج للقتل الی الحبس اورجع المبارز بعد المبارزة الی الصف صار فی حکم الصحیح کالمریض اذا برأ من مرضه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۶۳ الباب الخامس فی طلاق المریض م)

طویل بیماری مرض الموت شمار ہوگی

سوال :۔ از روئے شرع مرض الموت کے تصرفات محدود ہیں جس میں یسا اوقات میت کے تصرفات موقوف سمجھے جاتے ہیں لیکن بعض بیماریاں سالوں تک ممتد رہتی ہیں کیا ایسی ممتد بیماری کو مرض الموت کہا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ مرض الموت میں یہ ضروری نہیں کہ یہ چند دنوں تک محدود ہو بلکہ کبھی مرض الموت کی مدت طویل بھی ہوسکتی ہے، تاہم جو بیماری عمومی حیثیت اختیار کر جائے جیساکہ آجکل ثوران الدم (بلڈ پریشر) ذیابیطس (شوگر) یا امراضِ قلب میں مبتلا ہونے مرض الموت میں شمار کرنا مشکل ہے، کیونکہ یہ بیماریاں اگرچہ فوری طور پر موت کا سبب بن سکتی ہیں لیکن مدتوں تک محیط ہونے سے بھی خالی نہیں ۔

قال العلامة ابن البزازر رحمه الله : ولو طال المرض وصد بحال لا يخاف عليه الموت كالفالج او صار مدنفًا او يابس الشق لا يكون حكم المرض الا اذا تغير حاله عن ذلك ومات من ذلك التغير فما فعل فى حال التغيير فمن الثلث۔

(الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۴۳۴ كتاب الوصايا)[1]

شرعی بیت المال نہ ہونے کی صورت میں میراث کا حکم

سوال :۔ اگر کسی میت کے اقسامِ ثلاثہ (ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام) ورثاء میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہو اور شرعی بیت المال بھی نہ ہو تو اس کے ترکہ کا کیا کیا جائے گا، شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مطلوب ہے ؟

الجواب :۔ جب شرعی بیت المال موجود نہ ہو تو مسئولہ صورت کے مطابق میراث

---

[1] قال العلامة ابن نجيمؒ : والمقعد والمفلوج والاشل والمسلول ان تطاول ذلك ولم يخف منه الموت فهبته من كل المال لانه اذا تقادم العهد صار من طبعه كالعمى والعرج وهذا لان المانع من التصرف مرض الموت ومرض الموت لا يكون سببًا للموت غالبًا وانما يكون سببًا للموت اذا كان بحيث يزداد حالاً فحالاً الى ان يكون آخره الموت۔ (البحر الرائق ج۸ ص۴۲۸ قبيل باب العتق فى المرض والوصية بالعتق)

کوایک امین (امانت دار شخص) کے ہاتھ میں دے دیا جائے تاکہ وہ ایسے فقراء جن کا کوئی سرپرست وغیرہ نہ ہو، پر اس طرح خرچ کرے کہ ان فقراء کا نفقہ، تداوی، کفن دفن وغیرہ اس ترکہ سے پورا کرے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : واما الرابع ای الضوائع مثل ما لا یکون لہ اناثا وارثونا) فمصرفہ المشھور ھو اللقیط الفقیر والفقراء الذین لا اَولیاء لھم فیعطی منہ نفقتھم واُدویتھم وکفنھم وعقل جنایتھم۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۸ مطلب فی بیان بیوت المال ومصارفھا، قبل باب المصرف)

حینِ حیات میں جائیداد کی تقسیم کا شرعی طریقہ

سوال:- ایک شخص کی ایک بیوی، دو بیٹے، تین بیٹیاں، ایک پوتی اور دو پوتے ہیں جن کا والد فوت ہو چکا ہے، اب یہ شخص زندگی میں ہی اپنی جائیداد ان میں تقسیم کرنا چاہتا ہے تو شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس کی صورت کس طرح ہونی چاہیئے؟ کیا پوتوں اور پوتیوں کو بیٹوں اور بیٹیوں کے برابر حصہ دیا جائے گا؟ اور اگر کوئی ان کو محروم رکھے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد کی تقسیم درحقیقت ہبہ ہے جس میں مالک کو کلی اختیار ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جس طرح چاہے تقسیم کرے اور اولاد کا اس پر باقاعدہ قبضہ کر لینے کے بعد وہی تقسیم نافذ رہے گی، تاہم کسی وارث کو بلا وجہ میراث سے محروم کرنا سراسر زیادتی ہے۔ البتہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ زندگی میں ہی اولاد میں جائیداد تقسیم کرنے والے کو ایسا طریقہ اپنانا چاہیئے کہ اگر اس کی موت کے بعد اس کی جائیداد ورثاء میں تقسیم کرنے کی نوبت آئے تو اسی طرح تقسیم ہوتی۔ لہٰذا مسئولہ صورت میں بھی اس شخص کو چاہیئے کہ وہ کل جائیداد کے ۵۶ حصے کر کے ثمن کل جائیداد کا (۷/۵۶) بیوی کو اور ہر ایک بیٹے کو ۱۴/۵۶، ۱۴/۵۶ حصہ اور بیٹی کو ۷/۵۶ حصے کے حساب سے تقسیم کرے، اور جہاں تک پوتوں اور پوتیوں کا تعلق ہے تو بہتر یہ ہے کہ دادا اپنی زندگی میں ہی ان کو کچھ دے دے تاکہ اس کے مرنے کے بعد قانونی تنازعات پیدا نہ ہو جائیں لیکن اگر دادا پوتوں اور پوتیوں کو کچھ نہ دینا چاہے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة ابن البزاز رحمه الله: الا فضل فی هبة الابن والبنت التثلیث کالمیراث۔ (الفتاوی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج ۶ ص۲۳۷ کتاب الهبة ۔ الجنس الثالث)

نقشہ ملاحظہ ہو:۔

مسئلہ ۵۶

بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹا	بیوہ
۷	۷	۷	۷	۱۴	۱۴	۷

بذریعہ اعلانِ عاق نامہ بیٹے کو میراث سے محروم کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنے بیٹے سے ناراض ہو اور اسی ناراضگی کی وجہ سے اخبار وغیرہ میں بذریعہ اشتہار اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے اُسے عاق کرنے کا اعلان کر دے، تو کیا باپ کی وفات کے بعد عاق شدہ بیٹا میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وراثت ایک اضطراری حق ہے کوئی شخص اپنی طرف سے اس حق کو زائل یا ختم نہیں کر سکتا، اس لیے باپ کے مرنے کے بعد عاق شدہ بیٹا بھی میراث کا حقدار ہے، تاہم اگر یہ شخص اپنی زندگی ہی میں اپنی جملہ جائیداد اور منقولہ سرمایہ اپنے ورثاء میں تقسیم کر دے اور ان کو باضابطہ مالک بنا دے تو اس صورت میں باپ کے مرنے کے بعد عاق شدہ بیٹا حقِ ارث کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

قال العلامة محمد علاؤ الدین آفندیؒ: الارث جبریٌ لایسقط بالاسقاط۔ (تکملة ردّ المحتار ج ۱ ص۳۵۹ مطلب واقعة الفتویٰ ۔ کتاب الدعویٰ)[1]

---

[1] وذکر الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن ابراهیم عن الاسود عن عائشةؓ قالت اشتریت بریرةؓ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اشتریها فان الولاء لمن اعتق۔ (الجامع الصحیح البخاری ج ۲ ص۹۹۹ کتاب الفرائض باب الولاء لمن اعتق الخ)

ومثلهٗ فی امداد الفتاوی ج ۴ ص۳۶۴ کتاب الفرائض۔

کفار کے ہاں قید شخص کی میراث کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا ایک بھائی کشمیر میں جہاد کے دوران انڈین فوج کے ہاتھوں قید ہوگیا ہے، اب دوسرے بھائی والد صاحب کے ترکہ کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو کیا قیدی بھائی کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ اس کی رہائی کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہے۔

الجواب:۔ جب کوئی مسلمان کفار کے ہاتھوں قید ہوجائے تو وہ تا وقت موت یا ارتداد عام مسلمانوں کی طرح میراث کا حقدار ہے، لہٰذا آپ کا وہ بھائی جو دشمن کی قید میں ہے باپ کی میراث میں برابر کا حقدار ہے اس کی رہائی یا موت کی مصدقہ اطلاع تک اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے۔

قال السید شریف الجرجانیؒ: حکم الاسیر کحکم سائر المسلمین فی المیراث مالم یفارق دینه فیرث ویورث منه لان المسلم من اهل دار الاسلام اینما کان۔ (الشریفیة ص۱۴۲ فصل فی الاسیر) لـه

شیعہ سنی کے مابین میراث کا حکم

سوال:۔ کیا کوئی شیعہ کسی سنی کے مال میں شرعاً میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شیعہ (روافض) کے مختلف گروہ ہیں جو شیعہ کفریہ عقائد مثلاً الوہیتِ حضرت علیؓ اور قذفِ سیدہ حضرت عائشہؓ وغیرہ کے قائل ہوں تو اختلافِ دین کی وجہ سے شیعہ سنی کا وارث نہیں ہوسکتا البتہ جو شیعہ غالی نہ ہوں تو صرف بدعت مانع ارث نہیں۔

قال العلامة السجاوندی رحمه الله: والمانع من الارث الاربعة......

لـه وفی الهندیة: وحکم الاسیر کحکم سائر المسلمین فی المیراث مالم یفارق دینه فان فارق دینه فحکمه حکم المرتد فان لم یعلم ردته ولا حیاته ولا موته فحکمه حکم المفقود۔ (الفتاوی الهندیة ج۶ ص۴۵۷ الباب الثامن فی المفقود والاسیر الخ)

ومثله فی السراجی ص۷۵ فصل فی الاسیر۔

والقتل الذی یتعلق بہ وجوب القصاص او الکفارۃ..... واختلاف الدینین ای اسلامًا وکفرًا۔ (السراجی ص۵ فصل فی الموانع) [1]

مُرتد کسی مسلمان کی میراث کا حقدار نہیں

سوال:۔ میرا بھائی امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے گیا وہاں وہ عیسائی بن گیا، تو کیا والد صاحب کی وفات کے بعد اس کو میراث میں حصّہ دیا جائے گا یا نہیں؟ جبکہ وہ اپنے حصۂ میراث کا مطالبہ کرتا ہے۔

الجواب:۔ ارتداد مانع ارث ہے۔ اسی بناء پر مُرتد ہونے کی وجہ سے آپ کا بھائی بھی باپ کے مالِ وراثت کا حقدار نہیں رہا۔

قال العلامۃ سید شریف جرجانیؒ: واما المرتد فلا یرث من احد لا من مسلم ولا من مرتد مثلہ لانہ جانٍ بارتدادہ فلا یستحق الصلۃ الشرعیۃ التی ھی الارث بل یحرم عقوبۃ ما لقاتل بغیر حق۔ (الشریفیۃ ص۱۴۱ فصل فی المرتد)۔ [2]

مرتدہ عورت کے ترکہ کا حکم

سوال:۔ ایک مسلمان عورت روس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئی تو وہاں وہ اسلام کو چھوڑ کر مُرتد ہو گئی، اور اب اس کا انتقال ہو گیا ہے تو شرعًا کون اس کے ترکہ کا حقدار ہے؟

الجواب:۔ ارتداد اگرچہ مانع ارث ہے مگر عورت اس سے مُستثنیٰ ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس مرتدہ عورت کی موت کے بعد اس کا ترکہ اُس کے ورثاء میں

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: اختلاف الملتین اسلامًا وکفرًا۔ قال السید احمد الطحطاویؒ: ای من جھۃ الاسلام والکفر اما اختلافھما من جھۃ الیھودیۃ والنصرانیۃ فلا یکون مانعًا وھذا التقیید لا بد منہ ...... واما عدم توریث الکافر من المسلم فبالاجماع۔
(طحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج۴ ص۳۷۸ کتاب الفرائض)
وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج۴ ص۳۵۵ کتاب الفرائض۔

[2] وفی الھندیۃ: المرتد لا یرث من مسلم ولا من مرتد مثلہ۔
(الفتاوٰی الھندیۃ ج۶ ص۴۵۵ الباب السادس فی میراث اھل الکفر)
وَمِثْلُہٗ فی السراجی ص۴۷ فصل فی المرتد۔

بطریقۂ شرعی تقسیم ہوگا۔

قال العلامۃ السید شریف الجرجانیؒ: وکسب المرتدۃ جمیعًا ای سواء اکتسبتہ فی اسلامھا او فی ردتھا قبل اللحوق بدار الحرب لورثتھا المسلمین بلا خلاف بین اصحابنا۔ (الشریفیۃ ص۱۲۰ فصل فی المرتد) [1]

ہیجڑے کی میراث کی حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک ہیجڑا جس کے داڑھی بھی ہے اگر اُس کا باپ، ماں یا کوئی اور رشتہ دار مرجائے تو میراث میں اس کا کتنا حصہ ہوگا؟

الجواب:۔ اگر ہیجڑے پر مردوں کے آثار موجود ہوں تو اُسے مردوں جتنا حصہ ملے گا اور اگر عورتوں کے آثار زیادہ ہوں تو عورتوں جتنے حصے کا حقدار ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس ہیجڑے کی داڑھی آچکی ہے جوکہ مردوں کی علامت ہے اس لیے اس کا حصۂ میراث مردوں جتنا ہوگا۔

قال العلامۃ السید شریف الجرجانیؒ: فلا بد اَن یزول الاشکال بظھور العلامۃ لانہ ان جامع بذکرہ اونبتت لہٗ لحیتہ او احتلم کاحتلام الرّجل فھو رجلٌ۔ (الشریفیۃ ص۱۲۵ فصل فی الخنثیٰ) [2]

مرنے والے کا قرضہ نکل آنے پر تقسیمِ ترکہ کالعدم ہوجاتی ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بیٹا طاہر جمال تقریبًا ۱۳ سال ملائشیا میں رہا، جب وہ گاؤں واپس آیا

---

[1] وفی الھندیۃ: والمرتدۃ اذا ماتت قسم مالھا بین ورثتھا علیٰ فرائض اللہ تعالیٰ سواء کان کسب الاسلام اوکسب الردۃ کلا الکسبین یصیر میراثًا عنھا۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۶ ص۴۵۵ الباب السادس فی میراث اھل الکفر)
وَمِثْلُہٗ فی السراجی ص۷۵ فصل فی المرتد۔

[2] وفی الھندیۃ: فاذا بلغ الخنثیٰ وخرجت لحیتہ اووصل الی النساء فھو رجلٌ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۶ ص۴۵۷ الباب التاسع فی میراث الخنثیٰ)
وَمِثْلُہٗ فی السراجی ص۶۵ فصل فی الخنثیٰ۔

تو یہاں ہم نے قرضہ لے کر اس کی شادی کی، کچھ عرصہ بعد وہ سخت بیمار ہو گیا تو اس کا علاج بھی قرضہ لے کر کرایا اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا، بعد از وفات بینک میں اس کے ۱۴ لاکھ روپے موجود تھے جو کہ بذریعہ عدالت ورثاء میں تقسیم کئے گئے، اس کے بعد اس کے ذمے کافی قرضہ نکل آیا۔ تو کیا اس قرضہ کی ادائیگی کے لیے ورثاء سے رجوع کیا جا سکتا ہے یا نہیں یا اس قرضہ کو ادا کرنے کا میں ہی ذمہ دار ہوں؟

الجواب:۔ کسی کی وفات کے بعد اس کے جملہ مال سے اوّلاً چار حقوق منہا کئے جائیں گے، اور پھر بقیہ مال ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

وفی الهندیة: الترکة تتعلق بها حقوق اربعة جهاز المیت ودفنه والدّین والوصیة والمیراث فیبدأ اولاً بجهازه وکفنه وما یحتاج الیه فی دفنه بالمعروف۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض)

قال الشیخ السید شریف الجرجانیؒ: ثم تقضی دیونه من جمیع ما بقی من ماله ای یبدأ بقضاء دینه من جمیع ماله الباقی بعد التجهیز والتکفین وهذا هو الثانی فی الاربعة۔ (الشریفیة ص۵ کتاب الفرائض)

اور اگر لاعلمی یا دھوکہ دہی کی وجہ سے مرنے والے کا جملہ ترکہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جائے تو یہ تقسیم صحیح نہیں بلکہ از سرِ نو قرضہ وغیرہ منہا کر کے بقیہ میراث کو ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

کما فی مجلة الاحکام: اذا ظهر دَین علی المیت بعد قسمة الترکة تنسخ القسمة۔

قال العلامة سلیم رستم بازؒ: تحت مادة سواء کان الدّین محیطاً بالترکة اولا اما الاوّل فظاهر لانه یمنع الملك فیمنع التصرف واما الثانی فتعلق حق الغرباء بالترکة شائعاً ولان القسمة مؤخرة عن قضاء الدین لحق المیّت۔

(شرح المجلة ص۶۲۱ الفصل السابع فی فسخ القسمة واقالتها)

لہٰذا بشرطِ صحتِ سوال صورتِ مسئولہ میں بھی مرحوم بیٹے کے ذمہ قرض کی ادائیگی اس کے باپ کے ذمے نہیں بلکہ تقسیم وراثت کالعدم متصوّر ہو کر جملہ ترکہ سے قرضہ منہا کیا جائے گا اور بقیہ مال ورثاء میں تقسیم ہو گا، اس لیے مرحوم کے باپ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ دیگر ورثاء دَین (قرض) کی ادائیگی کرے چاہے ورثاء میں اس کی بیوہ ہو یا ماں باپ ہوں۔

رضاعت موجب میراث رشتہ نہیں

سوال:۔ کیا رضاعی بیٹے کو باپ کی میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ مرحوم کے اس رضاعی بیٹے کے علاوہ چچازاد بھائی بھی ہیں؟

الجواب:۔ وراثت کے حقدار صرف نسبی بھائی ہیں لہٰذا مرحوم کی جملہ جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ اس کے چچازاد بھائیوں کو ملے گی، رضاعی بیٹے کا اس کی میراث سے کوئی واسطہ نہیں۔

قال العلامة سراج الدین السجاوندیؒ: ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسنة واجماع الامة فیبدأ باصحاب الفرائض هم الذین لهم سهام مقدرة فی کتاب الله تعالیٰ ثم بالعصبات من جهة النسب الخ۔ (السراجی ص۴ کتاب الفرائض) [1]

متبنیٰ کو میراث دینے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی، محلے کے ایک دوست نے اسے اپنا بیٹا دیدیا، اس شخص نے بحیثیت باپ اس بچے کی پرورش کی، تو کیا اس شخص کی وفات کے بعد یہ لڑکا اس کی میراث کا مالک متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ یہ لڑکا مرحوم کا حقیقی نہیں بلکہ منہ بولا بیٹا ہے اور کسی کو متبنیٰ بنانا کوئی سببِ میراث رشتہ نہیں جس کی وجہ سے کوئی کسی کا وارث بن جائے، اس لیے مرحوم کا مال اس کے دیگر رشتہ داروں میں تقسیم ہوگا اور لڑکے کو بطور حقِ وراثت کچھ نہیں ملے گا البتہ اگر مرحوم نے اپنی زندگی میں تملیکاً اس کو کچھ دیا ہو تو وہ اس کا مالک ہے اور مرحوم کا کوئی رشتہ دار اس میں وراثت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

قال العلامة سراج الدین السجاوندیؒ: العصبات النسبیة......وهم اربعة اصناف جزء المیت واصله وجزء ابیه وجزء جده۔ (السراجی ص۱۸،۱۹ باب العصبات) [2]

---

[1] قال العلامة عبدالله بن المودود الموصلیؒ: ویستحق الارث برحم ونکاح وولاء۔
(الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۸۶ کتاب الفرائض)
ومثله فی الهندیة ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض۔ الباب الاول۔

[2] قال العلامة الموصلیؒ: ویستحق الارث برحم ونکاح وولاء۔
(الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۸۶ کتاب الفرائض)
ومثله فی الهندیة ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض۔ الباب الاول۔

سوتیلا باپ میراث سے محروم ہے

سوال:۔ ایک آدمی کا انتقال ہوگیا ہے اس کے ورثاء میں ایک بیوہ، دو بیٹے اور ایک سوتیلا باپ موجود ہیں، مرحوم کی میراث ان میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب:۔ حقوقِ متقدمہ کی ادائیگی کے بعد باقیماندہ مال مرحوم کی بیوہ اور دو بیٹوں میں تقسیم ہوگا جبکہ سوتیلا باپ حقِ میراث سے محروم ہوگا اس لیے کہ دونوں کے درمیان موجبِ ارث کوئی رشتہ داری نہیں۔

١٦ = ٢ × ٨

بیوہ	بیٹا	بیٹا
٢/١٦	٧/١٦	٧/١٦

قال العلامة السجاوندیؒ: العصبات النسبية...... وهم اربعة اصناف جزء الميت واصله وجزء ابيه وجزء جده۔ (السراجی ص١٩ باب العصبات)[1]

سوتیلے بیٹے کی میراث کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی بیوہ عورت سے شادی کی جبکہ بوقتِ نکاح اس عورت کا مرحوم شوہر سے ایک بیٹا بھی تھا جس نے اس آدمی کے گھر میں پرورش پائی اور وہ بھی اس کو اپنا بیٹا سمجھتا رہا، اب یہ آدمی فوت ہوگیا ہے تو کیا یہ لڑکا اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا یا نہیں، یاد رہے کہ اس لڑکے کے یہ بھائی اس کی ماں (یعنی اس عورت کے دوسرے شوہر) سے ہیں؟

الجواب:۔ چونکہ مرحوم اور اس کے سوتیلے بیٹے کے درمیان کوئی موجبِ میراث رشتہ نہیں اسلئے مرحوم کا ترکہ اس کے حقیقی بیٹوں کا ہے اور یہ لڑکا میراث سے محروم رہے گا۔

قال العلامة الموصلیؒ: ويستحق الارث برحمٍ ونكاح وولاءٍ۔

(الاختيار لتعليل المختار ج٥ ص٨٦ کتاب الفرائض)[2]

---

[1] قال العلامة الموصلیؒ: ويستحق الارث برحمٍ ونكاح وولاءٍ...... ثم اصله وهو الاب والجد ثم جزء ابيه ثم بنوهم الخ۔ (الاختيار لتعليل المختار ج٥ ص٨٦٠ کتاب الفرائض)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج٦ ص٤٤٧ کتاب الفرائض، الباب الاول۔

[2] وفی الهندية: ويستحق الارث باحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة والسبب وهو الزوجية والولاء۔ (الفتاوی الهندية ج٦ ص٤٤٧ کتاب الفرائض، الباب الاول)

دو بیویوں کی اولاد میں میراث کی تقسیم کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی بیوی سے میرے علاوہ میری دو بہنیں بھی ہیں، اور دوسری بیوی سے تین بیٹے ہیں جبکہ میری والدہ کا والد صاحب سے پہلے انتقال ہو گیا ہے، تو کیا والد صاحب کا ترکہ ان کی سب اولاد میں برابر تقسیم ہوگا یا ہم حقیقی بہن بھائی کو کم اور دوسروں کو زیادہ ملے گا؟

الجواب:۔ میراث کی تقسیم میت کے ساتھ رشتے کی بناء پر ہوتی ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ مرحوم کے ساتھ اس کی دونوں بیویوں کی اولاد کا حق برابر ہے اس لیے آپ سب میں حصۂ شرعی کے مطابق میراث تقسیم ہوگی، یعنی ماں کے حصے کے علاوہ مال کے دو حصے ایک بھائی اور دو بہنوں کو ملیں گے اور تین حصے دوسرے تین بھائیوں کو ملیں گے۔

٨٠ = ١٠ × ٨

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
١٠/٨٠	١٤/٨٠	١٤/٨٠	١٤/٨٠	١٤/٨٠	٧/٨٠	٧/٨٠

قال العلامة السجاوندیؒ: العصبات النسبية وهم اربعة اصناف جزء الميت واصله وجزء ابيه وجزء جده الاقرب فالاقرب يرجحون بقرب الدرجة اولهم بالميراث جزء الميت ای البنون۔ (السراجی ص ١٩ باب العصبات) [1]

مہر میں شوہر کا حصۂ ارث

سوال:۔ ایک عورت کو شادی کے بعد کسی وجہ سے اس کے انتقال تک اس کا حق مہر نہیں ملا جبکہ اس عورت کی کوئی اولاد بھی نہیں ہے صرف ایک باپ، دو بھائی اور شوہر زندہ ہیں، تو اب مہر کس کا حق ہے؟

الجواب:۔ حقِ مہر بھی مرحومہ کے ترکہ میں شامل ہے اس لیے مرحومہ کے دیگر اموال

---

[1] قال العلامة الموصلی رحمه الله: عصبة بنفسه وهو كل ذكر لا يدخل فی نسبته الى الميت انثى واقربهم جزء الميت وهو بنوه۔
(الاختيار لتعليل المختار ج ٥ ص ٩٢ فصل فی العصبات)
ومثله فی الهندية ج ٦ ص ٤٥١ الباب الثالث فی العصبات۔

کی طرح اس کے مہر کی رقم بھی شوہر اور باپ کے درمیان تقسیم ہوگی یعنی آدھا مہر شوہر کو اور آدھا باپ کو ملے گا بھائی محروم ہوں گے۔

قال العلامة السجاوندیؒ: اما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والربع مع الولد الخ۔ (السراجی ص۹ باب معرفة الفروض الخ)[1]

کسی وارث کو وراثت سے محروم کرنا

سوال: کیا کسی وارث کو حقِ وراثت سے محروم کرنا جائز ہے، اگر نہیں تو محروم کرنے والے کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کسی وارث کو حقِ وراثت سے محروم کرنا جائز نہیں، ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا تاہم جو فیصلہ وہ کر چکا ہے (یعنی اپنی زندگی میں اپنے جملہ اموال منقولہ وغیر منقولہ کو دیگر ورثاء میں تقسیم کر دے) نافذ ہوگا اور اس کی موت کے بعد محروم ہونے والا وارث حقِ میراث کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو وهب جمیع ماله لابنه جاز فی القضاء وهو آثم نص عن محمد هکذا فی العیون۔ (خلاصة الفتاوٰی ج۴ ص۴۰۰ کتاب الهبة قبل الفصل الثانی)[2]

بیٹیوں کو میراث سے محروم کرنا گناہ ہے

سوال: بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ نہیں دیا جاتا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

---

[1] قال العلامة الموصلیؒ: ثم تقضی دیونه ---- والربع فی فرضها وفرض الزوج والنصف فی فرض الزوج۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۸۵، ۹۲ کتاب الفرائض)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض، الباب الاوّل۔

[2] قال العلامة قاضی خان رحمه الله: رجل وهب فی صحته کل المال للولد جاز فی القضاء ویکون آثما فیما صنع۔ (فتاوٰی قاضیخان علٰی هامش الهندیة ج۳ ص۲۷۹ فصل فی الهبة الولد لولده)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۵ ص۳۹۱ الباب السادس فی الهبة للصغیر۔

الجواب:۔ باپ کے مرنے کے بعد جس طرح بیٹے اس کی میراث میں ارث کے حقدار ہیں اسی طرح بیٹیاں بھی ترکہ میں شرعاً حقدار ہیں اور یہ حق ان کو اسلام نے دیا ہے اس لیے انہیں اس شرعی حق سے محروم کرنا ناجائز و حرام ہے۔

قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو وھب جمیع مالہ لابنہ جاز فی القضاء وھو آثم نص عن محمد ھٰکذا فی العیون۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۴۰۰ کتاب الھبۃ قبل الفصل الاول) [1]

ولد الزنا اور ولد الملاعنۃ کی میراث کا حکم

سوال:۔ جس بچے کے نسب کی باپ لعان کے ذریعے نفی کردے اور پھر میاں بیوی کے مابین رشتہ ازدواج بھی ختم ہوجائے، اب سوال یہ ہے کہ جب یہ بچہ مرجائے تو اس کی میراث باپ کو ملے گی یا ماں اور اس کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگی؟

الجواب:۔ جس بچے کا نسب بذریعہ لعان باپ سے منقطع ہوجائے تو وہ ولد الزنا کی طرح ہے، اب چونکہ اس کا رشتہ نسب صرف ماں سے ثابت ہے اس لیے اس کی میراث بھی ماں اور اس کے رشتہ دار لیں گے اور باپ حق میراث سے محروم رہے گا۔

قال العلامۃ الموصلیؒ: وعصبۃ ولد الزنا وولد الملاعنۃ موالی امھما لانہ لااب لہ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم الحق ولد الملاعنۃ بامہ فصار کشخص لاقرابۃ لہ من جھۃ الاب فیرثہ قرابۃ امہ ویرثھم۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۹۴ فصل فی العصبات) [2]

---

[1] قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ: رجل وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز فی القضاء ویکون آثما فیما صنع۔ (فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج۳ ص۲۷۹ فصل فی ھبۃ الوالد لولدہ)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۵ ص۳۹۱ الباب السادس فی الھبۃ الصغیر۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وعصبۃ ولد الزنا وولد الملاعنۃ مولی الام ..... وھی ان ولد الزنا یرث من امہ میراث اخ لام ..... وولد الملاعنۃ یرث من توأمہ میراث اخ لابوین۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۵ ص۴۹۵ کتاب الفرائض)

ومثلہٗ فی امداد الفتاوی ج۴ ص۳۴۰ کتاب الفرائض۔

دو رشتہ والے کی میراث کا حکم

سوال :- ایک آدمی فوت ہوگیا ہے اور اس کے ورثاء میں ایک بیوہ مسماۃ گل بینہ، دوسرا وارث مسمی جمعہ گل جو کہ باپ کے رشتے سے چچازاد بھائی اور ماں کے رشتہ سے سوتیلا بھائی ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مسمی جمعہ گل کو مرحوم کی میراث میں کتنا حصہ ملے گا؟

الجواب :- مرحوم کے ترکہ میں مسمی جمعہ گل کو دو حصے ملیں گے، ایک اخیافی بھائی ہونے کے ناطے سے اور دوسرا عصوبت کی وجہ سے، اس لیے تقسیم میراث میں مرحوم کی بیوہ کو ۱/۴ حصہ ملے گا اور باقی مال جمعہ گل کا ہوگا بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔

۴

بیوہ	جمعہ گل
۱/۴	۳/۴

پنشن کی رقم میں میراث کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب یہاں ایک آدمی کا انتقال ہوگیا ہے جو کہ فوج میں ملازم تھا اس نے اپنی پنشن بیوی کے نام پر اس عنوان سے کی تھی کہ میری وفات کے بعد میری پنشن میری بیوہ کو دی جائے، اب اس کی وفات کے بعد اس کے دوسرے ورثاء پنشن میں وراثت کا دعویٰ کرتے ہیں، تو کیا مرحوم کی بیوہ کے علاوہ دیگر ورثاء کا بھی پنشن میں حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- پنشن کا وظیفہ مال مملوکہ نہیں بلکہ سرکار کی طرف سے ایک عطیہ ہوتا ہے بناءبرایں وجہ یہ وظیفہ تقسیم میراث سے مستثنیٰ ہوگا، سرکار جس کو چاہے اور جتنا چاہے دے سکتی ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ مرحوم کے کاغذات اس کی بیوہ کے نام ہیں اور سرکار بھی اس پر راضی ہے اس لیے یہ پنشن صرف بیوہ کا حق ہے۔

لما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ : چونکہ میراث مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے اور یہ وظیفہ محض تبرع واحسان سرکار کا ہے بدون قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا لہٰذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا اس میں میراث جاری نہیں ہوگی، سرکار کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے تقسیم کردے۔ الخ (امداد الفتاویٰ جلد۴ ص۳۴۲ کتاب الفرائض)

میت کی جملہ مملوکہ اشیاء میں ارث جاری ہونے کا حکم | **سوال**:- جناب مفتی صاحب! کیا میراث صرف میت کی جائیداد میں جاری ہوگی یا گھر اور اس کے ساز و سامان اور نقدی میں بھی جاری ہوگی؟

الجواب:- کسی کی ملکیت میں جو کچھ بھی ہو اس کے مرنے کے بعد وہ سب ترکہ شمار ہوگا، چاہے مرحوم کی جائیداد ہو یا نقدی، گھر ہو یا اس کا ساز و سامان، ان سب اشیاء میں ارث جاری ہوگی اور ورثاء میں تقسیم ہوگی۔

قال الشیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشیدؒ : قال علماءُ نا رحمہم اللہ تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ۔

قال المحشی تحت لفظ الترکۃ : والمراد من الترکۃ ما ترکہ المیت خالیًا عن تعلق حق الغیر بعینہ وان کان حق الغیر متعلقا بعینہ کالرھن والعبد الجانی والمشتری قبل القبض قال صاحبہ یقدم علی التجہیز کما فی حال حیاتہ الخ۔

(الشریفیۃ شرح السراجی ص۳ کتاب الفرائض)[1]

مفقود الخبر کے ترکہ کی تقسیم کا حکم | **سوال**:- اگر کوئی شخص کئی سالوں سے لاپتہ ہو اور ہر ممکن ذریعہ سے تلاش کے باوجود اس کا اتہ پتہ معلوم نہ ہو سکے تو اس کی جائیداد کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ اس کے ورثاء میں تقسیم کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:- شریعتِ مقدسہ میں مفقود الخبر ۹۰ سال تک زندہ اور اپنی جائیداد کا مالک ہوتا ہے، اس لیے جب تک مفقود الخبر کی عمر ۹۰ سال نہ ہو جائے اور مسلمان حاکم اس کی موت کا فیصلہ نہ کر دے اُس وقت تک اس کی جائیداد کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، جب مسلمان حاکم یا قاضی کی طرف سے اس کی موت کی تصدیق و فیصلہ ہو جائے تو اُس وقت موجود ورثاء میں اس کی جملہ جائیداد بطور میراث تقسیم ہوگی اور فوت شدہ ورثاء

---

[1] قال العلامۃ الزیلعیؒ : والمراد من الترکۃ ما ترکہ المیت خالیا عن تعلق حق الغیر بعینہ الخ ۔ (تبیین الحقائق ج ۶ ص۲۲۹ کتاب الفرائض)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض ۔

محروم ہوں گے۔

قال الشیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشیدؒ: المفقود حیٌّ فی مالہ حتی لا یرث منہ احدٌ ومیتٌ فی مال غیرہ حتی لا ترث من احد ویوقف مالہ حتی یصح موتہ او تمضی علیہ مدۃ۔ واختلف الروایات فی تلک المدۃ وبعد اسطر قال بعضھم تسعون سنۃ وعلیہ الفتوٰی الخ۔ (السراجی ص۵۶،۵۷ فصل فی المفقود) [۱]

عصبہ کی موجودگی میں ترکہ میں نواسیوں کے حصہ کا حکم

سوال:۔ ایک عورت فوت ہوگئی ہے اس کے ورثاء میں دو نواسیاں (بیٹی کی بیٹیاں)، دو بھائی اور شوہر زندہ ہیں، اب نواسیوں کو نانی کی میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ ان کی والدہ نانی سے قبل ہی فوت ہوگئی ہے؟

الجواب:۔ نواسیوں کا شمار ذوالارحام میں ہوتا ہے، عصبہ کی عدم موجودگی میں ان کو نانا یا نانی کی میراث میں حصہ ملے گا، صورتِ مسئولہ میں چونکہ مرحومہ کے دو بھائی ہیں جو اس کے عصبہ میں سے ہیں اس لیے اس کا جملہ ترکہ اس کے شوہر اور بھائیوں میں بقدرِ حصۂ شرعی تقسیم ہوگا اور نواسیاں محروم ہوں گی۔

وفی الھندیۃ: وانما یرث ذوی الارحام اذا لم یکن احد من اصحاب الفرائض ممن یرد علیہ ولم یکن عصبۃ الخ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ص۴۵۹ ج۶ الباب العاشر فی ذوی الارحام) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: قال مشائخنا مدار مسئلۃ المفقود علیٰ حرف واحد ان المفقود یعتبر حیاً فی مالہ ومیتاً فی مال غیرہ حتی ینقضی من یعلم انہ لا یعیش الیٰ مثل تلک المدۃ الا تموت اقرانہ وبعد ذلک یعتبر میتاً فی مالہ۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۶ ص۴۵۶ الباب الثامن فی المفقود والاسیر)

[۲] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: ولا شیئ لذوی الارحام مع العصبۃ او مع صاحب الفرائض الخ۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۴ ص۳۱۹ جنس آخر فی ذوی الارحام واما الصنف الرابع الخ)

ومثلہٗ فی السراجی باب ذوی الارحام ص۳۵

اعیانی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کا میراث سے محروم ہونا

سوال:- یہاں ہمارے علاقہ میں ایک شخص فوت ہو گیا ہے جس کے ورثاء میں تین بیٹیاں، ایک اعیانی بہن اور بھائی، ایک علاتی بھائی زندہ ہیں، تو کیا اعیانی بہن بھائی کی موجودگی میں سوتیلے یعنی باپ شریک بھائی کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:- اعیانی بہن بھائی کی موجودگی میں علاتی اور اخیافی بہن بھائی میراث سے محروم ہوں گے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مرحوم کا ترکہ اس کی تین بیٹیوں اور اعیانی بہن بھائی میں تقسیم ہوگا اور سوتیلا بھائی محروم ہوگا، نقشہ درج ذیل ہے:-

مسئلہ ۹ = ۳×۳

بنت	بنت	بنت	اخ للاب وام	اخ للاب	اخت لاب وام
۲/۹	۲/۹	۲/۹	۲/۹	محروم	۱/۹

قال الشیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشیدؒ: ان ذی القرابتین اولیٰ من ذی قرابۃ واحدۃ ذکراً کان او انثیٰ لقولہ علیہ السلام ان اعیان بنی الاُم یتوارثون بنی العلات کالاخ لاب ام اذا صارت عصبۃ مع البنت اولیٰ من الاخ لاب الخ۔

(السراجی ص۱۴ باب العصبات)

میراث میں مطلقہ کے حصے کا حکم

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی عدت گذر جانے کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا اب اس کی مطلقہ بیوی حقِ میراث کا دعویٰ کرتی ہے، تو کیا اس کو سابقہ خاوند کے ترکہ سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:- مطلقہ عورت عدت گذر جانے کے بعد خاوند کے لیے اجنبی بن جاتی ہے، اس لیے مطلقہ کو عدت گذر جانے کے بعد میراث میں حصہ نہیں ملے گا کیونکہ میت کے ورثاء کا حق ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مطلقہ کا دعویٰ ارث صحیح نہیں ہے۔

وفی الھندیۃ: ولو طلقھا طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم مات وھی فی العدۃ فکذلک عندنا ترث ولو انقضت عدتھا ثم مات

لم ترث الخ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) ۱؎

بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت فوت ہوجائے اور اس کے ورثاء میں شوہر، بھائی اور باپ زندہ ہے، تو کیا اُس عورت کا کفن اس کے مہر سے بنایا جائے گا یا اس کا جملہ خرچہ شوہر برداشت کرے گا؟

الجواب:۔ چونکہ کفن عورت کا لباس ہے اور لباس شرعاً شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے، لہٰذا جب عورت فوت ہوجائے تو اس کے کفن کا خرچہ شوہر برداشت کرے گا اس کے حق مہر سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: واختلف فی الزوج والفتوٰی علیٰ وجوب کفنھا علیہ عند الثانی وان ترکت مالاً خانیۃ ورجحہ فی البحر بانہ الظاھر لانہ ککسوتھا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۸۱۰ باب صلوٰۃ الجنائز) ۲؎

اپنا حصہ میراث کسی دوسرے حصہ دار پر فروخت کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے والد صاحب کا چند ماہ قبل انتقال ہوگیا ہے اور انہوں نے کافی جائیداد ترکہ میں چھوڑی ہے، میں ایک غریب آدمی ہوں کیا میں اپنا حصہ میراث اپنے بھائیوں میں سے کسی ایک بھائی پر فروخت کرسکتا ہوں یا نہیں؟ جبکہ میرے علاوہ دوسرے ورثاء ابھی جائیداد کو تقسیم نہیں کرنا چاہتے؟

الجواب:۔ آپ چونکہ اپنے والد صاحب کے فوت ہوجانے کے بعد ان کے ترکہ میں

۱؎ قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ: وان ابانھا بغیر سوالھا ثم مات وھی فی العدۃ ورثتہ عندنا وان مات بعد انقضاء العدۃ لم ترث الخ۔
(فتاوٰی قاضیخان ج ۲ ص۲۷۳ کتاب الطلاق فصل فی المعتدۃ التی ترث)
وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج ۲ ص۱۰۹ کتاب الطلاق، باب طلاق المریض۔

۲؎ وفی الھندیۃ: ومن لم یکن لہ مال فالکفن علیٰ من تجب علیہ النفقۃ الا الزوج فی قولہ محمدؒ وعلیٰ ابی یوسفؒ یجب الکفن علی الزوج وان ترکت مالا وعلیہ الفتوٰی ھٰکذا فی قاضی خان۔
(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۱۶۱ الفصل الثالث فی التکفین)۔ وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی قاضیخان علیٰ ہامش الھندیۃ ج ۱ ص۱۸۹ فصل فی غسل المیت الخ

حصۂ شرعی کے حقدار ہیں اور وہ حصّہ آپ کی ملکیت ہے اس لیے آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ آپ نے حصّہ کی جائیداد تقسیم سے قبل یا بعد اپنے بھائیوں میں سے کسی ایک پر فروخت کر دیں۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ویجوز بیع احدھما نصیبه من شریکه وجمیع الصور ومن غیر شریکه بغیر اذنه۔

(الھدایة ج ۲ ص۵۸۸ کتاب الشرکة)[1]

چار بیویوں کا خاوند کے ترکہ میں حصّۂ شرعی

سوال:- ایک شخص کی چار بیویاں ہیں اور اس کی وفات کے بعد چاروں زندہ ہیں، تو کیا ہر ایک کو خاوند کے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا یا سب کا حصّۂ شرعی آٹھواں ہے جو ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا؟

الجواب:- اسلام نے اولاد کی موجودگی میں بیوی کے لیے آٹھواں حصہ مقرر کیا ہے، چاہے کسی کی ایک بیوی ہو یا زیادہ، اور اگر اولاد نہ ہو تو ۴/۱ حصہ اس کیلئے مقرر ہے اس لیے صورت مسئولہ میں مرحوم کی کل جائیداد کا ۸/۱ حصّہ اس کی چاروں بیواؤں میں برابر تقسیم کیا جائے گا اور باقی ترکہ مرحوم کی اولاد اور دوسرے ورثاء کو دیا جائے گا۔

قال العلامة السجاوندیؒ: اما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والثمن مع الولد وولد الابن وان سفل۔ (السراجی ص۷/۸ باب معرفة الفروض)[2]

---

[1] قال العلامة ابن الھمام رحمہ اللہ: ان الشرکة اذا کانت بینھما من الابتداء بان اشتریا حنطة او ورثاھا کانت کل حبة مشترکة بینھما فلیبع کل منھما نصیبه شائعًا جائز من الشریک والاجنبی۔

(فتح القدیر ج۶ ص۱۵۴ کتاب الشرکة)

[2] وفی الھندیة: وللزوجة الربع عند عدمھما والثمن مع احدھما والزوجات والواحدة یشترکن فی الربع والثمن وعلیه الاجماع۔

(الفتاوی الھندیة ج۶ ص۴۵۰ الباب الثانی فی ذوی الفروض)

[3] ومثلهٗ فی الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۸۶ کتاب الفرائض۔

پہلے شوہر کا میراث میں حصّہ نہیں ہے

سوال:- کسی مطلقہ عورت نے ایک دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور چند سال اس کے ساتھ زندگی گذارنے کے بعد فوت ہوگئی، اب اس کے ترکہ میں دونوں خاوندوں کا مال ہے، پہلا شوہر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے والے مہر میں مجھے ۱/۴ حصہ مال ملنا چاہیے جبکہ اس عورت کے شوہر ثانی سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں بھی ہیں، کیا شرعاً پہلے خاوند کو عورت کے ترکہ میں حصّہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:- طلاق دے کر عدت گذر جانے کے بعد میاں بیوی کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جاتے ہیں جبکہ میراث کے لیے رشتہ ارث ضروری ہے۔ صورتِ مسئولہ میں جہاں تک عورت کے پہلے شوہر کے حقِ مہر کا تعلق ہے تو وہ عورت کی ملکیت ہے اس میں سابقہ شوہر کا کوئی تعلق نہیں اسلئے عورت کا جملہ ترکہ اس کے شوہرِ ثانی، تین بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیم ہو گا۔

مرحومہ ۴ × ۸ = ۳۲

شوہرِ اول	شوہرِ ثانی	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
محروم	۸/۳۲	۶/۳۲	۶/۳۲	۶/۳۲	۳/۳۲	۳/۳۲

وفی الهندیة : لو طلقها طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم مات وهی فی العدة فکذلك عندنا ترث ولو انقضت عدتها ثم مات لم ترث وهذا اذا طلقها من غیر سؤالها فاما اذا طلقها بسؤالها فلا میراث لها۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض)

بھتیجوں کی موجودگی میں بھتیجیاں میراث سے محروم ہوں گی

سوال:- ایک شخص کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے ورثاء میں صرف چھ بھتیجے اور چار بھتیجیاں زندہ ہیں، اب بھتیجیاں چچا کے ترکہ میں میراث کا مطالبہ کرتی ہیں، تو کیا ان کو شرعاً چچا کے ترکہ میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں مرحوم کے جملہ ترکہ میں صرف اس کے بھتیجے حقدار ہیں اور بھتیجیوں کو چچا کے ترکہ سے کچھ بھی نہیں ملے گا وہ شرعاً محروم ہوں گی، مرحوم کا جملہ ترکہ چھ بھتیجوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔

قال العلامة السجاوندیؒ: العصبات النسبیة.... ثم جزء أبیه ای الاخوة ثم بنوهم وان سفلوا ثم جزء جده۔ (السراجی ص۱۴ باب العصبات) ؎۱

نکاح ثانی کرنے سے عورت کا حصہ میراث ختم نہیں ہوتا

سوال:- جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب ۱۹۸۶ء میں فوت ہوگئے ہیں اور انہوں نے نقد رقم کے علاوہ کچھ جائیداد بھی ترکہ میں چھوڑی ہے، والد صاحب کی وفات کے چھ ماہ بعد ہی والدہ نے دوسرا نکاح کرلیا، اب وہ والد صاحب کے جملہ ترکہ میں اپنے حصّہ کا مطالبہ کررہی ہیں، تو کیا شرعاً والدہ کا اس ترکہ میں حصہ بنتا ہے یا نہیں جبکہ انہوں نے نکاح ثانی بھی کرلیا ہے؟

الجواب:- میاں بیوی کا رشتہ موجبِ ارث رشتہ ہے، خاوند کی وفات کے بعد وہ ترکہ میں حصہ شرعی کی حقدار ہے، عدت گذارنے کے بعد دوسرا نکاح کرنے سے میراث میں حصہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے آپ کی والدہ کا اپنے مرحوم خاوند کے ترکہ میں حصّہ شرعی کا دعویٰ صحیح ہے جو کہ اس کو دینا چاہیئے۔

لقوله تعالیٰ: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ؕ (سورة النساء آیت ۱۲) ؎۲

؎۱ وفی الهندیة: وباقی العصبات ینفرد بالمیراث ذکورهم دون اخواتهم وهم اربعة ایضاً العم وابن العم وابن الاخ وابن المعتق الخ

الفتاوی الهندیة ج۶ ص۴۵۱

الباب الثالث فی العصبات

؎۲ قال العلامة السجاوندی رحمه الله: اما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والثمن مع الولد وولد الابن وان سفل۔

(السراجی ص۸،۷ باب معرفة الفروض ومستحقیها)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۶ ص۴۵۰ الباب الثانی فی ذوی الفروض۔

اولاد کی موجودگی میں والدین کا حصۂ شرعی متاثر نہیں ہوتا

سوال:- کیا اولاد کی موجودگی میں والدین کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ والدین کا معقول ذریعہ آمدنی بھی ہے اور اولاد کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں؟

الجواب:- ولدیت کا رشتہ موجب إرث ہے اولاد کا وجود اس کے لیے مانع نہیں اور نہ والدین کے ذرائع آمدنی سے ان کا حصۂ میراث متاثر ہوتا ہے، اس لیے اولاد کی موجودگی میں بھی والدین کو ۱/۶ حصۂ میراث ملے گا۔

لقولہ تعالیٰ: وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ (سورۃ النساء آیت ۱۱) [1]

حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقم میں میراث کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! میرا شوہر سیلاب میں ڈوب کر فوت ہوگیا ہے، حکومت نے سیلاب میں مرنے والوں کی بیواؤں کو ۵۰/۵۰ ہزار روپے امداد کے طور پر دیئے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور میرے چار معصوم بچے ہیں اور اس امدادی رقم کے علاوہ میری گذران کا اور کوئی ذریعہ بھی نہیں، اب میرا سسر اس ۵۰ ہزار روپے میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا شرعاً حکومت کی طرف سے ملنے والی اس امدادی رقم میں میرے سسر کا کوئی حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ کے مطابق جو مال حکومت نے مرحوم کی بیوہ کو دیا ہے وہ حکومتی امداد ہے جو مرحوم کی بیوہ کے ساتھ مخصوص ہے اس میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوں گے اس لیے کہ یہ مال مرحوم کا ترکہ نہیں ہے جبکہ میراث

---

[1] قال العلامۃ السجاوندیؒ: اما الاب..... وھو السدس وذلک مع الابن او ابن الابن وان سفل..... اما للام فاحوال ثلث السدس مع الولد او ولد الابن وان اسفل
(السراجی ص ۱۱، ۱۶ باب معرفۃ الفروض ومستحقیھا)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۶ ص ۴۴۸ کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض۔

ترکہ میں جاری ہوتی ہے۔

قال العلامة محمد الطوریؒ : تحت قوله (يبدأ من تركة الميّت) المراد من التركة ما تركه الميت خاليا عن تعلق حق الغير بعينه۔
(البحر الرائق ج ۸ ص۴۸۹ كتاب الفرائض) لـه

باپ کی زندگی میں میراث کا دعویٰ کرنا

سوال:- ایک شخص اپنی زندگی میں اپنی جملہ جائیداد کو فروخت کرنا چاہتا ہے مگر اس کا ایک بیٹا اُسے جائیداد فروخت کرنے سے روک رہا ہے اور اپنے حصہ کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا بیٹا باپ کی زندگی میں اُس سے اپنے حصۂ میراث کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- باپ اپنی مملوکہ جائیداد میں خود مختار ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرّف کرسکتا ہے، کوئی بیٹا اس کو شرعاً منع نہیں کرسکتا، اور نہ ہی باپ کی زندگی میں اس کی جائیداد میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله ، ولو وهب جميع ماله لابنه جاز في القضاء وهو آثم نص عن محمدؒ۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۴۰۰ كتاب الهبة ، قبيل الفصل الثاني) ٢ـه

لـه قال العلامة الدكتور وهبة الزحيلي : الموروث هو التركة ويسمى أيضاً ميراثا وارثا وهو ما يتركه المورث من المال او الحقوق التي يمكن ارثها عنه كحق القصاص وحبس المبيع لاستيفاء الثمن وحبس المرهون لاستيفاء الدين۔ (الفقه الاسلامي وادلته جلد ۸ ص۲۴۹ الباب السادس الميراث)

٢ـه قال العلامة قاضي خانؒ ، رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثما فيما صنع ۔ (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۳ ص۲۷۹ فصل في الهبة الولد لولده)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج۵ ص۳۹ الباب السادس في الهبة الصغير۔

منافع بھی ترکہ میں شامل ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب کسی کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے جس میں والد صاحب کے چار لاکھ روپے تھے، مشترکہ کاروبار بڑے اچھے طریقے سے چل رہا تھا کہ اچانک والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اب دس سال بعد ہم اس سرمایہ کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں جبکہ اس چار لاکھ روپے کے ساتھ ۲ لاکھ منافع بھی ہوچکا ہے، تو کیا اب ہم تقسیم چار لاکھ کی کریں گے یا منافع کی رقم بھی شامل کرنی ہوگی؟

الجواب:۔ منافع چونکہ شرعًا اصل زر کا تابع ہوتا ہے، اس لیے منافع اور اصل رقم کو ملاکر تقسیم کیا جائے گا، یعنی آپ لوگ کل ۶ لاکھ روپے آپس تقسیم کریں گے۔

قال العلامة محمد الطوریؒ: تحت قوله (يبدأ من تركة الميت الخ) المراد من التركة ما تركه الميت خاليًا من تعلق حق الغير بعينه الخ

(البحرالرائق ج ۸ ص۴۸۹ کتاب الفرائض) [1]

قبر کے لیے جگہ کی قیمت میّت کے ترکہ سے دی جائے گی

سوال:۔ اکثر شہری علاقوں میں قبر کے لیے جگہ قیمتًا ملتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبر کی قیمت کس مال سے ادا کی جائے گی یعنی میت کے ترکہ سے واجب الادا ہوگی یا ورثاء اپنے مال سے دیں گے؟

الجواب:۔ میّت کے کفن دفن یعنی تجہیز وتکفین پر آنے والے اخراجات میت کے جملہ ترکہ سے ادا کیے جائیں گے۔ لہٰذا جہاں کہیں قبر کی جگہ قیمتًا ملتی ہو تو اس کی قیمت میت کے ترکہ سے ادا کی جائے گی۔

وفی الهندية: التركة تتعلق بها حقوق اربعة جهاز الميّت ودفنه والدّين والوصيّة والميراث فيبدأ اولا بجهازه وكفنه وما

---

[1] قال العلامة وهبة الزحيلي: الموروث هو التركة ويسمى ايضًا ميراثا وهو ما يتركه المورث من المال او الحقوق التي يمكن ارثها عنه كحق القصاص وحبس المبيع لاستيفاء الثمن وحبس المرهون لاستيفاء الرهن۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج۸ ص۲۴۹ الباب السادس الميراث)

یحتاج الیہ فی دفنہ بالمعروف۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۶ ص۴۴۷ الباب الاول، کتاب الفرائض) [1]

قبر کھودنے والوں کی مزدوری کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں قبر کھودنے کی مزدوری لی جاتی ہے، تو کیا قبر کھودنے والوں کی مزدوری میت کے ترکہ سے ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میت کی تجہیز وتکفین پر جتنا بھی خرچہ آئے وہ اس کے ترکہ سے ہی ادا کیا جائے گا، تاہم اگر ورثاء اپنی طرف سے دینا چاہیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ السجاوندیؒ: قال علماءنا رحمھم اللہ تعالیٰ تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ الاول یبدأ بتکفینہ وتجھیزہ من غیر تبذیر ولا تقتیر الخ

(السراجی ص۳،۲ کتاب الفرائض) [2]

شوہر بیوی کے مال میں حصۂ میراث سے محروم نہیں ہوتا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہماری بہن کو اسکے شوہر نے شادی کے ایک سال بعد اپنے گھر سے نکال دیا لیکن طلاق نہیں دی، چار پانچ سال کے بعد وہ ہمارے ہاں ہی فوت ہوگئی، اب اس کا شوہر ہماری بہن کے مال میں حصۂ میراث کا مطالبہ کر رہا ہے، تو کیا شرعاً مرحومہ کے مال میں اس کا

---

[1] قال العلامۃ السجاوندیؒ: قال علماءنا رحمھم اللہ تعالیٰ تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ الاولیٰ یبدأ بتکفینہ وتجھیزہ من غیر تبذیر ولا تقتیر ثم تقضی دیونہ من جمیع ما بقی من مالہ الخ۔ (السراجی ص۳،۲)

وَمِثْلُہٗ فی البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۶ ص۴۵۳ کتاب الفرائض الاول فی اصحاب الفرائض۔

[2] وفی الھندیۃ: الترکۃ تتعلق بھا حقوق اربعۃ جھاز المیت ودفنہ والدّین والوصیۃ والمیراث فیبدأ اولاً بجھازہ وکفنہ وما یحتاج الیہ فی دفنہ بالمعروف۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض، الباب الاوّل)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۸ ص۴۸۹ کتاب الفرائض۔

حصہ بنتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ میراث کے حصص اضطراری ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں اور بدون موانع شرعی کے ساقط نہیں ہوتے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق جب شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی ہے تو شوہر ہونے کے ناطے سے وہ بیوی کے ترکہ میں نصف یا ربع کا شرعاً حقدار ہے۔

لقولہٖ تعالیٰ : وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ ۔ (سورۃ النساء ۱۲) [1]

بہن کے مال میں بہن اور بھائیوں کا حصہ

سوال:۔ محترم جناب مفتی صاحب! ہماری بہن کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں صرف شوہر، ماں، ہم چھ بھائی اور ایک بہن زندہ ہیں، کیا مرحومہ کے ترکہ میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ جب کوئی عورت فوت ہو جائے اور اس کی نہ کوئی اولاد ہو اور نہ باپ، تو اس کے مال میں بہن و بھائی سب حصۂ شرعی کے حقدار ہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مرحومہ کا ترکہ اس کی ماں، شوہر، بہن اور بھائیوں میں مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا:

مرحومہ ۶ × ۱۳ = ۷۸

ماں	شوہر	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن
۱۳/۷۸	۳۹/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۲/۷۸

وفی الھندیۃ : فالنسبیۃ ثلاثۃ انواع عصبۃ بنفسۃ وھو کل ذکر لا یدخل

---

[1] قال العلامۃ السجاوندی رحمہ اللہ : اما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والربع مع الولد وولد الابن وان سفل۔
(السراجی ص۷ باب معرفۃ الفروض ومستحقیھا)
ومثلہٗ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۴۵۳ کتاب الفرائض، الاول فی اصحاب الفرائض۔

فی نسبتہ الی المیت انثیٰ وھم اربعۃ اصناف جزء المیت واصلہ وجزء ابیہ وجزء جدہ - (الفتاوی الھندیۃ ج ۶ ص ۴۵۱ کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات) لہ

ظالم باپ کا بیٹے کے ترکہ میں حصۂ میراث کا حکم

سوال :- ایک شخص بہت بڑا ظالم ہے اور اس نے اپنے بیٹے پر بہت ظلم کئے ہیں، اب اس کا بیٹا فوت ہوگیا ہے، تو کیا ایسے ظالم باپ کو بھی بیٹے کی میراث میں حصہ ملے گا؟

الجواب :- میراث کے حصص شرعاً مقرر شدہ ہیں ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرنا جائز نہیں اور نہ بدون موانع شرعی کے یہ حصص ساقط ہوسکتے ہیں، اس لئے صورتِ مسئولہ کے مطابق باپ اپنے بیٹے کے مال میں حصۂ شرعی کا حقدار ہے، ظلم کی وجہ سے اس کا حق ساقط نہیں ہوسکتا۔

لقولہ تعالیٰ : وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ۔

(سورۃ النساء پ ۴ آیت ۱۱) لہ ۲

لہ قال العلامۃ السجاوندیؒ ، امّا العصبۃ بنفسہ فکل ذکر لا تدخل فی نسبتہ الی المیت انثیٰ وھو اربعۃ اصناف جزء المیت واصلہ وجزء ابیہ وجزء جدہ - (السراجی ص ۱۴ باب العصبات)

لہ ۲ لما فی الھندیۃ : اما الرجال فالاول الاب فلہ ثلاثۃ احوال الفرض المحض وھو السدس مع الابن وابن الابن وان سفل والتعصیب المحض وذلک لا یخلف غیرہ فلہ جمیع المال بالعصوبۃ وکذا اذا اجتمع مع ذی فرض لیس بولد ولا ولد الابن کزوج وأمّ وجدۃ فیأخذ والفرض فرضہ فالباقی للاب بالعصوبۃ الخ - (الفتاوی الھندیۃ ج ۶ ص ۴۴۸ کتاب الفرائض، الباب الاوّل)

وَمِثْلُہٗ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۶ ص ۴۵۴ کتاب الفرائض، الاوّل فی اصحاب الفرائض۔

نافرمان بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کی بیوی نافرمان ہے اور بلاوجہ ہر وقت شوہر سے جھگڑتی رہتی ہے، اور اگر اسی حالت میں اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو کیا اس عورت کو شوہر کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ میراث میں حصص کا تعین منجانب اللہ مقرر ہے جو کہ بدون موانع شرعی کے کسی بھی صورت میں ساقط نہیں ہوتا، چاہے وارث فرمانبردار ہو یا نافرمان، اس لیے مذکورہ صورت میں بھی نافرمان بیوی کو شوہر کے مال میں چوتھایا آٹھواں حصہ ملے گا۔

لقوله تعالیٰ: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۲) [1]

حربی ذمی کا وارث نہیں ہو سکتا

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم پاکستان میں وفات پا جائے اور وہ یہاں کا شہری ہو اور اس کا باپ ہندوستان میں رہتا ہو تو کیا یہ باپ اپنے بیٹے کی میراث میں حصۂ شرعی کا حقدار ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اختلافِ دارین (دار الحرب اور دار الاسلام) بھی مانع ارث ہے، اسلئے صورتِ مسئولہ کے مطابق باپ اپنے بیٹے کی میراث میں حصے کا حقدار نہیں ہوگا اور مرنے والے کا جملہ مال دار الاسلام (پاکستان) میں رہنے والے اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

قال العلامة محمد الطوریؒ: لاخلاف بین اصحابنا ان الکافر الحربي لا یرث الذمي سواء کان الحربي مستامنا فی دارنا او فی الحرب اهل الذمة یرث بعضهم بعضاً۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۵۰۱ کتاب الفرائض)

---

[1] لما قال العلامة ابن البزاز الکردری رحمه الله: ونصیب الزوجة الربع مع کل الورثة الا مع الولد او ولد الابن فلها معهم الثمن بکل حال واحدة او اکثر یشترکن فی ذلك۔ (البزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص ۴۵۳ کتاب الفرائض، الاول فی اصحاب الفرائض)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۶ ص ۴۵۰ کتاب الفرائض، الباب الاول۔

بہن کا اپنے بھائی کے ترکہ میں میراث کا حکم

سوال :- کیا بہن اپنے بھائی کے ترکہ میں سے میراث کی حقدار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کن حالات میں؟ اور کیا اپنے باپ کے ترکہ میں میراث کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- عورت اپنے باپ کے ترکہ میں میراث کی حقدار ہوتی ہے مگر اپنے بھائی کے ذاتی مال وجائیداد میں حقدار نہیں ہوتی خصوصاً جب بھائی زندہ ہو اور وفات کی صورت میں شرعی ضابطہ کے مطابق کبھی حقدار ہوگی اور کبھی نہیں۔

وفی الهندية : الخامسة الاخوات لابٍ وأمٍّ للواحدة النّصف وللثنتين فصاعداً الثلثان ومع الاخ لابٍ وأمٍّ للذّكر مثل حظّ الانثيين ولهن الباقي مع البنات او بنات الابن۔ السادسة الاخوات لابٍ وهنّ كالاخوات لابوين عند عدمهن ___ ولهن السدس مع الاخت لابٍ وأمٍّ تكملة الثلثين ولا يرثن مع الاختين لابٍ وأمٍّ الا ان يكون معهن اخ فيعصبهن ___ السابعة للاخوات لام للواحدة السدس والثنتين فصاعداً الثلث ___ ويسقط الاخوة والاخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق وبالجد عند ابي حنيفة رحمه الله۔

(الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۴۵۰ كتاب الفرائض الباب الثاني في ذوي الفروض)[۱]

---

[۱] قال العلامة علاء الدين الحصكفي رحمه الله : فيبدأ بذوي الفروض وهم اثنا عشر من النسب ثلاثة من الرجال (هم الاب والجد والاخ لام) وسبعة من النساء (هن البنت وبنت الابن والاخت الشقيقة والاخت لاب والاخت لام والجدة واثنان من النسب وهما الزوجان الخ

{الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۵۳۸ كتاب الفرائض}

ومثله في البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۵۴۳ كتاب الفرائض، الفصل الاول في اصحاب الفرائض۔

مطبوعات مؤتمر المصنّفین (۱٦)

قادیانیّت
اور
مِلّتِ اسلامیّہ کا موقف

۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختم نبوت کے دوران قومی اسمبلی پاکستان میں
ملّتِ اسلامیہ کا وہ بیان استغاثہ جس پر قومی اسمبلی نے
بالاتفاق دستور میں قادیانیوں کو غیر مُسلم قرار دیا

پیشکش
مُؤتَمَرُ المُصَنِّفِین
دار العلوم حقّانیہ، اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

مطبوعات مؤتمر المصنفین (۴)

الحاوی

بحث علی

مشکلات الطحاوی

رشحات فکر

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمہ اللہ

مولانا عبداللطیف رحمہ اللہ، مولانا مفتی سعید احمد رحمہ اللہ، مولانا اسعد اللہ رحمہ اللہ

ترتیب و تالیف

قاری سعید الرحمٰن

مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر

مؤتمر المصنفین

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

پاکستان

سلسلۂ مطبوعات مؤتمر المصنفین (۳۸)

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

جلد ۲

ترتیب

مولانا عبدالقیوم حقانی

رفیق "مؤتمر المصنفین" و اُستاذ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جناب مدیر "الحق" مولانا سمیع الحق کے سوالنامہ کے جواب میں مشائخ، مشاہیر علماء، ممتاز سکالرز، دانشوروں اور قومی و ملی زعماء کے علمی و مطالعاتی تاثرات اور مشاہدات پر مبنی وقیع مضامین کا مجموعہ،

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق
مولانا سید محمد یوسف بنوری
مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم
مولانا شمس الحق افغانی
شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید
مولانا ظفر احمد عثمانی
مولانا اطہر علی بنگلہ دیشی
قاضی زین العابدین میرٹھی
مولانا محمد ابراہیم جان مجددی
مولانا سمیع الحق مدظلہ
مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی
مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی
پروفیسر محمد اشرف پشاور
مولانا لطافت الرحمن
مولانا محمد اسحاق سندیلوی
مولانا عبدالقدوس ہاشمی
علامہ مولانا مارتونگ
ڈاکٹر محمد صغیر حسن
ڈاکٹر حمید اللہ پیرس
ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

مؤتمر المصنفین
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، سرحد (پاکستان)

مطبوعات مؤتمر المصنّفین [۲۱]

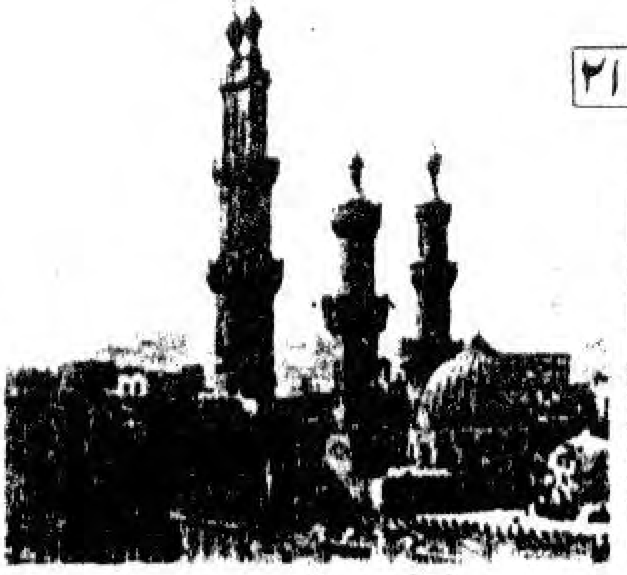

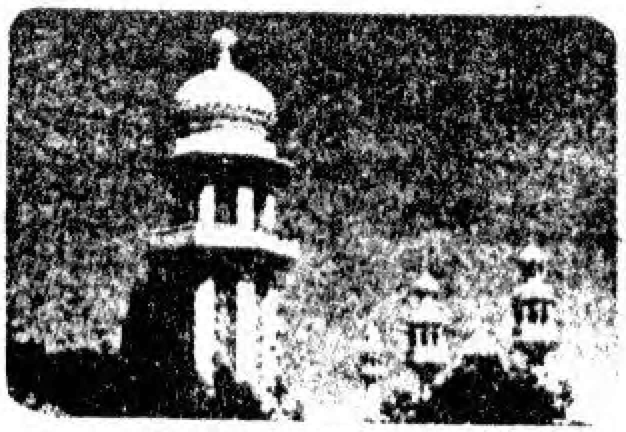

دار العلوم حقانیہ سے جامعۃ الازہر تک

پیش لفظ — حضرۃ مولانا سمیع الحق مدیر الحق

تالیف — مولانا مفتی غلام الرحمٰن

- مصر، جامعۃ ازہر اور حرمین شریفین کا تازہ اور دلچسپ سفرنامہ، مصر کی قدیم و جدید تاریخ، ثقافت و معاشرت، مادیت و مغربی تہذیب کی یلغار، اور نقد و تبصرہ۔
- جامعۃ ازہر کی اہمیت، تعلیمی ادوار، عروج و ارتقاء، مشائخ ازہر اور اکابر علماء کے حالات۔
- اہم تاریخی اور مذہبی یادگاروں کا تذکرہ، سبق آموز واقعات اور دیار حبیب میں عاشقانہ حاضری کی محبت بھری روئیداد، سہل و سلیس اور دلچسپ انداز بیان۔

مؤتمر المصنّفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پشاور — پاکستان